ہزاروں مسائل شرعیہ کا
بیش بہا خزانہ

فتاویٰ اجملیہ

بدر الفقہاء حضرت علامہ مفتی شاہ
مولانا محمد اجمل قادری رضوی علیہ الرحمۃ

شبیر برادرز
اردو بازار لاہور

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ الحدیث

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اُسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

ہزاروں فتاویٰ پر مشتمل مسائل شرعیہ کا بیش بہا خزانہ

اجمل الفتاویٰ

المعروف بہ

فتاویٰ اجملیہ

جلد سوم

عمدۃ المحققین سلطان المناظرین اجمل العلماء بدر الفضلاء

حضرت علامہ مفتی الشاہ محمد اجمل صاحب قادری رضوی اشرفی نعیمی علیہ الرحمۃ والرضوان

شبیر برادرز

۴۰۔ اردو بازار۔ زبیدہ سنٹر ○ لاہور

نام کتاب	=•=•=	**اجمل الفتاویٰ** المعروف بہ **فتاویٰ اجملیہ** (جلد سوم)
مصنف	=•=•=	اجمل العلماء حضرت علامہ مفتی الشاہ محمد اجمل صاحب سنبھلی
تبییض وترتیب	=•=•=	محمد حنیف خاں رضوی بریلوی صدر المدرسین جامعہ نور بریلی شریف
محرک	=•=•=	حضرت علامہ مولانا محمد منشاء تابش قصوری (صدر ادارہ ریاض المصنفین پاکستان)
مؤید	=•=•=	مولانا صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری (چیئرمین ادارہ تحقیقات رضا انٹرنیشنل کراچی)
پروف ریڈنگ	=•=•=	محمد عبد السلام رضوی - محمد حنیف خاں رضوی
کمپوزنگ	=•=•=	محمد غلام مجتبیٰ بہاری - محمد زاہد علی بریلوی - محمد منیف، رضا خاں بریلوی
	=•=•=	زین العابدین بہاری - محمد عفیف رضا خاں بریلوی
سن اشاعت	=•=•=	فروری ۲۰۰۵ء
تعداد	=•=•=	۵۰۰
ناشر	=•=•=	شبیر برادرز اُردو بازار لاہور
مطبع	=•=•=	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
قیمت	=•=•=	فی جلد 250 روپے (مکمل سیٹ 1000 روپے 4 جلد)

ملنے کے پتے

ادارہ تحقیقات رضا انٹرنیشنل رضا چوک ریگل (صدر) کراچی

ادارہ پیغام القرآن زبیدہ سنٹر 40 اُردو بازار لاہور

مکتبہ اشرفیہ مریدکے (ضلع شیخوپورہ)
مکتبہ غوثیہ ہول سیل پرانی سبزی منڈی کراچی
احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی
ضیاء القرآن پبلی کیشنز اُردو بازار کراچی
مکتبہ ضیائیہ بوہڑ بازار راولپنڈی
مکتبہ رضویہ آرام باغ روڈ کراچی
مکتبہ قادریہ عطاریہ موتی بازار راولپنڈی
مکتبہ رحیمیہ گوالی لین اُردو بازار کراچی

فہرست مسائل جلد سوم

کتاب النکاح

باب صحت نکاح

باب المحرمات

باب الرضاعت

باب الولی

باب الاذن

باب المہر

باب الجہاز

باب الکفو

باب الخلع

باب فسخ النکاح

باب الحضانت

باب حق الزوجین

کتاب الطلاق

باب طلاق بائن

باب طلاق الرجعی

باب الطلاق المغلظہ

باب الفاظ طلاق

باب اقرار طلاق

باب المتارکہ

باب الظہار

باب اللعان

باب التعلیق

باب المفقود

باب العدت

کتاب البیوع ۲۵۵

باب بیع صحیح ـ ۲۵۶

باب بیع فاسد ۲۶۱

باب سلم ۲۶۲

باب الاجارہ ۲۶۵

باب الامانت ۲۷۹

کتاب النکاح

﴿۴۷﴾

باب صحت النکاح والفساد

مسئلہ (۵۹۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور قاضیان شرع متین اس بارے میں کہ

نکاح ایک مفلوج کے ساتھ ہوا، آیا شرعا نکاح جائز ہے؟۔ جواب میں حوالہ شرعی کتب کا ہونا چاہئے۔

المستفتی ۔ داؤد خان سرائے ترین تواب خیل پرگنہ سنبھل ۔ ۲ ستمبر ۴۴ء

الجواب

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم

صورت مسئولہ میں جواز نکاح میں کیا کلام ہوسکتا ہے کہ یہ نکاح اپنے محل میں واقع ہوا۔ شرعا حل استمتاع کو مفید۔ اور شرائط نکاح سب موجود۔ موانع شرعیہ تمام مفقود۔ اور مرد کا عدم مفلوج ہونا شرائط صحت نکاح سے نہیں ۔ لہذا اہندہ کا یہ نکاح جائز وصحیح ہے۔

فتاوے قاضی خان میں ہے:

الوکیل بالنکاح من قبل المراة اذا زوجها ممن لیس بکفولها قال بعضهم یصح فی قول ابی حنیفة خلا فا لصاحبیه وقال بعضهم: لا یصح علی قول الکل وهو الصحیح وان کان کفوا الا انه اعمی او مقعد او صبی او معتوه فهو جائز وکذا اذا کان خصیا او عنینا ۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب ۔ (فتاوے قاضی خان مصطفائی ص ۱۶۱ ج ۱)

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۵۹۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور قاضیان شرع متین اس بارے میں کہ

اسلام میں مرد کس قدر عمر تک اور کس وقت تک نکاح کر سکتا ہے؟۔ یا عمر کی کوئی قید نہیں ہے، جسوقت ضرورت ہو بلا لحاظ عمر کے نکاح کرسکتا ہے۔ جواب میں حوالہ شرعی کتب کا ہونا چاہیے۔

المستفتی داؤد خاں سرائے ترین تواب خیل سنبھل۔

الجواب

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

نکاح کسی عمر میں ناجائز نہیں البتہ مستحب یہ ہے کہ جوان لڑکی کا بوڑھے سے نکاح نہ کیا جائے، ردالمحتار میں ہے: ولا یزوج ابنتہ الشابۃ شیخا کبیرا (ردالمحتار مصری ص ۴۶۹ ج ۲) واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۵۹۲)

شادی کے موقع پر لڑکی والا لڑکے والے سے روپیہ لیکر برات کا کھانا ہوسکتا ہے یا نہیں۔ زید نے اپنی لڑکی کی شادی کے موقع پر بکر یعنی لڑکے والے سے روپیہ لیکر برات کا کھانا کھلا دیا کیونکہ زید بہت غریب آدمی تھا۔ برات کو کھانا کھلا بھی نہیں سکتا تھا۔ لہذا اس نے ایسا کیا۔ اس پر دیوبندی خبیثوں نے اس طرح روپیہ لیکر کھانا کلانیکو حرام لکھدیا۔ اور ایسا ہی فتوی دیدیا۔

الجواب

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

اگر لڑکے والا برات کے کھانے کیلئے اس لالچ اور طمع میں روپیہ دیتا ہے کہ اس کی وجہ سے لڑکی والا نکاح کردیگا جیسا کہ بعض ذلیل اقوام میں اس کا دستور ہے تو یہ یقیناً رشوت وحرام ہے۔

فقہ کی مشہور کتاب عالمگیری میں ہے:

رجل انفق علی طمع ان یزوجھا قال الشیخ الامام الاستاذ الاصح انہ یرجع زوجت نفسھا اولم تزوج لانہ رشوۃ (ملخصا عالمگیری کانپور ص ۳۴ ج ۲)

ایک شخص نے ایک عورت پر اس طمع میں خرچ کیا کہ وہ اس سے نکاح کردیگا تو شیخ امام استاذ نے حکم دیا کہ اصح قول یہ ہے کہ مردوہ رقم واپس لے، عورت نکاح کرے یا نہ کرے کہ وہ رشوت ہے۔ اور اگر لڑکی والے نے کہا کہ اسقدر روپیہ دو تو نکاح کردیا جائے گا ورنہ نہیں جیسا کہ بعض دہقانی جاہلوں میں رائج ہے۔ تو یہ بھی رشوت ہے۔

فتاوی خیریہ میں ہے:

(سئل) فی امرأۃ ابی اقاربھا ان یزوجوھا الا ان یدفع طعام الزوج کذا فوعدھم بہ ھل یلزم ام لا (اجاب) لا یلزم ولودفع فلہ ان یأخذہ قائما اوھالکا لانہ رشوۃ کما فی البزازیہ۔

(فتاوی خیریہ مصری ص ۲۸ ج ۱)

اس عورت کے متعلق سوال کیا گیا جس کے رشتہ داروں نے یہ شرط کی کہ شوہر انہیں اس قدر دے تو وہ اسکا نکاح کردینگے پس شوہر نے ان سے اتنی مقدار کا وعدہ کرلیا تو وہ مقدار بذمہ شوہر لازم ہوگی یا نہیں۔ علامہ خیرالدین رملی نے جواب دیا کہ لازم ہوگی اور اگر شوہر دے چکا تو اس کے واپس لینے کا اسکو حق حاصل ہے اب چاہے وہ موجود ہو یا صرف ہو چکی ہو کہ وہ رشوت ہے جیسا کہ فتاوی بزازیہ میں ہے۔

شیخ الاسلام محمد تمرتاشی تنویر الابصار میں اور علامہ علاء الدین حصکفی اس کی شرح درمختار میں فرماتے ہیں:

اخذ اھل المرأۃ شیئا عند التسلیم فللزوج ان یستردہ لانہ رشوۃ۔

(ردالمحتار میں۔ ص ۳۷۶ ج ۲۔)

کذا فی البحر الرائق والفتاوی الھندیہ۔

لڑکی والوں نے رخصتی کے وقت کچھ لیا تو شوہر کو اس کے واپس لینے کا حق حاصل ہے، اس لئے کہ وہ رشوت ہے، اسی طرح بحرالرائق شرح کنزالدقائق اور فتاوی عالمگیری میں ہے۔

اور اگر لڑکے والا لڑکی والے کو محض بطور ہدیہ یا بغرض صلہ یا بلحاظ ہمدردی واعانت دیتا ہے کہ لڑکی والا برات کو کھانا کھلا سکے اور ایسے ضروری امور انجام دیدسکے جس کی بنا پر اسے خاندان اور قوم کے روبرو شرمندگی نہ ہو جیسا کہ ملک بنگال وبرما کا عرف ہے تو یہ نہ رشوت ہے نہ حرام۔

چنانچہ شیخ علامہ خیرالدین رملی استاذ صاحب درمختار نے فتوی دیا۔

فتاوی خیریہ میں ہے:

(سئل) فی رجل خطب من آخر اختہ ودفع لہ شیئا یسمی ملاکا ودراھم ایضا من عادۃ اھل الزوجۃ اتخاذ طعام بہ ولم یتم امر النکاح ھل للخاطب ان یرجع فیہ ام لا؟ (اجاب) نعم لہ ان یرجع بذلک بشرط عدم الاذن منہ فان اذن لھم باتخاذہ وطعامہ للناس صار کانہ اطعم الناس بنفسہ طعاما لہ وفیہ لا یرجع (خیریہ ص ۲۷ ج ۱)۔

اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے ایک شخص کو اس کی بہن کا پیغام دیا اور اس کو کچھ وہ چیز دی جس کو ملاک و دراہم کہا جاتا ہے اور عورتوں کی عادت اس سے کھانا تیار کرنیکی ہے، اور ابھی نکاح کا کام تکمیل کو نہیں پہونچا تو کیا پیغام دینے والا اسے واپس لے یا نہیں؟ علامہ نے جواب دیا کہ ہاں جب اس کی طرف سے اجازت نہیں تو وہ اس بنا پر واپس لے اور اگر اس نے لڑکی والوں کو لوگوں کے لئے کھانا پکانے اور کھلانیکی اجازت دیدی ہے تو گویا اس نے خود لوگوں کو کھانا کھلایا اور اس صورت میں اسے اس سے واپس نہیں لے سکتا۔

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ جب جانب شوہر سے لڑکی والے کو بغرض ضیافت روپیہ دیا تو اس کا ضیافت کرنا اور کھانا کھلانا گویا شوہر ہی کا ضیافت کرنا اور کھانا کھلانا ہے اس لئے وہ شوہر اس رقم کا اس سے مطالبہ بھی نہیں کر سکتا کہ ہدیہ وصلہ کا مطالبہ نہیں ہوتا ہے۔ ہمارے ملک بنگال کا جب یہ عرف ورواج ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ذلیل اقوام اور دہقان جہاں ہی کا عرف خاص نہیں ہوگا بلکہ شریف اقوام ذی علم وذی وجاہت شہری لوگوں میں بھی رائج ہوگا۔ کہ ملکی عرف ورواج کا یہی مطلب ہوتا ہے اور قابل عار بھی نہ ہوگا ۔نہ اس میں عوض وطمع اور شرط وظلم مقصود ہوگا نہ اس میں احقاق باطل اور ابطال حق مدنظر ہوگا۔ کس طرح ہو سکتا ہے بلکہ اس عرف بنگال نے متعین کر دیا کہ یہ ہدیہ وہبہ ہے یا بر وصلہ۔ یا معونت وامداد ہے، اور ان کو ناجائز وحرام کون کہہ سکتا ہے۔ معہذا شریعت نے بہت سے احکام عرف ورواج ہی پر صادر فرمائے ہیں یہانتک کہ عرف جن جن خصوصیات کیساتھ ہو، انہیں کی رعایت حکم میں ملحوظ ہے

درمختار میں ہے :المعروف کالمشروط۔ (ردالمحتار۔ص ۳۶۸ ج ۲)

قاضی خان میں ہے: یعتبر التعارف الثبت عرفا کالثابت شرطا

(ردالمحتار ص ۳۹۸ ج ۲)

ہدایہ میں ہے:ھو المتعارف فینصرف المطلق الیہ (ردالمحتار ص ۳۷۶)

ردالمحتار میں ہے:الثابت بالعرف کالثابت بالنص (ص ۳۶۷)

اسی میں ہے: الفتوی علی اعتبار عرف بلا دھما (ص ۳۶۸)

اسی میں ہے:یثبت بحکم العرف ۔ص ۳۶۸)

اسی میں ہے:والعرف فی الشرع لہ اعتبار ۔ لذا علیہ الحکم قد یدار (ص ۳۶۸)

اسی میں ہے:فلو لا العرف لکان القول قولہ۔ (۳۷۳)

اسی میں ہے:المعمد البناء علی العرف (ص ۳۷۲)

ان عبارات سے ظاہر ہو گیا کہ بعض احکام شرع کی بنا ہی عرف ورواج پر ہے اور جہیز وغیرہ رسوم شادی کے احکام عرف ورواج ہی پر مبنی ہیں۔

الحاصل جب عرف بنگال میں لڑکے والے کا لڑکی والے کو کھانا وضیافت کیلئے روپیہ دینا بلا غرض وعوض وطمع اور بغیر خیال شرط وظلم اور بلا لحاظ احقاق باطل وابطال حق کے ہے۔ اور اس سے ہدیہ وہبہ یا معاونت وصلہ مقصود ہوتا ہے تو یہ رشوت وحرم کس دلیل سے ہے۔

جن دیوبندیوں نے اسکا فتوی دیا ہے وہ بالکل غلط ہے اور تصریحات فقہ کی رو سے باطل ہے ۔یہ لوگ حقیقۃ فقہ سے ناواقف ہیں بلا سمجھے ہوئے اس طرح کے غلط فتوے لکھ کر عوام کو گمراہی کیا کرتے ہیں۔ مولی تعالی انہیں قبولِ حق کی توفیق دے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۵۹۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید اور بکر دونوں حقیقی بھائی ہیں زید کے چھوٹے بھائی بکر نے زید کی بیوی سے خفیہ طور سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا اور حالت یہاں تک پہنچی کہ بکر نے زید کی بیوی سے زنا کر لیا جس کا اقرار خود بکر نے اور زید کی بیوی نے کیا اور اس زنا سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا۔ لھذا اب سوال یہ ہے کہ زید کی بیوی کے لئے کیا حکم ہے؟ آیا وہ زید کے نکاح سے نکل گئی یا نہیں اور زید اس کو رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ براہ کرم شرعی حکم سے مدلل طریقہ پر آگاہ فرمائیں۔ فقط والسلام۔

المستفتی سراج الدین میاں ٹیٹہ گڑھ ضلع چوبیس پرگنہ۔

۱۰ رذی القعدہ ۱۳۷۱ھ ۲ راگست ۱۹۵۲ء

الجواب

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

صورت مسئولہ میں زید کی بیوی محض اس زنا کی بنا پر زید کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی۔ زید اگر اس کو اپنی زوجیت میں رکھنا چاہتا ہے تو رکھ سکتا ہے۔ ابوداؤد شریف ونسائی شریف میں حضرت عبداللہ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: "جاء رجل الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال ان لی امرأۃ لا ترد ید لامس فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طلقها قال انی احبها قال فامسکها اذاً" (مشکوۃ شریف ص ۵۷)

کہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری عورت چھونے والے کے ہاتھ کو بھی رد نہیں کرتی یعنی اپنی آپ کو کسی جماع کرنے والے سے نہیں روکتی تو حضور نے فرمایا کہ اس کو طلاق دیدے، عرض کیا میں اس سے محبت کرتا ہوں فرمایا تو اس کو اب زنا سے روک اور اسکی محافظت کر۔ (ص ۴۲)

اس حدیث سے ظاہر ہوگیا کہ زنا کی وجہ سے عورت نکاح سے خارج نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ فقہا تصریح فرماتے ہیں کہ لعان ہوجانے کے بعد بھی عورت اور شوہر میں تفریق نہیں ہوجاتی جب تک کہ قاضی ان کے مابین تفریق نہ کردے۔

شامی میں ہے: "لا تقع الفرقة بنفس اللعان قبل تفريق الحاكم وحل الوطی من غير تجديد نكاح لانها امرأته" اور یہاں تو لعان بھی نہیں لھذا وہ زید کی بیوی ہے اس سے بلاتجدید نکاح وطی حلال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب　۳۰ ذی القعدہ ۱۳۷۱ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۵۹۴)

کیا فرماتے علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہندہ کا نکاح زید سے ہوا اور ہندہ کے والد کو علم نہ تھا کہ زید دیوبندی ہے بعد نکاح علم ہوا۔ اس صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا ہندہ کا نکاح اصول اسلام کے مطابق ہوا بھی یا نہیں کہ انمیں ہندہ سنی اور زید وہابی ہے۔ دوسرا یہ کہ زید نے ہندہ کو عرصہ تین سال سے روک لیا ہے اور بھیجنا نہیں چاہتا ہے اور وجہ بھی یہی ہے جو اوپر تحریر کی گئی۔ ہندہ کے والدین نہیں چاہتے ہیں کہ ہم دیوبندی کے پاس ایک لمحہ کے لئے بھی لڑکی کو رکھیں اس سوال کا جواب مفصل مع حوالے کتب حنفیہ، حدیث وآثار عطا فرمائیں۔

الجواب

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

دیوبندی اکابر گنگوہی، نانوتوی، تھانوی، انبیٹھی نے اپنی تصنیفات میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں صریح گستاخیاں کیں۔ مفتیان عرب وعجم نے بالاتفاق فتاوے کفر دیئے تو یہ چاروں یقیناً کافر ومرتد قرار پائے۔ اب جو دیوبندی ان کے کفریات پر واقف ومطلع ہونے کے بعد بھی انکو اپنا پیشوا یا عالم دین جانیں یا ادنی درجہ کا انہیں مسلمان کہیں یا کم از کم ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

اجمع المسلمون ان شاتمه كافر وحكمه حكم القتل ومن شك فی عذابه وكفره كفر۔ (ردالمحتار ص ۲۹۹ ج ۳)

مسلمانوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرنے والا کافر ہے اور اس کا حکم قتل کرنا ہے اور جو اس کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ کافر ہوگیا۔

اور جب ایسے دیوبندیوں کا کافر ومرتد ہونا ثابت ہو چکا تو کسی مسلمہ سنی عورت کا کسی ایسے دیوبندی سے نکاح شرعاً جائز نہیں، اور اگر غلطی سے ایسا ہوگیا ہے تو وہ نکاح باطل ہے جس کی تفریق کے لئے نہ طلاق کی حاجت نہ اس پر عدت واجب۔

درمختار میں ہے:

فی مجمع الفتاوی نكح كافر مسلمة فولدت منه لا يثبت النسب منه ولا تجب العدة لان النكاح باطل۔ (ردالمحتار ص ۶۵۰ ج ۲)

مجمع الفتاوی میں ہے کہ کافر نے مسلمان عورت سے نکاح کیا پھر اس سے اولاد پیدا ہوئی تو وہ ثابت النسب نہ ہوگی۔ نہ اس پر عدت واجب ہوگی کہ یہ نکاح باطل ہے۔

حاصل جواب یہ ہے کہ جب ہندہ سنی ہے اور زید دیوبندی ہے تو زید سے ہندہ کا سرے سے نکاح نہیں ہوا۔ اور جو نام کا نکاح ہوا وہ نکاح باطل ہے۔ لھذا ہندہ فوراً زید سے جدا ہوجائے۔ اور والدین بھی اس کے پاس نہ رہنے دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۵۹۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہندہ بالغہ نے زید کو وکیل کیا کہ میرا نکاح عمر کے ساتھ پڑھا دو۔ چنانچہ زید نے مجلس نکاح میں حاضر ہوکر عمر کے ساتھ ایجاب وقبول کر دیا اور ہندہ کو رخصت بھی کر دیا۔ جب ہندہ سسرال سے اپنے باپ کے گھر آئی تو کہنے لگی کہ میرا نکاح عمر کے ساتھ کیا گیا تھا لیکن وہ شخص عمر نہیں ہے بلکہ حامد ہے۔ مجلس نکاح کے لوگ اور ہندہ کا وکیل زید سب نے حاضر ہوکر دعویٰ کیا کہ عمر ہی سمجھا تھا۔ اب بعدمین سب کو معلوم ہوا کہ وہ عمر نہیں حامد تھا اور پتہ چلا کہ یہ عمر کے ولی کی دھوکہ بازی تھی۔ اب حامد اور عمر دونوں بالغ ہیں۔ حامد کہتا ہے کہ ہندہ میری بیوی ہے، عمر کہتا ہے کہ میری بیوی ہے اور حالت یہ ہے کہ ہندہ حامد سے حاملہ بھی ہوچکی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں ہندہ کا نکاح ہوا یا نہیں؟ اور ہوا تو کس کے ساتھ ہوا اور بچہ ہوگا تو کس کا ہوگا اور اب شرعا ہندہ کو کیا کرنا چاہئے۔ ہندہ اپنے باپ کے گھر ہے۔

سائل۔ ممتاز علی قریشی معرفت دارالعلوم شاہ عالم اہل سنت وجماعت احمد آباد۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں زید نے خلاف وکالت یہ تصرف کیا کہ اپنی مؤکلہ ہندہ کا نکاح بجائے عمر کے حامد سے کر دیا تو اس ہندہ کا نکاح عمر کے ساتھ تو اس بنا پر نہیں ہوا کہ وہ عمر مجلس عقد سے غائب ہے اور حاضر بھی ہو تو بہرصورت اس سے رکن عقد قبول ہی متحقق نہیں ہوا تو عقد نکاح ہی منعقد نہیں ہوئی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: اذا كان احدهما غائبا لم ينعقد۔

درمختار میں ہے: و ينعقد متلبسا بايجاب و قبول من احدهما و قبول من الآخر۔

تو جب رکن عقد قبول ہی وجود میں نہیں آیا تو ہندہ اور عمر کے درمیان نکاح ہی نہیں کہ قبول ہی سے نکاح تمام ہوتا ہے۔

ردالمحتار میں ہے: يكون تمام العقد بالمجيب۔

تو اب ظاہر ہوگیا کہ ہندہ اور عمر کا نکاح ہی نہیں ہوا۔ اب باقی رہا ہندہ اور حامد کے مابین کے عقد کا حکم تو یہ موقوف ہے جو ہندہ کی اجازت ورضامندی پر موقوف ہے کیونکہ وکیل نے خلاف مرضی مؤکلہ تصرف کیا ہے تو وکیل کا فعل نافذ نہیں ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی كل موضع لا ينفذ فيه فعل الوكيل فالعقد موقوف على اجازة الوكيل۔

تو جب ہندہ کے علم میں یہ بات آئی کہ اس کا نکاح عمر سے تو ہوا نہیں بلکہ اس کا نکاح حامد سے ہوا ہے تو حامد سے ہی نافذ ہوجائے گا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: تثبت الاجازة لنكاح الفضولي بالقول والفعل۔

اور اگر ہندہ نے ایسا نہیں کیا ہے تو اب حامد کے لئے اپنی رضا ظاہر کردے، اور جب ہندہ حاملہ ہے تو ظاہر ہے کہ یہ حمل حامد ہی سے ہے اور وہ بچہ حامد ہی کا کہلائے گا۔ جب حامد اس کا مدعی ہو یا وقت وطی سے چھ ماہ یا اس کے بعد پیدا ہوا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۵۹۶)

بعض حضرات کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ اگر حقیقی ممانی کی اولاد حیات ہوں تو اس کا نکاح اس کے حقیقی بھانجے کے ساتھ شرعا درست نہیں ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے؟۔

المستفتی لیاقت حسین انصاری۔ بلاری مراد آباد ۱۳ ررمضان المبارک ۷۵ھ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

سوال نہایت مہمل ہے۔ اس کے الفاظ وضاحت کے محتاج ہیں، سائل کو اگر اسکا جواب حاصل کرنا ہے تو تفصیلی طور پر دریافت کرے۔ ۲۵ ررمضان ۷۵ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۵۹۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک لڑکی کے متعلقین نے ایک لڑکے کو اپنی لڑکی کے ساتھ عقد کے لئے پسند کرلیا، فریقین میں آپس میں، بات چیت ہوکر نسبت پختہ ہوگئی اور شادی کی تاریخ مقرر ہوکر اسی لڑکے کی بارات لڑکی کے یہاں تاریخ مقررہ پر آگئی۔ دولہن کے متعلقین دولہا کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے لیکن دولھا کا باپ اپنی

علالت کی وجہ سے بارات میں نہ جاسکا، دولہا کا چچا بارات میں موجود تھا جس نے نکاح کے وقت دولھا کے بڑے بھائی کا نام بجائے دولھا کے نام کے لکھوا دیا۔ جو بارات میں موجود بھی نہ تھا، اور دلہن کے سامنے بھی دولھا کے بڑے بھائی کا نام بتلایا گیا۔ اور قاضی نے دولہن کا عقد دولہا موجود کے ساتھ کردیا۔ دولھا نے قبول کرلیا۔ لیکن دولھا جب سلام کی رسم کے لئے دلہن کے دروازہ پر گیا تو اس وقت یہ بات ظاہر ہوئی اور آپس میں بعض لوگوں میں چہ میگویاں ہونے لگیں کہ دولھا کا نام غلط بتایا گیا۔ بوقت رخصت دولہن کو روک لیا گیا۔ اب دریافت امر یہ ہے کہ دلہن کا عقد اسی دولہا کے ساتھ ہوگیا یا نہیں۔ یا پھر سے ایجاب قبول کی ضرورت ہے۔ اب دوبارہ ایجاب وقبول کرایا جاوے۔ یا دولہن کو جو نام بتایا گیا اس کا عقد ہوا۔ یہ بھی واضح رہے کہ دولہن کے متعلقین کو لڑکوں کے نام سے واقفیت نہ تھی۔ اور آپ اس مسئلہ میں ہم کو جلد آگاہ کیجئے۔ اللہ آپکو اجر دیگا۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اس دولہن کا عقد اسی دولہا کے ساتھ ہوا جو مجلس عقد میں حاضر وموجود تھا۔ کہ یہی تمام باراتی اور اہل زوجہ کے نزدیک دولہا ہونے کے لئے متعین ومعلوم ہے۔ اور قاضی نکاح خواں نے اسی کو عاقد جان کر قبولیت عقد کا اسی سے اقرار لیا ہے اور اسی کے ساتھ عقد نکاح کیا ہے تو اس کا دولہا ہونا متعین ہوگیا اور جہالت منتفی ہوگئی۔

ردالمحتار میں ہے۔ ان المقصود نفی الجہالۃ و ذالك حاصل بتعین عند العاقدین والشھود و ان لم یصرح باسمھا۔

اب باقی رہا دولہا کے نام کا غلط ہوجانا تو وہ اس کے حق میں صحت عقد کے لئے مضر نہیں کہ اس کا مجلس میں دولہا بن کر آنا۔ سب براتیوں اور اہل زوجہ میں اسی کا دولہا ہونے کے ساتھ معروف و متعین ہونا۔ اسی کی طرف اشارہ حسیہ کا وقت عقد کیا جانا، رکن عقد یعنی قبولیت نکاح کے لئے اسی کو متعین کرنا، الفاظ قبول کا اسی سے اقرار لینا، یہ امور تعین اسم زوج سے زیادہ قوی ہیں۔ لہذا نام کی غلطی سے اس دولہا معروف و متعین کے اس دولہن کے ساتھ عقد ہوجانے میں اور نقص اور خرابی لازم نہیں آتی۔

چنانچہ ردالمحتار میں ہے۔ لو کانت مشار الیھا و غلط فی اسم ابیھا او اسمھا لا یضر لان تعریف الاشارۃ الحسیۃ اقوی من التسمیۃ لما فی التسمیۃ من الاشتراك العارض فتلغوا

التسمیۃ۔

حاصل جواب یہ ہے کہ اس دولہن کا عقد شرعا اسی دولہا کے ساتھ ہوا جو مجلس میں دولہا بن کر حاضر وموجود تھا۔ اب دوبارہ ان کے مابین ایجاب وقبول کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر احتیاطا ان کے مابین تجدید نکاح کرلیا جائے تو بہتر اور اولی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۵۹۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

اگر کوئی مرد یا عورت شادی نہ کرے اس سے کہا بھی جائے تب بھی وہ شادی نہ کرے اور یہ بات بھی نہیں ہے کہ شادی نہ کرنے کی وجہ سے ان پر غلبہ شہوت ہو جس کی وجہ سے وہ زنا میں مبتلا ہو، بلکہ حتی المقدور نماز روزے کے پابند اور لہو ولعب سے دور بالغ ہیں اپنے نفس کے مختار ہیں، ولی کچھ نہیں کرسکتا ہے ان کے نکاح نہ کرنے سے ولی یا والدین پر کوئی مواخذہ ہے؟ اور نکاح نہ کرنے پر ان سے کوئی مواخذہ ہوگا؟۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

نکاح کرنا سنت ہے، حدیث شریف میں ہے۔ النکاح من سنتی فمن لم یعمل بسنتی فلیس منی۔

تو جو بلا وجہ نکاح نہیں کرتا، وہ تارک سنت ہے جو مستحق وعید ہے۔ پھر اگر وہ منہیات سے اجتناب کرتا ہے اور فرائض کا پابند ہے، تو اس پر اس ترک سنت کا مواخذہ ہوسکتا ہے۔ اور جب وہ بالغ ہے، اور اپنے نفس کا خود مختار ہے، تو اس کے اس فعل کا ولی یا والدین پر کوئی مواخذہ نہیں۔

قرآن کریم میں ہے۔ ولا تزر وازرۃ وزر اخری۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۵۹۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

اگر زید یا ہندہ اس خیال سے شادی نہیں کرتے، کہ شادی ہونے سے اولاد کی محبت اور میاں بیوی میں محبت یا کشمکش میں مبتلا ہو کر ہم سے رب کی جو عبادت ہوتی ہے وہ بھی نہ ہوگی اور دنیاوی عیش وآرام میں پڑ جائیں گے۔ لہذا ہم شادی ہی نہیں کرتے، اس وجہ سے زید اور ہندہ پر شادی نہ کرنے میں کوئی حرج ہے۔ سنت کا ترک تو ضرور ہوگا۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

نکاح اور نکاح پر مرتب ہونے والے امور میں مشغولیت عبادت نافلہ سے افضل ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔ قالوا ان الاشتغال بہ (ای بالنکاح) افضل من التخلی لنوافل العبادات ای الاشتغال بہ وما یشتمل بمصالحہ واعفاف النفس عن الحرام و تربیت الولد و نحو ذالک۔ تو اس بنا پر ترک سنت بھی لازم آیا، اور ترک افضلیت بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۰۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

عمر کی شادی ہوئی اور اس کی عورت سال دو سال کے بعد مرگئی دوسرا نکاح تو کرتا نہیں مگر زنا کاری بدکاری میں پڑ گیا ہے۔ لوگ کہتے بھی ہیں تو منع کر دیتا ہے۔ ایسے ہی زینب کی شادی ہوئی سال چھ مہینے کے بعد یا دو سال کے بعد یا دس سال کے بعد اس کا شوہر مرگیا زینب نے بھی دوسرا نکاح نہیں کیا بلکہ وہ لوگوں کے یہاں پانی بھرنے لگی یا گھروں پر بچوں کو پڑھانے جانے لگی۔ کچھ زنا کاری کی افواہ بھی لوگوں میں حتی کہ کچہری تک نوبت آئی۔ اگر کوئی کہتا بھی ہے کہ تو عقد ثانی کیوں نہیں کرتی تو چراغ پا ہوتی ہے۔ گالیاں بکتی ہے۔ اب یہاں ایک مسئلہ اور پیدا ہوا کہ اس سے پہلے زید اور ہندہ وہ بھی شادی سے انکار کرتے ہیں یہاں عمر اور زینب یہ بھی انکار کرتے ہیں۔ تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان میں کس کس کے عقد وشادی کی سخت ضرورت ہے۔

بینوا توجروا۔ المستفتی۔ (مولوی) عبداللہ خاں نگینہ مسجد روں ضلع ایوت محل (برات)

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

بخاری ومسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔" یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء۔ "یعنی اے گروہ جوانان تم میں سے جو مہر ونفقہ پر قادر ہو تو وہ ضرور نکاح کرے کہ نکاح کرنا بیگانہ پر نظر کرنے سے بہت زائد روکنے والا اور شرم گاہ کی بہت حفاظت کرنیوالا ہے۔ اور جو مہر ونفقہ پر قادر نہ ہو تو اس پر روزہ دار رہنا ضروری ہے کہ روزہ کا رکھنا شہوت کو میٹ دیتا ہے۔ اس حدیث شریف نے نکاح کی اہمیت کو کس قدر ثابت کیا اور یہ حکم دیا کہ مہر ونفقہ پر قادر کیلئے حفاظت شرمگاہ اور بد نظر سے بچنے کے لئے بہترین چیز نکاح کا کرنا ہے۔ اور مہر نفقہ سے عاجز کیلئے بہترین محافظ روزہ کا رکھنا ہے تو یہ عمر اگر مہر نفقہ پر قادر ہے تو اس پر نکاح کرنا ضروری اور اگر ان سے عاجز ہے تو اس پر روزہ رکھنا لازمی ہے۔ اور جب اس نے ان میں سے کسی بات پر عمل نہیں کیا تو وہ ترک سنت کے گناہ و وعید کے علاوہ زنا جیسے حرام فعل میں مبتلا ہو گیا اس لئے فقہا کرام نے اس قادر مہر ونفقہ کے لئے جو مغلوب الشہوۃ بھی ہو نکاح کو واجب قرار دیا ہے۔

چنانچہ درمختار میں ہے: ویکون واجبا عند التوقان۔ تو وہ نکاح کو منع کر کے ترک واجب کر کے سخت مجرم و گنہگار ہوا۔ اسی طرح زینب پر بھی جب وہ مغلوب شہوۃ تھی تو اس پر نکاح واجب تھا۔ اور اب بھی ہے۔ اس کا نکاح سے منع کرنا اور زنا جیسے حرام فعل مین مبتلا ہو جانا گناہ عظیم اور سرکشی وبغاوت ہے۔ اور پھر اہل ہنود کی رسم کی بنا پر عقد بیوگان کو معیوب جانکر نکاح نہ کرنا انتہائی سرکشی اور مذہب سے بغاوت کی دلیل ہے۔ اسکے اعزہ اور رشتہ داروں پر ضروری ہے کہ وہ اس کو اس زنا سے روکیں اور بیگانوں کے یہاں نہ جانے دیں۔ اور عقد ثانی کی ترغیب دیں۔

اب باقی رہا یہ کہ پہلے سوالات میں اور اس سوال میں کیا فرق ہے۔ تو یہ ظاہر ہے وہاں جو نکاح سے انکار تھا ان مین نہ غلبہ شہوت کا ذکر تھا نہ زنا میں مبتلا ہو جانیکا بیان تھا۔ بلکہ یہ تصریح موجود تھی اور یہ بات بھی نہیں ہے کہ شادی نہ کرنیکی وجہ سے ان پر غلبہ شہوت ہو جسکی وجہ سے وہ زنا میں مبتلا ہوں اور بعد والے میں نکاح نہ کرنا ذوق عبادت کے کم ہو جانے کے خوف کی بنا پر تھا جس میں ارتکاب زنا اور غلبہ

شہوت کا شائبہ بھی نہ تھا تو ان میں شادی کا نہ کرنا صرف ترک سنت تھا اور اس سوال میں غلبہ شہوت موجود ہے جس میں نکاح کا نہ کرنا سبب زنا قرار پایا۔ یا رسم ہنود کا اتباع ہوا تو نکاح کے اس انکار اور ان سوالوں کے انکار میں زبردست فرق موجود ہے تو اس سوال کے مذکور عمرو زینب کے عقد کی سخت ضرورت ہے اور شرعاً ان پر نکاح کرنا واجب بلکہ فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔۔ ۲۵۔ ذی قعدہ الحرام ۱۳۷۵ھ۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۰۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

مسماۃ کلو جس کی شادی عبدالعزیز سے ایک زمانہ ہوا ہوئی تھی باہم شکر رنجی ہو کر ایک زمانہ ہوا طلاق ہوگئی۔ کلو کے بطن سے عبدالعزیز کے یہاں کی ایک بچی نور بانو نابالغی میں ماں کے ساتھ اپنے نانا نانی کے یہاں پلتی رہی۔ جب نور بانو کی عمر بڑی ہوئی تو اس کی ماں کلو نے اپنا نکاح چاند نامی دوسرے شخص سے حسب شرع کرلیا نور بانو جواب تک نانا نانی کے یہاں تھی نانا نانی نے اس کا بیاہ کردیا نکاح کے وقت نور بانو کے باپ کا نام عبدالعزیز نہ بتلا کر چاند بتلا دیا حاضرین میں جو جانتے تھے انہوں نے ٹوکا۔ تو جواب دیدیا کہ اس کا نام ہرگز نہ لکھوائیں گے بلکہ چاند کا ہی نام لکھوادیا حالانکہ باپ اس کا عبدالعزیز تھا۔ اب مسئلہ دریافت طلب ہے کہ یہ نکاح درست ہوا یا نہیں تنازعہ اس میں صرف یہی ہے کہ نور بانو کے باپ کا اصلی نام نہ لکھوا کر ماں کے دوسرے خاوند کا نام لکھوادیا۔ نکاح پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔ ہمارے خیال میں ایسی نکاح درست نہیں۔ لہذا آپ بحوالہ کتب احادیث کے اس کا فتوی عنایت فرمادیں تاکہ اس کا ایسے نادرست لوگوں کو پتہ لگ جائے اور آئندہ من مانی نہ کرسکیں۔ نور بانو بنت عبدالعزیز کی جگہ چاند لکھوادیا منع کرنے پر نہیں مانے۔

خادم عبدالرزاق مومن کوڑا راجستھان ۱۹ شوال المکرم ۱۳۷۸ھ

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر مسماۃ نور بانو اس مجلس نکاح میں موجود تھی اور اس کی طرف اشارہ کرکے یہ کہا گیا کہ اس نور بانو بنت چاند کا نکاح تیرے ساتھ کیا گیا جب تو اس نور بانو کا نکاح صحیح ہوگیا۔

ردالمحتار میں ہے: انها لو كانت مشارا اليها وغلط في اسم ابيها او اسمها لا تضر لان تعريف الاشارة الحسية اقوى من التسمية من الاشتراك العارض فتلغوا التسمية عندها۔

اور اگر نور بانو خود مجلس عقد میں حاضر وموجود نہیں تھی اور ہندوستان کے عرف میں دولہن مجلس عقد نکاح میں موجود نہیں ہوا کرتی ہے اور جب وہ موجود نہ ہوگی تو اس کی طرف اشارہ نہیں کیا جاسکتا تو وہ نکاح نور بانو بنت چاند کا ہوا اور نور بانو بنت عبدالعزیز ہے لہذا اس نور بانو بنت عبدالعزیز کا سرے سے نکاح ہی نہیں ہوا۔

فقہ کی مشہور کتاب درمختار میں ہے: غلط وكيلها بالنكاح في اسم ابيها بغير حضورها لم يصح۔ (درمختار ج۲ ص۲۸۲)

تو اب یہ نور بانو بنت عبدالعزیز جہاں اپنا نکاح چاہے کرسکتی ہے کہ یہ اب تک بے نکاحی ہے پھر جب اس کا شرعاً نکاح ہی نہیں ہوا تو اسے نہ طلاق کی حاجت نہ عدت کی ضرورت۔ وارثوں کی ولدیت کے غلط لکھوانے کا یہ نتیجہ غلط مرتب ہوا کہ اس کا نکاح ہی شرعاً صحیح نہیں منعقد ہوا۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب یکم ذیقعدہ ۱۳۷۸ھ

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۰۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک عورت کے اپنے شوہر سے تین مہینہ کا حمل تھا اور اس عورت کے اوپر ایک غیر مرد نے زنا کیا ہے اب زنا کرنے والا مرد کو تو حد لگایا گیا ہے پھر عورت کا کیا حکم ہوگا دلیل کے ساتھ پیش کریں اور عورت کی جو اپنا مرد ہے وہ بھی عورت کو چھوڑنا بہت مشکل ہے تو کیا کریں اور عورت کی حد کب کیا جائے گا اور اس عورت کے ساتھ لوگوں کو کس صورت میں ہوسکتا ہے یہ سب صورتوں کو ایک ایک کر کے دلیل کے ساتھ پیش کریں۔

فقط عریض الدین آسام مدرسہ اسکول علی ماش کچھروں

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

زنا کرانے سے عورت شوہر کے نکاح سے خارج نہیں ہوتی ہے اس کا شوہر اس کو اپنے گھر واپس

بلا کر رکھ سکتا ہے ظاہر ہے کہ یہ عورت شادی شدہ ہے تو شرعا اس کو حد رجم یعنی سنگسار کر کے مارنا ہے لیکن حد کو جاری کرنا قاضی کا ذمہ ہے اور قاضی اسلام اب موجود نہیں تو حد کیسے جاری کی جاسکتی ہے بلکہ اسکے بالاعلان توبہ کر لینا کافی ہے اور جب شوہر اس کو اپنے گھر رکھ سکتا ہے تو پھر سارے امور خانہ داری کھانا پینا وغیرہ سب روا و درست ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ٢٦ ؍ ربیع الثانی ١٣٧٩ھ

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

(٤٨)

باب المحرمات

مسئلہ (٦٠٣) از موضع حسن پور، پرگنہ سنبھل، حاجی احمد اللہ صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک شخص کے گھر میں دو حقیقی بہنیں ہیں۔ پہلے ایک عورت اس کے گھر میں تھی، اس کو بغیر طلاق دیئے ہوئے اس کی حقیقی بہن سے بھی نکاح کر لیا۔ آیا اس کا یہ عمل از روئے شرع شریف جائز ہے یا ناجائز؟ نیز ان سے جو اولاد ہوگی وہ صحیح النسب مانی جائے گی یا حرامی؟ فقط

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

ایک بہن جب اس کے نکاح میں موجود ہے اور اس کو طلاق بھی نہیں دی ہے۔ تو اس صورت میں اس کا دوسری حقیقی بہن سے نکاح کرنا ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اور اس کو نکاح کہنا ہی غلط ہے۔ یہ تو وہ مسئلہ ہے جو قرآن پاک اور احادیث میں بالصراحۃ موجود ہے۔ وان تجمعوا بین الاختین۔ یعنی تمہارے لئے یہ حرام کیا گیا ہے کہ دو بہنوں کو جمع کرو۔ اور نیز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یجمعن ماء ہ فی رحم اختین ۔ یعنی جو اللہ اور دن آخرت پر ایمان لا چکا تو وہ ہرگز دو بہنوں کے رحم میں اپنے نطفہ کو جمع نہ کرے گا۔

لہذا اب وہ شخص اپنے حکم کو اس آیت اور حدیث میں تلاش کرے۔ اور فوراً اس جرم عظیم سے تائب ہو کر اس بعد والی بہن کو آپ سے جدا کرے اور اپنی عاقبت برباد نہ کرے اور دیگر مسلمان کو بھی لازم ہے کہ وہ اس فتوی کے بعد بھی اپنے اس فعل شنیع کو ترک نہ کرے تو جبراً جس صورت سے ممکن ہو اس سے ترک کرائیں یہ سراسر زنا ہے۔ اور جب یہ نکاح ہی بالکل صحیح نہیں ہوا تو وہ اولاد بھی حرامی ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (٦٠٤)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں

کہ ہندہ کی شادی زید کے ساتھ ہوئی تھی ہندہ کی ناجائز چال چلن دیکھنے کے سبب سے زید نے ہندہ کو طلاق دیدی چنانچہ زید کے طلاق دینے کے بعد ہندہ نے بکر سے شادی کیا۔ اور کچھ دنوں کے بعد ہندہ بکر یعنی دوسرے شوہر کے یہاں سے فرار ہوگئی۔ مگر بکر یعنی دوسرے شوہر نے طلاق نہیں دیا کچھ عرصہ کے بعد ہندہ نے تیسری جگہ عقد کرلیا۔ پھر چند سال کے بعد ہندہ کا تیسرا شوہر بھی مرگیا۔ پھر چوتھی جگہ عقد کرلیا اور چوتھا شوہر بھی مرگیا پھر پانچواں شوہر کیا۔ اور کچھ دنوں کے بعد پانچواں شوہر بھی مرگیا۔ اب ہندہ بغیر عقد چھٹے شوہر کے پاس مقیم ہے اور پانچویں مرحوم شوہر کے جائیداد سے حصہ زوجیت لینا چاہتی ہے۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ اپنے پانچویں شوہر کی جائداد سے حصہ پاسکتی ہے یا نہیں۔ اور جب کہ ہندہ کے دوسرے شوہر نے ہندہ کو طلاق نہیں دیا تو ہندہ کے تینوں عقد جائز ہوئے یا نہیں فقط۔ بینوا وتوجروا جواب بحوالہ کتب ونقل عبارت مرحمت فرمائیں۔

المستفتی، محمد سلیمان لکھن پور الہ باد

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں جب ہندہ کو شوہر ثانی بکر نے طلاق نہیں دی ہے۔ تو یہ ہندہ شوہر والی ہوئی اور شوہر والی کا کسی سے نکاح نہیں ہوسکتا۔

خود اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے "والمحصنٰت من النساء"

یعنی حرام کردی گئیں شوہر والی عورتیں۔

تو اس ہندہ کا بکر سے بغیر طلاق حاصل کئے تیسرے شوہر سے عقد کرلینا نکاح شرعاً نہیں کہلائیگا۔ پھر اس تیسرے کے مرجانے کے بعد چوتھے شخص سے عقد کرلینا بھی شرعاً نکاح نہیں ہوا۔ پھر چوتھے کے مرجانے کے بعد پانچویں شخص سے عقد کرلینا بھی شرعاً نکاح نہیں ہوا۔ پھر اس پانچویں کے مرجانے کے بعد چھٹے سے عقد کرلینا بھی شرعاً نکاح نہیں ہوا۔

لہٰذا جب پانچویں شخص سے عقد شرعاً نکاح نہیں تو پھر اس پانچویں شخص اور ہندہ میں رشتہ زوجیت ہی کب پیدا ہوا۔ اور جب ہندہ اس کی زوجہ ہی نہیں قرار پائی تو پھر اس کے مرجانے کے بعد اس

سے حصہ زوجیت کی مستحق کس طرح ہوسکتی ہے کہ زوجیت بھی ایک سبب استحقاق ارث ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: وليستحق الارث باحدى خصال ثلاث بالنسب وهو القرابة والسبب وهو الزوجية والولاء والله تعالىٰ اعلم بالصواب ۔ ٢١ صفر المظفر ١٣٧٦ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (٦٠٥)

٢ شوال المکرم ١٣٧٦ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں بینوا بالوضاحۃ کافیا وافیا شافیا

(١) زید نے دو لڑکیوں سے نکاح کیا ان دو لڑکیوں کا باپ ایک ہے اور ماں دو کیا یہ نکاح صحیح ہے۔؟

(٢) زید اپنی چچانی سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(١) ایسی دو علاتی بہنوں کا بہ یک وقت نکاح میں جمع کرنا حرام ہے کہ قرآن کریم میں ہے

﴿وان تجمعوا بين الاختين﴾ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(٢) چچی اگر محرمات سے نہ ہو تو بلا شبہ اس سے نکاح کرسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (٦٠٦)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں اور اس کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں جزاك الله فى الدارين خيرا

(١) کریماً منکوحہ محمد بخش نے اپنے خاوند سے ناراض ہوکر علٰحدگی اختیار کی اور چند روز بعد بغیر طلاق دوسرے شخص سے نکاح کرلیا۔

(٢) عزیزاً کا خاوند فوت ہوگیا ابھی عدت پوری نہ ہوئی تھی کہ اس نے دوسرا نکاح کرلیا۔

(۳) بشیراً کا نکاح برضا و رغبت عبدالحفیظ سے ہوا لیکن اب عبدالحفیظ اپنے والدین کے کہنے سے دوسری شادی کرنے پر آمادہ ہے اور پہلی عورت سے اچھا برتاؤ نہیں کرتا اس کے لئے کیا حکم ہے۔

(۴) ایک نکاح اکثر پڑھے لکھے اور معزز اشخاص کی موجودگی میں ہوا۔ اور ایک شخص کو برقع پہنا کر اور دوسرے شخص کو دولھا بنا کر دونوں شخص نکاح آپس میں کر دیا گیا حالانکہ دولھا بے خبر تھا۔ بعد نکاح شیرنی وغیرہ تقسیم ہو کر بہت مضحکہ خیز اور مذاق آمیز باتیں عمل میں لائی گئیں۔ کیا سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دین کی باتوں میں جان بوجھ کر یہ مذاق درست ہے اور ایسا کرنے سے قاضی صاحب اور گواہان اور تمام حاضرین مجلس کے نکاح فسخ نہیں ہوئے۔ اور اگر سب کے نکاح فسخ ہوئے تو اس کے بعد ان کی تمام اولاد جو آج تک ہوئی وہ تمام حلال ہوگی یا حرام کی صاف قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں والسلام

خادم جلال الدین اثر بیکانیر راجستھان

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(۱) مسماۃ کریمن کو جب اس کے شوہر محمد بخش نے طلاق نہیں دی ہے تو وہ اسی محمد بخش کی بیوی ہوئی اور یہ مسماۃ کریمن شوہر دار عورت ہوئی۔ اور شوہر دار عورت کا نکاح کرنا باطل وحرام ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قرآن کریم میں ﴿ والمحصنٰت من النساء ﴾ اور تم پر حرام کر دی گئیں شوہر دار عورتیں: تو جب یہ کریمن شوہر دار عورت ہوئی تو اس کا کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا بحکم قرآنی حرام باطل ہوا تو یہ اس دوسرے شخص سے فوراً جدا ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) مسماۃ عزیزن معتدہ ہے اور معتدہ کا عدت پوری کر لینے سے پہلے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا حرام ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ وکذا لک المعتدۃ کذافی السراج الوھاج سواء کانت العدۃ عن طلاق او وحدا داو دخول فی نکاح فاسد او شبۃ نکاح کذا فی البدائع۔ (عالمگیری جلد۲ صفحہ ۷)

لہٰذا یہ مسماۃ عزیزن اس دوسرے شخص سے فوراً علیحدہ ہو جائے۔

(۳) ادھر عبدالحفیظ پر تو اپنی بیوی مسماۃ بشیرن کے حقوق زوجیت اور حسن معاشرت شرعاً ضروری

ادھر مسماۃ بشیرن اس سے بغیر طلاق حاصل کئے کہیں اپنا عقد ثانی ہرگز ہرگز نہیں کر سکتی اور اس پر حقوق شوہر کی ادائیگی لازمی تو ہر ایک اپنی اپنی ذمہ داری کا احساس کرے اور دوسرے کے حقوق کو ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۴) شرعاً کسی حکم شرع کے ساتھ استہزاء اور مذاق کرنا کفر ہے۔

چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے" والاستھزاء باحکام الشرع کفر کذا فی المحیط "

(عالمگیری جلد۲ صفحہ ۸۸)

شریعت کے احکام کے ساتھ مذاق کرنا کفر ہے اسی طرح محیط میں ہے۔ اسی طرح احکام شرع کی مذاق اور استہزاء کے لئے کسی مجلس کا منعقد کرنا اور شرکاء مجلس کا کسی حکم شرع کے ساتھ استہزاء ومذاق کرنا اور ہنسنا بھی کفر ہے۔ وہ سب شرکاء مجلس اس مذاق اور ہنسنے کی بناء پر کافر ہو جائینگے۔

عقائد کی معتبر کتاب شرح فقہ اکبر میں ہے:

و فی المحیط من جلس علی مکان مرتفع والناس حولہ یسالونہ منہ فسائل بطریق الاستھزاء ثمہ یضربونہ بالوسائد ای مثلا وھم یضحکون کفروا جمیعاای لاستخفافھم بالشرع و کذا لو لم یجلس علی المکان المرتفع۔ (شرح فقہ اکبر مصری ص ۱۰۹)

اور محیط میں ہے جو شخص بلند مکان پر بیٹھ گیا اور لوگ اس کے گرد ہوں اس سے بطور مذاق مسئلے دریافت کریں پھر اسے مثلاً تکیوں سے ماریں اور وہ سب ہنسیں تو وہ سب شریعت کے استخفاف ومذاق کے بناء پر کافر ہو گئے۔ اور یہی حکم ہے اگر وہ بلند مکان پر بھی نہیں بیٹھا تھا۔

پھر اسی فتاوی عالمگیری میں اس باب کے آخر میں ایسے لوگوں کا حکم بیان کرتے ہیں۔

ما کان فی کونہ کفرا اختلاف فان قائلہ یومر بتجدید النکاح و بالتوبۃ و الرجوع عن ذلک بطریق الاحتیاط۔ (فتاوی عالمگیری ۲/۴۸۹)

جس بات کے کفر ہونے میں اختلاف ہو تو اس کے قائل کو دوبارہ نکاح کر لینے اور اس سے توبہ اور رجوع کرنیکا حکم احتیاطاً دیا جائیگا اس عبارت سے یہ ثابت ہو گیا کہ جس بات میں کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں اس کے مرتکب کو تو احتیاطاً توبہ اور رجوع کرنے اور دوبارہ نکاح کر لینے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اور جس بات کے کفر ہونے میں اختلاف ہی نہ ہو بلکہ بالاتفاق وہ سب کے نزدیک کفر ہو تو اس کے مرتکب کو توبہ ورجوع کرنا فرض اور دوباہ نکاح کر لینا لازم ہے اور یہ حکم شرع کے ساتھ استہزا اور مذاق کرنا

ایسی کفریات سے ہے جس میں فقہاء کا اختلاف نہیں ۔لہٰذا جو کوئی کسی حکم شرع کے ساتھ استہزا و مذاق کریگا وہ بلاشبہ ایمان سے خارج ہو جایگا ۔اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہو جائیگی اور زوجیت ختم ہو جائیگا ۔لھذا اس پر فرض ہے کہ وہ توبہ واستغفار کرے ۔اور تجدید ایمان کے ساتھ تجدید نکاح بھی کرے پھر اگر تمام مجلس نے کسی حکم شرعی پر استہزا و مذاق کیا تو وہ سب کافر ہو گئے تو ہر ہنسنے والے پر توبہ و استغفار فرض اور تجدید ایمان کے ساتھ نکاح بھی ضروری ہے ۔جب اس کا یہ استہزا و مذاق بالقصد اور جان بوجھ کر ہو ۔جب یہ مسئلہ سمجھ میں آ گیا تو پھر صورت مسئولہ کا حکم خود ہی ظاہر ہو گیا ۔کہ نکاح بھی ایک حکم شرع ہے پھر وہ مجلس بھی خاص نکاح ہی کے لئے منعقد ہوئی تھی ۔اور بمطابق سنت وحسب دستور با قاعدہ قاضی نے گواہان کی موجودگی میں حاضرین مجلس کے روبرو نکاح پڑھایا ۔اور بعد نکاح شرینی بھی تقسیم ہوئی ۔اس کے بعد اس مجلس میں مضحکہ خیز اور مذاق آمیز باتیں عمل میں لائیں گئیں ۔تو ہنسی اور مذاق نہ صرف دولہا کے ساتھ ہوا بلکہ یہ مذاق واستہزا خود نکاح کے ساتھ بھی لازم آیا کہ بالقصد جان بوجھ کر ایک شخص کو برقعہ اڑھا کر دلہن بنایا گیا ۔دولہا کو نکاح کے لئے تیار کیا گیا ۔اس عقد کے لئے تاریخ ووقت مقرر کیا گیا ۔لوگوں کو شریعت نکاح کے لئے دعوت دی گئی ۔اس مجلس کے لئے اہتمام کیا گیا ۔قاضی کو بلایا گیا بعد نکاح شیرنی تقسیم کی گئی ۔تو ان میں کی ہر بات بالقصد اور جان بوجھکر محض استہزا و مذاق ہی کے لئے تو تھی ۔لہٰذا ثابت ہو گیا کہ مجلس نکاح بالقصد اور جان بوجھکر محض استہزا و مذاق ہی کے لئے منعقد کی گئی تھی تو اس میں نہ فقط ایک حکم شرع نکاح کے ساتھ استہزا اور مذاق ہوا ۔بلکہ چند احکام شرع کے ساتھ استہزا و مذاق لازم آیا پھر یہ مجلس نکاح اسی مجلس افتاء کی طرح ہوئی جسکا ذکر ابھی شرح فقہ اکبر میں گذرا کہ اس میں بھی اسی طرح استخفاف شرع اور احکام دین کے ساتھ استہزا و مذاق ہے ۔جس طرح اس مجلس افتاء میں استخفاف شرع اور احکام دین کے ساتھ استہزاء و مذاق تھا ۔پھر جیسے اس مجلس افتاء کے سب شرکاء احکام شرع کے ساتھ استہزا و مذاق اور استخفاف کی بنا پر کافر ہو گئے ۔ایسے ہی اس مجلس نکاح کے سب شرکاء وحاضرین بھی احکام شرع کے ساتھ استہزا و مذاق اور استخفاف کی بنا پر کافر ہو گئے لیکن وہ لوگ جو اس مجلس میں محض بے خبر اور لاعلم تھے وہ اس حکم سے ضرور مستثنیٰ ہو جائینگے کہ انہوں نے اپنی لاعلمی اور بے خبری کے بنا پر احکام شرع کے ساتھ استہزا و استخفاف ہرگز ہرگز نہیں کیا تو ایسے شرکاء وحاضرین مجلس تو کافر نہیں ہونگے ۔

اب باقی رہے قاضی وگواہان تو اگر یہ بھی بے خبر اور لاعلم تھے تو کافر نہیں ہوں گے اور اگر ان کو اس

استہزا و مذاق کا علم تھا تو انہوں نے بھی جان بوجھ کر بالقصد حکم شرع نکاح کے ساتھ استہزا ومذاق کیا تو یہ بھی کافر ہو گئے ۔اب باقی رہے وہ شخص جس کو برقعہ اڑھا کر دلہن بنایا گیا تھا تو اس کو تو اس استہزاء اور مذاق سے بے خبر اور لاعلم کوئی ادنیٰ عقل والا بھی نہیں کہہ سکتا ۔لہٰذا وہ بالقصد اور جان بوجھ کر محض استہزا اور مذاق ہی کے لئے دولہن بنا اور اپنے آپ برقعہ پہنا تو اس کے کافر ہونے میں تو کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں ۔پھر جب یہ لوگ حکم شرع کے ساتھ استہزا و مذاق کی بنا پر کافر ہو گئے اور ان کا یہ کفر مجمع میں بالاعلان ہوا تو اس کی توبہ بھی بالاعلان ہونا ضروری کہ

حدیث شریف میں ہے '' توبۃ السر بالسر والعلانیۃ العلانیۃ "

پھر اگر ان لوگوں نے بالاعلان توبہ واستغفار نہیں کی اور تجدید ایمان کے ساتھ تجدید نکاح نہیں کیا تو اس درمیان کی اولاد کیسے حلالی ہو سکتی ہے ۔مولیٰ تعالیٰ دین پر عمل کرنے کی توفیق دے ۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

۲۳ محرم ۱۳۷۷ھ

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل ، الفقیر الی اللہ عزوجل ،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول ، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۰۷)

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ

ایک عورت نکاح شدہ کا عقد دوسرے مرد سے بغیر طلاق کے کر دیا ۔اس مجمع کے اندر جو لوگ حاضر تھے ان کے نکاح باقی رہے یا نہیں ان کا کیا کیا جائے اس کے اندر ایک لڑکا بالغ اور لڑکی نابالغہ تھی عقد کیا گیا تھا ۔یعنی اس مجمع عقد میں یہ شریک تھا ، اب لڑکی اس کے وہاں جانے سے انکار کرتی ہے ، اس کا جواب مفصل عنایت فرمائیں ۔

ناگوری موسیٰ ولد محمد پالی مارواڑ ۲۴ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جب تک شوہر اپنی بیوی کو طلاق نہیں دیگا تو وہ عورت شرعاً شوہر والی کہلائیگی تو ایسی عورت کا کسی دوسرے سے نکاح کرنا حرام وباطل ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قرآن کریم میں ہے :

والمحصنت من النساء ۔یعنی حرام کر دی گئیں شوہر والی عورتیں :

تو جب یہ شوہر والی ہے تو اس کا یہ عقد کرنا حرام ہوا۔ لہٰذا یہ عورت اب اس دوسرے نام کے شوہر کے گھر ہرگز ہرگز نہیں جاسکتی۔ پھر یہ مجلس عقد ایک فعل حرام کے لئے منعقد ہوئی ہے تو ایسے مجمع اور مجلس میں بعد علم کے جان بوجھ کر شریک ہونا اور ایسے مجمع کو بڑھانا بلاشبہ معصیت شدید وگناہ عظیم ہے۔ لیکن اس مجلس عقد کی محض شرکت کوئی موجب کفر نہیں۔ فقط اس مجلس کی شرکت سے خود حاضرین مجلس کے نکاح نہیں ٹوٹتے۔ لہٰذا اگر وہ لڑکی جو شوہر کے محض اس قصور وگناہ (کہ اس حرام کی مجلس عقد میں شریک ہوا) کی بنا پر اس کے گھر جانے سے انکار کرتی ہے۔ تو شرعا اس کو انکار کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں کہ معصیت میں شرکت سے ان کے عقد پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور ان کا نکاح نہیں ٹوٹتا فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل
۲۹ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ

مسئلہ (۶۰۸)

کیا فرماتے ہے علمائے دین اس مسئلہ میں

کہ ایک شخص مسمیٰ فریاد حسین ولد کفایت اللہ محلہ نخاسہ بلاد سنبھل کا نکاح شرعی مسماۃ زاہدہ بیگم عرف منی بنت شفاعت عرف سفو ساکن محلہ نخاسہ بلاد سنبھل کے ساتھ عرصہ تین سال کا گذرا ہوا تھا فریاد حسین مذکور نے اپنی بیوی کو طلاق شرعی نہیں دی ہے معلوم ہوا ہے کہ مسماۃ زاہدہ بیگم عرف منی مذکور نے اپنے گھر والوں اور اپنے باپ اور اپنی رضامندی سے ایک شخص زید ولد عبدالوحید ساکن محلہ چودھری سرائے بلاد سنبھل سے اپنا نکاح کرلیا ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسماۃ زاہدہ بیگم اور اس کا باپ اور جو شخص اس نکاح میں شامل ہوئے اور گواہ ووکیل بنے ان کے ساتھ مسلمانوں کو کیا برتاؤ کرنا چاہئے اور یہ زنا ہوگا یا نہیں۔

سائل کفایت اللہ ساکن محلہ نخاسہ سنبھل

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

مسمی فریاد حسین اور کفایت اللہ ساکن محلہ نخاسہ نے جب اپنی بیوی مسماۃ زاہدہ بیگم عرف منی کو طلاق نہیں دی ہے تو شرعاً یہ زاہدہ بیگم اسی فریاد حسین کی بیوی ہوئی اور شوہر والی عورت قرار پائی۔ اور شوہر والی عورت کے ساتھ کسی دوسرے کا نکاح شرعاً ناجائز وحرام وباطل ہے اور خلاف حکم خدا ورسول جل جلالہ

وصلی اللہ علیہ وسلم ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

والمحصنت من النساء۔ یعنی تم پر حرام کردی گئیں شوہر والی عورتیں۔

تو اس زاہدہ بیگم کا جو نکاح ثانی مسمیٰ فرید ولد عبدالوحید ساکن محلہ چودھری سرائے سے ہوا ہے وہ ناجائز وحرام ہے بلکہ وہ شرعاً نکاح ہی نہیں ہوا۔ زاہدہ بیگم اس سے فوراً علحدہ ہوجائے کہ اس کے ساتھ جو جماع ہوگا وہ حرام وزنا ہوگا۔ اور زاہدہ بیگم اور اس کے باپ اور گھر والے اور جو شخص بھی بعد علم حقیقۃ الحال کے اس حرام نکاح میں شامل ہوا یا اس میں وکیل وگواہ اور قاضی وعاقد یا بانی عقد بنا تو یہ سب گناہ عظیم کے مستحق اور عذاب شدید کے حقدار ہوئے ان کو استغفار اور توبہ کرنی چاہئے ورنہ مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے ترک تعلقات کرنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۶ صفر المظفر ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۰۹)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

زید کو تین سال ہوئے کہ ایک خونی کیس کی بنا پر پاکستان بھاگ گیا اس کی نوجوان بیوی ہندہ نے تین سال تک زید کا انتظار کیا آج دو ہفتہ ہوا زید کے والدین ہندہ کو گھر سے نکالدیتے ہیں چونکہ تین سال کے اندر زید کے پاس کتنے خبر دیئے گئے کتنے خطوط روانہ کئے گئے مگر نہ تو اس نے خود آیا نہ خطوط کا جواب دیا نہ اپنی بیوی کا کھوج پوچھ کیا اور نہ ایک پیسہ بھیجا، انہیں سب باتوں کی وجہ سے زید کے والدین ہندہ کو اپنے گھر سے نکال دیتے ہیں اور جواب دیتے ہیں کہ تم اپنی شادی جہاں چاہے کرسکتی ہے زید کا پتہ چلتا ہے کہ پاکستان میں جوا کھیلتا ہے اور غنڈوں کی سرداری کرتا ہے مگر اپنے بیوی کی خبر نہیں لیتا ہے، انہیں سب باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے والدین ہندہ کو نکال دیئے، کھانا کپڑا دینے سے مجبور ہیں اور غریب بھی ہیں، اب ہندہ اپنی شادی دوسرے سے کرنے کو تیار ہے اگر دوسری شادی نہیں کرتی ہے تو اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہے اور نہ کوئی ذریعہ معاش ہے، باپ ہے نہ اس کے کوئی گذارہ کرنے والا ہے، تین سال تک زید کے والدین ہندہ کو اپنے گھر رکھ کر کھانا کپڑا دیتے تھے مگر زید کا رویہ دیکھ کر ہندہ کو گھر سے نکال دیے ہیں اس صورت میں شریعت مطہرہ اجازت دیتی ہے کہ بکر کا نکاح ہندہ کے ساتھ پڑھا دیا جائے چونکہ میرے بستی کے سب ہندو اور مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ زید کے چھوٹے بھائی

بکر کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہوجائے کیا شریعت مطہرہ حکم دیتی ہے کہ ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ ہوجائے جب کہ زید اس کا کچھ خبر نہیں لے رہا ہے ہندہ کا گذارہ کرنے والا بھی کوئی ایسا نہیں نظر آتا ہے جو اس کا گذارہ کرسکے بہرکیف شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے بہت جلد جواب دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں اگر جواب میں تاخیر ہوتی ہے ہندہ کے حق میں خرابی نظر آتی ہے۔

المستفتی، گل محمد مولوی محمد اسحاق صاحب ومحمد حافظ اسمٰعیل صاحب

پنچو راسارن مورخہ ۱۸ استمبر ۱۹۵۷ء

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں ہندہ شوہر والی عورت ہے جب تک وہ زید سے طلاق حاصل نہیں کریگی اس کا دوسرا عقد شرعاً باطل وحرام ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قرآن کریم میں:

والمحصنت من النساء۔ (یعنی حرام کردی گئیں شوہر والی عورتیں)

تو ایسی صورت میں وہ جب تک زید سے طلاق حاصل نہیں کریگی بکر سے اس کا عقد ہرگز نہیں ہوسکتا لہٰذا ہندہ زید سے طلاق حاصل کرنے کی کوشش کرے جبراً قہراً جس طرح سے ہوسکے طلاق حاصل کرلے اور وہ بغیر طلاق وعدت گذارنے کے نکاح ثانی نہیں کرسکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ المتوسل النبی المرسل العبد الارذل محمد اول بن المفتی مولینا الحاج محمد اجمل نائب مفتی اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل ۱۴ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ

الجواب صحیح محمد اجمل غفرلہ عزوجل مفتی مدرسہ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۱۰)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہندہ کا شوہر چار پانچ برس سے پردیس میں ہے۔ نہ ہندہ کو خرچ بھیجتا ہے اور نہ اس کو اپنے پاس بلاتا ہے اور نہ ہی اس کو طلاق دیتا ہے ہندہ مجبور ہوکر خلع بل کے تحت عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرالیتی ہے اس کے بعد محلہ یا برادری کی پائنچائت بھی (جس میں ایک مولوی صاحب بھی ہیں) اس کا نکاح فسخ کردیتی ہے یہ دونوں فسخ یا دونوں میں سے کوئی ایک فسخ شرعاً صحیح ہوا یا نہیں؟ اور اب ہندہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

محمد احمد معرفت حضرت مولینا محمد محبوب صاحب اشرفی مدرسہ احسن المدارس نئی سڑک کانپور

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں میں ہندہ کو ہرگز جائز نہیں کہ اپنے شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر کسی دوسرے شخص سے نکاح کرسکے کہ یہ عورت شوہر والی ہے اور شوہر والی کا نکاح ثانی کرنا حرام وباطل ہے قرآن کریم میں ہے ﴿ والمحصنت من النساء ﴾ یعنی شوہر والی عورتیں حرام کردی گئیں) لہٰذا باوجود اس کے اگر وہ کسی دوسرے سے نکاح ثانی کریگی تو وہ نکاح باطل وحرام ہوگا۔ اور شوہر ثانی سے جو قربت ہوگی وہ زنا قرار پائیگی، العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اب باقی رہا خلع بل یا پنچایت سے اس نکاح کا فسخ کرانا تو شرعاً یہ کوئی چیز نہیں۔

اولا: انہیں نہ تو بطور وکالت شوہر کی طرف سے طلاق دینے کا حق حاصل ہے۔

ثانیا: نہ یہ امور فسخ نکاح کے موجبات واسباب ہیں۔

ثالثا: صورت مسئولہ میں شوہر کی گری موجودگی میں یہ نکاح فسخ کیا گیا ہے تو یہ قضا علی الغائب ہوئی اور قضا علی الغائب نہ صحیح ہے نہ نافذ ہے۔

درمختار میں ہے" ولا یقضی علی غائب ولا لہ ای لا یصح ولا ینفذ علی المفتی بہ"

تو دونوں فسخ شرعاً صحیح نہیں اور جب پہلا نکاح فسخ نہ ہوسکا تو دوسرا نکاح کس طرح ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۲۳ جمادی الاولاخری ۱۳۷۸ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۱۱)

جناب قبلۂ دین کعبہ سلامت جناب مولینا مولوی مفتی اجمل شاہ صاحب دامت برکاتہم بعد تمنائے دیدار شوق ملاقات واضح ہو کہ بندہ خیریت سے ہے امید کہ حضور بحمد اللہ خیریت سے ہونگے دیگر حال یہ ہے کہ حسب ذیل مسئلہ میں فتوے کی ضرورت ہے برائے کرم شرعی مسئلہ سے آگاہ فرمائیں عین بندہ نوازی ہوگی۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ

زید اپنی منکوحہ بیوی کو لیکر اپنے چچا حقیقی کے یہاں مہمان جاتا ہے اور تین دن رہ کر آجاتا ہے پھر کچھ دن بعد موقع پا کر رات کے وقت زید خود تنہا اپنی چچا کے یہاں جاتا ہے اور اپنی چچی کو زدوکوب کرتا ہے شور غول ہونے پر مکان کی چھت سے کود کر بھاگ نکلتا ہے جب شہر میں یہ خبر مشہور ہوتی ہے کہ بھتیجا اپنی چچی کو مار کر فرار ہو گیا، تب لوگ زید کی ماں سے دریافت کرتے ہیں کہ اپنی حقیقی چچی کو زید نے کیوں مارا، تو زید کی ماں جواب دیتی ہے کہ جب وہ اپنی بیوی کو لیکر چچا کے یہاں مہمان گیا تھا تو چچا نے زید کی منکوحہ سے زنا کیا مگر پھر اسکو دبا دیا اور زید قسم کھا کر لوگوں کو اس بات کا یقین دلایا کہ میں نے ایسا نہیں کیا کچھ دنوں کے بعد زید نے اپنی منکوحہ بیوی کو مار پیٹ کی جس کے صدمہ سے پانچ ماہ کا حمل ساقط ہو گیا دریافت کرنے پر زید نے کہا مجھے شک ہو گیا تھا کہ یہ میرے چھوٹے بھائی سے باتیں کرتی ہے اس کے بعد پھر بسلسلہ ملازمت اپنی منکوحہ کو ایک گاؤں پر لے جاتا ہے اور وہاں جا کر بھی بیوی کو بے رحمانہ طریقہ پر مار پیٹ کرتا ہے یہاں تک کہ گاؤں والے بہت زید کے خلاف ہو جاتے ہیں اور اسے اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ تم بیوی کو یہاں نہیں رکھ سکتے ہو بلکہ اس کو اسکے میکہ بھیجوا دو لہذا زید کی منکوحہ میکہ آجاتی ہے اور اب جانے کے لئے تیار نہیں بلکہ وہ کہتی ہے کہ میرا طلاق ہو چکا زید لینے آیا تو عورت نے دریافت کیا کہ مجھے آپ نے بلا قصور کیوں مار پیٹ کی تو وہ کوئی قصور نہیں بتلاتا لوگوں کے بہت مجبور کرنے پر اتنا کہا مجھے کچھ شک ہو گیا تھا۔ ایسی صورت میں صحیح شرعی مسئلہ سے آگاہ فرمائیے کہ واقعی زید کی منکوحہ نکاح سے خارج ہوئی یا نہیں؟۔ اسے دوبارہ طلاق لینے کی ضرورت ہے یا نہیں؟۔ یا اسی پر اپنی عدت پوری کر کے عقد ثانی کر لے اور کیا اسے ظالم و بے رحم شوہر سے مہر جو کہ عند الطلب ہے پانے کی حقدار ہے یا نہیں؟۔ فتوی تحریر فرمانے کی تکلیف گوارہ فرمائیں فقط

آپ کا خادم ناچیز فقیر بندہ عاصی محمد اسحاق انصاری محلہ چرکھیا کا کنواں بوندی

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صرف عورت کا یہ کہنا کہ مجھے طلاق ہو چکی شرعا کوئی چیز نہیں۔ ہاں جب طلاق پر شہادت شرعی گذرے یا شوہر اس کا اقرار کرے تو شرعا طلاق واقع ہوتی ہے۔ اسی طرح زنا کے ہو جانے سے بھی عورت نکاح سے خارج نہیں ہوتی۔ پھر جب اسکو نہ طلاق ہوئی نہ وہ نکاح سے خارج ہوئی تو نہ اس پر عقد

ثانی کر سکتی ہے ہاں اگر وہ طلاق چاہتی ہے تو شوہر سے جس طرح ممکن ہو طلاق حاصل کرے۔ بلا طلاق حاصل کئے وہ ہرگز نکاح ثانی نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۲۴ جمادی الاخریٰ/ ۱۳۷۸ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۱۳)

بخدمت شریف جناب مفتی صاحب ---------------- السلام علیکم

(۱) محمد یٰسین ولد لال محمد نے ایک شادی شدہ عورت سے اپنا نکاح کر لیا اس کا شوہر عرصہ ایک سال چھ ماہ سے موجود نہیں ہے لیکن وہ زندہ ہے نہ معلوم کہاں ہے لوگ کہتے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا لیکن محمد یٰسین کہتا ہے کہ میں نے نکاح پڑھا لیا اور وہ عورت اس کے گھر میں ہے اور اس کا یہ نکاح جائز ہوا یا کہ نہیں؟۔

(۲) اور اس کے نکاح کر لینے سے شادی شدہ عورت کے لئے کیا حکم آیا باقی رہا یا نہیں؟

(۳) یہ کہ مسلمانوں کو اس کے بارے میں کیا برتاؤ کرنا چاہئے اور پہلی منکوحہ کے بارے میں پنچائت کو کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی، ملا نور احمد انصاری محلہ ٹوڈی برم بھائی مانگیرول (کوٹہ راجستھان)

الجواب:

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) جس عورت کا شوہر زندہ ہو اگر چہ وہ ایک سال چھ ماہ سے غائب ہو تو ایسی عورت سے نکاح کرنا ایک شوہر والی عورت سے نکاح کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ شوہر والی عورت سے نکاح کرنا حرام قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿والمحصنٰت من النساء﴾ یعنی تم پر شوہر والی عورتیں حرام کر دی گئیں۔

لہذا محمد یٰسین کا ایسی شوہر والی عورت سے نکاح کرنا حرام و ناجائز ہے۔ اب رہا اس کا رسمی طور پر نکاح کر لینا تو وہ شرعا نکاح نہیں۔ تو محمد یٰسین فورا اس عورت سے جدا ہو جائے اس کا گھر میں اس عورت کو رکھنا اور اس کے ساتھ اختلاط و صحبت کرنا قطعا حرام و زنا ہے۔

(۲) محمد یٰسین کے اس عورت سے صرف ایسے ناجائز تعلق ہو جانے کی وجہ سے اس کی پہلی شادی

شدہ بیوی کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ بلاشبہ اس کا نکاح باقی ہے۔ محمد یٰسین پر اس کے حقوق زوجیت کا پورا کرنا شرعا لازم وضروری ہے۔

(۳) محمد یٰسین جب تک اس عورت سے جدا نہ ہو اور اس سے بالکل تعلق نہ توڑدے تو مسلمان اس پر ہر طرح کا امکانی دباؤ ڈالیں اور اس سے ترک تعلق کریں۔ اور پنچایت پہلی منکوحہ کے بارے میں یہ کرے کہ وہ اگر اس کی زوجیت میں زندگی گذارنے کے لئے تیار ہو اور یہ محمد یٰسین اس کے تمام حقوق زوجیت ادا کرنے کا پورے طور پر عہد وپیمان کرے تو پنچایت ان کے درمیان خلع کرادے اور آپس میں حقوق اس طرح ختم کرادے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۸ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۱۴)

کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک شخص اپنی بیوی کو عرصہ چار سال سے چھوڑے ہوئے ہے، نہ لے جاتا ہے اور نہ کوئی خبر گیری رکھتا ہے، چند بار اس کو سمجھایا گیا لیکن وہ کسی حال میں بھی اپنی بیوی کو لے جانا نہیں چاہتا ہے اور نہ طلاق دینا چاہتا ہے۔ ایسی شکل میں اس کی بیوی دوسری شادی از روئے شریعت کس طرح کرے، کیونکہ وہ نہایت غریب ہے اس کا کوئی سہارا نہیں۔ المستفتی محمد خلیل گاندھی، روڈ رسٹرا ضلع

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جس عورت کے شوہر نے اس کو طلاق نہیں دی ہے تو وہ شرعا شوہر والی عورت قرار پائی اور شوہر والی عورت کا کسی سے نکاح ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے ﴿والمحصنٰت من النساء﴾:

اور تمہارے اوپر حرام کردی گئی ہیں شوہر والی عورتیں۔

لہٰذا جب یہ عورت شوہر والی عورت ہے تو کسی طرح بھی یہ اپنا عقد ثانی نہیں کرسکتی البتہ اس شوہر پر ہر قسم کا قومی یا قانونی دباؤ ڈالا جائے کہ وہ اس کو اپنے پاس رکھے تو بہتر طور پر رکھے۔ ورنہ اس کو طلاق

دیگر آزاد کردے فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۲۳ر رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۱۵)

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی لڑکی ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ کردیا ہندہ بکر کے یہاں تین چار برس آتی جاتی رہیں زید جب ہندہ کو رخصت کرنے کا ارادہ کرتا تو ہندہ بکر کے ساتھ جانے سے گریز کرتی یہاں تک کہ دو چار مرتبہ محلّہ کے لوگوں کے یہاں اپنے آپ چھپایا بعد تلاش کے بکر کے ہمراہ رخصت کیا ایک مرتبہ ہندہ اپنے خاوند بکر کے یہاں سے ایک روغن گر کے ہمراہ بھاگ گئی۔ ایک ہفتہ تک روغن گر کے پاس رہی اس کے بعدہ ایک قصائی نے جھپٹ لیا، اس کے پاس ایک ہفتہ بھر رہی، ہفتہ کے بعد ایک کانسبل نے ہندہ کو بوچڑ سے چھین لیا، ہندہ ایک ہفتہ بھر کانسبل کے پاس رہی اور بعد ایک ہفتہ کے ہندہ کانسٹبل کو دھوکہ دیکر اپنے باپ زید کے گھر آگئی، بکر کو جب معلوم ہوکہ میری بیوی ہندہ زید کے مکان پر پہونچی ہے تو وہ زید کے مکان پر آیا اور اپنی بیوی ہندہ کی رخصت کی درخواست کی، تو ہندہ نے جانے سے اور زید نے بھیجنے سے انکار کیا اور زید نے بکر سے کہا میری شہزادی آپ کے گھر جانے کو تیار نہیں، وہ کہتی ہے کہ اگر بکر کے ساتھ رخصت کردوگے تو میں کنوے میں ڈوب کر یا زہر کھا کر اپنے کو ہلاک کر والونگی۔ اسی بحث وتمحیص میں تقریبا تین برس گزگئے، ایک شخص نے جس کا نام خالد ہے ہندہ کا نکاح قبل قربت کا تعلق تھا زید کے گھر پنچہ جمالیا اور خرچ کثیر کرکے ہندہ کو اپنے تصرف میں رکھ لیا جس طرح کہ میاں بیوی رہتے ہیں یہاں تک کہ ہندہ کے خالد سے لڑکی پیدا ہوئی، اور جس تاریخ میں لڑکی پیدا ہوئی اتفاق سے بکر بھی موجود تھا اور زید نے بکر سے کہا، اب تم اس کو طلاق دے دو تو بکر نے جواب دیا کہ ابھی تو ایک ہی بچہ ہے، اگر دس بچے بھی ہوجائیں تو بھی طلاق نہیں دونگا، مجھے بغیر کسی محنت اور خرچ کے پلے پلائے بچے ملیں گے۔ تو اہل علم کی خدمت ادب سے التماس ہے کہ بکر اپنی بیوی سے حرام کراتے دیکھتا ہے اور حرام کے نتیجہ سے بچہ بھی پیدا ہوتے ہیں، وہ خوش کا اظہار کرتا ہے کہ مجھے بغیر کسی محنت اور خرچ کے پلے پلائے بچے ملیں گے اور میرے کام آئینگے، اکثر صاحبان بکر کو سمجھاتے ہیں کہ بے حیائی اور بے شرمی کی بات ہے کہ تمہاری بیوی تمہارے موجودگی میں غیروں سے حرام کرائے اور حرام سے بچے بھی پیدا ہوں اور تم خوشی کا اظہار کرو اور

کہو کہ مجھے بغیر کسی محنت اور خرچ کے پلے پلائے بچے لیں گے، اس پر جواب دیا، طلاق کیوں دوں زید نے ہندہ کا نکاح میرے ساتھ کیا ہے۔ نہ کے خالد کے۔ یا درمیانی کے یا ثالث کے، بے حیائی اور بے شرمی کی زندگی ہندہ کی ہے نہ کے میری، ایسی صورت میں اہل علم جواب دیں کہ ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ رہا یا نہیں بکر کے ساتھ مسلمانوں کا تعلقات قومی یا برادری کے رکھنا چاہئے یا نہیں؟ زید کا برادری نے حقہ پانی بند کر دیا ہے اگر ہندہ کا نکاح خالد کے ہمراہ کر دیا جائے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ہندہ بہانے سے نکل جائے گی۔ اور ہمارا محلہ حرام سے بچ جائیگا۔ جواب دیجئے اجر ملے گا۔ فقط

عبدالرحمن معرفت جناب مطیع النبی صاحب محلہ انوخان کھیر۔ قصبہ انولہ ضلع بریلی۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں مسماۃ ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ باقی ہے جب تک بکر اس کو طلاق نہیں دیتا ہے اسوقت تک ہندہ کا کسی سے نکاح نہیں ہوسکتا اللہ تعالی قران کریم میں فرماتا ہے:

والمحصنت من النساء۔ یعنی حرام ہیں شوہر دار عورتیں۔

تفسیر مدارک میں تحت آیت کریمہ ہے" حرم علیکم نکاح المنکوحات ای اللاتی لھن ازواج ۔" یعنی ان عورتوں سے جنکے شوہر موجود ہوں۔

تفسیر احمدی میں ہے: المعنی وحرمت علیکم ذات الازواج ما دامت ذوات الازواج۔ آیۃ کریمہ کے یہ معنے ہیں کہ تم پر شوہر والی عورتیں جب تک کہ وہ شوہر والی ہیں حرام کر دی گئیں۔

تو اس آیت کریمہ سے یہ صاف حکم ثابت ہوگیا کہ ہندہ کا شوہر بکر موجود ہے تو یہ بغیر طلاق کے خالد سے نکاح نہیں کرسکتی۔ زید وبکر جب ہندہ کی اس حرام کاری پر راضی تو ان پر ہر طرح کا جائز قومی دباؤ ڈالا جائے۔ کہ یہ حتی الامکان اس حرام کاری کا انسداد کریں۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۱۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہندہ کی شادی زید کے ساتھ ہندہ کے سوتیلے بھائی نے کر دی اور اس وقت ہندہ نابالغہ تھی اور زید بالکل لنگڑا نھا چلنے پھرنے سے مجبور ہے اور ہندہ اس کے یہاں نابالغہ میں بھی دو تین مرتبہ گئی تھی اور بالغ ہونے پر بھی دو تین مرتبہ گئی ہے لیکن اب دو سال سے انکار کرتی ہے کہ میں اس کے یہاں نہیں جاؤں گی۔ اس لئے کہ اس کو کسی قسم کی کوئی خواہشات بھی نہیں ہے اور وہ ہمارے نزدیک کبھی آیا بھی نہیں۔ اس کے جانے کے لئے پوری بستی خلاف ہوگئی تھی مگر اس نے صاف انکار کر دیا کہ میں ڈوب کر مر جاؤں گی مگر اس کے یہاں نہیں جاؤں گی اور لنگڑا طلاق دینے سے بھی انکار کرتا ہے۔ اس حالت میں لڑکی کی دوسری شادی ہوسکتی۔ ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

زید سے جس طرح ممکن ہو ہندہ طلاق حاصل کرے اور بلا طلاق کے ہندہ کو دوسرا نکاح کرنا حرام ہے۔ قرآن کریم میں ہے: کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: "والمحصنات من النساء" واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۱۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

مسمی زید بفضلہ تعالی سنی ہے، اور مسمی بکر معاذ اللہ بد دین ہے، مسماۃ زینب سنیہ پہلے زید کے نکاح میں تھی، اس کے نطفہ سے ایک لڑکی مسماۃ اسماء پیدا ہوئی پھر مسماۃ زینب نے بیوہ ہو کر نکاح ثانی بکر وہابی سے کیا پھر بکر کے نطفہ سے ایک لڑکی مسماۃ کلثوم پیدا ہوئی، چونکہ مسماۃ اسماء پہلے سے مسمی سمیع خان سنی کے نکاح میں موجود ہے۔ لہذا مسماۃ کلثوم کو بھی مسمی سمیع خاں اپنے نکاح میں لا سکتے یا نہیں۔

المستفتی برکھو شاہ لکھائی کھجر یا گونڈا۔

الجواب

اللھم ھدایة الحق والصواب

صورت مسئولہ میں مسماۃ اسماء اور مسماۃ کلثوم اخیافی بہنیں ہوئیں تو یہ ہر دو بیک وقت سمیع خان کے نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں، کہ قرآن کریم میں ذکر محرمات میں اسکو صاف طور پر بیان فرمادیا گیا۔ ان تجمعوا بین الاختین ۔تم پر دو بہنوں کا جمع کرنا حرام کردیا گیا۔لہذا مسماۃ اسماء سمیع خان کے نکاح میں موجود ہے تو وہ مسماۃ کلثوم سے ہرگز ہرگز نکاح نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۱۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ

(۱) زید حنفی طبقے کا ہے اور وہ راجستھان سے پاکستان چلا گیا۔ اس کی زندگی کا حال معلوم ہے آنے والے دوا اور خطوط سے بھی اس کی زندگی کا پورا حال معلوم ہوتا ہے۔ اس نے اپنی بیوی ہندہ (اہل حدیث غیر مقلد فرقہ کی ہے) کو طلاق نہیں دی اور نہ لکھ کر بھیجی۔ ہندہ بالغ ہے۔ اور ایک بچہ بھی اس سے پیدا ہو چکا ہے۔ کیا ایسی صورت میں اس کا نکاح ثانی ہوسکتا ہے۔

(۲) یہاں پر ایک مذہب جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں اور غیر مقلد طبقے کے ہیں انہوں نے طلاق جانتے ہوئے اس کا عقد ثانی حنفی مرد سے کرادیا ایسی صورت میں نکاح ثانی اہلسنت والجماعت کے نزدیک صحیح قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔

(۳) قاضی صاحب شہر جو نکاح وطلاق کے واسطے مقرر ہیں ان کے علم میں یہ بات نہیں لائی گئی اور نہ وہ یہاں کے دستور کے مطابق نکاح ہندہ میں شریک ہوئے اور نہ ہی ان کا نائب اس لئے کہ قاضی صاحب شہر کی جانب ان کے نائب حنفی جماعت مقرر ہیں۔ جو ان میں سے نکاح مذکور کے لئے ۔۳۔ ۴۔ نائب صاحب کو بلایا گیا۔ مگر وہ سب انکار کرگئے۔ کیا ایسی صورت میں نکاح جائز ہے۔ برائے کرم جواب بالصواب جلد روانہ فرمائیں۔

خادم عبدالوہاب کلرک ڈسٹرک جج کوٹہ راجستھان مکان نمبر۱۴۔۷۰۰ راجپورہ چوبدار من کے

مندر کے پاس کوٹہ راجستھان

الجواب

اللھم ھدایة الحق والصواب

(۱) ہندہ کے شوہر کی زندگی کا حال یقینی طور پر معلوم ہے اور زید نے اس کو طلاق نہیں دی ہے تو یہ ہندہ شوہر والی عورت ہے تو ہندہ کا نکاح ثانی حکم قرآن کے شرعی خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: والمحصنت من النساء ۔ یعنی تم پر شوہر والی عورتیں حرام کردی گئیں۔

لہذا اس کا نکاح ثانی نص صریح سے باطل ہے۔

(۲) سوال نمبرا سے ثابت ہو چکا کہ ہندہ کو طلاق نہیں دی گئی تو اہل حدیث کے مجتہد صاحب نے خلاف حکم حدیث طلاق کہاں سے ثابت کردی جب شوہر نے طلاق نہیں دی تب اس کو طلاق دینے والا کون؟ ۔ لہذا اس کا عقد ثانی بحکم قرآن باطل ہے جیسا کہ جواب اول سے ظاہر ہے علاوہ بریں! جب کہ ہندہ غیر مقلد ہے تو اس کا کسی حنفی سے عقد کرنا صحیح نہیں ہوسکتا۔ خود اہل حدیث جب ہر حنفی کو مشرک کہتے ہیں تو یہ عقد بقول ان کے مسلمہ کا مشرک سے ہوا۔ جس کی صحت پر کوئی حدیث پیش نہیں کرسکتے۔

(۳) جب یہ نکاح شرعا باطل وغلط تھا تو قاضی شہر ونائبان کا انتظار کرنا صحیح ہوا اور شرعا نکاح ناجائز وباطل قرار پایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۱۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ہے کہ

خضر محمد خاں نے ایک عورت مسماۃ فاطمہ بیگم سے نکاح کیا جو کہ مہربان علی خاں کی بیوی تھی فاطمہ بیگم کے ساتھ ایک لڑکی بالغہ مسماۃ آرائش بیگم آئی جو فاطمہ کے پہلے خاوند مہربان علی خاں سے فاطمہ کے بطن سے پیدا ہوئی تھی خضر محمد کا آرائش بیگم سے ناجائز تعلق پہلے سے تھا اس کے حاصل کرنے کے لئے فاطمہ بیگم کے ساتھ نکاح کیا فاطمہ بیگم تو آرائش بیگم ہردو سے ہمبستری وجماع شروع کردیا اور دونوں عورتوں سے برابر اولاد ہوتی رہی خضر محمد خاں کا انتقال ہوگیا ہے اب سوال یہ ہے کہ خضر محمد خاں کی کونسی

اولاد جائز ہے اور کونسی ناجائز ہے یا دونوں ناجائز ہیں یا دونوں جائز ہیں اور کونسا نکاح صحیح ہے اور کونسا غلط۔

سائل نذر محمد خاں ساکن سرائے ترین

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں جو مسماۃ فاطمہ بیگم ماں ہے اور آرائش بیگم اس کی لڑکی ہے اور خضر محمد خاں کا ناجائز تعلق آرائش بیگم سے تھا اس کے بعد اس کی ماں فاطمہ بیگم سے جو نکاح کیا وہ باطل اور ناجائز ہے۔

عالمگیری میں ہے: وکما تثبت ھذہ الحرمۃ بالوطی تثبت بالمس والتقبیل والنظر الی الفرج بشھوۃ الی الفرج۔ (عالمگیری ج۲ ص۴)

یعنی جیسے کہ حرمت ہمبستری و جماع سے ثابت ہوتی ہے اسی طرح چھونے و نظر بد سے بھی ثابت ہوجاتی ہے۔

لہذا یہ فاطمہ بیگم اور آرائش بیگم دونوں ہر دو خضر محمد خاں کے لئے حرام ہوگئیں تو اب دونوں کی جو ان سے اولاد ہوئی وہ ثابت النسب نہیں اور ان دونوں کا نکاح ناجائز و باطل ہوا تو ان کے مال کے حقدار شرعا نہیں ہوسکتی۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب ۲۵ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

۴۹

باب الرضاعۃ

مسئلہ (۶۲۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) مسماۃ ہندہ کی دو دختر حقیقی حلیمہ وسلیمہ۔ حلیمہ کی دختر محمودہ اور سلیمہ کا پسر حامد۔ حامد پسر سلیمہ نے اپنی نانی حقیقی ہندہ کا اپنے زمانہ رضاعت میں دودھ پیا لیکن وہ زمانہ ہندہ کی رضاعت کا نہیں تھا کیونکہ اس وقت ہندہ کے پاس کوئی بچہ شیر خوار موجود نہیں تھا قدرۃ دودھ پیدا ہوتا گیا اور اکثر حامد پسر سلیمہ پیتا رہا اب حامد پسر سلیمہ تحت آیۃ کریمہ۔

وامھاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ۔

میں داخل ہوسکتا یا نہیں اور حامد پسر سلیمہ کا نکاح ہمراہ محمودہ دختر حلیمہ سے شرعا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) کیا کسی عورت کا زمانہ رضاعت نہیں ہے اور کسی شیر خوار نے دودھ پیا اور دودھ ہوتا رہا تو یہ صورت رضاعت میں شامل ہوسکتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

احقر العباد مالک حسین

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(۱) حامد پسر سلیمہ نے جب ڈھائی سال سے پہلے پہلے اپنی حقیقی نانی ہندہ کا دودھ پیا تو حامد کی رضائی ماں اور حلیمہ دختر ہندہ اس کی رضائی بہن ہوگئی اور محمودہ اس کی رضائی بہن حلیمہ کی لڑکی ہے تو گویا محمودہ حامد کی رضائی بھانجی ہوئی اور نسبی بھتیجی سے نکاح کی حرمت خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے۔

حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم واخواتکم وعماتکم وخالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت وامھاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ۔ (سورۂ نساء ج۴)

حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور

بھانجیاں اور تمہاری مائیں جنہوں نے دودھ پلایا اور رضائی بہنیں۔

آیۂ کریمہ سے صاف طور سے معلوم ہو گیا کہ نسبی بھانجی سے نکاح حرام ہے اور حدیث شریف ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یحرم من الرضاعة مایحرم من النسب۔ (بخاری شریف ص ۷۶)

رضاعت سے وہ حرام ہوئی جو نسب سے حرام ہوئی۔

تو نسبی بھانجی سے جس طرح نکاح حرام ہے۔

اسی طرح رضائی بھانجی سے بھی حرام ہے کتب فقہ میں خود اس کا جزئیہ موجود ہے۔

درمختار میں ہے: ولا یحل من الرضعة ولد مرضعتها ای التی ارضعتها وولد ولدها لانه ولد الاخ۔ (شامی ج ۲ ص ۴۱۹)

قدوری و جوہرہ نیرہ میں ہے: ولا یجوز ان تتزوج المرضعة احد من ولد التی ارضعتها لانه اخوها ولا ولد ولدها لانه ولد اختها ۔ (جوہرہ نیرہ ج ۲ ص ۸۶)

ان دونوں عبارتوں کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ دودھ پینے والے بچہ کا رضائی ماں کی نہ اولاد سے نکاح جائز کہ وہ اس کی رضائی بہن ہے نہ اس کی اولاد الاولاد سے جائز کہ وہ اس کی رضائی بھانجی ہے لہذا حامد کا اپنی رضائی بھانجی محمودہ سے نکاح ناجائز و حرام ہے۔ اور آیۂ کریمہ:

امهاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة۔

کے تحت میں یقیناً داخل ہے، کما اظهرته ببیان شاف ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۲) اس طرح قدرۃ دودھ اتر آنے سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ ہندہ تو قابل تولد بھی ہو گئی اس سے عجیب تر مسائل کتب فقہ میں مصرح ہیں۔ میتہ آئسہ باکرہ سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔

درمختار میں رضاعت کی تعریف یہ ہے کہ:

وهو شرعا مص من ثدی آدمیة ولو بکرا او میتة او آئسة۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۴۱۳)

شریعت میں رضاعت عورت کی چھاتی سے دودھ پینے کو کہتے ہیں۔ گرچہ عورت کنواری یا میتہ یا بڑھیا ہی کیوں نہ ہو۔

اور قدوری جوہرہ نیرہ میں ہے: اذا نزل بکر لبن فارضعت به صبیاً تعلق به التحریم

لاطلاق النص وهو قوله تعالیٰ وامهاتکم التی ارضعنکم ۔ (جوہرہ نیرہ ج ۳ ص ۸۷)

جب کنواری کو دودھ اتر آیا اور اس نے کسی بچے کو پلایا تو اس بچہ سے تحریم متعلق ہو گی بسبب اطلاق نص کے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول: امهاتکم التی ارضعنکم الآیة۔

لہذا ہندہ سے یقیناً رضاعت ثابت ہو گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۱۰ محرم الحرام ۱۳۵۶ھ۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۲۱)

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

انوار احمد طفل عمر جس کی ۳-۴ ماہ کی تھی اس کی نانی مسماۃ رابعہ بی بی نے جس کی عمر ۳۸-۳۹ سال کی تھی اور عرصہ نو سال سے سلسلہ ولادت نانی مذکورہ کا منقطع ہو چکا تھا اور اس کا شوہر بھی زندہ تھا طفل مذکور جب رونے لگتا تھا اس کے بہلانے کی غرض سے اپنے پستان طفل کی منہ میں وقتاً فوقتاً دیدیا کرتی تھی مسماۃ بالا کے اس طریقہ عمل سے اس کے پستانوں میں دودھ پیدا ہو گیا۔ یہ سلسلہ دودھ نوشی کا عرصہ تک جاری رہا لڑکے کی ماں بھی حیات تھی اور ماں کا دودھ بھی پیتا رہا دریافت طلب امر یہ ہے کہ طفل مذکور کی شادی نانی کے دوسری لڑکیوں کے دختران سے یعنی لڑکے کی خالہ زاد بہنوں کے ساتھ بموجب شرع شریف ہو سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی ابوالخیر طالب علم محلہ تاج گھر کہنہ خانقاہ کشفی کانپور بتاریخ ۸ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ

الجواب

اللهم هدایة الحق والصواب

جب مسماۃ رابعہ بی نے اپنے نواسہ انوار احمد کو دو سال کی عمر کے اندر دودھ پلایا تو اس سے یقیناً حرمت رضاعت ثابت ہو گئی اب اس حرمت رضاعت کے باطل کے لئے یہ اعذار۔ (۱) بی بی کا نو سال سے سلسلہ ولادت منقطع ہو چکا تھا باوجودیکہ اس کا شوہر زندہ تھا۔ (۲) بہلانے کی غرض سے وہ اپنے پستان اس کے منہ میں دیدیا کرتی تھی، کافی نہیں کیونکہ جب مسماۃ رابعہ بی بی کے پستانوں میں دودھ پیدا ہو گیا اور انوار احمد نے مدت کے درمیان میں اسے پیا اور عرصہ تک یہ شیر نوشی کا سلسلہ جاری رہا تو شرعاً اس

پر رضاعت کی تعریف صادق آگئی۔

درمختار میں ہے: الرضاع شرعا مص من ثدی آدمية ولو بكرا او ميتة او آيسة والحق بالمص الوجور والسعوط فی وقت مخصوص هو حولان ونصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الاصح فتح وبه يفتی۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۱۳)

یعنی شرعا رضاعت عورت کی پستان چوسنا اگرچہ وہ کوآرئی یا مردہ یا بڑھیا ہو اور حلق یا ناک میں دودھ ٹپکانا بھی چوسنے کے حکم میں ہے وقت مخصوص میں جو امام اعظم کے نزدیک ڈھائی سال اور صاحبین کے نزدیک دو سال ہیں وہی صحیح اور مفتی بہ قول ہے۔ اور جب رضاعت ثابت ہوگئی تو اب مساۃ رابعہ بی بی انوار احمد کی رضائی ماں ہوگئی اور اس کی ساری اولاد خواہ انوار احمد کو دودھ پلانے سے پہلے پیدا ہوئی ہو یا بعد سب انوار احمد کے رضاعی بھائی بہن ہوگئے اور جب وہ بھائی بہن ہوگئے تو ان کی بیٹیاں انوار احمد کی بھتیجیاں بھانجیاں ہوئیں اور انوار احمد ان کا ماموں ہوا تو ماموں بھانجی کا نکاح کسی طرح حلال نہیں ہوسکتا۔

درمختار میں ہے: ولا حل بين الرضيعة وولد مرضعتها ای التی ارضعتها وولد ولدها لانه ولد الاخ۔ (درمختار ج۲ ص۴۱۹)

ردالمحتار میں ہے: شمل ايضا مالو ولدته قبل ارضاعها للرضيعة او بعده ولد بسنتين۔ (ج۲ ص۴۱۹)

جوہرہ نیریہ میں ہے: ولا يجوز ان تتزوج المرضعة احدا من ولد اللتی ارضعتها لانه اخوها ولا ولد ولدها لانه ولد اختها۔ (ج۲ ص۸۶)

اگر کاش سوال کے یہ الفاظ ہوتے کہ رابعہ بی بی کی نواسیاں جو نسب کے لحاظ سے انوار احمد کی خالہ زاد بہنیں ہیں اور رضاعی اعتبار سے اس کی بھانجیاں ہیں ان میں سے کسی ایک کا نکاح اس انوار احمد سے شرعا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو مختصر جواب یہ ہوتا کہ ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وہ رضاعی طور پر ماموں بھانجی ہیں۔ اور ماموں کا بھانجی کے ساتھ نکاح حرام ہوتا ایسا عام مسئلہ ہے جس کو عوام بھی جانتے ہیں پھر اس میں حلت کی خواہش کرنا مسلمان کی شایان شان نہیں دنیوی واخروی نفع اسی میں منحصر ہے کہ شریعت کے حلال کو حلال مانا جائے اور حرام کو حرام سمجھا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

مسئلہ (۶۲۲)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ذیل کے مسئلہ میں کہ

(۱) زید کی شادی خالہ زاد بہن ہندہ سے عرصہ ۴ سال کا ہوا کہ ہوئی اور کئی اولاد بھی ہیں عرصہ چار سال کا ہوا کہ ہندہ کی والدہ نے زید کے چھوٹے بھائی کو ایک مرتبہ دودھ پلایا اب زید و ہندہ کے متعلق شرعی حکم کیا ہے۔

(۲) عرصہ ایک سال سے زائد ہوا کہ زید مذکور کے ہمشیر علقمہ کی شادی جو زید کے بھائی مذکور سے بڑی ہندہ کے چھوٹے بھائی بکر سے ہوئی ہے۔ اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے۔ بینوا بالکتاب توجروا بالصواب

محمد خلیل اختر ہائی کورٹ کلکتہ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

ہندہ کی والدہ نے جب زید کے چھوٹے بھائی کو اس کی ڈھائی برس کی عمر کے اندر اپنا دودھ پلا دیا تو ہندہ اور اس کی والدہ سے رشتہ وحرمت رضاعت فقط زید کے چھوٹے بھائی سے ہوا اور زید اور ہندہ میں کسی طرح کا رشتہ رضاعت نہیں ہوا لہذا زید ہندہ سے بلا شبہ نکاح کرسکتا ہے۔

ردالمحتار میں ہے: فاذا انتفى فی شئی من صور الرضاع انتفت الحرمة (ردالمحتار جلد۲ صفحہ ۴۱۶)

درمختار میں ہے " وتحل اخت اخيه رضاعا يصح اتصاله بالمضاف كان يكون له الخ نسبی له اخت رضاعية" واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) صورت مسئولہ میں مساۃ علقمہ کا نکاح جو ہندہ کے چھوٹے بھائی سے ہوا وہ صحیح ہے کہ ان کے مابین کسی طور سے رشتہ رضاعت نہیں پایا جاتا۔

عینی شرح کنز الدقائق میں ہے: يجوز ان يتزوج باخت اخيه من الرضاع اخته نسبا (اردالمحتار جلد۲ صفحہ ۴۱۸)

لہذا یہ نکاح شرعاً صحیح اور درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۷ محرم الحرام ۱۳۷۳ھ

مسئلہ (۶۲۳)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ذیل کے مسئلہ میں کہ

زید نے بچپن میں کچھ دنوں تک اپنی چچی کا دودھ پیا اس وقت زید کی دودھ شریک ہندہ تھی ہندہ کے چار بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ اب زید کی شادی عرصہ تین سال کا ہوا کہ ہندہ کی سب سے چھوٹی بہن علقمہ سے کردی گئی ہے کیا یہ شادی درست ہوئی ہے اور اب زید وعلقمہ کو کیا صورت اختیار کرنی چاہئے شرعی حکم کیا ہے بینوا بالکتاب توجروا توجروا یوم الحساب

المستفتی محمد خلیل اختر ہائیکورٹ کلکتہ

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر فی الواقع زید نے ڈھائی برس کی عمر کے اندر اندر اپنی چچی کا دودھ پی لیا تھا تو اس سے فقط اس کی لڑکی ہندہ ہی زید کی رضائی بہن ثابت نہیں ہوئی بلکہ ہندہ کے چاروں حقیقی بھائی اور تینوں حقیقی بہنیں بھی زید کی رضائی بہنیں اور بھائی ثابت ہوگئے، تو یہ علقمہ بھی زید کی ایسی ہی رضائی بہن ہوئی جیسی ہندہ اس کی رضائی بہن ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھا وفروعھا من النسب والرضاع جمیعا حتی ان المرضعة لو ولدت من ھذا الرجل اوغیرہ قبل ھذا الا رضاع او بعدہ۔

(عالمگیری جلد۲ صفحہ۴۲)

شامی میں ہے: یحرم من الرضاع اصولہ وفروعہ وفروع ابویہ وفروعھم الخ۔

(شامی صفحہ۲۸۶)

لہذا زید کا علقمہ سے نکاح حرام وباطل ہے تو یہ زید فوراً علقمہ سے جدا ہوجائے اور اس سے زبان سے یہ کہے کہ میں نے تجھے جدا کیا چھوڑ دیا تاکہ وہ علقمہ بعد عدت کسی دوسرے سے عقد ثانی کر سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۲۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ
ایک لڑکے نے اپنی چچی کا سب سے پہلی لڑکی کی پیدائش کے بعد کا دودھ پیا ہے اس کے بعد

اس چچی کے دو لڑکیاں اور پیدا ہوئیں تو اس لڑکے کا جس نے دودھ پیا ہے اس چچی کی سب سے چھوٹی لڑکی کے ساتھ نکاح جائز ودرست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی امین الدین از محلہ قلیل غربی شاہجہانپور

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جب اس لڑکے نے مدت رضاعت یعنی ڈھائی برس کے اندر اپنی چچی کا دودھ پیا ہے تو یہ چچی اس کی رضاعی ماں۔ اور اس کی اگلی پچھلی سب لڑکیاں اس لڑکے کی بہنیں ہوگئیں۔ لہذا سب سے چھوٹی لڑکی بھی اس لڑکے کی بہن ہوئی۔ تو اس لڑکے کا اس لڑکی سے نکاح ناجائز وحرام ہے کہ یہ بہن بھائی کا نکاح ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ واخواتکم من الرضاعۃ۔ علامہ نسفی تفسیر مدارک میں اس آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

ان اللہ تعالی نزل الرضاعۃ منزلۃ النسب فسمی المرضعة اما للرضیع والمرضعة اختا وکذالک زوج المرضعة ابوہ وابواہ جداہ واختہ عمتہ وکل ولد ولد لہ من غیر المرضعة قبل الرضاع وبعدہ فھم اخوتہ واخواتہ لابیہ وام المرضعة جدتہ واختھا خالتہ وکل من ولد لھا من ھذا الزوج فھم اخوتہ واخواتہ لابیہ وامہ ومن ولد لھا من غیرہ فھم اخوتہ واخواتہ لام۔ (مدارک مصری ص۱۶۹ ج۱)

اللہ تعالیٰ نے رضاعت کو بمنزلہ نسب کے ٹھرایا تو دودھ پینے والے کے دودھ پلانے والی ماں اور ساتھ دودھ پینے والی بہن کہلائیگی اور اسی طرح دودھ پلانے والی کا شوہر اسکا باپ اور اس شوہر کے آباء اس کے دادے اور اس کی بہن اس کی پھوپھی اور اسکا ہر بچہ جو اس دودھ پلانے والی کے علاوہ کسی عورت سے ہوچکا ہے دودھ پینے سے پہلا ہو یا پچھلا وہ سب اس کے بھائی بہن علاتی ہوئے اور دودھ پلانے والی کی ماں اس کی نانی، اس کی بہن اس کی خالہ اور اس کے اس شوہر سے ہر بچہ وہ سب اس کے حقیقی بھائی بہن ہوئے اور اسکا ہر بچہ جو اس شوہر کے غیر سے ہو وہ سب اس کے اخیافی بھائی بہن ہوئے۔

بخاری شریف میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من الولادۃ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۲۷۳)

جو ولادت (نسب) سے حرام ہے وہ رضاعت سے بھی حرام ہے۔

قدوری اور اس کی شرح جوہرنیرہ میں ہے:

كل صبيين اجتمعا على ثدى واحد فى مدة الرضاع لم يجز لا حدهما ان يتزوج بالا خرى) المراد اجتماعهما على الارضاع طالت المدة او قصرت تقدم رضاع احدهما على الاخرام لا لان امهما واحدة فهما اخ واخت ۔ (جوہرہ نیرہ ص۸۶ ج۲)

ہر دو بچے جو ایک پستان پر مدت رضاعت میں جمع ہو جائیں تو ایک کا دوسرے کے ساتھ نکاح جائز نہیں دونوں کے اجتماع سے مراد دودھ پینا ہے چاہے زمانہ دراز ہو یا کم اور دودھ پینے میں ایک کا دوسرے پر تقدم ہو یا نہ ہو کیونکہ ان دونوں کی ماں تو ایک ہی ہے تو وہ دونوں آپس میں بھائی بہن ہوئے۔

فتاوے سراجیہ میں ہے:

اذا رضعت صبية تحرم هذه الصبية على زوجها وعلى ابائه واو لا ده وعلى اباء المرضعة واولا دها الاصل ان اقر با زوجها اقرباء للرضيع ۔

(حاشیہ قاضی خاں مصطفائی ص۴۴۸ ج۲)

جب ایک عورت نے ایک بچی کو دودھ پلایا تو یہ بچی اس عورت کے شوہر پر اور اس شوہر کے آباء واولاد پر اور دودھ پلانے والی کے آباء واولاد پر حرام ہو جائیگی اصل یہ ہے کہ دودھ پلانے والی کے رشتہ دار اور اس کے شوہر کے رشتہ دار اس دودھ پینے والے کے رشتہ دار ہو جاتے ہیں۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

الرضاع فى اثبات حرمة المنا كحة بمنزلة النسب والصهرية كما ان الحرمة بالنسب اذا ثبت فى الامهات والبنات يتعدى الجدات والنوافل فكذا اذا ثبت با لرضاع يتعدى الى اصول المرضعة وفروعها واخوتها واخوانها ۔

(قاضی خان مصطفائی ص۱۹۰ ج۱)

حرمت نکاح ثابت ہونے میں رضاعت بمنزلہ نسب اور مصاہرت کے ہے کہ جیسے نسب کی وجہ سے حرمت جب ماؤں اور بیٹوں میں ثابت ہوتی ہے تو دادیوں اور نواسیوں کو پہنچ جاتی ہے اسی طرح رضاعت سے ثابت ہو کر دودھ پلانے والی کی اصول وفروع اور بہنوں اور بھائیوں تک پہنچ جاتی ہے۔

الحاصل آیت کریمہ اور حدیث شریف اور ان عبارات فقہ سے ثابت ہو گیا کہ دودھ پینے والے پر اس کی

رضاعی ماں اور باپ کی ساری اولاد حقیقی ہو یا علاتی واخیافی خواہ وہ دودھ پینے والے کے ساتھ کی ہو یا قبل وبعد کی سب حرام ہو جاتی ہیں۔ لہذا صورت مسئولہ میں وہ لڑکی اس دودھ پینے والے لڑکے کی رضاعی ماں ہی کی لڑکی تو ہے تو اس کی رضاعی بہن ہوگئی یا یوں کہئے کہ اس مرد کے رضاعی باپ کی لڑکی بھی ہے جب بھی اس کی رضاعی بہن ہوگئی بہر صورت اس لڑکے کا اس لڑکی سے نکاح ہرگز نہیں ہوسکتا کہ آپس میں رضاعی بھائی بہن ہیں۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۲۵)

دام اقبالہ بخدمت شریف جناب قبلہ مولوی حاجی محمد یٰسین صاحب السلام علیکم

بعد گزارش یہ ہے کہ دو شخص آپ کی خدمت میں روانہ کئے ہیں ایک تو قادر بخش حافظ صاحب دوسرا ملک غلام احمد کا ہے قصہ یہ ہے کہ ایک عورت نے ایک لڑکی کو دودھ پلایا۔ لڑکی کی عمر قریباً اس وقت ۵۔۶ ماہ کی تھی اور دودھ پلانے والی عورت کے وقت ایک بچی جس کی عمر اس لڑکی کے برابر تھی پہلے ہی موجود تھا، اس عورت نے ان دونوں بچوں کو دودھ پلا کر کے پرورش کیا ان کے جوان ہونے پر اس عورت نے ایک دوسرے شخص کیساتھ نکاح کر دیا۔ ۱۵۔۲۵۔ سال کے بعد لڑکی کے خاوند کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد جس عورت نے لڑکی کو اور اپنے لڑکے کو پرورش کیا تھا، یا اسے دودھ پلایا تھا اس عورت نے اپنے لڑکے کے ساتھ ایک مولوی صاحب کو ۱۰۰ سو روپیہ اور ایک گائے دیکر کے نکاح پڑھوا دیا۔ آیا کہ یہ نکاح واجب ہے یا نہیں اس کا جواب مہربانی کر کے بطور فقہ کے تحریر کریں اور جو شخص اس نکاح میں شامل تھے اسلام کی رو سے اور عالموں کے رو سے کیا جرم عائد ہوتا ہے مہربانی کر کے ان کے بارے میں بھی تحریر کریں۔ بمقام بیکانیر راجپوتانہ محلّہ تیلی مسجد کے پاس سید شہاب الدین برتن فروش

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں جب لڑکی اور لڑکے میں رشتہ شیر خواری ورضاعت پایا گیا تو یہ آپس میں رضائی بھائی بہن ہوئے۔ اور نسبی بہن بھائی میں جس طرح نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی بہن بھائی میں بھی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب "

خود اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: "و اخوا تکم من الرضاعة"
یعنی تمہیں تمہاری دودھ والی بہنیں حرام کردی گئیں۔

تو جس نکاح کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرام ٹھہرائیں اس کو کون حلال کرسکتا ہے۔ لھذا یہ نکاح ہرگز ہرگز نہیں ہوا۔ اس نکاح کا پڑھانے والا۔ شاہدین۔ اور حاضرین میں جس کو اس کا علم تھا اور اس نے باوجود علم کے اس میں شرکت کی ان سب پر توبہ لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

شوال المکرّم ۱۳۷۰ھ ۵۱ء

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۲۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زبیدہ خاتون وشفیق النساء دونوں حقیقی بہنیں ہیں۔ زبیدہ کی لڑکی کریم النساء تقریباً سات ماہ کی تھی کہ شفیق النساء کے بطن سے ایک بچہ اشفاق احمد پیدا ہوا۔ پانچ ماہ کی عمر میں اشفاق احمد کا انتقال ہوگیا اس وقت شفیق النساء نے کریم النساء کو اپنا دودھ پلایا۔ جس وقت دودھ پلایا کریم النساء کی عمر تقریباً ایک سال کی تھی، بعد ازاں شفیق النساء کو دوسرا بچہ پیدا ہوا اور فوری انتقال کرگیا۔ اس کا چھوٹا دودھ بھی کریم النساء کو شفیق النساء نے پلایا اس کے بعد شفیق النساء کے دو بچے اور پیدا ہوکر فوت گئے اور ان دونوں کے بعد شفیق النساء ایک لڑکی زبیدہ کے بطن سے پیدا ہوئی جس کا نام رحیم النساء ہے رحیم النساء اور مہر النساء کی عمر میں تین ماہ کا فرق ہے یعنی رحیم النساء مہر النساء سے ۳ ماہ بڑی ہے۔ اب مہر النساء بیمار ہوجاتی ہے اور اطباء کے مشورے سے ماں کا دودھ بند کردیا جاتا ہے۔ چنانچہ زبیدہ رحیم النساء کا چھوٹا دودھ مہر النساء کو پلادیتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مہر النساء اور شفیق احمد کا عقد نکاح ایک دوسرے سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

محمد عبد الاحد اشرفی غفرلہ مدرس مدرسہ مسعود العلوم اشرفیہ جھلونی بازار بہرائچ ۳۰/ مارچ ۱۹۵۵ء

الجواب

اللھم ھدایة الحق والصواب

جب مہر النساء نے اڑھائی سال کی عمر کے اندر ہی مسماۃ زبیدہ کا دودھ پیا ہے تو یہ مسماۃ زبیدہ اس مہر النساء کی رضائی ماں ہوگئی اور اس کی اولاد اس مہر النساء کے رضائی بھائی ہوئے اور جب یہ آپس میں رضاعی بھائی بہنیں ہوئیں تو ان کے مابین نکاح یقیناً حرام ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: و یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع و اصولھما و فروعھما من النسب و الرضاع جمیعا۔

خود قرآن کریم میں ہے: و اخوا تکم من الرضاعة۔

اور اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مہر النساء وشفیق احمد کی رضاعی بہن ہے تو شفیق احمد کا نکاح اس مہر النساء سے کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۵/ رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۲۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کی بیوی اپنی سگی بہن کو دودھ پلا چکی ہے، تو زید کی بیوی کے مرجانے کے بعد زید اس سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں اگر نکاح نہیں کرسکتا تو اس سے کونسا رشتہ قائم رکھ سکتا ہے؟۔

الجواب

اللھم ھدایة الحق والصواب

زوجۂ زید نے جب مدت رضاعت میں اپنی بہن کی دودھ پلایا تو اگر وہ دودھ زید ہی کے جماع اور بچہ کا دودھ ہے تو اب زید کی وہ ہمشیر زوجہ رضائی بیٹی ہے ہرگز ہرگز نکاح نہیں کرسکتا۔ کما ھو مصرح فی الجوھرة النیرة۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

﴿۵۰﴾

باب الولی

مسئلہ (۶۲۸) از سنبھل

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ

مسمی عنایت اللہ کا انتقال ہوگیا اور اس نے ایک لڑکی مسماۃ بتولن نابالغہ اور تین بھائی حقیقی چھوڑے اور مسماۃ محمد عنایت اللہ متوفی کی خوشدامن ہے۔ حسب شرع شریف حق ولایت نکاح مسماۃ بتولن کا کس کو حاصل ہے؟ آیا لڑکی کی نانی ولیہ نکاح ہے۔ یا اس کے تینوں چچا تائے۔ اور ان تینوں بھائیوں کا نام یہ ہے۔ اول کا نام تولا۔ دوم حمد اللہ۔ سوم حفیظ اللہ۔ بینوا توجروا فقط

المستفتی تولا قوم حجام ساکن محلہ بیگم سرائے پرگنہ سنبھل ضلع مراد آباد

۹ جمادی الاخری ۱۳۴۵ھ

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اس صورت میں ولی نکاح چچا ہے۔ نانی کو حق ولایت نکاح نہیں ہے۔ فقط ذکاوت حسین عفی عنہ

اصل ولی نکاح عصبہ ہے۔ چنانچہ سید عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں" النکاح الی العصبات " رہی اقرب وابعد کی تفصیل اس کی صراحت قاضی خان میں اس طرح ہے " اقرب العصبات الی الصغیر والصغیرۃ الاب ثم الجد ثم الاخ لاب وام ثم الاخ لاب ثم بنو ھما علی ھذا الترتیب وان سفلوا ثم العم لاب وام " یعنی نابالغ اور نابالغہ کا سب سے قریب تر ولی نکاح باپ ہے پھر دادا پھر حقیقی بھائی پھر علاتی بھائی پھر ان دونوں کی اولاد مذکور اسی ترتیب پر پھر حقیقی چچا۔ اسی لئے ولی اقرب ولی ابعد پر مقدم ہوگا۔

اب اس ترتیب میں چچا کے بعد بارہویں درجے میں نانا ولی نکاح بنتا ہے۔ پھر نانی کا تو ذکر کیا۔ لہذا یہ تینوں چچا ہی اس نابالغہ کے ولی ہیں۔ نانی ان کے ہوتے ہوئے ہرگز ولی نکاح نہیں ہوسکتی۔ اگر نانی اس نابالغہ کا بغیر اجازت اس کے چچا کے نکاح کرے تو وہ اس نکاح کو فسخ کرسکتے ہیں۔

در مختار میں ہے" فللا قرب منھم حق الفسخ "یعنی ولی اقرب کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے۔

قاضی خاں میں ہے "وان زوجھا الابعد والاقرب حاضر یتوقف علی اجازۃ الاقرب "یعنی اگر ولی ابعد نے ولی اقرب کے موجود ہوتے ہوئے نکاح کردیا تو یہ نکاح اس ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ بالجملہ یہ تینوں اس نابالغہ کے ولی اقرب ہیں، نانی کو حق ولایت نکاح حاصل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۲۹)

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک لڑکی جس کی عمر ۱۴ سال کی ہے اور اس کے بھائی کی عمر ۱۷ سال کی ہے اور اس کا باپ غیر حقیقی موجود ہے۔ آیا اس لڑکی کے نکاح کی اجازت اس کا بھائی دے سکتا ہے یا سوتیلا باپ۔ بینوا توجروا

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر یہ لڑکی نابالغہ ہے تو اس کا ولی اگر اس کے باپ دادا نہ ہوں تو اس کا یہ بھائی ولی ہے۔

شامی میں ہے: یقدم الاب ثم ابوہ ثم الاخ الشقیق ثم لاب ثم ابن الاخ الشقیق ثم لاب ثم العم الشقیق۔

یعنی پہلے مستحق ولایت کا باپ ہے، پھر دادا، پھر حقیقی شقیق بھائی، پھر سوتیلا بھائی، پھر حقیقی شقیق بھتیجا، پھر سوتیلا بھتیجا، پھر شقیق چچا۔

عالمگیری اور طحاوی وغیرہ میں ہے: سوتیلے باپ کو اس کے ہوتے ہوئے کوئی استحقاق ولایت کا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۳۰_۶۳۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

میں کہ معظمی قبلہ مدظلہ بندہ بخیر طالب خیر بعد سلام نیاز مندانہ خدمت میں عرض کرتا ہے کہ ہندہ کی شادی زید سے ہوئی زید نے طلاق دیدی اسکے بعد بکر سے عقد ہوا بکر کا انتقال ہوگیا اب ہندہ کی مرضی عمر سے شادی کے لئے ہے مگر ہندہ کے والدین عمر سے شادی کرنے کو منع کرتے ہیں ہندہ کہتی ہے کہ میں ڈوب کے مرجاؤں گی زہر کھالونگی مگر موقع ملا تو میں عمر کے یہاں چلی جاؤں گی ہندہ اور عمر دونوں اس بات پر راضی ہیں کہ ہمارا عقد ہوجائے اگر خدانخواستہ ہندہ کا عقد عمر کے ساتھ نہ ہوا تو یہ اندیشہ ہے کہ ڈوب کر یا خودکشی سے جان کو ہلاک نہ کردے اور یہاں تک ہے کہ ایک روز رات کے وقت ہندہ عمر کے پاس آئی اور کہا کہ چلو ہم تم دونوں کہیں چلدیں عمر نے کہا کہ میں شریعت کے خلاف ہرگز نہیں کرسکتا تم مجھ سے نکاح کرلو اگرچہ تمہارے ماں باپ کی اجازت بغیر نکاح نہیں ہوسکتا تھا تم بالغ ہو لہذا اگر تم اپنے ماں باپ کی اجازت کے بغیر نکاح کروگی تو صحیح ہوگا تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ

(۱) اگر عمر ہندہ سے اس صورت میں نکاح کرے تو شریعت کے خلاف تو کوئی بات نہیں اور یہ بھی نہیں کہ عمر غیر کفو ہو ہندہ کا کفو ہے اگر ہندہ کسی کی زبانی یہ سنتی ہے کہ تیرا عقد خالد یا بکر کے ساتھ ہوگا تو کہتی ہے کہ حرام زادہ کے پیٹ میں چاقو ماردونگی یا اپنا پیٹ پھاڑ ڈالوں گی عرض یہ ہے کہ سوائے عمر کے کسی دوسرے سے نکاح کرنا ہندہ کو منظور نہیں اور ایک روز آمادہ بزنا ہوگئی لیکن خدا نے اپنے فضل سے ان کو محفوظ رکھا اور اس سے بچ گئے اگر ماں باپ سے چھپ کر ہندہ کا عقد ہوجائے باقی اور جتنے شرائط ہیں وہ نکاح کے وقت پائے جائیں تو نکاح ہوگا یا نہیں؟۔

(۲) اگر ہو گیا تو ہندہ اپنے باپ کے مکان پر رہے اور خرچہ کا زیر بار عمر رہے یہ ہوسکتا ہے یا نہیں ان کے عقد نہونے میں خوف زیادہ خوف ہلاکت ہے اور شوہر کی موت کو پانچ سال کا عرصہ ہوا لیکن ہندہ نے عقد نہیں کیا ہندہ کے لئے عمر کو بہت مجبور کررہی ہے کہ خط کا جواب تو میں کچھ کہوں گا زید کے طلاق دینے کے بعد ہندہ کی مرضی عمر کے ساتھ تھی لیکن ماں باپ نے زبردستی اسے تکلیفیں دیں کھانے کو نہیں دیا جبراًبلا کے ساتھ کردیا تو اس کے مرنے کے بعد اس کے خیال میں زیادہ اس طرف میل ہوا اب اگر شادی ہوگی تو عمر کے ساتھ ورنہ زندگی بیکار ہے کوئی بات شریعت کے خلاف نہ ہونے پائے اگرچہ عدالت کے خلاف ہوجائے تو پروا نہیں عمر کا دست بستہ سلام عرض ہے۔ چندوسی ضلع مرادآباد

الجواب

اللھم ھدایة الحق والصواب

(۱) عمرو ہندہ کا کفو شرعی ہے یعنی قوم نسب میں چال چلن مذہب میں بہ نسبت ہندہ کے کوئی ایسا قصور اور عیب نہیں رکھتا جس کی وجہ سے ہندہ کا اس کی مناکحت میں آنا پدر ہندہ کے لئے عار کا سبب ہو تو ہندہ نے اگر بہ ناراضی پدر اپنا نکاح عمر سے کرلیا تو اس نکاح کے صحیح ودرست ہونے میں کوئی شبہ نہیں اگرچہ والدین کی ناراضی ہندہ کو نقصان دہ ہو مگر جواز نکاح میں کوئی خلل نہ آئے گا چنانچہ مسلم شریف وغیرہ کتب احادیث میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

الایم احق بنفسها من وليها ۔(مشکوۃ شریف ص ۲۷۰)

یعنی شادی شدہ عورت اپنے نفس کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے۔

درمختار میں ہے: فنفذ نكاح حرة مطلقة بلا رضا ولي ۔(حاشیہ ردالمحتار مصری ص ۳۰۴)

یعنی آزاد عاقلہ بالغہ عورت کا نکاح بلا مرضی ولی کے نافذ ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصوب۔

(۲) عورت کا نفقہ عقد صحیح کے بعد ہی سے شوہر پر واجب ہوجاتا ہے اب چاہے شوہر اسے گھر رکھے یا اپنی رضا سے اس کے باپ کے گھر رکھے ردالمحتار میں ہے۔

فيجب النفقة من حين العقد الصحيح وان لم تفعل الى الزوج اذا لم يطلبها۔

(ردالمحتار ص ۶۶۳)

درمختار میں ہے: ولو هي في بيت ابيها اذا لم يطالبها الزوج بالنفقةو به يفتي ۔

(حاشیہ ردالمحتار ص ۶۶۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۷ صفر المظفر ۵۸ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۳۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

مسماۃ منیا۔ بسلسلہ مہمانی قصبۂ ہلدوانی میں اپنی بڑی لڑکی کے مکان پر گئی اور پانچ یوم تک وہاں

پر مقیم رہی اس کے ہمراہ اس کا شوہر مسمی چھنگے۔ گاذر اور اس کی چھوٹی لڑکی مسمی سوکھی بھی تھی وہاں پر اس مدت قیام میں اس کے برادران نے اس پر جبر کر کے اس کی چھوٹی لڑکی مسمی سوکھی بنت چھنگے کا۔ نکاح حالت نابالغی میں الٰہی بخش گاذر نابالغ کے ساتھ کرا دیا حالانکہ اس نکاح سے اس کا باپ چھنگے گاذر ناراض ہو کر نکاح سے پہلے چلا آیا تھا تو اس کی ماں مسماۃ منیا۔ سے زبردستی برادران نے اذن لے کر اس کا نکاح پڑھوا دیا بعد بالغ ہونے کے مسماۃ سوکھی اپنے شوہر الٰہی بخش گاذر کے پاس رہنا چاہتی ہے اور نہ اس کے شوہر نے وقت نکاح سے جس کو تقریباً عرصہ بارہ (۱۲) سال کا ہو گیا اسکی کوئی خبر لی ہے اس مدت مذکور الصدور میں یہ لڑکی بالغ ہو گئی اور اس کا جو تعلق اس کے ایک برادر شوہر سے ہو گیا اور اس برادر سے اس لڑکی مذکورہ کو تقریبا چھ یا سات ماہ کا حمل ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ صورت مذکور الصدر میں مسماۃ سوکھی کا نکاح صحیح تھا یا نہیں تھا۔ اگر صحیح تھا تو اب مسماۃ مذکورہ کو استحقاق فسخ نکاح کا حاصل ہے یا نہیں اور اس مسماۃ سوکھی کا نکاح جس شخص سے کہ اس کو حمل ہے اس کے ساتھ قبل وضع حمل جائز ہے یا نہیں؟۔

بینوا توجروا من ادلۃ الشرعیہ والنقلیۃ۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں مسماۃ سوکھی کا نکاح صحیح نہیں ہوا کیونکہ وہ اس وقت نابالغہ تھی اور نابالغہ کے صحت نکاح کے لئے ولی کا ہونا شرط ہے۔

درمختار میں ہے: وھو الولی شرط صحۃ نکاح صغیرۃ۔ (شامی ص ۳۰۴)

اور اس کا ولی خود اس کا باپ چھنگے موجود ہے جو اس نکاح سے سخت ناراض ہے اور وہ اس نکاح کی اجازت نہیں دیتا یہاں تک کہ وہ اس نکاح سے قبل ہی چلا آیا تو مسماۃ سوکھی کا یہ نکاح کیسے صحیح ہو سکتا ہے اور جو پدر مسماۃ سوکھی کے ہوتے ہوئے مسماۃ منیا اور برادران کو نکاح کرنے کا حق حاصل نہیں کہ ولی قریب کے موجود ہوتے ہوئے ولی بعید کو حق ولایت ہی نہیں۔

چنانچہ شامی میں ہے: ولا ولایۃ للابعد مع الاقرب۔ (ص ۳۲۳)

البتہ یہ نکاح فضولی ہوا اور نکاح فضولی بے اجازت نافذ نہیں ہوتا لہذا اگر مسمی چھنگے نے اس نکاح کو رد کر دیا تھا تو وہ اسی وقت فسخ ہو گیا۔

چنانچہ ردالمحتار میں جامع الفصولین سے ناقل ہیں:

یتوقف علی اجازۃ ولیہ مادام صبیا ولو بلغ قبل اجازۃ ولیہ فاجاز بنفسہ جاز ولم یجز بنفس البلوغ بلا اجازۃ۔

پس اگر یہ نکاح ان صورتوں میں سے کسی طور پر فسخ ہو چکا ہے تو مسماۃ سوکھی کو اختیار حاصل ہے کہ جس سے چاہے نکاح کرے پھر مسماۃ سوکھی زنا سے حاملہ ہے تو وہ قبل وضع حمل بھی نکاح کر سکتی۔

تنویر الابصار و درمختار میں ہے: وصح نکاح حبلی من زنا۔

اور زانی سے تو نہ فقط نکاح ہی جائز بلکہ وطی بھی جائز ہے۔

درمختار میں ہے: لو نکح الزانی حل له وطیھا اتفاقا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۳۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ

ہندہ کے شوہر نے بحکم الٰہی انتقال کیا اور ہندہ کو ہندہ کے حقیقی خسر نے لڑائی جھگڑے کر کے اپنے مکان سے نکال دیا بحالت مجبوری پریشانی بعد گذرنے ایام عدت ہندہ کو آئے بغیر اجازت اپنے خسر حقیقی کے اپنا نکاح ثانی زید کے ساتھ کر لیا خسر نے اس سے ہر قسم کا تعلق ترک کر دیا اور وہ علیحدہ مکان میں اپنے شوہر ثانی یعنی زید کے ساتھ ساتھ گھر میں رہنے سہنے لگی ہندہ مذکور کے ایک لڑکی نابالغہ عمر ۱۳ سال شوہر اولیٰ سے تھی ہندہ اور اس کے شوہر ثانی یعنی زید نے اس لڑکی کے حقیقی چچا یعنی بکر نے حمیدہ مذکورہ کا نکاح عمر کے ساتھ کر دیا تو کیا یہ نکاح موافق شرع شریف صحیح ہوا یا نہیں؟۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اس نابالغہ لڑکی کے نکاح کرنے کا ولی دادا ہے اسکی ولایت سے نکاح کرنا ضروری تھا اب بلا اجازت کے جب نکاح ہوا تو یہ نکاح فضولی ہوا جو دادا کی اجازت پر موقوف ہے اگر وہ اجازت دے نکاح جائز ہو جائے گا اور رد کرے تو رد ہو جائے گا۔

درمختار میں ہے: لو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔

(شامی ج ۲ ص ۳۴۳)

البتہ اگر دادا نے اس لڑکی کے نکاح کرنے سے بلا وجہ شرعی انکار کردیا اور چچا نے یہ نکاح کفو میں یعنی مذہب نسب چال چلن پیشہ ان تمام امور کا لحاظ رکھتے ہوئے مہر مثل پر کیا تو یہ نکاح شرعاً صحیح ہوگیا۔

درمختار میں ہے: يثبت للابعد التزوج بمعزل الاقرب اى بامتناعه عن التزوج اجماعا ملخصا۔ (درمختار ج ۲ ص ۳۲۴)

اور اگر لڑکی کے چچا نے یہ نکاح غیر کفو میں کیا ہے یا مہر مثل میں زیادہ کمی کی ہے تو یہ نکاح صحیح نہیں۔

اسی درمختار میں ہے: وان كان المزوج غير الاب وابيه ولو الامام او القاضى لا يصح النكاح من غير كفو او بغبن فاحش اصلا ملخصا۔ (درمختار ج ۲ ص ۳۱۳)

سوال میں چونکہ واقعہ کی پوری تصویر نہیں ہے اسلئے جواب کے چند پہلو لکھ دیئے گئے، سائل کو چاہئے کہ جیسی صورت ہو اس کے موافق حکم چسپاں کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۳۴)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی نابالغ لڑکی ہندہ کی طرف سے ولی ہوکر بکر سے نکاح کردیا اب چھ مہینے کے بعد زوجین میں تنازع ہوگیا حالانکہ وہ لڑکی اب بھی نابالغہ ہے لہٰذا زید نے ہندہ کے نکاح کو فاسد کرادیا۔ اب کیا حکم ہے دلائل سے ہو۔ بینوا توجروا

المستفتی، احقر خادم عبدالواحد از مدرسہ دارالعلوم دھولہ ڈاکخانہ دھولہ ضلع درنگ آسام

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

نابالغہ کے نکاح کرنے کا تو ولی کو حق حاصل ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے "للولى الصغير والصغيرة ان ينكحهما وان لم يرضيا بذلك" (از فتاویٰ عالمگیر قیومی باب الاولیاء جلد ۲ صفحہ ۱۰)

لیکن شرعاً ولی کو نابالغہ کے نکاح کے فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں نہ خود نہ نابالغہ قبل بلوغ اپنا نکاح فسخ کر

سکتی ہے۔ البتہ وہ بعد بلوغ فوراً اس نکاح کو فسخ کرسکتی ہے جو باپ دادا کے سوا اور کسی ولی نے اپنی ولایت سے نکاح پڑھایا ہو۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: وان زوجهما غير الاب والجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ ان شاء اقام على النكاح وان شاء فسخ۔ (عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۱۰)

اور جب باپ دادا نے اپنی ولایت سے نکاح پڑھوایا ہے تو اس کو بعد بلوغ بھی فسخ کرنے کا حق نہیں رکھتی۔ اسی فتاویٰ عالمگیری میں ہے "فان زوجهما الاب او الجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما۔ (فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۱۰)

لیکن صورت مسئولہ میں تو قبل بلوغ ہی فسخ نکاح کا ذکر ہے تو وہ نکاح نہ تو ولی کے فسخ کرنے سے فسخ ہوا نہ اس نابالغہ کے فسخ کرنے سے فسخ ہوسکا اور نہ اب آئندہ بعد بلوغ کسی طرح یہ ہندہ اس کو فسخ کرسکتی ہے کہ وہ باپ کا کیا ہوا نکاح ہے جو شرعاً قابل فسخ ہی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۶ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۳۵)

مسئلہ ذیل میں حضرات مفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں

ہندہ نابالغہ تھی اور کوئی علامت بلوغ ظاہر نہ ہوئی تھی۔ عین اسی حالت میں ہندہ کے چچا نے لڑکی کے والدین کی موجودگی میں اس کا نکاح زید کے ساتھ کردیا۔ لیکن جس وقت ہندہ بالغ ہوئی تو اس نے اسی مجلس میں علی الفور اپنی ناراضگی کا اعلان کردیا۔ لہٰذا اب وہ اپنا نکاح اپنی اور والدین کی مرضی کے مطابق دوسری جگہ کرنا چاہتی ہے تو کیا ایسی حالت میں وہ دوسری جگہ شرعاً مجاز نکاح رکھتی ہے بینوا توجروا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر ہندہ کا نکاح اس کے باپ کی مجلس عقد کی موجودگی میں اس کے چچا نے کیا تو اس نکاح کیلئے اگر اس کے باپ کی اجازت ورضا صراحۃً ودلالۃً ثابت ہوچکی ہے تو ہندہ کو خیار بلوغ کا حق حاصل نہیں یعنی وہ بالغہ ہونے کے بعد نہ پہلے نکاح فسخ کراسکتی اور نہ ہی دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ کیوں کہ اس صورت

میں یہ عقد اس کے باپ کا کیا ہوا قرار پایا اور باپ کے کئے ہوئے عقد میں خیار بلوغ نہیں ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے " فان زو جهما الاب او الجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما "

اور اگر اس نکاح کیلئے ہندہ کے باپ کی اجازت ورضا نہ صراحۃ ثابت ہے اور نہ دلالۃ یہاں تک کہ مجلس میں اس کا محض ساکت رہنا بھی اجازت نہیں ہے تو اس نکاح کو اس کا باپ بھی فسخ کراسکتا ہے اور ہندہ کو بھی خیار بلوغ کا حق حاصل ہے۔ تو اس صورت میں ان دو باتوں میں سے جو ثابت ہو جائے تو وہ پہلا نکاح فسخ ہو جائیگا اور اس کے بعد ہندہ کا دوسرا نکاح بھی ہوسکتا ہے۔

ردالمحتار میں ہے: لايكون سكوته (اى سكوت الولى الاقرب) اجازة نكاح الا بعد وان كان حاضرا فى مجلس العقد مالم يرض صريحا او دلالة۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۳۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین زاد اللہ برکاتہم

صورت مسئولہ میں کہ مسماۃ ہندہ جسکے ایک لڑکا اور ایک لڑکی نابالغہ جسکی عمر تقریبا آٹھ برس ہے بیوہ ہوگئی بعد گزرنے عدت کے اس نے مسمی زید سے نکاح ثانی کرلیا مسمی زید مذکور نے بے اطلاع وبلا رضامندی مسماۃ ہندہ کے اس کی نابالغہ لڑکی کو نیوتہ کے حیلہ سے اپنی کسی رشتہ دار میں لیجا کر اسکا نکاح کر دیا اب مسماۃ ہندہ اور اس کے لڑکے کو معلوم ہوا تو ان کو قطعا انکار اور کسی طرح منظور نہیں دریافت طلب یہ امر ہے کہ از روئے شریعت مطہرہ یہ نکاح صحیح ہے یا ناجائز۔ فقط بینوا توجروا۔ خاکسار خلیل احمد عفی عنہ مقام وڈاکخانہ پکراں ضلع رائے بریلی۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر زید سے اس دختر ہندہ کی پہلی کوئی ایسی قرابت ورشتہ داری نہیں ہے کہ جس سے حق ولایت ثابت ہوسکے تو زید کو محض شوہر ثانی ہونے کی بنا پر ہندہ کے پہلے شوہر کی نابالغہ لڑکی کے نکاح کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں کہ زید اسکا ولی نکاح نہیں ہے۔

عالمگیری اور فتاوے قاضی خاں میں ہے: لو كان الصغير والصغيرة فى حجر رجل يعولها كالملتقط ونحوه فانه لا يملك تزويجها۔ اور جب ولی ابعد نابالغہ کا نکاح کرے تو اس نکاح کی صحت ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہے۔

چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے: وان زوج الصغير والصغيرة ابعد الاولياء فان كان الاقرب حاضرا وهو من اهل الولاية توقف نكاح الابعد على اجازته۔
(عالمگیری ص ۱۰)

تو زید تو اس نابالغہ کا ولی ابعد تو کیا سرے سے ولی ہی نہیں تو اس نکاح کی صحت اس نابالغہ کے ولی کی اجازت پر موقوف ہے اگر ولی وہ اجازت دے تو نکاح صحیح ہو جائیگا ورنہ یہ نکاح صحیح نہیں واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۳۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

ایک بیوہ کو دو یتیم لڑکیوں کا نکاح کرنا ہے، لڑکیوں کا حقیقی چچا موجود ہے۔ یہ لڑکیوں کا متکفل نہیں ہے،۔ اور نہ انکی تکلیف وراحت کا شریک ہے۔ یتیم لڑکیوں کی بارات آئی ہوئی پڑی ہوئی ہے۔ لڑکیوں کا چچا بارات آنے سے پہلے کہہ کر فرار ہو گیا ہے کہ میں اس میں شریک نہیں ہوسکتا، تیری اولاد ہے تجھے اختیار ہے کہ نکاح دے یا نہ دے۔

(۱) دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ الفاظ سے نکاح کی ولایت ولی ابعد یعنی لڑکیون کی ماں کو حاصل ہے؟۔

(۲) ولی اقرب کے ہوتے ہوئے ولی ابعد نکاح کردے تو وہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں، دلیل کے ساتھ تحریر فرمائیے گا۔ اللہ آپکو اجردے گا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں ان لڑکیوں کا چچا انکا ولی اقرب ہے لیکن جب وہ پہلے ہی سے ان کے حق

میں شفیق نہیں اور انکی تکلیف وراحت کا شریک نہیں اور اس وقت یہ نکاح کفو اور قوم ہی میں ہو رہا ہے اور مہر مثل پر ہوتا ہے۔ اور یہ چچا بلا کسی وجہ شرعی کے انکار کر کے فرار ہو گیا ہے تو یہ نکاح ولی ابعد یعنی اس کی ماں کی اجازت سے منعقد ہو جائیگا۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔ واجمعوا ان الا قرب اذا عضل تنتقل الولایة الی الا بعد کذا فی الخلاصة۔

درمختار میں ہے: ویثبت لا بعد من اولیاء النسب التزویج بعضل الاقرب ای بامتناعه عن التزویج اجماعا۔

ردالمحتار میں ہے: متی حضر الکفو الخاطب لاینتظر غیره خوفا من فوته ولذا انتقل الولایة الی الابعد عند غیبة الاقرب انتهی ثم اقول ان العاضل ظالم بالا متناع فقام الابعد مقام الاقرب فی دفع الظلم و خوف فوت الکفوعلة لا نتقال الولایة الی الا بعد والله تعال اعلم۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (٦٣٨)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ

زید کی شادی عرصہ تخمینا ٢٨/سال کا ہوا مسماۃ کنیز بیگم سے ہوئی۔ اور اس کے بطن سے دولڑکیاں اور ایک لڑکا ہے زید نے اپنی عورت کو جو سخت بدزبان وگستاخ اور امور خانہ داری کے برباد کرنے اور طریقہ اسلام کے خلاف چلنے پر۔ مدت تک سمجھانے پر بھی حرکات سے باز نہ آنے پائی۔ انتہائی تنگ آکر طلاق دیدی اور وہ اپنے بھائی کے گھر چلی گئی ایک روز زید کی عدم موجودگی میں آکر میرے بچوں کو بہلا پھسلا کر اور ہمدردی جتا کر معہ سامان وزیور ونقد روپیہ جو بھی تھا لیکر چلی گئی۔ زید نے صبر کیا۔ زید اپنی لڑکیوں کی شادی اپنے عزیزوں میں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن مسمیان شفیع الدین پولس پنشنر محلہ ڈیرہ سرائے سعید کندرکھی نے عورت کو ورغلا کر اور اپنا ہم خیال بنا کر تمتع نفسانی کی غرض سے بغیر مشورہ زید پوشیدہ طریقہ پر میری لڑکی کا نکاح مسمی صابر ولد حمید مجاور حضرت ملک شاہ قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ محلہ بریلی سرائے سے کرایا اس بغیر علم اور اجازت زید کے خفیہ طریقہ پر میری دختر کا نکاح کر دینے میں یہ لوگ شرع

محمدی میں گناہ گار ہیں یا ثواب کے مستحق ہیں اور یہ نکاح شرع محمدی میں کیا حق رکھتا ہے۔

احقر سیت اللہ عرف بدھن قوم شیخ محلہ دہلی دروازہ قصبہ سنبھل ضلع مرادآباد

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں ہر دو لڑکیاں غالبا بالغ ہونگی اور جب بوقت نکاح بالغہ تھیں تو ان کی اجازت سے جو نکاح کیا گیا وہ نکاح صحیح ہو گیا لیکن باپ کو عدم کفو میں نکاح کرنے کی بنا پر حق اعتراض حاصل ہے بلکہ وہ اس نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں۔ مسماۃ کنیز بیگم جوان کی والدہ ہے اور ان کی ننھال کے لوگوں کو بمقابلہ باپ کے انکو نکاح کرنے کا کوئی شرعا حق حاصل نہیں اس دلیل کی بنا پر یہ لوگ یقینا گناہ گار و مجرم ہیں اور ان کا کیا ہوا نکاح قابل فسخ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (٦٣٩)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(١) ایک نابالغ بچہ جس کا باپ فوت ہو گیا فوت ہونے کے بعد اس لڑکے کا چچا اس کی شادی پر اپنے بھتیجے کی طرف سے ایجاب قبول کرتا ہے کیا اس کے چچا کے ایجاب قبول سے نکاح درست ہو جائے گا؟۔

(٢) باپ اپنی گونگی بالغ لڑکی کی طرف سے خود ایجاب وقبول کرتا ہے چونکہ لڑکی گونگی ہونے کی وجہ سے بول نہیں سکتی تو اس حالت میں نکاح ہو جائے گا؟۔

(٣) چھوٹے نابالغ لڑکے اور لڑکی کو ان کے والدین سے اجازت لیکر ایجاب وقبول کرادیتے ہیں حالانکہ وہ نابالغ بچے الفاظ بولدیتے ہیں مگر مطلب کو نہیں سمجھتے ہیں نکاح ہو جائے گا۔ ایجاب قبول لڑکا لڑکی دونوں کو کرانا چاہئے یا صرف لڑکے ہی کو۔

محمد شفیع مدرس مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد سادول پور ضلع چورو راجستھان

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(۱) نابالغ بچہ کا جب ولی قریب موجود نہیں ہے تو اس کا چچا اس کی طرف سے ایجاب وقبول کرسکتا ہے اور اس کے اس فعل سے نکاح درست ہوجائے گا۔

(۲) گونگی بالغہ لڑکی خود اشارہ سے ایجاب وقبول کرے۔ اس کے حق میں اشارہ بولنے کے قائم مقام ہے اشارہ سے اس کا نکاح ہوجائے گا اس میں ولی کے ایجاب وقبول کی ضرورت نہیں۔

(۳) نابالغ لڑکے اور لڑکی کے الفاظ عقد شرعا معتبر نہیں ان کی طرف سے ان کے ولی والدین وغیرہ ایجاب وقبول کریں تو نابالغ کے الفاظ سے نکاح نہیں ہوگا بلکہ ان کی طرف سے ان کے ولی کا ایجاب وقبول کرنا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

﴿۵۱﴾

باب الاذن

مسئلہ (۶۴۰) از سنبھل محلہ چودھر سرائے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہندہ بالغہ ہے تو کیا بغیر اس کی رضامندی کے اس کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور وہ ایسے نکاح کو رد کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس صورت میں کفو اور غیر کفو ہونا اس کی اجازت کے لئے ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

ہندہ جب بالغہ ہے تو نکاح میں اس کی رضا ضروری ہے۔ چنانچہ فتاوی قاضی خاں میں ہے " ومن شرائط النكاح رضاء المرأة اذا كانت بالغة بكرا كانت او ثيبا " یعنی عورت بالغہ کی رضا نکاح کے شرائط سے ہے، چاہے وہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ والد اگرچہ ولی اقرب ہے لیکن چونکہ یہ عورت اپنے حق نفس میں باعتبار شرع کے تصرف کرنے کی اہلیت رکھتی ہے لہذا بغیر اس کی اجازت کے جو نکاح بھی ہو گا اس کو اس نکاح کے رد کرنے کا استحقاق ہے۔

چنانچہ اسی قاضی خاں میں ہے " بالغة زوجها وليها فبلغها الخبر فقالت لا اريد الزوج او قالت لا اريد فلانا يكون ردا " یعنی کسی بالغہ کا اس کے ولی نے عقد کیا جب اس کو خبر پہونچی تو کہا میں خاوند نہیں چاہتی، یا فلاں شخص کو پسند نہیں کرتی۔ تو اس کا یہ قول نکاح کے لئے رد ہوجائیگا حتی کہ اگر اس کے والد نے بغیر ذکر مہر اور معرفت زوج کے اس سے نکاح کی اجازت چاہی اور اس نے اس پر سکوت کیا تو یہ سکوت بھی اس نکاح کی اجازت نہ ہوگا۔

اسی قاضی خاں میں ہے " فان استامرها الاب قبل النكاح فقال ازوجك ولم يذكر المهر ولا الزوج فسكتت لا يكون سكوتها رضا ولها ان ترد بعد ذالك " یعنی اگر باپ نے قبل نکاح کے اس سے اس طرح اجازت چاہی کہ میں تیرا نکاح کرتا ہوں اور مہر اور زوج کا ذکر نہ کیا، اس نے سکوت کیا تو یہ سکوت اس کی رضا نہ ہوگا اور وہ بعد اس کے رد کرنے کی مختار ہے۔ بالجملہ جب ہندہ کو نہ

پہلے اجازت تھی نہ اب ہے تو یہ نکاح بالکل باطل ہے۔ رہا کفو و غیر کفو کا مسئلہ اس کی تفصیل کی اس صورت میں کوئی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۴۱)
از موضع روان، تحصیل سنبھل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
ایک عورت بالغہ سے قاضی نے ایک مرتبہ نکاح کی اجازت طلب کی، اس نے انکار کردیا۔ پھر دو بارہ سہ بارہ باوجود زدوکوب ہونے کے اس نے اجازت نہیں دی۔ اس کا ایک بھائی بھی موجود تھا اس نے بھی اجازت نہیں دی، لیکن باوجود اس کے اس کا نکاح کردیا گیا۔ تین روز تک وہ خاوند کے گھر نہ آنے پر اصرار کرتی رہی لیکن جبراً اس کو خاوند والے لے آئے۔ پھر وہ خاوند کے گھر سے بھی دو تین روز کے بعد بھاگ گئی۔ پھر برابر یہی سلسلہ رہا کہ وہ لاتا رہا اور یہ بھاگتی رہی۔ علاوہ بریں اس نکاح میں کوئی مہر بھی مقرر نہیں ہوا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس عورت کا باوجود ان تمام باتوں کے نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟۔ بینوا توجروا

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں جب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عورت بالغہ ہے۔ اس سے بار بار اجازت لینے پر بھی وہ اجازت نہیں دیتی اور اس کے ولی کی بھی اجازت کا نہ ہونا بیان کیا جارہا ہے۔ علاوہ بریں وہ خاوند کے گھر آنے اور رہنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ لہٰذا ان تمام امور پر غور کرنے سے اس کی عدم رضا آفتاب کی طرح روشن ہے۔ اور شریعت کا یہ کھلا مسئلہ ہے کہ عورت کی بغیر اجازت کے نکاح منعقد نہیں ہوسکتا۔ کتب فقہیہ میں بالتصریح موجود ہے۔ اب باوجود اس کے بار بار انکار کرنے کے مراسم نکاح کے ادا سے نکاح نہیں ہوتا، شریعت میں بالغہ عورت پر جب ولی کا جبر کرنا معتبر نہیں تو اوروں کا ذکر محض لغو ہے۔

درمختار میں ہے: ولا تجبر البالغة البکر علی النکاح لا نقطاع الولایة بالبلوغ۔

ہدایہ میں ہے: ولا یجوز للولی اجبار البکر البالغة علی النکاح۔

اب اس پر اس کا جبراً نکاح ہو جانا، یا اس نام نہاد خاوند کا اس کو جبراً اپنے مکان میں لے آنا،

بالکل نامشروع ہے اور جب نکاح ہی منعقد نہیں ہوا تو مہر کا ذکر لغو ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۴۲)
از محلہ میاں سرائے جناب نواب عاشق حسین صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
ایک مسلمانوں کے گاؤں میں ایک حرف شناس کم خواندہ شخص نکاح خواں ہے۔ اس کو چند اشخاص ایک عورت بالغہ کے نکاح کو بلا کر لے گئے۔ نکاح خواں کو کسی طرح پر دریافت ہوا کہ عورت نکاح پر راضی نہیں ہے مگر عورت کے ماں اور بھائی نے کہا کہ ہماری اجازت سے نکاح پڑھادو۔ نکاح خواں نے انکار کیا اور اپنے گھر کو واپس آیا، بعدہ عورت کے ورثاء نے عورت کو سخت مار پیٹ کی یہاں تک کہ اس کی گردن پر گنڈاسہ رکھ کر اور جان کا خوف دلا کر اس سے اجازت نکاح کا اقرار لیا۔ پھر وہ لوگ نکاح خواں کے پاس گئے اور کہا کہ اب عورت راضی ہے چلو اور نکاح پڑھو۔ نکاح خواں نے آکر وکیل اور نکاح کے گواہوں کا بیان لیکر نکاح پڑھا دیا اور اس رجسٹر پر نکاح میں تعین مہر کا بھی نہیں ہوا۔ عورت اس مرد کے ساتھ تین دن تک جانے پر راضی نہ ہوئی مگر پھر عورت کے ورثاء نے اپنے اسی جابرانہ اور ظالمانہ طور سے زبردستی دباؤ ڈال کر چلتا کر دیا۔ تین روز بعد موقع پا کر عورت اس کے پاس سے بھاگ گئی۔ اب یہ عورت کسی طرح جانا نہیں چاہتی ہے بلکہ بطریقہ جائز اپنا نکاح کسی اور سے کیا چاہتی ہے۔ لہٰذا جبریہ نکاح ہوا یا نہیں؟۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

عورت بالغہ کا کوئی شخص جبراً نکاح نہیں کرسکتا، جب ولی کو جبراً نکاح کرنے کا حق نہیں تو غیر ولی کا تو ذکر کیا۔ درمختار میں ہے: لا تجبر البکر البالغة علی النکاح لانقطاع الولایة بالبلوغ۔

ہدایہ میں اس سے صریح موجود ہے: لا یجوز للولی اجبار البکر البالغة علی النکاح۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ولی کو بالغہ عورت کے نکاح کے لئے جبر کرنا جائز نہیں کہ بلوغ سے حق ولایت منقطع ہوجاتا ہے۔ میرے پاس یہی سوال پہلے آچکا ہے جس میں جواب یہی دیا گیا تھا کہ

یہ نکاح منعقد نہیں ہوا اور اس نام نہاد خاوند کا اس عورت کو جبراً اپنے مکان میں لے آنا بالکل

نامشروع ہے۔اب یہ اسی عورت کے متعلق اسی گاؤں سے پھر کچھ تغیر کر کے سوال آیا ہے لیکر چونکہ پہلا سوال اصل واقعہ کا بیان ہے اس لئے میں اس سوال کو مدنظر رکھتے ہوئے یہی جواب دیتا ہوں کہ یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا اور عورت کو یہ اختیار ہے کہ وہ کسی دوسرے سے نکاح کرلے۔کیونکہ پہلے سوال میں اس الفاظ میں قاضی نے ایک مرتبہ نکاح کی اجازت طلب کی اس نے انکار کر دیا۔پھر دوبارہ پھر سہ بارہ اور باوجود زدوکوب ہونے کے اس نے اجازت نہیں دی تو اس سے صاف طریقہ سے معلوم ہو گیا کہ عورت کی بالکل رضا نہیں پائی گئی۔لہذا اس کی بغیر رضا کے وہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔اس سوال میں چونکہ واقع میں کچھ تغیر کیا گیا ہے تو فقط اسی سوال پر اعتماد کر کے حکم دے دینا بالکل قواعد رسم المفتی کے خلاف ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (٦٤٣)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک لڑکی بالغ ہے جس کی عمر تقریبا ۲۳/۲۴ سال کی ہے اس کا دادا اور باپ یا چچا کوئی حیات نہیں ہے سوائے دادی نانی بھائی حقیقی ماموں حقیقی حیات ہیں نکاح خوانی کے وقت مجمع کے اندر یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ جاؤ لڑکی سے اجازت لاؤ قاضی صاحب یہ فرماتے ہیں کہ لڑکی کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں ہے صرف بھائی کی اجازت کافی ہے بھائی کی اجازت پر نکاح پڑھایا جاتا ہے لڑکی سے اجازت نہیں لی گئی اب امر دریافت طلب ہے کہ نکاح مذکور صحیح ہوا یا نہیں۔

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں جب لڑکی بالغہ ہے تو اس کے نفاذ نکاح کے لئے اسکی اجازت ضروری ہے کیونکہ بالغہ پر کسی کی جبری ولایت نہیں ہوتی۔

درمختار میں ہے: لاتجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية البلوغ۔

اب اس کی بلا اجازت جو اس کے بھائی کی اجازت سے نکاح پڑھایا گیا یہ خلاف سنت کیا گیا اور نکاح فضولی ہوا جو اس عورت کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر وہ اجازت دے تو جائز ہو جائے گا اور رد

کردے تو باطل ہو جائے گا۔

ردالمحتار میں ہے: ان زوجها بغير استئمار فقد اخطا السنة و توقف على رضاها۔

(ج ۲ ص ۳۰۶)

اسی طرح بحر نے محیط سے نقل کیا اور قاضی کا یہ قول صریح حدیث شریف کے خلاف ہے مسلم شریف میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ الفاظ مروی ہیں:

لاتنكح الايم حتى تستامر ولا تنكح البكر حتى تستاذن۔

(مسلم شریف ج ۱ ص ۴۵۵)

ثیبہ عورت کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت حاصل کرلی جائے اور باکرہ عورت کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے اذن حاصل کرلیا جائے لہذا قاضی صاحب کا یہ قول نہ حدیث کے موافق نہ فقہ حنفی کے کتابوں کے موافق مولیٰ تعالیٰ اس قاضی کو ہدایت کرے اور حق کے قبول کرنے کی توفیق دے۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

﴿۵۲﴾

باب المھر

مسئلہ (۶۴۴) از سنبھل محلہ کوٹ المستفتی حفیظ الرحمٰن ۱۱ر فروری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ نابالغہ کا نکاح بہ تعین دین مہر تعدادی مبلغ ایک ہزار روپیہ بہ رضامند والدہ وبرادران خورد ونیز بولایت برادر کلاں حقیقی عمل میں آیا لیکن رخصت سے پہلے مسماۃ ہندہ کا انتقال ہوگیا۔ کیا وارثان مسماۃ دین مہر متعینہ پانے کے حقدار ہیں؟۔ واضح رہے کہ ہندہ کے والد کا انتقال نکاح سے بہت قبل ہو چکا ہے۔ ہندہ کا شوہر بھی حیات ہے مسماۃ کے وارثان دو بہنیں اور ایک بھائی ہیں فقط۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

مہر جس طرح وطی سے شوہر کے ذمہ پورا واجب ہو جاتا ہے اسی طرح زن وشوہر میں سے کسی کے مرجانے سے بھی۔ چنانچہ شرح وقایہ میں ہے: فالمسمی عند الوطئی او موت احدھما۔

اب چاہے خلوت ورخصت ہوگئی ہو یا نہیں۔ ہدایہ میں اس کی وجہ لکھتے ہیں۔

وبالموت ینتھی النکاح نھایۃ والشئی بانتھائہ یقرر ویتاکد فیتقرر بجمیع مواجبہ۔

یعنی نکاح موت سے اپنی نہایت کو پہنچ گیا اور چیز اپنی انتہا پر مقرر اور موکد ہوا کرتی ہے۔ پس تمام احکام ثابت ہو گئے۔ لہٰذا مہر تو یقیناً شوہر کے ذمہ پورا واجب ہو گیا اور وارثوں کو حق مطالبہ بھی حاصل ہے۔ لیکن یہ مہر بقاعدہ میراث نصف اس شوہر کو ملے گا اور نصف باقی ورثہ پر تقسیم ہو جائے گا۔ تو حاصل کلام کا یہ ہے کہ یہ شوہر ہندہ کے وارثوں کو نصف مہر دے گا، نہ اس لئے کہ رخصت نہ ہونے کی وجہ سے نصف مہر ہی واجب ہوا ہوا۔ بلکہ واجب تو پورا ہی ہوا مگر چونکہ شوہر کا بیوی کے ترکہ سے اس جیسی حالت میں نصف ہے۔ لہٰذا شوہر کے ذمہ بعد وضع کرنے اس کے حصہ کے نصف باقی رہتا ہے اور وہ یقیناً وارثوں کا حق ہے اور وہ شوہر پر واجب الادا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفر لہ الاول

مسئلہ (۶۴۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

اہل سنت والجماعت اس وراثت کے معاملہ میں اول واقعات کا اظہار کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔

واقعات یہ ہیں۔

حاجی شیخ حسین مرحوم ساکن اتارسی ضلع ہوشنگ آباد کے رہنے والے تھے اور جی اے پی ریلوے میں ڈرائیور تھے حاجی صاحب مرحوم کی زوجہ کا انتقال حج بیت اللہ سے تشریف لانے کے بعد بعارضۂ پیچش ودستوں کے مرض میں حاجی صاحب کے ایک سال قبل انتقال ہو چکا تھا گویا حاجی صاحب علیل تھے لیکن بی بی کے انتقال کے بعد زیادہ علالت بڑھ گئی حتی کہ عرصہ دو یا ڈھائی ماہ کا ہوا ہوگا کہ انتقال ہوگیا حاجی صاحب مرحوم کے کوئی نہیں ہے بچے دس بارہ ہوئے مگر ایک بھی نہ رہا حاجی صاحب مرحوم کے ایک بھائی بڑے ہیں اور ایک بھانجہ اور تین بھتیجے اور دو بھتیجی اور کوئی نہیں ہے لیکن خدمت گذاری حاجی صاحب کی بیوا ساس نے ہی کی ہے حتی کہ پاخانہ پیشاب اٹھا اٹھا کر اپنے ہاتھوں سے پھینکا ہے لیکن حاجی صاحب کے عزیزوں نے کسی قسم کی خدمت نہیں کی بلکہ مرحوم کے بھائی سے کہا گیا کہ خرچ ہمارے پاس ہے تم دہلی یا بھوپال یا اندور لیجاؤ انکار کر دیا کہ مجھکو فرصت نہیں آخر یہی بیوہ ساس مرحوم کی جابجا برائے علاج لئے ہوئے پھریں آخرکار قضا عند اللہ حاجی شیخ حسین کا انتقال ہو گیا۔ یہ تو واقعات ہیں جو تحریر کئے گئے۔ اب جائداد معلوم فرمائیگا کہ ڈھائی تین ہزار روپیہ کی ہوگی کچھ تو نقد اور زیور۔

سوال نمبر۱۔

حاجی شیخ حسین مرحوم کی بی بی نے دین مہر معاف نہیں کیا تھا جو حاجی صاحب پر واجب الادا تھا کیا زوجہ مرحومہ کے ورثا حاجی صاحب مرحوم جائداد سے وصول کر سکتے ہیں یا نہیں بحکم شریعت جواب دیجئے اور حاجی صاحب کی زوجہ کمسن میں یتیم ہو چکی تھیں وہ موجودہ چچی نے پرورش کر کے حاجی صاحب سے عقد کر دیا تھا اور جہیز بھی اچھا دیا تھا بعد شادی کے کچھ سال علیحدہ رہے مگر ساس کے بیوہ ہونے پر ایک ہی مکان میں رہتے تھے مگر کھانا پینا جدا تھا تاحیات اسی طرح رہے۔

سوال نمبر۲۔

اور کیا جو بوقت شادی جہیز وزیورات مرحومہ کو دیا تھا اس کو مسماۃ مرحومہ کے ورثاء واپس لینے کے حقدار ہو سکتے ہیں یا نہیں۔

سوال نمبر ۳۔

حاجی صاحب اور ان کی بی بی اپنے بھائی کے لڑکے کو یعنی حاجی صاحب کے سالے کے لڑکے کو ہم نے کیا لیکن باقاعدہ کوئی تحریر نہیں کی تھی لہذا اس لڑکے کا بھی کچھ حق وراثت ہے کیا۔

سوال نمبر ۴۔

چچی ساس بیوہ جو حاجی صاحب اور ان کی اہلیہ کی ہر قسم کی جتی کہ بارہ برس تک یہ بیوہ بے داموں غلامی کرتی تھیں اس خدمت کا صلہ پانے کی وہ بھی شریعت میں مستحق ہیں یا نہیں۔

سوال نمبر ۵۔

حاجی مرحوم کے بھائی یا بھتیجے اور یا بھانجے از روئے شریعت کس قدر فرداً فرداً حصہ وراثت پانے کے مستحق ہیں یا سب کل جائداد کے مالک حاجی صاحب مرحوم کے بڑے بھائی ہی مالک ہو سکتے ہیں یا اور عزیزوں کا بھی اس میں شریعت نے حصہ مقرر کیا اور ہے تو صاف صاف فرداً فرداً تحریر فرمائیگا۔ تاکہ باہمی فیصلہ نہ ہو سکا تو بذریعہ عدالت کے حصہ حاصل کر سکیں جلد جواب ارسال فرمائے گا۔

از مقام اٹارسی ضلع ہوشنگ آباد چھولس لین مکان ہل کیر بے کے میں اگوارے میں والد شیخ نذیر خان کو ملے۔

جواب سوال اول:

اگر واقعی زوجہ شیخ حسین نے اپنا دین مہر معاف نہیں کیا تو وہ حاجی صاحب کے ذمے واجب الادا ہے کہ مہر شوہر پر دین ہوتا ہے۔ شامی میں ہے: المهر دين في ذمة الزوج۔

لہذا جب حاجی صاحب کی زوجہ کا انتقال ان سے قبل ہو چکا تو اب ورثۂ زوجہ حاجی صاحب کے ترکہ جائداد وغیرہ سے شرعاً نصف مہر وصول کر سکتے ہیں اور نصف کے حاجی صاحب اس کے وارث ہو کر مستحق ہو چکے ہیں۔

ردالمحتار میں ہے: اذا مات كان لها ان ترجع في تركته ۔

اسی میں ہے: تطلب مهرها هي او ورثتها بعد موتها۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جواب سوال دوم۔

زوجۂ حاجی صاحب کو اس کے میکے سے بوقت شادی جو جہیز وزیور دیا تھا وہ تمام مال واسباب مسماۃ کی ملک ہے اور مسماۃ کے انتقال کے بعد اس کے ورثہ اسی مال سے بقدر سہام حقدار ہوئے۔

ردالمحتار میں ہے:

كل احد يعلم ان الجهاز للمرأة اذا طلقها تاخذه كله واذا ماتت يورث عنها۔

اور جو زیور وغیرہ حاجی صاحب کے یہاں سے مسماۃ کو چڑھایا گیا تھا اس کی وہاں کے رواج میں اگر عورت ہی مالک سمجھی جاتی ہے تو وہ زیور وغیرہ بھی مسماۃ کی ملک تھا اور اب مسماۃ کے ورثہ بقدر سہام اس کے مستحق ہیں اور اگر وہاں کے عرف میں اس زیور وغیرہ کی عورت مالک نہیں سمجھی جاتی ہو تو اس کا چڑھانے والا مالک ہے یہ مسماۃ تو اس کی مالک نہ اس کے ورثہ اس میں حقدار۔

شامی میں ہے: والمعتمد النساء على العرف ۔ (شامی ص ۳۷۶) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جواب سوال سوم۔

شرعاً متبنی کو حق وراثت حاصل نہیں کہ ورثہ وہ کہلاتے ہیں کہ جن کے ارث کا ثبوت کتاب وسنت واجماع سے ہو۔

علامہ شیخ مصطفیٰ کی شرح کنز میں ہے: ثم تقسيم الباقي من المال بين ورثته اي الذين ثبت ارثهم بالكتاب والسنة والاجماع كذا في الدر المختار۔

اور متبنی ایسا نہیں لہذا اس کو حق وراثت حاصل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جواب سوال چہارم۔

یہ بیوہ محض اپنی قرابت کی بنا پر ان کی خدمت کرتی رہی جو نیت تبرع اور بغرض حصول ثواب تھی نہ بنا بر عقد اجارہ جس کا عوض واجر حاجی صاحب کے ذمہ واجب الادا ہوتا بلکہ یہ خدمت قرابت اور سکونت کی بنا پر تھی لہذا یہ بیوہ کسی اجر وصلہ کی مستحق نہیں۔ لان منفعة السكنى تعود اليها ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جواب سوال پنجم۔

بھانجے تو ذوی الارحام ہیں اور بھائی بھتیجے عصبہ ہیں اور ذوی الارحام عصبہ کی موجودگی میں محروم رہیں گے۔ جوہرہ نیرہ میں ہے: اذا لم يكن للميت عصبة ولا ذو سهم ورثه ذوالارحام۔

لہذا حاجی صاحب کے بھائی بھتیجے کے ہوتے ہوئے اس کے بھانجے تو یوں محروم ہو گئے اور بھتیجے بھی ان کے بھائی کی موجودگی میں محروم ہو جائیں گے۔

سراجی میں ہے: الاقرب فالاقرب مرجحون بقرب الدرجة ۔

لہذا اب کل حاجی صاحب کے ترکہ کا مستحق ان کا بھائی ہے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۴۶)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں زاداللہ برکاتہم۔

صورت مسئولہ میں کہ زید جو کہ نکاح پڑھانے کا قاضی ہے نکاح پڑھاتے وقت بایں الفاظ اس نے ایجاب وقبول کرایا ہے کہ دین مہر ایک ہزار روپیہ علاوہ نان ونفقہ مسماۃ آمنہ دختر لیاقت علی تمہارے نکاح میں آئی تم نے قبول کیا دولہا نے کہا قبول ایسی صورت میں نکاح صحیح ہوا یا نہیں۔ بینوا توجروا

المستفتی عبدالوہاب پکسراں ضلع رائے بریلی

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

نکاح کے شرائط وارکان اگر متحقق ہوں تو قاضی کے ان الفاظ سے نکاح کی صحت میں کوئی شک ہی نہیں۔ کماهو ظاهر من عامة كتب الفقه ۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۴۷)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ

زید کا نکاح ایک عورت سے ہوا اور شادی کے وقت سامان جو ایک ڈال میں لیجانے کا دستور ہے جسمیں زیورات کی قسم سے چند چیزیں تھی عورت کو دی گئیں اور نکاح ہونے کے بعد چار سال گذر گئے اب وہ عورت ایک سال پیشتر سے اپنے میکے میں تھی جب سسرال آئی تو اس کے ناجائز حمل تھا تحقیق پر اس نے خود ناجائز حمل کا اقرار کیا اس وقت اس کے شوہر زید نے اسکو طلاق مغلظہ دیدیا بعد عدت وہ عورت دوسرے کے نکاح میں چلی گئی اب جو زیورات زید نے دیے تھے۔ واپس لے لئے اس صورت میں لڑکی کے اقربا اور میکے والے زید سے زیورات طلب کرتے ہیں تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ وہ زیورات کس کے

حقوق میں داخل ہیں آیا لڑکی کی ملکیت میں یا زید مالک ومختار ہے۔ لڑکی بحکم شرع زیورات کی مستحق ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

زید نے بوقت شادی جس قدر زیورات اپنی بیوی کو بہ نیت تملیک چڑہایا اور اس نے صراحۃ یہ کہا کہ میں نے اس زیور کا اپنی بیوی کو مالک بنادیا تو اس پر اس کے واپس لینے کو معیوب جانتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ دیکر پھیرلیا۔ یا صرف دکھانیکو دیا تھا اب چھین لیا۔ جب بھی اس زیور کی وہ عورت ہی مالک ہوگی۔ ہاں اگر زید نے چڑہاتے وقت صراحۃ یہ کہا تھا کہ میں نے اپنی بیوی کو یہ زیور صرف پہنے کیلئے ہی چڑہایا جاتا ہے اور وہاں کے عوام اس زیور کو چڑہانے والے ہی کی ملک جانتے ہیں اور دولہن کے پاس اس کو بطور عاریت سمجھتے ہیں اور واپس لینے کو معیوب نہیں جانتے۔ یعنی نصا یا عرفا کسی طرح معنے تملیک کے ہیں پائے جاتے تو عورت کا اس زیور میں کچھ حق نہیں بلا شک اس زیور کا مالک زید ہے واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۴۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

محمد ایوب مرحوم جس وقت کہ زندہ تھا اور جب بیمار تھا اس وقت اس کی بیوی نے دین مہر معاف کردیا اور جس وقت مرحوم ایوب انتقال کرگیا اور جب جنازہ پڑھانے کا وقت آیا تو تمام لوگوں کے سامنے امام صاحب نے بھی عورت سے مہر معاف کرایا جس کے خصوصی گواہ یہ لوگ ہیں۔ محمد یٰسین، شکر اللہ، دھنو میاں، محمد حبیب، امین میاں، شمو میاں، جب چندروز گزر گئے تو ایوب کے سسرال والے ایوب کی زوجہ کو رخصت کراکر لے گئے اور ایوب کی والدہ وغیرہ نے بہت اطمینان سے باعزت طریقہ پر زیورات وغیرہ کے ساتھ رخصت کرادیا۔ ایوب کے خسر نے یہاں اطمیان دلایا کہ اگر ایوب کی بیوہ بیوی کا کسی دوسری جگہ عقد ہوگا تو تمام زیورات ایوب کے وارثین کو واپس دیدوں گا۔ مگر اب جبکہ عورت کہ ورثہ میں عورت کو اپنے گھرلانے کے لئے گئے تو ایوب کے خسر نے انکار کردیا اور جانے سے روک لیا۔ ایوب کے وارثین

اپنے زیورات کا مطالبہ کرتے ہیں تو وہ عورت مہر کا دعوی کرتی ہے اور معافی سے انکار کر رہی ہے، ایسی صورت میں زیورات کا حق دار کون شخص شریعت کے نزدیک ہوگا اور عورت کو مہر لینے کا حق پہونچتا ہے کہ نہیں۔ براہ کرم مدلل بحوالہ کتب فقہ جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر اس دلہن کو محمد ایوب نے وہ زیور یہ کہہ کر دیا تھا کہ تمہیں اس کا مالک کر دیا گیا ہے اور اس عورت کا اس زیور پر قبضہ بھی ہوگیا تھا تو شرعا اس زیور کی مالک وحق دار یہ عورت ہے اور اگر اس عورت کو عاریۃ کر دیا گیا تھا یعنی اس سے کہہ دیا گیا تھا کہ تجھے یہ زیور صرف پہننے کے لئے دے رہا ہے، تو شرعا اس زیور کے مالک وحق دار اب ورثہ محمد ایوب ہیں۔ اور اگر اس زیور کے دینے اور چھڑاتے وقت کچھ بھی نہیں کہا گیا تھا پھر اس زیور کا حکم وہاں عرف ورواج کیا اعتبار سے ہے، تو اگر وہاں کے عرف میں اس زیور کو عورت کی تملیک سمجھتے ہیں تو اس زیور کی مالک وحق دار یہ عورت ہے اور اگر وہاں کے رواج میں اس زیور کا شوہر کو مالک مانا جاتا ہے تو شرعا اب اس زیور کے مالک وحق دار ورثہ محمد ایوب ہیں۔ فقہا کرام کا یہ قاعدہ کلیہ ہے۔ المعروف كالمشروط و ان المعهود عرفا كالمشروط نصا۔

جب یہ واقعہ ہے کہ وہ عورت اپنے مہر معاف کر چکی ہے اور اس کے معاف کرنے کے شرعی گواہ بھی موجود ہیں تو وہ مہر معاف ہوگیا اب اس عورت کو اپنے مہر کے مطالبہ کا شرعا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ وہ خدا کے خوف سے ڈرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۴۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
زید کی شادی کی پہلی شب میں بیوی کا حکم ہوا کہ الگ رہیں، جب تک دین مہر نقد ادا نہ کریں، زید نے کافی سمجھایا پر کچھ نہ مانا، اس ضد پر زید روپے کی جستجو میں باہر نکل گیا، اور جب روپے دین مہر کا لیکر آتا ہے تو بیوی انتقال کر جاتی ہے۔ بتلائیں کہ یہ دین مہر اس پر واجب ہے یا نہیں؟۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

زید پر اسکی بیوی کا پورا مہر واجب ہوگیا، کہ موت احد الزوجین سے بھی مہر موکد ہوجاتا ہے۔
فتاوی عالمگیری میں ہے۔ والمهر يتأكد باحد معان ثلاثة۔ الدخول، والخلوة الصحيحة وموت احد الزوجين۔ اب زید اس میں سے بطریق ارث نصف کا حقدار ہے اور نصف باقی مورث کے ورثہ حق دار ہیں۔ پھر اگر یہ ورثہ اپنا حق معاف کر دیں، تو معاف ہوجائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۵۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
اگر زید نقد دینے سے مجبور ہے تو بیوی کی ضد پر نکاح کا کیا درجہ رہا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

بیوی کو مقدار مہر معجّل کے وصول ہونے سے پہلے، پہلے شرعا شوہر کو وطی اور اس کے مقدمات سے انکار کا حق حاصل ہے۔ اور اس انکار سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

☆☆☆☆☆☆☆☆☆
☆☆☆☆☆☆☆
☆☆☆☆☆

﴿۵۳﴾

باب الجھاز

مسئلہ (۶۵۱)

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

عرصہ چھ سال کا ہوا کہ میری لڑکی کی شادی مسمی افتخار الدین سے ہوئی تھی۔ ۳؍اگست ۱۹۲۶ء کو میری لڑکی کا انتقال ہوگیا۔ تجہیز وتکفین فاتحہ وغیرہ بھی میں نے ہی کیا لہذا عرض ہے کہ میرا اپنی لڑکی کو مثل ازقسم زیور وسامان جہیز وغیر کے دیا تھا اور ایک مکان قیمتی مبلغ تین سو روپیہ شوہر نے مہر تعین رجسٹری کردئے مہر میں محسوب کردیا تھا۔ لہذا مکان جو کے مہر میں ہے اور وہ کل زیور اور سامان جو میں نے دیا تھا اور جو زیور شوہر نے چڑھایا تھا اب شوہر ہی قابض ہے لہذا عرض ہے کہ اس کل سامان میں سے مجھے کچھ حصہ از روئے شرع شریف مل سکتا ہے یا نہیں۔ جس طرح جس کو ملتا ہو مفصل جواب سے مطلع فرمائیے گا۔

السائل حکیم صفی قد عبدالحمید

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

آپ نے زیور ودیگر سامان جہیز جو خاص اپنی لڑکی کو دیا تھا وہ اس کی ملک ہے۔

درمختار میں ہے: جهزابنته بجهاز وسلمها ذلك ليس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده ان سلمها ذلك فی صحته بل تختص به ويفتی۔ (ردالمحتار ج۲ ص ۳۷۵)

علامہ شامی فرماتے ہیں: كل احد يعلم ان الجهاز ملك المرأة لاحق لاحد فيه۔

اور جب مکان بعوض معین مہر دیا وہ بھی خاص ملک عورت کا ہے۔

البتہ جو زیور شوہر نے چڑھایا تھا وہ اکثر ہمارے عرف کی رو سے ملک شوہر ہے اور اگر شوہر نے وہ زیور دیتے وقت یا اس کے بعد میں یہ کہا کہ میں نے تجھے اس کا مالک کردیا یا تجھکو یہ زیور ہبہ کردیا یا آپ کے رواج میں شوہر کی جانب سے جو زیور دیا جاتا ہے وہ بطور تملیک ہوتا ہے تو ان صورتوں میں اس زیور کی بھی عورت ہی مالک ہوگی۔

خلاصہ حکم یہ ہے کہ وہ جہیز اور زیور جو آپ نے اس کو دیا اور وہ مکان جو دین مہر میں محسوب ہوا اور

شوہر کا دیا ہوا زیور اخیر کی ان تینوں صورتوں میں یہ سب چیزیں آپ کی لڑکی کی ملک ہیں ان کل چیزوں پر افتخار الدین کو قبضہ کرنیکا شرعاً کوئی حق حاصل نہیں اور جب آپ کی لڑکی کا انتقال ہوگیا تو اس کی یہ تمام مملوکہ چیزیں ورثہ پر بطور ارث تقسیم ہوں گی۔

ردالمحتار میں ہے: كل احد يعلم ان الجهاز ملك المرأة وانه اذا طلقها تاخذ كله واذا ماتت يورث عنها ولا تختص بشئی منه۔

لہذا اگر متوفیہ اور اس کے وارث صرف آپ اور افتخار الدین ہی ہیں تو۔

بعد تقدیم ما یجب علی الارث وشرط خلو از موانع ارث جو کچھ متوفی کا متروکہ مال ہے اس کا نصف افتخار الدین کو ملتا ہے اور باقی آپ کو ملتا ہے تو نصف کے شرعاً وقانوناً آپ حقدار ہیں افتخار الدین سے آپ وصول کرسکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

فیصلہ تجویز حکم وپنچ صاحبان

مورخہ ۲۲ شوال المکرم مطابق ۵ جون ۱۹۵۳ء

بمعاملہ مسماۃ زبیدہ دختر سید عثمان غنی ساکن محلہ گلزار مکرانہ راجستھان وسید غلام نبی ولد سید گھیو جی ساکن محلہ گلزار پورہ مکرانہ راجستھان مقدمہ مندرجہ صدر میں فریقین نے خادمان قوم کو شرعی طریق پر حکم مقرر کرکے پنچائت کے شرعی فیصلے کی قبولیت اور تعمیل کی منظوری دی۔ یہ فریقین کی شرافت اور خدا ترسی کی دلیل ہے کہ انہوں نے دنیاوی فیصلے پر مذہبی فیصلے کو ترجیح دیکر ذریعہ پنچایت شرعی فیصلے کی استدعا کی حکم مقرر کرنے کے بعد مسماۃ زبیدہ نے اپنے پدر سید عثمان غنی کو اپنا مختار اور سید گھیسو جی کو اپنا مختار شرعی قاعدے کے موافق کیا۔

واقعات یہ ہیں

مختار مسماۃ زبیدہ نے بتاریخ ۲۰ شوال المکرم ۱۳۷۲ھ مطابق ۳ جولائی سنہ ۱۹۵۳ء بیان دعویٰ قلم بند رایا خلاصہ یہ ہے کہ مختار مذکور نے دختر خود کو مسمیٰ غلام نبی کی منکوحہ زوجہ ظاہر کرکے مفصلہ ذیل نمبروار استدعا پیش کی کہ میری مؤکلہ کا زیور نقرئی و پارچہ پوشیدنی جو کہ مسماۃ زبیدہ کو جہیز میں دیا گیا ہے اور جو کہ وقت شادی مسماۃ زبیدہ کے چڑھاوے میں چڑھایا گیا ہے بقبضۂ غلام نبی ہے۔ لہذا غلام نبی سے دلایا جائے کیوں کہ اس زیور اور کپڑے کی مسماۃ زبیدہ مالکہ ہے تفصیل زیور جہیزی یہ تحریر کرائی۔ کپڑے نقرئی

پاؤں کے ایک جوڑ تخمیں ۲۵۱ روپے بھر زنجیر نقرئی گلے کی تخمیں ۱۵۱ روپے بھر چوڑیاں نقرئی دستی چار عدد تخمیں ۱۸ روپے بھر انگوٹھیاں نقرئی ۵ عدد ۳ بھر چھلے نقرئی پیروں کے ۲ عدد ۸ روپے بھر تیس روپیہ سکہ کلدار۔ زیور چڑھاوے کی تفصیل کی کپڑے نقرئی ۲ عدد وزنی ۱۲ روپیہ بھر ہر تچھن نقرئی ۲ عدد ۸ روپے بھر آئل نقرئی پاؤں کی ایک جوڑ ۲۲ روپیہ بھر دوپٹہ پختہ یعنی گوٹے دار ایک قیمتی تیس روپیہ اس کے بعد ظاہر کہا کہ دخترم کے شوہر نے چند ماہ گذرے کہ عقد ثانی کرلیا ہے وقت عقد ثانی دوسری زوجہ کے حق میں زیور طلائی پانچ تولہ زیور نقرئی ایک سو بیالس روپیہ بھر چڑھایا ہے لہٰذا اسی قدر زیور طلائی ونقرئی دخترم کو دیکر مالکہ بنادے۔ دخترم تقریباً پونے تین سال سے بسلسلۂ علاج میرے مکان پر ہے اور اب تک بیمار اور کمزور ہے لہٰذا جب یہ اپنے خاوند کی سپردگی میں جاوے تو شوہر اور خوشدامن وخسر نفرت کی نظر سے نہ دیکھیں اور انصاف سے کام لیں اور کسی قسم کی تکلیف وضرر جسمانی نہ پہنچائیں سپردگی میں جانے کے بعد غلام نبی اور کھیسو جی اپنی حیثیت کے مطابق اس کے علاج اور پرہیزی کھانے اور پینے کے انتظام کریں اور ایسے کاموں سے بچایا جائے جس سے نقصان کا اندیشہ ہو۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحبان نے اس کے پھیپھڑے اور گردے وغیرہ کو کمزور بتایا ہے گرمی کو اور پسینے کو اور دھویں کو نقصان دہ بتلایا ہے غلام نبی کے دوسرے نکاح کرلینے کے بعد کھیسو جی مجھے دو خط روانہ کئے کہ غلام نبی کا دوسرا نکاح مسماۃ زبیدہ کو آرام دینے کی غرض سے کیا گیا ہے لہٰذا میری دختر کی خواہش ہے کہ میرے سپردگی کے قبل میرے شوہر دوسری بیوی کو مکان پر لے آئیں تاکہ ہم دونوں اتفاق اور محبت کے ساتھ مل جل کر کام کرتے ہیں۔ اور یہ بھی استدعا ہے کہ قاعدے کے مطابق اپنے سسرال سے والدین اور دیگر اعزا کے مکان پر آتی جاتی رہے اسی طرح والدین اعزا میرے مکان پر ملتے رہیں بحالت صحت یا مرض میں کبھی میری مؤکلہ کو دھوکہ نہ دیا جاوے اور عزت کے ساتھ زندگی گزاری جائے۔ کیون کہ اسکا بیمار ہوجانا حکم الٰہی سے ہے میری مؤکلہ کے علاج میں اس کے والد صاحب یعنی میرا دادا صاحب اور ماموں صاحب اور پھوپھا صاحب کا تقریبا چار ہزار روپیہ صرف ہوا ہے اگر اس کے خسر یا شوہر کی استطاعت طاقت ہو تو کل رقم مذکورہ یا اس میں سے کچھ جز ادا کر کے نیک نام ہوں اور اسے بھی سرخرو کریں۔ حکم صاحبان جو فیصلہ دیں اس کو غلام نبی شوہر دخترم اسٹامپ پر لکھوا کر بعد تکمیل سرکاری عدالت میں رجسٹرڈ کرادیں۔۔۔۔۔ بعد تکمیل دعوی۔ کھیسو جی مختار مدعی علیہ سوالات کرنے کی اجازت دی گئی تو جواب دیا کہ مجھے مہلت دی جائے کل سوالات کروں گا چنانچہ مہلت دی گئی۔ بتاریخ ۴ جولائی ۱۹۵۳ء کھیسو جی نے بیان مختار مسماۃ زبیدہ کی نقل عطا کرنے کی ذریعہ

درخواست خواہش کی لہٰذا حسب قاعدہ ان کی نقل بیان دیدی گئی ۴ جولائی ۱۹۵۳ء کو کھیسو جی نے سوالات کرنے سے انکار کردیا بعدہ مختار مدعی علیہ کا بیان لیا گیا۔ جواب دعوی کا ماحصل ہے کہ مسماۃ زبیدہ کو پسر خود غلام کا زوجہ تسلیم کر کے کل زیور جہیزی و چڑھاوا اور دوپٹہ چڑھاوا کے قبضہ کا اقرار کیا اور بیان کیا کہ جس قدر تفصیل بیان دعوی میں ہیں وہ صحیح ہے اور اس کی مالک مسماۃ زبیدہ ہے۔ میرے مؤکل کو دینے میں کوئی عذر نہیں اور تیس روپیہ کی مالک بھی مسماۃ زبیدہ ہے اس کے دینے میں کوئی عذر نہیں حسب بیان مختار مدعیہ میں نے غلام نبی کی زوجہ ثانی کو چڑھاوے میں چڑھایا ہے اس وقت مالی کمزوری کی وجہ سے اتنا زیور بنوا کر مسماۃ زبیدہ کو نہیں دیا جاسکتا البتہ آئندہ مالی حالت درست ہونے پر ضرور بنوا کر دیا جاویگا۔ اس غلطی کو مظہر اور غلام نبی تسلیم کرتے ہیں کہ غلام نبی کا دوسرا عقد کیا اور زوجہ اول اور اس کے والدین کو سخت صدمہ پہونچا اللہ کے واسطے معافی چاہتے ہیں مختار مدعیہ نے مسماۃ زبیدہ کی بیماری اور کمزوری اور علاج وغیرہ کے متعلق جو اظہار کیا ہے وہ سب صحیح ہے بے شک مسماۃ زبیدہ بیماری کی وجہ سے کمزور ہے ہم اپنے حیثیت کے مطابق علاج کرائیں گے اور پرہیزی کھانا بھی دینگے۔ اور وہ کام ہرگز نہ لینگے جن سے بیماری اور کمزوری بڑھنے کا خطرہ ہے، فی الحال غلام نبی کی زوجہ ثانی کو لانے کی شرط ناقابل منظوری ہے، اس لئے کہ کچھ رکاوٹیں پیدا ہوگئی ہیں، مسماۃ زبیدہ کو اس کے والدین کے گھر آنے جانے سے اور ان عزیزوں کے ملنے سے نہیں روکا جائیگا جن سے شریعت نے اجازت دی ہے، مسماۃ زبیدہ کو اختیار ہے کہ وہ جاکر ملے یا یہاں بلا کر ملے، صحت یا مرض کی حالت میں زبیدہ سے کوئی دھوکہ کی بات نہیں کی جائیگی، میرے پسر میں یا مجھ میں اس قدر استطاعت نہیں کہ چار ہزار روپیہ یا اس سے کم علاج کرانے والے صاحبان کو دے سکوں، پنچ صاحبان کے فیصلے کی نسبت مسماۃ زبیدہ جس قسم کا اطمینان چاہے کرلے یا سرکاری عدالت میں رجسٹری کرالے اور صرف رجسٹری کو ہم ادا کرینگے۔ مکان واقع محلہ منیاران مکرانہ غلام نبی کی زوجہ ثانی کے حق میں کردیا گیا ہے، اس مکان کے بیع نامہ میں میرا اور غلام نبی کا نام ہے، ہم دونوں کے نام سے خریدا گیا ہے، مکان مذکورہ میں سے نصف حصہ غلام نبی کا ہے۔ لہٰذا غلام نبی کے حصہ میں سے آدھا دینے کو تیار ہیں، مکان مذکورہ ساڑھے تیرہ سو روپیہ میں خریدا گیا ہے۔ لہٰذا اصل قیمت میں سے ۱/۴ وقت فیصلہ مسماۃ زبیدہ کو بصورت نقد ادا کیا جائیگا، جب تک مسماۃ زبیدہ بیمار یا کمزور رہے گی ہم اس کا کھانا اور دوا وغیرہ تیار کر کے دینگے، خادمہ رکھنے کی طاقت نہیں۔ مختار مسماۃ زبیدہ نے بعد قلمبندی بیان مختار غلام نبی جواب دعویٰ کی صحت تسلیم کی اور کل قیمت مکان واقع مکرانہ خرید کردہ غلام نبی اور

کھیسو جی میں سے ار۴ نقد لینا منظور کیا۔ کاروائی قلم بندی بیانات شروع کرنے سے ایک دن پیشتر فریقین نے بمواجہ پنچ صاحبان نزاع کے واقعات وحالات زبانی پیش کئے۔ چونکہ یہ واقعات نفس معاملہ سے غیر متعلق تھے اس لئے ان کو ضبط تحریر میں نہیں لایا گیا اور نہ بفیصلہٗ ہذا ظاہر کرنے کی ضرورت۔ واقعات معاملہ میں غور کرنے کے بعد یہ واضح ہوا کہ مسماۃ زبیدہ اور اس کے شوہر میں کوئی نزع یا رنجش نہیں ہے بلکہ مسماۃ زبیدہ بیمار ہو جانے کی وجہ سے اور غلام نبی وگھیسو جی کی خاص توجہ نہ کرنے سے آپس میں کشیدگی ہوگئی اور والدین مسماۃ زبیدہ اور والدین غلام نبی میں غلط فہمی مخالفت بڑھتی رہی، یہ بھی حقیقت ہے کہ گھیسو جی نے اپنے پسر کا عقد ثانی کر کے مسماۃ زبیدہ اور والدین کو سخت صدمہ پہنچایا ہے۔ اگر چہ شریعت پاک نے ہر مرد مسلم کو چار تک بیویاں کرنے کی اجازت دی ہے لیکن شرافت اور اخلاق کا یہ اقتضا نہیں کہ بیوی کی بیماری میں دوسرا عقد کیا جائے اور صدمہ پہ صدمہ دیا جائے۔ شرعی روایت "المرء یوخذ باقرارہ" یعنی آدمی اس کے اقرار کے موافق پکڑا جاتا ہے گھیسو جی مختار غلام نبی نے جس قدر اشیاء مدعویہ کا اقرار کر لیا ہے اس کی ذمہ داری غلام نبی پر عائد ہوگی اور مسماۃ زبیدہ مقولہ اشیاء وحقوق کی مستحق ہوگی، یہ مسئلہ ہے کہ شوہر کی استدعا کے مطابق زوجہ کو شوہر کی سپردگی میں جانے سے انکار نہیں ہے۔ اور غلام نبی کو اپنی سپردگی میں لینے کا اقرار ہے۔ لہٰذا حکم ہوا کہ غلام کل زیور و پارچہ اور روپیہ متدعیہ بقبضۂ مسماۃ زبیدہ کو دے۔ اسی طرح ساڑھے تیرہ سو روپے قیمت مکان میں سے لے یعنی تین سو ساڑھے سینتیس روپیہ مسماۃ زبیدہ کو ادا کرے اور مسماۃ زبیدہ کے علاج وطعام کا اپنی حیثیت کے مطابق حسب اقرار کافی اور معقول انتظام کرے اور ہمیشہ دلجوئی کرتا رہے اور طاقت سے زیادہ ہرگز بار نہ ڈالے اور مثل سابق مسماۃ زبیدہ کو اس کے والدین اور دوسرے عزیزوں کے مکان پر جانے کی اجازت اور والدین مسماۃ زبیدہ اور دیگر عزیزوں کو اپنے مکان پر آنے کی اجازت دیتا رہے اور کبھی مانع مزاحم نہ ہو زوجۂ ثانی کو مسماۃ زبیدہ کی سپردگی میں جانے سے پہلے لانے کی شرط کو مسترد و خارج کیا جاتا ہے اس لئے کہ یہ شرعی مطالبہ نہیں ہے اسی طرح ادائیگی صرف علاج تعدادی چار ہزار روپیہ یا اس سے کم کو ادا کرنے کا بار غلام نبی یا اس کے پدر پر نہیں ڈالا جا سکتا، اس لئے کہ مختار مدعا علیہ نے استطاعت نہ ہونے کا اظہار کیا اور مختار مدعا علیہا نے استطاعت پر موقوف رکھا تھا۔ پانچ تولہ زیور طلائی اور ایک سو بیالیس روپیہ بھر زیور نقرئی مسماۃ زبیدہ کو دینے کے متعلق غلام نبی یا گھیسو جی کو حکم نہیں دیا جا سکتا البتہ غلام نبی کو چاہئے استطاعت ہونے پر، مساوات اور انصاف کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسی قدر مقدار کا زیور طلائی ونقرئی بنوا کر مسماۃ

زبیدہ کی ملکیت میں دے یہ حکم جبری نہیں ہے پس مسماۃ زبیدہ اپنے شوہر غلام نبی کے سپردگی میں جائے اور کسی قسم کا عذر پیش نہ کرے غلام نبی کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ خود اپنے والدین کو مسماۃ زبیدہ کے مکان پر لا کر عزت اور آبرو کے ساتھ اپنے خسر اور خوشدامن سے معافی چاہ کر اپنی بیوی کو اپنے مکان پر لائے اور معافی چاہئے کو عار نہ سمجھے کیون کہ اس کے خسر اور خوشدامن بمنزلۂ والدین ہیں مسماۃ زبیدہ کے والدین کا فرض ہے کہ غلام نبی کو اپنی اولاد سمجھ کر معاف دیں اور مسماۃ زبیدہ کو خوشی کے ساتھ رخصت کریں اگر مسماۃ زبیدہ اس فیصلہ کی رجسٹری چاہے گی تو بلا چون وچرا جس قدر صرفہ رجسٹری میں ہوگا وہ غلام نبی ادا کریگا چونکہ اس صرفہ کی ادائیگی کا اقرار غلام نبی نے کر لیا ہے لہٰذا اس کا صرفہ اس کے ذمہ لازم ہے فقط عبدالحفیظ غفرلہ۔ معین الدین امام مسجد، عباس علی، مستری جلال الدین، حاجی رحیم بخش، اسحاق جی، شمس الدین،

(نوٹ) یہ فیصلہ آج بتاریخ ۵ جولائی ۱۹۵۳ء فریقین کو سنا دیا گیا ہے لہٰذا فریقین کے دستخط اطلاع یابی کے لئے جاویں فقط دستخط گھیسو جی، غلام نبی، عثمان غنی

اس فیصلہ کی فریقین نے تعمیل ۶ جولائی ۱۹۵۳ء گھیسو جی نے ڈگری شدہ کل زیور اور دوپٹہ اور نقد رقم عثمان غنی کے قبضہ میں دیدیں اور سید عثمان غنی نے رسید تحریر کر کے گھیسو جی کے سپرد کر دی اور بتاریخ ۷ جولائی ۱۹۵۳ء مسماۃ زبیدہ اپنے شوہر غلام نبی کے مکان پر چلی گئی فقط ۶ جولائی ۱۹۵۳ء عبدالحفیظ غفرلہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

مسئلہ کہ مسمیٰ غلام نبی کا نکاح مسماۃ زبیدہ سے ہوا۔ غلام نبی کی سپردگی میں آنے کے بعد تین چار ماہ بعد مسماۃ زبیدہ کو بخار آنے لگا جس کا علاج کرانے غلام نبی نے مقامی وید حکیم اور ڈاکٹروں سے کروایا پھر ایک ماہ بعد میں پھر بخار آنے لگا اور جودھپور لے گئے ایک ماہ وہاں علاج کرانے سے تندرست ہوگئی ایک ماہ بعد پھر بخار نے آگھیرا زبیدہ والد غلام نبی کی بغیر اجازت اپنے مکان میں لے گئی اس عرصہ میں زبیدہ کے والد پاکستان سے آگئے اور وہیں علاج کراتے رہے غلام نبی اور اس کے والدین زبیدہ کے والدین کے گھر بیمار پرسی کے جاتے تو زبیدہ کے والدین بے رخی اور حقارت آمیز گفتگو کرتے جن سے غلام نبی اور اس کے والدین کو دلی صدمہ ہوتا۔ زبیدہ کے والدین پاکستان جانے لگے تو زبیدہ کو اس کے ماموں کے یہاں پہونچا گئے زبیدہ کی والدہ دادا بھائی وغیرہ یہاں موجود ہیں کچھ مہینہ بعد زبیدہ کی والدہ سے کہا گیا کہ زبیدہ کو ہمارے یہاں بھیج دو جوابا کہا گیا کہ زبیدہ کے علاج میں ہمارا خرچ چھ ہزار روپیہ ہوا ہے زبیدہ دو سال اپنے ماموں کے گھر رہے گی دو تین سال ہمارے گھر پر رہے گی پھر کوئی دیکھا جائے گا

زبیدہ کے والد کو اس کو بھیجوانے کی بابت غلام نبی نے بھی کہا اور زبیدہ کے والد کے دوست سے بھی پاکستان لکھوایا ان کا بھی جواب آیا۔ اسی طرح کے جواب آتے رہے تو مجبوراً غلام نبی نے دوسری شادی کرڈالی۔ کیونکہ اس کو والدہ کی بینائی بہت کم ہو چکی تھی کھانا پکانے کی اور گھر کا کام کرنے والا کوئی نہ تھا زبیدہ کے والدین جب پاکستان سے دوبارہ آئے تو غلام نبی نے اور اس کے والد قصبہ کے معزز لوگوں کو فیصلہ کے لئے بیچ میں ڈالا جو فیصلہ ہوا اس کی نقل ارسال خدمت ہے۔ آیا یہ فیصلہ شرعی فیصلہ ہے یا نہیں۔

فیصلہ کے وقت زبیدہ ایک ہفتہ غلام نبی کے گھر رہی پھر اس کے والد زبیدہ کو اس کے ماموں کے گھر لے گئے جس کو آج عرصہ سوا دو سال ہو گیا درمیان میں زبیدہ کے ماموں کے یہاں زبیدہ کو لینے بھی گئے۔ اور جو کچھ غلام نبی نے زیور چڑھایا اور جو کچھ زبیدہ کے والد نے شادی کی رخصتی پر دیا تھا وہ سب کا سب زبیدہ کے پاس اس فیصلہ کے مطابق ہے اور جس قدر غلام نبی پر بار ڈالا گیا ہے۔ وہ غلام نبی نے برداشت کیا اب دریافت یہ ہے کہ یہ فیصلہ شریعت کے موافق ہوا یا نہیں جس پر زبیدہ کی طرف سے عمل نہیں کیا گیا۔ استدعا ہے کہ برائے مہربانی فیصلہ کی بابت اور اس سوال کا جواب تحریر فرمائیں آیا یہ زیور نقد روپیہ زبیدہ کی ملکیت ہے یا نہیں اور جس قدر غلام نبی پر بار ڈالا گیا ہے وہ شریعت کے مطابق ہے یا نہیں۔ جواب تفصیل وار برائے کرم جلد از جلد عنایت فرمائیں فقط۔

نوٹ:۔ برائے مہربانی جو فیصلہ خدمت میں ارسال کر رہا ہوں اس کو بغور دیکھیں اس میں شرعی ایمان کا سوال درپیش ہے فقط

سید محمد بخش غلام نبی بساطی صدر بازار مکرانہ (راجستھان)

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں جو زیور و سامان جہیز زبیدہ کو اس کے میکے سے بوقت شادی دیا گیا ہے وہ تمام اس زبیدہ ہی کی ملکیت ہے۔ ردالمحتار میں ہے "وکل احد یعلم ان الجھاز للمرأۃ اذا طلقھا تاخذ کلہ واذا ماتت یورث عنھا" (از شامی جلد ۲ صفحہ ۳۳۷) تو اس زیور و سامان جہیز کا غلام نبی سے زبیدہ کو دیدینے کا حکم صحیح اور موافق شرع ہے۔ اور زبیدہ کو بوقت شادی غلام نبی کی طرف سے جس قدر زیور چڑھایا گیا تھا تو اگر زبیدہ کو اس زیور کا مالک بنا دیا گیا تھا یا یہ زیور اس کو ہبہ کر دیا تھا۔ یا ان کے خاندان وقوم کے عرف ورواج میں شوہر کے چڑھائے زیور کی مالک بیوی ہی قرار دی جاتی ہے تو ان ہر صورتوں میں یہ زیور زبیدہ کی ملکیت ٹھہرایا جائیگا۔ اور ایسے زیور کے لئے غلام نبی کو زبیدہ کو دیدینے کا حکم صحیح اور

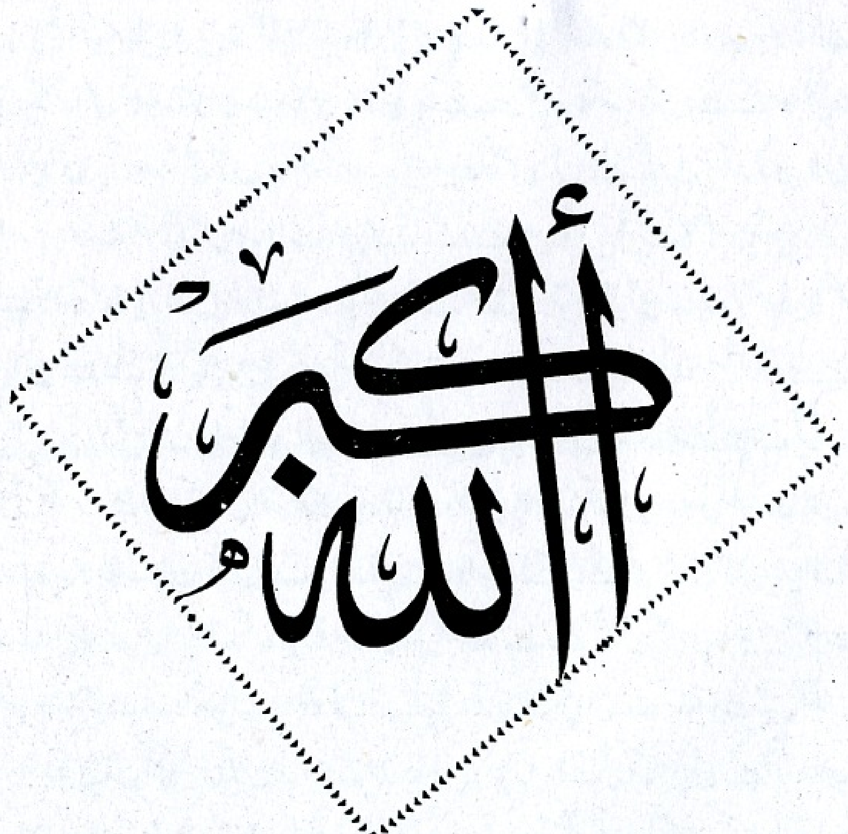
شریعت کے موافق ہے۔ اور اگر زبیدہ کو غلام نبی کی طرف سے چڑھائے ہوئے زیور کا مالک ہی بنایا گیا تھا نہ اس کو ہبہ ہی کیا گیا تھا نہ ان کے عرف ورواج میں بیوی اس زیور کی مالک ہی سمجھی جاتی ہے۔ بلکہ وہ بیوی کو محض پہننے کے لئے عاریۃ دیا جاتا ہے تو بلاشبہ اس زیور کا غلام نبی مالک ہے۔ پھر اگر واقعہ کی یہی صورت ہے تو فیصلہ میں زبیدہ کو اس زیور کا غلام نبی سے دلوانا کس قدر غلط ہے اور شریعت کے خلاف ہے۔ تو اس بنا پر یہ فیصلہ شرعی کب ہوا۔ بلکہ فیصلہ غیر شرعی ہوا۔

اب باقی رہا غلام نبی کو چوتھائی قیمت مکان یعنی تین سو ساڑھے سینتیس روپیہ دینے کا حکم دینا تو اگر یہ رقم دین مہر کے حساب میں دی گئی ہے جب تو زبیدہ کا شرعی حق ہے لیکن یہ فیصلہ میں اس امر کی تصریح ضروری تھی کہ یہ رقم زبیدہ کو من جملہ دین مہر کے دی جارہی ہے۔ اور اگر یہ رقم زبیدہ کو حق رکھنے کے سلسلہ میں دی جارہی ہے تو شرعا بیوی کا شوہر پر جو حق ہے وہ محض سکونت ہے نہ کہ بیوی کو کسی مکان کا مالک کر دینا یا قیمت مکان دیدینا، لہٰذا جب غلام نبی پر مکان یا قیمت مکان کا زبیدہ کو مالک بنانا شرعا ضروری نہیں تھا تو اس فیصلہ میں قیمت مکان کا زبیدہ کے لئے حکم دینا کب شریعت کے موافق ہوا۔ تو اس صورت کی بنا پر بھی یہ فیصلہ شرعی نہیں ہوا اور اگر یہ رقم زبیدہ کو محض اس لئے ہے کہ چونکہ زوجہ ثانی کو تو مکان دیا گیا ہے اور ہر دو کے حقوق میں مساوات ہو جانے کے لئے زبیدہ کو یہ قیمت کا حکم دیا گیا ہے۔ تو اگر یہی حکم شرع ہے تو ۵ تولہ زیور طلائی اور ایک سو بیالیس روپیہ بھر زیور نقرئی کا بھی زبیدہ کو حکم دینا حکم شرعی ہونا چاہئے لیکن اس کے لئے پنچ صاحبان نے یہ لکھ دیا کہ اس قدر زیور طلائی ونقرئی کا مسماۃ کو دینے کے متعلق غلام نبی یا کھیسو جی کو حکم نہیں دیا جا سکتا البتہ غلام نبی کو چاہئے کہ اسکی استطاعت ہونے پر مساوات اور انصاف کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسی مقدار کا زیور طلائی ونقرئی بنوا کر مسماۃ زبیدہ کی ملکیت میں دے یہ حکم جبری نہیں ہے۔ تو جب ان پنچوں نے زیور میں مساوات کے لئے حکم جبری نہیں دیا اور اس کو بعد استطاعت کے انصاف پر موقوف کر دیا۔ تو مکان میں مساوات کے متعلق بھی ایسا جبری حکم نہ دیتے اور اس کو بھی بعد استطاعت کے انصاف پر موقوف کر دیتے۔ تو قانوناً پنچوں کے مساوات میں مختلف حکم کیوں ہیں۔ پھر ان احکام میں حکم شرعی کون سا ہے۔ علاوہ بریں یہ رقم چوتھائی مکان کی ہے اور زوجہ ثانیہ سے زبیدہ کی مساوات جب ہوتی کہ اس کو نصف مکان کی قیمت مبلغ چھ سو چھتر روپیہ دلوائے جاتے۔ جو حصہ غلام نبی کا تھا۔ تو جب نصف مکان کی قیمت اس کو نہیں ملی تو زوجہ سے مساوات نہ ہو سکی۔ تو چوتھائی مکان کی قیمت میں مساوات کا دعوٰی غلط وباطل ہے۔

بالجملہ جب اس فیصلہ میں اس قدر خامیاں ہیں تو اسکو کوئی شخص فیصلہ شرعی کس طرح کہہ سکتا ہے بلکہ اس میں جو حکم ہے وہ اسقدر مبہم ہے کہ اس میں مسئلہ کے خاص پہلو کی تعین نہیں اور جب یہ تعیین نہیں تو اس پر حکم خاص کس طرح مرتب ہو۔ پھر جس میں ایسی خامی ہے تو پھر اسکو فیصلہ ہی کس بنا پر کہا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۲۳ ربیع الآخر ۶۷ ۱۳ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل



﴿۵۴﴾

باب الکفو

مسئلہ (۶۵۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

کچھ میمن جماعت از منہ قدیم سے یہ قاعدہ مقرر و جاری ہے کہ جماعت کا کوئی فرد اپنی یا اپنی اولاد کی شادی کسی دوسری قوم یا جماعت یعنی غیر قوموں میں نہ کرے بلکہ اپنی جماعت و برادری میں ہی کرے تا کہ کچھ میمنوں کے خون میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہونے پائے اور جماعت کے کسی فرد کے حسب ونسب میں اور جماعت و برادری کے نظام میں کوئی فرق نہ آسکے اب دریافت طلب یہ ہے کہ از روئے شرع شریف یہ قاعدہ کیسا ہے اور کیا شریعت مطہرہ جماعت کے اس قانون کو ناپسند و ممنوع فرماتی ہے واضح رائے عالی ہو کہ کئی صدیوں پیشتر جب کچھی میمنوں کے آباء واجداد مشرف باسلام ہوئے تھے اس وقت سے اب تک مذکورہ بالا قانوں قائم و نافذ ہے لیکن اب نئی روشنی کے دلدادہ چند انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کا یہ خیال ہو رہا ہے کہ اس قاعدہ کی کوئی ضرورت نہیں اور ارکان جماعت پر ایسی پابندی نہیں ہونی چاہئے بلکہ جماعت کے ہر مرد و زن کو عام اجازت ہونی چاہئے کہ وہ اپنا بیٹا، اپنی بیٹی، یا بھائی بہن کی شادی اپنی مرضی سے جہاں اس کا جی چاہے خواہ غیر کفو و غیر برادری میں مثلاً کوکنی، وکنی، ملیباری، بنگالی وغیرہ وغیرہ قوموں میں کرے اس کو تحفظ نظام جماعت کی خاطر جماعت کی طرف سے کوئی روک ٹوک اور تادیب نہیں کرنی چاہئے کیا ان حضرات کا یہ خیال مصالح دینی و دنیوی کے پیش نظر از روئے شرع شریعت درست سمجھا جائیگا یا نہیں اور کیا اس طرح کفو کی اہمیت اور نظام جماعت و برادری کی ضرورت فنا نہیں ہو جائیگی؟ کیا شریعت مطہرہ کے حکم سے جماعت کا مذکورہ قدیم قانون نافذ العمل نہیں رکھا جا سکتا ہے؟۔ گر رکھا جا سکتا ہے تو اس کو خواہ مخواہ ختم کر دینا کیا زیادتی نہیں ہوگی اس مسئلہ کا مفصل جواب قرآن وحدث اور فقہ سے عطا فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ بینوا توجروا

المستفتی نور محمد عبد الستار پٹیل بمبئی

۱۴ محرم الحرام ۱۳۶۴ هجری

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

الحمدلله وکفی والصلوۃ علی محمد المصطفی وعلی آله واصحابه علیه وعلیهم التحیة والثناء ۔

جواب سے قبل ان چند امور کا سمجھنا ضروری ہے تاکہ مسئلہ کفاءت اور حقیقی شرافت وذلت کا آسان ہو جائے۔

امر اول۔ شرافت کسی قوم پر منحصر نہیں حقیقی شرافت کا حسن عمل اور تقوی اور پرہیز گاری ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: ان اکرمکم عند الله اتقاکم ۔ یعنی تم میں زیادہ مرتبہ والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ تقوی رکھتا ہے۔

آیت کریمہ سے ثابت ہو گیا کہ حقیقی شریف وہ شخص ہے جو متقی پرہیز گار ہو جائے چاہے وہ عرف کے اعتبار سے ذلیل قوم ہی کا کیوں نہ ہو اور ذلت کا سبب فسق و فجور ہے تو وہ قومیں جو عرف میں شریف مشہور ہیں لیکن ان میں فاسق وفاجر بھی ہیں تو وہ فاسق وفاجر حقیقی ذلیل ہے، اسی طرح علم شرافت کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔

یعنی فرمادیجئے کیا وہ جو علم رکھتے ہیں بے علموں کے برابر ہیں۔

آیت کریمہ سے ظاہر ہو گیا کہ عالم کو بھی حقیقی شرافت حاصل ہے اب چاہے وہ کسی قوم کا ہو کہ شرف علمی نسبی شرافت سے زیادہ ہے تو عالم ہر عرفی شریف کا کفو ہے اسی لئے سادات کرام علوی۔ قرشی ۔تاجر۔ مالدار ہر شریف کے ساتھ عالم کا نکاح صحیح ہے۔

ردالمحتار میں مجمع الفتاوی سے ناقل ہیں:

العالم یکون کفوا للعلویۃ لان شرف الحسب اقوی من شرف النسب ۔

اسی میں فتاوی قاضی خاں سے منقول ہے:

قالوا الحسیب یکون کفوا للنسیب فالعالم العجمی یکون کفوا للجاهل العربی والعلویۃ لان شرف العلم فوق شرف النسب ۔ اسی میں بزازی سے منقول ہے۔ العالم الفقیر یکون کفوا للغنی الجاهل والوجه فیه ظاهر لان شرف العلم فوق شرف النسب فشرف

المال اولی ۔ (ردالمحتار مصری ص ۳۲۳ ج ۲)

تو علم اور تقوی حقیقی شرافت کے سبب ہیں اور ان کا کسی قوم پر انحصار نہیں، اب کسی مسلمان کو نہ محض اپنی قومیت پر فخر کرنا جائز نہ دوسرے کی قوم پر طعن کرنا روا، نہ کم نسبی کی بنا پر کسی مسلمان کو حقیر کہہ کر اس کا دل دکھانا درست۔ حدیث شریف میں ہے ۔من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی الله ۔ یعنی جس نے کسی مسلمان کو اذیت پہونچائی تو اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی۔

حتی کہ اگر بھنگی مسلمان ہو گیا تو اسے بھی نظر حقارت سے دیکھنا حرام ہے کہ وہ اب ہمارا دینی بھائی ہے، اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: انما المومنون اخوۃ ۔یعنی مسلمان آپس میں بھائی ہیں،

الحاصل شریعت میں حقیقی شریف عالم اور متقی پرہیز گار ہے اور حقیقی ذلیل فاسق فاجر ہے، اب یہ چاہے کسی قوم کے ہوں تو نہ شرافت کا کسی قوم پر انحصار نہ رذالت کا کسی قوم پر مدار۔

امر دوم ۔ اہل عرف نے بعض قوموں کو شریف اور عالی نسب قرار دیدیا ہے اور بعض قوموں کو ذلیل اور کم رتبہ ٹھرایا ہے، اسی طرح بعض پیشوں کو باعزت سمجھ رکھا ہے اور بعض کو ذلیل بنالیا ہے تو اس حد بندی نے ایسی صورت اختیار کر لی ہے جو ایک دوسرے کے لئے باعث ننگ وعار بن گئی ہے تو شرعا بھی کفائت کا مدار اس عرف پر ہی رکھا گیا اسلئے کہ اگر شریعت عرف کو کفائت کا موقوف علیہ نہ بنائے تو اس کا مسلمانوں کے تمدن ومعاشرت اور اخلاق پر ناخوش گوار اثر پڑتا ہے، مثلا بیوی ان میں سے ہو جو عرف میں شریف اقوام کہلائی جاتی ہیں تو اس میں باعتبار اخلاق وتہذیب اور طرز معاشرت کے ضرور شریفانہ اثرات ہونگے اور شوہر ان اقوام سے ہے جنہیں عرف نے ذلیل قرار دیدیا ہے اور اس میں علم وتہذیب اور اچھی صحبت کے اثرات بھی نہیں ہیں تو اب ایسی باتہذیب بیوی کی نظر میں اس شوہر کا کیا وقار ہوگا اور وہ شوہر اپنی ناواقفیت سے بیوی کے حقوق کا کب احترام کرے گا اور اس کی شائستگی کی حرکات کا اخلاقی جواب دیکر اس کا دل کیا خوش کر سکے گا، تو اس صورت میں ان کے تعلقات میں ناخوشگواریوں کا ہونا لازمی ہے اور آپس میں جو زن وشوہر میں گہرے روابط ہونے چاہئیں وہ ان میں کیوں کر باقی رہ سکتے ہیں لہذا نکاح کا جو مقصد اتحاد ووداد اور ہمدردی ومحبت تھی وہ فوت ہو گیا اسلئے شریعت نے مسئلہ کفائت کا عرف پر مدار رکھا ہے،

خود احادیث میں وارد ہے۔ الناس معادن کمعادن الذهب والفضة والعرق دساس

وادب السوء کعرق السوء ۔ رواہ البیھقی فی شعب الایمان والخطیب عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جیسے سونے چاندی کی مختلف کانیں ہوتی ہیں یوں ہی آدمیوں کی ہیں اور رگ خفیہ اپنا کام کرتی ہے اور برا ادب بری رگ کی طرح ہے۔

نیز حدیث میں ہے: تخیروا لنطفکم فانکحوا الاکفاء وانکحوا الیھم (وفی لفظ) فان النساء یلدن اشباہ اخوانھن واخواتھن رواہ ابن ماجۃ والحاکم والبیھقی وابن عدی وابن عساکر کلھم عن ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے نطفہ کے لئے اچھی جگہ تلاش کرو کفو میں نکاح کرو اور کفو سے بیاہ کرلاؤ کہ عورتیں اپنے ہی کنبہ کے مشابہ جنتی ہیں۔

نیز فرمایا: تزوجوا فی الحجر الصالح فان العرق دساس رواہ ابن عدی والدار قطنی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھی نسل میں شادی کرو کہ رگ خفیہ اپنا کام کرتی ہے

لہذا ان احادیث سے ثابت ہوگیا کہ کفو ہونے کا لحاظ کس قدر ضروری ہے اور کفو میں بے شمار منافع ہیں اسی طرح غیر کفو کے نہایت زہریلے اثرات پیدا ہوتے ہیں اسی لئے فقہاء کرام نے غیر کفو میں نکاح کو ناجائز قرار دیا۔

چنانچہ درمختار میں ہے۔ ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان۔

(ردالمحتار مصری ۳۰۵)

امر سوم ۔ عام لوگ غیر کفو کے معنی صرف غیر قوم جانتے ہیں اگر چہ وہ علم، تقوی، نسب، مال، شرافت، وجاہت میں اپنا ہمسر ہی ہو اسطرح کفو کے معنی صرف ہم قوم سمجھتے ہیں اسی بنا پر یہ لوگ اپنے ہم قوم فاسق کو صالحہ یا بنت صالح کا کفو جانتے ہیں اور اپنے ہم قوم ایسے غریب کو جو مہر معجل اور نفقہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو مالدار عورت کا کفو قرار دیتے ہیں اور اپنے ہم قوم عالم کو جاہل کا کفو ٹھہراتے ہیں اور سب سے بڑی جہالت یہ ہے کہ اپنے ہم قوم بدمذہب جیسے وہابی، غیر مقلد، رافضی، قادیانی وغیرہ کو صحیح العقیدہ سنی حنفی کا کفو سمجھتے ہیں لہذا کفو کے یہ معنی محض عوام نے گڑھے ہیں۔ شریعت مطہرہ میں کفو کے یہ

معنی نہیں، کفو شرعی کے یہ معنی ہیں کہ مذہب، نسب، تقوی، پیشہ، اور مال میں کوئی ایسی کمی یا نقص نہ ہو جو عورت کے ولیوں کے لئے ننگ وعار کا سبب ہو۔

تنویر الابصار میں ہے: تعتبر (الکفاءۃ) نسبا وحریہ واسلاما ودیانۃ ومالا وحرفہ ،

اور شرعا غیر کفو وہ ہے جس کے مذہب۔ نسب۔ تقوی۔ پیشہ۔ مال میں کوئی ایسا نقص اور کمی ہو جس کے سبب سے اس عورت کا اس سے نکاح ہونا اس کے ولیوں کے لئے باعث ننگ وعار ہو۔ تو اب شریعت کی رو سے سنی العقیدہ بدمذہب کا کفو نہیں، اچھے پیشے والا ذلیل پیشے والے کا کفو نہیں، متقی فاسق کا کفو نہیں، مالدار ایسے غریب کا کفو نہیں جو مہر معجل اور نفقہ ادا کرنے پر قادر نہو۔ اب چاہے یہ تمام ہم قوم ہی کیوں نہ ہوں۔ تو شریعت نے کفاءت کے لئے ان باتوں کا اعتبار کیا ہے اور اسی معنی پر احکام مرتب فرمائے ہیں۔

درمختار میں ہے: تعتبر (الکفائۃ) فی العرب والعجم دیانۃ ای تقوی فلیس فاسق کفو الصالحۃ الخ۔

(ردالمحتار ص ۳۲۸)

تو اب جہاں کفو کا لفظ آتا ہے اس سے یہ شرعی معنی مراد ہوتے ہیں نہ یہ عرفی معنی جو عوام کے گڑھے ہوئے ہیں۔

امر چہارم۔ کفاءت کا اعتبار کفو میں صرف مرد کی جانب میں ہے نہ کہ عورت کی جانب میں، چنانچہ مرد بالغ اگر کم درجہ کی کسی قوم کی مسلمہ عورت سے نکاح کرے تو وہ نکاح صحیح ہے کہ عورت کی جانب میں کفاءت معتبر نہیں۔

درمختار میں ہے: الکفاءت معتبرۃ فی ابتداء النکاح للزومہ او لصحتہ من جانبہ ای الرجل لان الشریفۃ تابی ان تکون فراشا للدنی ولذا لا تعتبر من جانبھا لان الزوج مستفرش فلا تغیظہ دنائۃ الفراش وھذا عند الکل فی الصحیح ۔

(ردالمحتار ص ۳۲۵)

اور اگر نابالغ ہوں اور باپ دادا کے سوا کوئی اور ولی ہو تو دونوں جانبوں میں کفاءت کا اعتبار ہے، ردالمحتار میں ہے:

غیر الاب والجد لو زوج الصغیرۃ او الصغیر غیر کفو لا یصح ومقتضاہ ان الکفاءۃ للزوج معتبرۃ ایضا وقد منا ان ھذا و فی الزوج الصغیر۔

(ردالمحتار ص ۳۲۵)

بلکہ وہ باپ دادا جنہوں نے اس سے قبل بھی اپنی ولایت سے غیر کفو میں نکاح کر دیا ہے وہ اگر پھر غیر کفو میں نکاح کریں تو انکا کیا ہوا نکاح بھی صحیح نہ ہوگا۔

فتاوے خیریہ میں ہے: ولو زوج طفله غير كفوء او بغبن فاحش صح ولم يجز ذلك لغير الاب والجد اطلق فى الاب والجد وقيده الشارحون وغيرهم بان لا يكون الاب معروفا بسوء الاختيار حتى لو كان معروفا بذلك مجانة او فسقا فالعقد باطل على الصحيح۔ (فتاوی ص ۲۳ ج ۱۔)

تو جب کفو کہا جاتا ہے تو اس سے مرد مراد ہوگا نہ عورت اور دونوں مراد ہونگے جب نابالغ ہوں

امر پنجم ۔ جب شرعی کفو کے معنی اور ہم قوم ہونے کے احکام کو شریعت کے لحاظ سے دیکھا جاتا ہے تو چار صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ کفو شرعی بھی ہو اور ہم قوم بھی ہو تو یہ بہت بہتر اور حتی الامکان اس کی کوشش بھی کی جائے کہ اس میں شرعی حکم کے اتباع کے باوجود اور مفاد بھی حاصل ہونگے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کفو شرعی تو ہو لیکن ہم قوم نہ ہو اور عورت بالغہ ہو تو اگر بالغہ نے ایسے شخص سے بلا اذن ولی بلکہ بنا راضی ولی بھی اپنا نکاح کر لیا تو وہ نکاح صحیح ولازم ہے، اب ولی کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔

درمختار میں ہے: نفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضاء ولى۔ (ردالمحتار ص ۳۰۴)

اور نابالغ ہوں تو باپ دادا ہوں یا اور کوولی ہو جسکی ولایت سے ایسا نکاح ہوگا وصحیح ولازم ہوگا کہ شرعا یہ کفو ہی میں نکاح ہوا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ہم قوم تو ہو لیکن کفو شرعی نہ ہو اور عورت بالغہ ہو تو ایسے شخص سے اس بالغہ کے نکاح صحیح ہونیکی یہ شرط ہے کہ اس بالغہ کا ولی نکاح سے پہلے شوہر کا غیر کفو شرعی ہونا جانتا ہو اور یہ جانتے ہوئے پھر اس ولی نے اس بالغہ کو اس نکاح کی صراحۃ صاف طور پر اجازت دی ہو، تو یہ نکاح جائز وصحیح ہو جائگا۔ اوذا گر یہ شرط نہ پائی جائے تو یہ نکاح ناجائز۔

اور نابالغوں کا نکاح صحیح ہونے کی یہ شرط ہو کہ ایسا نکاح صرف باپ دادا کر سکتے ہیں جنہوں نے اپنی ولایت سے کوئی اور نکاح ایسے غیر کفو شرعی میں نہ کیا ہو اور انکا سوء اختیار معروف نہ ہو جب یہ نکاح صحیح

ولازم ہوگا اور خود باپ دادا ایسے غیر کفو میں اس سے پہلے بھی کوئی اور نکاح کر چکے میں یا سوء اختیار کے ساتھ معروف ہیں تو ایسا نکاح ناجائز۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ غیر کفو شرعی بھی ہو اور غیر قوم بھی ہو تو اس کے بعد یہ وہی احکام ہیں جو تیسری صورت میں مذکور ہوئے الحاصل کفو شرع کا لحاظ بہت ضروری ہے اگر اس کے ساتھ ہم قوم ہونا بھی ثابت ہو جائے تو زیادہ بہتر اور اگر ہم قوم ہونیکے لحاظ میں کفو فوت ہوتا ہے تو کفو شرعی کا لحاظ بہت ضروری اور ہم قوم ہونا اتنا اہم نہیں۔

ان امور کے سمجھنے کے بعد سوال کا جواب خود ہی حل ہو گیا، تو اب مختصر الفاظ میں جواب دینا کافی ہوگا کہ ہر پہلو پر دلائل کافی قائم کر دیئے گئے ہیں اب ان کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ لہذا جب میمن جماعت کفو کے ان شرعی معنی کو (دوم سوم میں گذرے) ملحوظ رکھتی ہے اور بالغہ اور نابالغوں کے لئے اس کفو کو منتخب کرتی ہے جو شرعا بھی کفو ہے تو یہ قانون صرف میمن جماعت ہی کا نہیں بلکہ یہی حکم شرعی بھی ہے تو اب جو اس قانون کی مخالفت کریگا تو گویا وہ حکم شرعی کی مخالفت کرتا ہے، ایسی مخالفت کا حتی الامکان زبردست مقابلہ ضروری ولازمی ہے اور کسی کی مخالفت کی وجہ سے حکم شرعی کی پابندی نہیں چھوڑی جا سکتی کہ حکم شریعت کی پابندی ہر مسلم پر فرض ہے،

اور اگر میمن جماعت بھی اس غلطی میں مبتلا ہے کہ کفو کے معنی صرف قوم سمجھتی ہے اور غیر قوم کو غیر کفو جانتی ہے اور شریعت کے کفو اور غیر کفو کے معنی کا کچھ لحاظ نہیں ہے یعنی میمنوں کے نکاح دل میں نہ صحیح العقیدہ سنی اور بد مذہب میں کوئی پرہیز نہ متقی اور فاسق میں کوئی امتیاز ہے، نہ اچھے پیشے اور ذلیل پیشے کا کچھ فرق ہے، نہ مالدار اور نادار ہونے کا کچھ لحاظ ہے، نہ اچھے چال چلن اور بد چلن کی کچھ دیکھ بھال ہے، بلکہ صرف ہم قوم میمن ہونا کفو ہونیکا دارومدار ہے تو میمن جماعت کا یہ قانون حکم شرعی کے خلاف ہے کہ شریعت میں کفو کے معنی قوم نہیں، اور صرف اس کفاءت کو شرع نے صحت نکاح اور عدم جواز نکاح کا موقوف علیہ نہ بنایا ہے، وہ جماعت خود اپنی اصلاح کرے اور کفو کے شرعی معنی کا لحاظ کرتے ہوئے قانون بنائے اور ہر وہ قانون نافذ العمل ہو کرے جو شرعی احکام کے موافق ہو۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ : الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

مسئلہ (۶۵۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

اگر کوئی شخص امام ہو اور اس کی لڑکی بالغ ہو اور ملازم بھی ہو اور شادی نہ کی گئی ہو تو ایسے امام کے پیچھے لوگوں کو اس کے پیچھے نماز پڑھنے پر اعتراض ہے تو کیا ان لوگوں کا اعتراض صحیح ہے اور اس لڑکی کے والدین یہ کہیں کہ جب تک حسب منشا کوئی شخص نہ ملے گا تو کیا لڑکی کو اپنے سے دور کردیں، کیا یہ ان کا کہنا ٹھیک ہے اور ان کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے؟

برائے کرم ازروئے شرع خلاصہ تحریر فرمادیں۔ المستفتی متولی محمد رمضان جودھپور۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

لڑکی کے بلوغ کے بعد والد کو اس کے نکاح کرنے میں امکانی عجلت ضروری ہے لیکن لڑکے میں ہم کفو ہونا اور دینی دنیوی اوصاف کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے۔ لہذا ایسے لڑکے کی تلاش میں کچھ انتظار ہونے میں پر کوئی الزام شرعی لازم نہیں آتا جب کہ خوف فتنہ حد سے زیادہ تجاوز نہ کرے۔ اور صرف اتنی سی بات پر اس کے پیچھے نماز ناجائز نہیں ہو سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

﴿۵۵﴾

باب الخلع

مسئلہ (۶۵۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں واضح ہو کہ

میں کہ خادمہ اللہ رکھی اٹارسی ہوشنگ آباد کی ہوں، گذارش یہ ہے کہ میری عمر قریب آٹھ سال کی تھی کہ میرا عقد کردیا تھا اب میں عرصہ دو سال سے بالغ ہوں میری عمر اس وقت ۱۵ سال ہے ابھی میری رخصتی نہیں ہوئی ہے میرے والد نے بھی مجھ کو اپنے مکان سے علیحدہ کردیا ہے کہ جہاں طبیعت چاہے جاؤ اب میں تمہاری کفالت نہیں کرسکتا ہوں اور جب میری شادی ہوئی ہے تب سے آج تک میرا شوہر نہ تو میرے مکان پر واسطے لینے کے آیا اور نہ آج تک کوئی نان ونفقہ کی خبر گیری کی میں نے کئی تحریر بھی لکھی لیکن شوہر نہیں آیا ہے اور میرے والد نے بھی مکان سے نکال دیا ہے اب میں بہت پریشان ہوں اور عرض کرکے امیدوار ہوں کہ اگر شریعت مجھ کو اجازت دیوے تو کسی دیگر بھلے آدمی سے عقد کرلوں چونکہ مجھ کو عقل سلیم نہ تھی جب کہ عقد ہوا تھا اور ہنوز رخصت بھی نہیں ہوئی ہے مجھ کو یہ شوہر جو میری مصیبت میں کام نہ آوے میں پسند نہیں کرتی ہوں واسطے خدا میرے حال زار پر رحم فرماکر بموجب حکم شریعت میرے واسطے حکم صادر فرمایا جاوے چونکہ میں جوان ہوں بغیر ثانی نکاح کے میری زندگی بسر نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ میرا اس وقت کوئی بھی کفیل اور سرپرست نہیں ہے جو میری شکم پروری کرے اور مجھکو گناہ کے راستے سے بچائے بجز خدا کے جواب جلد مرحمت فرمایا جاوے۔ فقط ۲۰ جون ۱۹۳۹ء

قیمہ خادمہ اللہ رکھی عبدالغفور

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر واقعہ یہی ہے کہ شوہر نہ بلاتا ہے نہ نان ونفقہ کی خبر گیری کرتا ہے اور مسماۃ مذکورہ یہ یقین کرتی ہے کہ میرے اور اس کے درمیان حقوق زوجیت قائم نہیں رہ سکتے تو مسماۃ مذکورہ کے لئے یہ صورت ہے کہ خلع کرلے بشرطیکہ شوہر شرعاً بالغ ہو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:-

فان خفتم ان لایقیما حدود اللہ فلاجناح علیھما فیما افتدت بہ تلک حدود اللہ

فلاتعتدوھا۔

اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ (زوجین) دونوں ٹھیک انہیں حدوں پر نہ رہینگے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اس میں جو بدلہ دیکر عورت طلاق حاصل کرے یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو۔

البتہ خلع کے لئے یہ الفاظ کہنے ضروری ہیں کہ عورت اپنے شوہر سے کہے تو مجھ سے میرے مہر یا اتنے مال پر خلع کر، شوہر اس کو قبول کرے تو طلاق بائنہ ہو جائیگی اور اسی وقت نکاح سے خارج ہو جائے گی کہ یہ مسماۃ غیر مدخولہ ہے، اسی لئے اس پر عدت بھی واجب نہیں۔

چنانچہ شامی میں ہے: فان لم یدخل بھا فلاعدۃ اصلا۔

لہذا اس مسماۃ کو چاہیئے کہ اپنے شوہر سے اپنے مہر یا اور مال کے بدلے میں خلع کرے اور بعد خلع بلاعدت کے فوراً اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۵۵)

مکرمی مفتی صاحب برائے کرم اس مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کریں

ایک بیوی کو اس کا خاوند مارتا پیٹتا ہو اور اس سے ناجائز کام کرواتا ہو ناجائز کام یہ ہے کہ غیر مرد کو لاکر اس سے حرام کرواتا ہے بیوی اگر انکار کرتی ہے تو اس کو مارتا پیٹتا ہے اور نیم جان کر دیتا ہے اس وجہ سے وہ اس سے الگ ہوگئی ہے اور یہ چاہتی ہے کہ وہ طلاق دیدے لیکن وہ طلاق دینا نہیں چاہتا ایسی صورت میں شریعت کی طرف سے اس کو طلاق ہوئی یا نہیں آپ مہربانی فرما کر اس کا فتوی مہر لگا کر بھیجنے کی تکلیف کریں۔

المستفتی، ٹیلر ماسٹر ہارون رشید ڈیلائٹ ٹیرنگ ہاؤس سبزی منڈی سان بھون کوٹہ راجستھان

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جو شوہر ایسا دیوث ہو اس کی بیوی اس کے پاس ہرگز ہرگز نہ رہے اور زنا جیسے حرام فعل سے اپنے آپ کو بچائے۔ اور اس سے خلع یا جبر جس طرح سے ممکن ہو طلاق حاصل کر کے جلد از جلد اس کے نکاح

سے خارج ہو لیکن بغیر اس کی طلاق کے حاصل کئے یہ عورت اس شوہر کے نکاح سے خارج نہیں ہو سکتی۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۴ ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۵۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

قدیر بخش بن کریم بخش اپنی بیوی حلیم النساء کے ساتھ بہت بے رحمانہ برتاؤ کرتا ہے اور ہمیشہ زدوکوب وبھوک پیاس کی تکلیف دیتا رہتا ہے اور اس پر پانی تک بند کر دیتا ہے اور بار بار گھر سے نکال دیتا ہے اب اس حلیم النساء کو اندیشہ اپنی جان کے ضائع ہونے کا ہے کئی دفعہ عزیزوں نے سمجھوتا کرایا نیز قدیر بخش نے یہ تحریر لکھدی کہ آئندہ ظلم وستم نہیں کروں گا اس وعدہ پر حلیم النساء اس کے گھر پہونچی تو قدیر بخش نے وہی نازیبا سلوک شروع کر دیا یہاں تک کہ مسماۃ مذکورہ کو پیٹا کہ سر زخمی ہوگیا اور بھی اسی قسم کا بدترین سلوک کیا اور اپنے گھر سے نکال دیا نیز پنچایتی فیصلہ بھی ہے کہ ان کے باہمی نبھاؤ نہیں ہو سکتا اس لئے کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا جائے چنانچہ وہ بھی دائر کر دیا۔ اب دینی فیصلہ کے لئے آپ حضرات کی طرف رجوع کیا ہے حلیم النساء کو اپنی جان کا اندیشہ ہے اور وہ اپنے پالنے والے کے یہاں محفوظ رہتی ہے اس عورت کے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار نہیں ہیں جواب طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت جائز ہے کہ کورٹ کے فیصلہ کے بعد عالم دین مسلم پنچ اس نکاح کو فسخ کرا دیں؟ پوری شرائط فسخ کے یا جو شرائط تحریر کیجائیں۔ بینوا توجروا

المستفتی حاجی عبدالوہاب نزد مسجد محلہ لانقان جودھپور۔ راجستھان

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر فی الواقع قدیر بخش اور اس کی بیوی حلیم النساء میں ایسی عداوت قائم ہو چکی ہے کہ اب انہیں باہمی نبھاؤ نہیں ہو سکتا تو پنچایت یا مسماۃ کے عزیز قدیر بخش پر مالی لالچ یا جبر سے جس تدبیر سے ممکن ہو ہر طرح کا دباؤ ڈالکر اس سے طلاق حاصل کیجائے، صرف کورٹ کے فیصلہ سے یا کسی غیر حاکم کے نکاح فسخ کر دینے سے یہ مسماۃ حلیم النساء نہ تو قدیر بخش کی زوجیت سے خارج ہو سکتی ہے۔ نہ

بلا طلاق حاصل کئے اس مسماۃ کا کسی دوسرے سے شرعا نکاح جائز ہوسکتا ہے کہ یہ اس وقت شوہر والی عورت ہے اور شوہر والی عورت کا نکاح حرام و باطل ہے

قرآن کریم میں ہے: و المحصنت من النساء۔ یعنی تم پر شوہر والی عورتیں حرام کردی گئیں۔ تو قدیر بخش سے بغیر طلاق حاصل کئے اس مسماۃ کا دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۰ جمادی الاخری ۱۳۷۸ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

﴿۵۶﴾

باب فسخ النکاح

مسئلہ (۶۵۷)

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین زاداللہ برکاتہم۔

مسماۃ زبیدہ کی نسبت دوجگہ کئے ہوئے تھا مسمی محمد حارث و عظیم اللہ کے ساتھ دونوں طرف سے چند اشخاص سروکار تھے فیما بین پیروکاران میں ضد پیدا ہوگئی تھی اور ہر فریق اپنی کامیابی چاہتا تھا مسمی رمضان بروت یا کسی دباؤ یا پالیسی کی بنا پر دونوں فریق سے ہاں اچھا کرتا رہا کسی کو جواب انکاری نہیں دیا ۔۱۳ رجب المرجب ۵۹ھ کو عظیم اللہ کو نکاح کردینے کے لئے بلایا وہ دس آدمی لیکر آ گیا محمد حارث کے پیروکاران کو جب معلوم ہوا۔ تو وہ بھی محمد حارث و پچاس ساٹھ اشخاص کو جس میں چند اشخاص ہندو بدمعاش بھی تھے لیکر رمضان کے مکان پر پہونچ گیا عظیم اللہ اور اس کے ساتھی ان کو دیکھتے ہی روپوش ہوگئے محمد حارث کے ساتھیوں میں سے مسمی ماتا بدل برجن نے ایک طمانچہ رمضان کے مار کر کہا کہ تو نے مبلغ پچیس (۲۵) روپیہ جو حارث کے نکاح کے واسطے یہاں واپس دے لڑکی کو چاہے جہاں کر یا لڑکی کا نکاح حارث کے ساتھ کر نہیں تو اچھا نہ ہوگا رمضان مرعوب ہوگیا اور کہا چلو صاحب ہم نکاح کردیں سب کو اپنے دروازے پر لے گیا اور گاؤں میں حسب دستور اطلاع کرایا فرش بچھایا اور قاضی گواہ شاہد مقرر کیا قاضی نے لڑکی سے اجازت لی لڑکی نے اتنی آواز سے اجازت دی کہ گواہ شاہد بعض حاضرین نے سنا محمد حارث کے ساتھ نکاح کردیا پھر لوگوں کو جو مسلمان تھے کھانا کھلایا اور سب کو سلام مصافحہ کے رخصت کیا اور کہا کہ لڑکی کو دو تین ماہ کے بعد رخصت کرونگا تیسرے روز مسمی رمضان معہ وزیر وحج و ظہور حجام شاہ محمد نعیم عطا صاحب سجادہ نشین خانقاہ قصبہ ستیوں کے پاس گئے اور کل واقعہ بیان کیا شاہ صاحب موصوف نے رمضان سے پوچھا کیا تم نے خوشی سے اپنی لڑکی کا نکاح حارث سے کردیا کہا کہ ہاں صاحب کردیا اگر ہم رضامند نہ ہوتے تو فرش وغیرہ کیونکر بچھاتے اور کھانا کیوں کھلاتے شاہ صاحب موصوف نے فرمایا تو نکاح صحیح ہے عرصہ دس ماہ کا ہوتا ہے ہنوز رمضان نے لڑکی کو رخصت نہیں کیا کہتا ہے کہ ہمارے لئے بھی کوئی لڑکی ڈھونڈھ دو تو ہم رخصت کریں حارث کی آمد و رفت و خلا و ملا رمضان کے یہاں برابر ہے اور

دینالینا مراسم رشتہ داری کے طریقہ پر اب تک جاری رہا اب فریق عظیم اللہ نے روسیاہ ہو کر برادر نہ پنچایت میں معاملہ کو پیش کیا ہے اور رمضان کو بھی دباؤ دیا کوئی لالچ مال یا بیوی کردینے کا دیکر پنچایت میں بیان کرایا ہے کہ ہم سے جبر اور خوف سے نکاح کرا دیا ہے لہذا یہ نکاح ناجائز ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ از روئے شریعت مطہرہ کے نکاح حارث کا صحیح ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

المستفتی عبدالوہاب پکسراں ضلع رائے بریلی

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

مسماۃ کا نکاح مسمی حارث جب باجازت زبیدہ برضا و اہتمام مسمی رمضان و بموجودی گواہان مجمع عام میں شرعی طور پر قاضی نے پڑھایا تو بلاشبہ یقیناً یہ نکاح صحیح ودرست ہوا۔

اب باقی رہا مسمی رمضان کا یہ کہنا کہ ہم نے جبر وخوف سے یہ نکاح کردیا ہے۔

اولاً: یہ بات ہی بہت دشوار ہے کہ تمام شرائط اکراہ کا وجود متحقق ہو جائے۔

ثانیا: دس ماہ تک ان کے مابین مراسم رشتہ داری کا سلسلہ جاری رکھنا خود اس امر کی بین دلیل ہے کہ اکراہ شرعی نہ تھا۔

ثالثا: اس عرصہ بعید میں مسمی رمضان اور مسماۃ زبیدہ کا اس نکاح کو رد نہ کرنا اکراہ کے بطلان کی کافی دلیل ہے اور بصورت تسلیم اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ مسمی حارث کی جانب سے اکراہ شرعی ہوا اور تمام شرائط اکراہ متحقق تھے جب بھی اس نکاح کی صحت محل شک نہیں۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے: اذا اکرہ علی النکاح فتزوج صح نکاحہ عندنا۔

اسی میں ہے: وان کانت المراۃ بالغۃ فاکرھت ھی وولیھا علی النکاح ففعلا ان لم یکن الزوج کفوا کان للولی ان یرد وان کان النکاح بمھر قاصر فللمراۃ ان ترد فان رضیت فللولی ان یرد فی قول ابی حنیفۃ خاصۃ۔

الحاصل مسماۃ زبیدہ کا نکاح مسمی حارث سے ایسا منعقد ہو گیا کہ اب اس کے باطل اور فسخ کرنے کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۵۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک نابالغہ لڑکی کے باپ دادا کا انتقال ہو گیا تھا اس کا اسی نابالغی کی حالت میں کسی نے نکاح کرایا تو اس لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد آیا اپنے نکاح کو فسخ کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟۔ بینوا توجروا

المستفتی لطافت حسین محلہ دیپا سرائے بلدہ سنبھل ضلع مرادآباد۔

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جب نابالغہ کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کیا تو وہ نابالغہ جس آن میں بالغہ ہوئی اگر خود اس نکاح کو فسخ کردے تو وہ نکاح فسخ ہو جائے گا، بالغ ہو کر ذرا بھی دیر کی اور ایک لمحہ کو بھی دوسرے کام یا دوسری بات میں مصروف ہو گئی تو وہ نکاح لازم ہو جائیگا۔

عینی شرح کنز الدقائق میں ہے:

لھما ای للصغیر والصغیرۃ خیار الفسخ بالبلوغ ای اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء افسخ لکن فی غیر الاب والجد عند ابی حنیفۃ و محمد رحمھما اللہ تعالیٰ۔ در مختار میں ہے۔ وبطل خیار البکر بالسکوت لو مختارۃ عالمۃ باصل النکاح ولا یمتد الیٰ آخر المجلس ۔ ردالمحتار میں فتح القدیر سے ناقل ہیں۔ اذا بلغت وھی عالمۃ بالنکاح او علمت بہ بعد بلوغھا فلابد من الفسخ فی حال البلوغ او العلم فلو سکتت ولو قلیلا بطل خیارھا ولو قبل تبدل المجلس ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۶۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ

مسماۃ زاہدہ کا عقد عرصہ کم وبیش چھ سال کا ہوا خالد کے ساتھ بحکم شرعیہ عمل میں آیا دو سال بعد دختر پیدا ہوئی جو بقضائے الٰہی فوت ہو گئی اسکے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا کہ جو بقید باحیات ہے خالد شوہر مسماۃ زاہدہ کے عقد کے ڈہائی سال بعد دیوانہ ہو گیا۔ کوئی ذریعہ معاش بغیر محنت مزدوری وکاروبار کا شتکاری

خالد کے پاس موجود نہیں ہے مسماۃ زاہدہ نے جس طرح ممکن ہوسکا اپنے والدین کے ذریعہ بچہ کی اور اپنی پرورش کی خالد بھی کوئی کام نہیں کرتا اور نہ بیوی اور نہ بچہ کی پرورش کرتا ہے اور نہ بظاہر اس قابل ہے کہ وہ ان کے لئے کھانے پینے یا دیگر اخراجات کا کفیل ہو سکے مسماۃ زاہدہ کے کفیل خورد ونوش وغیرہ ہیں جسکے باعث خود ان کو ہی تکلیف ہوتی ہے خالد پاگل اور ان کا علاتی بھائی اور خسر کا علاتی برادر باوجود مگر اس کی تقاضائے والدین مسماۃ زاہدہ کو دیکر آزاد کرتے ہیں بدنامی کو مدنظر رکھکر انکار کرتے ہیں مسماۃ اور بچہ اور ان کے والدین اس طرز عمل سے نہایت پریشان ہیں کیا ایسی صورت میں اگرچہ خالد شوہر جو کہ پاگل ہے اور بیوی بچہ کہ پرورش سے غافل ہے اور خسر اور جیٹھ ہی خبر گیری کرنے سے قاصر ہیں اور والدین ہیں زاہدہ کے اسقدر قوت وطاقت نہیں کہ وہ اسکے بچہ کی اور اوراس کی پرورش کرسکے ایسی صورت میں کیا حکم شرع ہے کیا مسماۃ زاہدہ پابندی عقد سے آزاد ہو کر دوسری جگہ اپنا عقد کرسکتی ہے۔ باضابطہ شرعی فتوے سے ایسی تحریر کی پشت پر مطلع فرمائے زیادہ حد ادب۔

دعا گو محفوظ سنبھل از چودھری سرائے۔

الجواب

اللہم ہدایة الحق والصواب

جب شوہر میں کسی قسم کا عیب جنون۔ جزام وغیرہ پیدا ہو تو اس کی عورت کو اپنے نکاح کے فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں۔

ہدایہ میں ہے: واذا کان بالزوج جنون او برص او جذام فلا خیار لها عند ابی حنیفة وابی یوسف (ہدایہ ص ۴۰۲)

تنویر الابصار ودرمختار میں ہے: ولا یتخیر احد الزوجین بعیب الآخر ولو فاحشا کجنون وجذام وبرص۔ (ردالمحتار مصری ص ۱۶۳ ج ۲۔)

مجمع الانہر وملتقی الابحر میں ہے: لا خیار لها ان وجدت المرأة بالزوج جنونا او جذاما وبرصا عند الشیخین۔ (مجمع الانہر مصر ص ۴۶۳ ج ۱)

بدر المنتقی میں ہے: ولا خیار لها ای للزوجة وجدت به عیبا ولو فاحشا جنونا او جذاما اور برصا الخ۔ (بدر المنتقی مصری ص ۴۶۳ ج ۱)

کنز الدقائق اور اس کی شرح للعلامہ مصطفے میں ہے: ولم یخیر احدهما ای الزوجین

بعیب فیالآخر ولو فاحشا کجنون وجذام وبرص رتق وقرن۔ (شرح کنز مصری۔ص ۱۷۷ ج ۱)

عینی شرح کنز میں ہے: ولم یخیر احد ای الزوجین بعیب فی الآخر کالجنون والجذام والبرص ملخصا۔ (عینی مصری ص ۱۷۷ ج ۱)

فتاوے عالمگیری اور کافی میں ہے: واذا کان بالزوج جنون اور برص او جزم فلا خیار لها کذا فی الکافی (عالمگیری مجیدی ص ۱۳۴ ج ۲)

ردالمحتار میں ہے: لیس لواحد من الزوجین خیار فسخ النکاح بعیب فی الاخر عند ابی حنیفة وابی یوسف وهو قول عطاء النخعی وعمر بن عبد العزیز ابن وابی قلابة دو ابی قلابة وابن ابی لیلی والاوزاعی والثوری والخطابی وداؤد الظاهری واتباعه فی المبسوط انه مذهب علی وابن مسعود رضی الله عنهم۔

اب تیرہ کتابوں کی عبارات سے یہ ثابت ہو گیا کہ مسماۃ زاہدہ کو اپنے شوہر کے عیب جنون کی بنا پر اپنا نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں۔ لہذا مسماۃ زاہدہ اپنا دوسرا عقد نہیں کرسکتی واللہ تعالے اعلم بالصواب۔ ۱۰ صفر المظفر ۱۳۶۸ھ۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۶۱)

کیا فرماتے علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید رمضان المبارک میں اپنی بیوی ہندہ کو روزہ رمضان اور نماز پنجگانہ سے روکتا ہے اور اس کا قول یہ ہے کہ اگر تو نماز پڑھے گی اور روزہ رکھے گی تو میں تیرے منھ میں پیشاب کر ڈالوں گا، اور اپنی بیوی ہندہ مذکورہ کو جب کبھی بھی نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیتا ہے تو ماں باپ کی مغلظ گالیاں دیتا ہے اور سختی سے پیش آتا ہے۔ اسی طرح اپنی لڑکی کو بھی نماز فریضہ وغیرہ سے روکتا ہے۔ ایک مرتبہ جب اس کی لڑکی نماز فرض پڑھ رہی تھی تو اس کا باپ زید مذکور اپنی لڑکی مصلیہ کو مصلے پر سے نماز کی حالت میں ڈھکیل کر جائے نماز کھینچ لی اور مغلظ گالیاں دیں، اور جب کبھی بھی ماں بیٹی مذکورہ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیتا تو گالیوں اور سختیوں سے پیش آتا ہے۔ زید مذکور کی بیوی ہندہ کو ان حرکات سے عاجز آ کر رمضان المبارک میں ہی

اپنے میکہ چلی گئی اور وہاں خورد ونوش میں پریشان حالی ہے۔ زید شوہر مذکور سے بلانے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ اسی شرط پر بلانے کے لئے تیار ہوا کہ وہ نماز وغیرہ نہ ادا کرے اور اگر ادا کرے گی تو میں طلاق دے دوں گا۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ زوجہ مذکور زید مذکور کے نکاح میں رہی یا نہ رہی اور زید مذکور کا اس شرط اور ان افعال سے ایمان باقی رہا یا نہ رہا؟۔ بینوا توجروا

تفصیلی جواب سے مرحمت فرمائیں۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں زید کافر ہوگیا کہ وہ دوسروں کو روزہ اور نماز سے روکتا ہے اور ان کے صوم وصلاۃ کی اہانت کرتا ہے بلکہ ان کے ساتھ استہزاء واستخفاف کرتا ہے۔

شرح فقہ اکبر میں ہے: من جحد فرضا مجمعا علیه کالصلاۃ والصوم والزکوۃ والغسل من الجنابة کفر۔

اسی میں ہے: من استخف بالقرآن او بالمسجد او نحوه مما یعظم فی الشرع کفر

"اقول ان استخفافه بل جحوده ظاهر من افعاله فکل واحد منهما کاف علی کفره علی انه خوفها وسبها علی اداء الصلوۃ فمجرد امانتها واشتراط سکنها والقول بطلاقها من جهة اداء الصلوۃ فهو ایضا کفر لان فیه اهانة الصلاۃ صریحة" اور جب زید کا کافر ہونا ثابت ہوگیا تو اس کی زوجہ اس کے نکاح سے خارج ہوگئی۔

درمختار میں ہے:" ما یکون کفرا اتفاقا یبطل النکاح والاولاده اولاد زنا"

(شامی مصری ۳۰۸-۳۷۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۶ ذی الحجۃ المحترم ۱۳۷۰ھ ۱۹۵۱ء

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۶۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہندہ کا نکاح زید سے تقریبا ۱۰ یا ۱۲ سال ہوئے اس وقت ہوا تھا اس وقت ہندہ نابالغہ تھی لیکن یہ

نکاح ہندہ کے باپ نے کیا ہے بعد بلوغت ہندہ اپنے خاوند زید کے یہاں دومرتبہ گئی۔ دومرتبہ جانے کے بعد زید نے ہندہ کو بلانا چھوڑ دیا اور ہندہ کی تذلیل کرانے کی اسکیم کرنے لگا۔ اب ۹ رسال سے ہندہ کو نہیں بلایا۔ چند روز پیشتر ہندہ اور اس کے باپ نے دو آدمیوں کو ایک نوٹس دیکر روانہ کیا۔ تو اس کا جواب زید نے دیا کہ نہ میرے پاس اتنا خرچہ ہے کہ میں اس کو کھلاؤں اور نہ اس کو بلانا چاہتا ہوں۔ ہندہ اس جواب سے بہت ناامید ہوئی اور اس کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جبکہ ہندہ ۹ سال سے اپنے ماں باپ کے یہاں بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے زوج نے بلانے ونان ونفقہ دینے سے قطعا منع کردیا تو کیا ایسی صورت میں مذہب امام شافعی پر عمل کرتے ہوئے نکاح فسخ کرا سکتے ہیں جس طرح زوج المفقود کے بارے میں مذہب امام مالک پر اکثر احناف فتوی دیتے ہیں۔ اسی طرح نان ونفقہ دینے کی صورت میں مسلک شافعی پر فتوی دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟۔ دونوں ضرورت ایک ہے۔

بینوا توجروا اللہ نور ساکن سادڑی محلہ چھپان وایہ بالی

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ۲۷

میں ان زن وشوہر کے لئے ایک پنچایت ہو جس میں مسلمان دیندار پنچ مقرر ہوں اور اگر کوئی سنی عالم دین وہاں ہو تو اور زیادہ بہتر ہے۔ پھر وہ پنچ ان کے معاملہ کو سمجھے اور ثبوت وشہادت حاصل کر کے بہتر یہ کہ یوں فیصلہ کرائے کہ شوہر سے طلاق نامہ لکھوا کر اس کے دستخط یا نشان وانگوٹھا لگا کر مکمل کرے اور عورت سے مہر کا لادعوی کاغذ تیار کرالے اور ان کے معاملہ کو ختم کردے ورنہ وہ پنچ شوہر کی موجودگی میں ان کے درمیان تفریق کردے تو شرعا یہ نکاح فسخ ہوجائے گا۔

فان الحکم کالقاضی کل مالیس بحد ولا قود ولا دیة علی عاقلة کما نصوا علیه۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۶۳)

کیا فرماتے علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل میں کہ م

سمی رضا حسین ولد نذر حسین ساکن سرائے ترین کی دوشادیاں ہوئیں بار اول مسماۃ اللہ دی بنت حافظ محمد اسحاق حسین صاحب ساکن سرائے ترین سے جن کو عرصہ دوسال بعد طلاق دی گئی اس بناپر کہ مسمی رضا حسین نامرد تھے یہ دوسرا نکاح مسمی رضا حسین کا مسماۃ سکینہ بیگم بنت حافظ محمد دین صاحب ساکن سرائے ترین سے ہوا جس کو عرصہ قریب دس (۱۰) سال کے ہو رہا ہے اس عرصہ میں قریب پانچ سال مسماۃ سکینہ بیگم اپنے شوہر رضا حسین کے ساتھ رہیں اور اب پانچ سال سے مسماۃ سکینہ بیگم اپنے میکہ میں ہے اس پانچ سال عرصہ میں چند مرتبہ پنچایتیں ہوئیں مگر فیصلہ نہیں ہوا اب قریب دوماہ سے ہم تین شخص بحیثیت ثالث جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) مولانا مولوی عبد السلام صاحب۔

(۲) قمر الدین صاحب۔

(۳) اختر محمود احمد ساکن سرائے ترین۔

اور ہم تینوں کا مسمی رضا حسین مسماۃ سکینہ بیگم سے کوئی عزیز دار نہیں ہے لہذا بیان مسمی رضا حسین ومسماۃ سکینہ بیگم زوجہ رضا حسین ومسماۃ اللہ دی صاحبہ زوجہ رضا حسین ونیز اپنی تحقیقات سے مطلع کرتے ہیں۔ کہ ایسی صورت میں کوئی دیندار مسلمان تفریق کراسکتا ہے یا نہیں۔ جبکہ مسمی رضا حسین رضامندی سے طلاق دینے کو تیار نہیں۔ مسماۃ سکینہ بیگم موجودہ عدالت سے طلاق حاصل کرسکتی ہے یا نہیں مہربانی کرکے ہر بیان ونیز ثالثان کی تحقیق پر غور کرنا کہ جو شرعی فیصلہ ہو بحوالہ کتب فقہ جواب مرحمت فرمایا جائے ۔بینوا توجروا۔ محی الدین۔ فقیر محمد عبد السلام۔ محمود احمد بقلم خود

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں جب رضا حسین کسی طرح طلاق دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ تو پھر ایک پنچایت مقرر کی جائے اور پنچ کسی ایسے دیندار عالم یا معزز کو مقرر کیا جائے جو احکام دین سے واقف ہو تو وہ پنچ ان زن وشوہر کے معاملہ کو سنکر بموجودگی رضا حسین کے ان کے مابین تفریق کردے اور ان کا نکاح فسخ کردے تو شرعا وہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔

فان الحکم کالقاضی فی کل مالیس بحد ولا قود ولادیۃ علی عاقلۃ کما نص الفقھاء۔

پھر یہ سکینہ بیگم اس تفریق کے بعد عدت پوری کرے تو اپنا عقد کسی سے کرسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد اجمل غفرلہ اللہ عز وجل المفتی فی بلدۃ سنبھل ۲۳ر ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

﴿۵۷﴾

باب الحضانت

مسئلہ (۶۶۴)

بخدمت علمائے دین ومفتیان شرع اس مسئلہ ذیل کا جواب عنایت فرما کر داخل حسنات ہوں۔

میری شادی حسب شرع اہل سنت رواج قوم کے موافق احمد بخش ولد ملا جی سے ہوئی۔ احمد بخش کے صلب سے میرے تین بچیاں زندہ وسلامت ہیں احمد بخش نے قطعی بیجا اتہام لگا کر جلسہ عام میں بدنام کیا اور طلاق تحریری دے دیا۔ جب مہر مانگا گیا تو اسی جلسہ میں ہر سہ لڑکیاں احمد بخش نے مجھے سونپ دی تھیں مجبورا مہر معاف کر دیا، ہر سہ بچیوں کے بحثیت حقیقی ماں ہونے ان کی پرورش کر رہی ہوں۔ اب میں ان بچیوں کی شادی کرنا چاہتی ہوں تو اب احمد بخش موصوف بیجا شہرت دیکر مجھے بیجا دھمکیاں دیتے ہیں کہ میں سیانی بچیوں کے شادی نکروں سوال یہ ہے۔

(۱) مہر کی طلبی پر بچیاں مجھے سونپ دی گئیں اور مہر معاف کر لیا گیا تو کیا بچیوں پر کوئی حق احمد بخش کا قائم رہ سکتا ہے؟۔

(۲) تعلق زوجیت بیجا الزامات لگا کر طلاق دیا گیا طلبی مہر پر بچیاں سونپ دی گئی اور ہر مفاد اسی جلسہ میں کرالیا جا کر سب معاملہ طے کر لیا اب بیجا دھمکیاں دینا شریعت کے موافق جائز ہے؟۔

(۳) قبل بلوغیت کوئی کفالت نہ کرتے ہوئے بعد دست کشی حق قائم رہ سکتا ہے؟۔

(۴) بعد بلوغ کیا اہل سنت وجماعت کے نزدیک بچی حسب انتخاب شادی کرنے میں محتاج ہے؟۔

سائلہ:۔ مساۃ بتول مطلقہ احمد بخش ۲۲ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ بروز سنیچر

الجواب

اللھم ھدایة الحق والصواب

(۱) احمد بخش جب ان بچیوں کا باپ ہے تو اس کی پرورش شرعا اس پر واجب تھی جس کے ادا نہ کرنے کی بنا پر وہ مجرم وگنہگار ہوا لیکن اس غلطی سے اس کا حق پدری باطل نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) اگر ان لڑکیوں کی شادیاں قوم میں کفو اور اچھے چال چلن والے کمانے والے لوگوں سے کی جا رہی ہو تو پھر اس پر ایسے غیر مشفق باپ کا بیجا دھمکیاں دینا اور بلاوجہ ان کی مناسب شادیوں کا روکنا

خلاف شرع اور اس کے شفیق نہ ہونے کی مزید روشن دلیل ہے اور جب وہ لڑکیاں حد بلوغ کو پہونچ گئیں ہیں تو ان کی یہ سخت حق تلفی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۳) اگر فی الواقع احمد بخش نے ان بچیوں کی کسی طرح کی کفالت بالکل نہیں کی ہے۔ تو پھر ان کی شادیوں کے معاملات میں بھی اس کو اپنا حق نہیں جتانا چاہئے کہ اس نے اپنی شفقت پدری کے خلاف ان کے ساتھ بہت برا معاملہ کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) لڑکی کے بالغہ ہونے کے بعد اس کی شادی وعقد کی اجازت ولی پر موقوف نہیں بلکہ اجازت میں وہی بالغہ خود مختار ہے۔ بالغہ کے لئے شفیق ولی صرف کفو اور ادائے حقوق زوجیت کی صلاحیت پر نظر کر کے فقط رشتہ کا انتخاب کیا کرتا ہے اور عقد بالغہ کی اجازت بغیر رضائے بالغہ کے شرعاً وہ خود نہیں دے سکتا کما هو مصرح فی کتب الفقه والله تعالیٰ اعلم بالصواب

۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۶۵)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

مسمی اقبال حسین ومساۃ دلبری بیگم آپس میں شوہر وبیوی ہیں لیکن کسی وجہ سے زوجین میں ناچاقی ہوگئی ہے جس کی وجہ سے مساۃ دلبری بیگم عرصہ ڈیڑھ سال سے اپنے والد کے یہاں چلی گئی ہے۔ مساۃ دلبری بیگم کے بطن سے ایک لڑکا مسمیٰ آفتاب احمد ہے۔

مسمیٰ افتاب احمد کو اقبال حسین یہ چاہتا ہے کہ وہ میری ولایت میں رہے۔ اس جھگڑے کی وجہ سے مساۃ شہزادی بیگم جو کہ آفتاب احمد کی دادی ہوتی ہے اسے اندیشہ ہے کہ فریقین میں سے کوئی بھی لڑکے کی ٹھیک طور پر پرورش نہیں کر سکتا۔

ایسے حالات میں لڑکے کو میری ولایت میں دے دیا جائے دیگر یہ کہ مساۃ دلبری بیگم کی طرف سے یہ بھی اندیشہ ہے کہ وہ اپنا نکاح فسخ کرا لے۔ ایسے حالات میں لڑکے کی پرورش میں ضرر پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ لہٰذا شرعا لڑکا کس کی ولایت میں دیا جائے؟۔

المستفتی، محمد صدیق ولد کلن خان محلہ گولا گنج چندوسی مراد آباد

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

آفتاب احمد کی پرورش کا حق اس کی والدہ مسماۃ دلبری بیگم کو ہے ہاں اگر وہ پرورش سے انکار کر دے تو پھر اس کے بعد مسماۃ شہزادی بیگم کو حق پرورش پہنچتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۲۳؍ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

﴿۵۸﴾

باب حق الزوج والزوجة

مسئلہ (۲۶۶) از سنبھل محلہ چودھری سرائے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک نابالغہ کا نکاح اس کے دادا نے اپنی ولایت سے بحالت نابالغی کر دیا تھا، اب بعد بلوغ جب وہ اپنے خاوند کے گھر پہنچی تو اس نے اس خاوند کو خاص حق زوجیت میں قاصر پایا۔ کچھ ایام گذار کر اپنے والدین کے گھر آئی۔ اب اس سے جب سسرال کے جانے کے لئے کہا گیا تو وہ اپنے خاوند کی ناقابلیت بیان کرتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ مجھے اپنی عصمت کا بہت زیادہ خیال ہے۔ اس لئے میں ہرگز وہاں جانا پسند نہیں کرتی۔ لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ اب تا حیات یہ اس کے نکاح میں رہے گی؟ یا اس کی رہائی کی بھی کوئی صورت ہوسکتی ہے؟ اور اگر اسی کے نکاح میں رہے باوجود خوف عصمت کے یہ اس خاوند کے گھر رہ سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر شوہر ابتدا سے عنین یعنی جماع پر قدرت نہیں رکھتا ہے تو عورت کو حق مطالبہ ہے۔ یہاں تک کہ درمختار میں ہے: ولو وجدته عنينا او مجبوبا ولم تخاصم زمانا طويلا لم يبطل حقها وكذا لو خاصمته ثم تركته مدة فلها المطالبة۔

یعنی اگر عورت نے زوج کو عنین یا مجبوب پایا اور مدت دراز تک اس سے جھگڑا نہ کیا تو اس تاخیر سے عورت کا حق باطل نہیں ہوتا اور اسی طرح اگر جھگڑا کر کے مدت تک چپ ہو رہی تو بھی اس کو مطالبہ کا اختیار ہے لیکن اس وقت حاکم شرع نہیں ہے۔ لہٰذا عورت شوہر سے طلاق حاصل کرے اور اگر وہ طلاق دینے سے انکار کرے تو یا اس کو خلع پر تیار کر لے، یا دونوں زن شوہر برضامندی کسی عالم یا فہیم کو اپنی طرف سے اس مقدمہ میں حکم مقرر کر کے اس کے روبرو پیش کریں اور وہ اگر عالم ہو تو خود موافق قواعد شرعیہ اور اگر عالم نہ ہو تو کسی عالم سے اس کا طریقہ دریافت کر کے اسی کے موافق دونوں میں تفریق کرا دے۔

در مختار میں ہے: ھو (التحکیم) تو لیتہ الخصمیں حاکما یحکم بینھما وفیہ فان حکم لزمھما ولا یتعدی الی غیرھما۔

اور بصورت عدم تفریق اگر اس کو سسرال میں رہنے سے واقعی اپنی عصمت کا خوف ہے تو اس کا یہ عذر عند الشرع مسموع ہوسکتا ہے اور اس کے لئے کافی حیلہ ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔

اتقو امواضع التھم او کما قال۔

یعنی تہمت کی جگہوں سے بچو۔ اور معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں۔ لا طاعۃ فی المعصیۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۶۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ

(الف) زید اپنے مکان سے ۳۰ میل کی دوری پر ایک کارخانہ میں ملازمت کرتا ہے اور اپنی بیوی اور چار بچوں کے ساتھ کمپنی کے کواٹر میں رہتا ہے۔ زید اتوار کے دن چھٹی میں اپنے مکان گیا۔ اس کے مکان میں زید کی بڑی ممانی اور چھوٹی ممانی کی قریب ۲۰ سالہ لڑکی ایک عرصہ کے بعد مہمان کے بطور اپنے دیس سے (تقریباً ڈیڑھ سو میل کا فاصلہ) آئی ہوئی تھیں۔ زید نے اپنی ممانی اور اس کے نوسالہ لڑکی اور دوسرے رکشے میں میں زید کی ممانی اور ممیری بہن بیٹھ کر ریلوے اسٹیشن آئے باقی سفر ریل سے ہوا۔ ایک ہفتہ بعد زید کی ممانی اور ممیری بہن اپنے دیس چلی گئیں۔ اب زید کے باپ سے زید کی بیوی نے شکایت کی زید اپنی ممیری بہن کے ساتھ ایک ہی رکشا میں اسٹیشن آئے تھے۔ اور زید کی ساس نے بھی یہی شکایت زید کے محلہ میں کر دی۔ لوگوں کے پوچھنے سے زید کی ساس اور بیوی نے کہا کہ زید کی لڑکی جو ساتھ میں آئی ہے وہی تو کہتی ہے یعنی زید کی لڑکی کو گواہ ٹھہراتی ہیں۔ قریب دو ہفتہ بعد زید نے دو آدمیوں کے پاس فیصلہ کرایا اور لڑکی کی بات جھوٹی ہوگئی۔ مطلب کہ زید اپنی ممیری بہن کے ساتھ ایک ہی رکشا میں ہیں بیٹھا۔ اب زید اس ناحق شکایت پر اپنی بیوی کو طلاق دیکر اپنی ممیری بہن سے یا کسی دوسری لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے علمائے دین کیا فرماتے ہیں۔

(ب) زید کی سگی بہن اسی جگہ بیاہی گئی ہے جہاں سے کہ زید کی ممانی اور زید کی ممیری بہن آئی

تھیں زید کے بہنوئی نے ایک خط زید کے پاس اپنی خیریت کے متعلق لکھا زید کی بیوی ان پڑھ ہے زید کی بیوی نے زید سے پوچھا کہ خط کہاں سے آیا ہے۔ زید نے کہا دیس سے اپنی اس جگہ سے جہاں زید کے بہنوئی اس کی بہن اور ممیری بہن رہتی ہیں۔ زید کی بیوی اور کچھ نہ پوچھی اور موقع پا کر اس خط کو چھپالیا۔ زید کو معلوم ہوا تو اپنی بیوی کو قسم کھا کر یقین دلایا کہ یہ بہنوئی کا خط ہے کسی دوسرے کا نہیں۔ مگر زید کی بیوی نے زید کے سامنے پھر اپنی ماں کے پاس شکایت کی کہ زید اپنی ممیری بہن سے خط وکتابت کرتا ہے۔ اس شکایت سے زید اپنی بیوی کو طلاق دیکر اپنی بہن سے یا اور کسی دوسری لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟۔

زید کی بیوی پانچ بچے کی ماں ہے اور تقریباً ۲۵ سال کی ہے اور اس کا شوہر ۳۰ سال کا تندرست آدمی ہے زید کی بیوی کی تندرستی برابر خراب جیسے دانت کی درد اعضاء کے جوڑوں میں درد کان کی شکایت اور جسم لاغر رہتا ہے زید کے گھر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کھانے پینے کی کوئی کمی نہیں ہے زید کی بیوی کی تندرستی خراب رہنے کی وجہ سے زید کو زن وشوہر کے رشتے میں دل نہیں بھرتا زید اس حالت پر اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟۔

زید کے والدین اور زید کی بیوی کے والدین میں برابر چلمک (جھگڑا) ہوتا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے زید اور زید کی بیوی میں اَن بَن رہتی ہے زید اور اسکی بیوی میں چلمک ہونے سے دونوں کے والدین میں اَن بَن ہو جاتی ہے زید اس جھنجھٹ اور نا اتفاقی دیکھ کر اپنی بیوی کو طلاق دیکر دوسری شادی کرنا چاہتا ہے علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟۔

زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی ساتھ اس کے اپنے پانچوں کو دیدیئے اب اپنا بچوں کا حق زید کی جائداد پر قائم ہے یا نہیں علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟۔

محمد انڈین المونیم کمپنی لمیٹیڈ ڈاکخانہ چوٹاری۔ رانچی (بہار)

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں بلا شک زید اپنی ممیری بہن یا اور کسی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے۔ لیکن اس شادی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق دیدے خاص کر جب اس پہلی بیوی سے پانچ بچے موجود ہیں تو ان کی ماں کو طلاق دیدینے سے ان بچوں کی پرورش میں بہت دشواریاں پیدا ہو

جائینگی۔ لہٰذا ان وجوہ بالا کی بنا پر زید اپنی بیوی کو ہرگز ہرگز طلاق نہ دے پھر اگر وہ ہر دو بیبیوں کے حقوق مساوی طور پر ادا کر سکے تو اس کے لئے بلاشبہ کسی دوسری عورت سے نکاح کر لینا شرعاً جائز و روا ہے، اور بہرصورت ان بچوں کا اس کی جائداد حق ثابت قائم رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۹ محرام الحرام ۱۳۷۶ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۲۶۸)

بخدمت شریف جناب قبلہ وکعبہ مولٰینا مولوی مفتی شاہ محمد اجمل صاحب دام مجدہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی لڑکی عمرو کے نکاح میں دی جس کا عرصہ قریب دس سال کے ہوا عمرو ہر وقت اپنی زوجہ سے بد اخلاقی سے اور لڑائی وگالی گلوج سے پیش آتا ہے نہ پورا نفقہ ادا کرتا ہے لڑکی تنگ آکر باپ کے گھر آگئی تو زید نے چار پنچ مقرر کر کے عمرو کے گھر بھیج دی پھر بھی عمرو کا وہی حال ہے اور اب مہینہ قریب ہوا، مارپیٹ ادنی ادنی بات پر کرتا ہے، ایک روز بہت ماری، سر کو دیوار سے ٹکرا کر پیروں سے مکوں سے ماری، منہ سے خون گرا، دو عورتیں چھڑانے والی تھیں اور انہوں نے خون دیکھا، زید کو لڑکی نے بلایا زید جو پہنچا لڑکی نے باپ کے پیر دبائے، پان لگا کر دیا تو عمرو کہتا ہے، تجھکو تیرے باپ کے ساتھ تعلق ہے، لڑکی نے زید سے کہا: زید نے کہا: بیٹی صبر کر، آخر بڑی مشکل سے زید روانہ ہونے لگا تو قریباً چار سال کا لڑکا عمرو نے چھین لیا، زید نے لڑکی کو روانہ کر کے آپ وہاں رک رہا کہ لڑکے کو لے جاؤں، ماں روتی ہوئی روانہ ہوگئی، آخر عمرو نے لڑکا نہ دیا اور زید کہتا ہے کہ تو اپنی لڑکی کے ساتھ کھاتا پیتا ہے، اتنا بڑا الزام لگایا خدا اس پر اپنا قہر غضب نازل کرے، اور الزام کے سننے والے ایک بار پانچ عورتیں ہیں، بعد میں زید اپنے گھر آکر دو معزز آدمیوں سے کہا: انہوں نے لڑکے کو اس شرط پر منگایا کہ جب ہم کہیں گے لڑکی کو بھیجنا ہوگا، ایسے الزام کے ماتحت زید کو اپنی لڑکی کا خطرہ ہے، وہ کس طرح بھیجے اور لڑکے کے متعلق کیا ماں کا حق نہیں ہے جو ماں کے بغیر نہیں رہ سکتا، اور زید پنچ دو دفعہ مقرر کر چکا ہے پھر بھی وہی حال ہے، کیا شریعت مطہرہ میں لڑکیوں کا کوئی حق نہیں، لڑکی نہ اچھا کھانے کو مانگتی ہے، کپڑا باپ کے گھر کا پہنتی ہے، اس کے ایک لڑکا ایک لڑکی دو بچہ موجود ہیں، اللہ ورسول

کے حکم سے آگاہ کیجئے۔ بینوا توجروا

مرسلہ نظام الدین صاحب محلہ چاندنایوں کی ڈھل پالی مارواڑ ضلع جودھپور

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

احادیث میں تو اپنی بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کی تاکید اور ان کو بلاوجہ مارنے اور ان کی حق تلفی کرنے کی ممانعت وارد ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان من اکمل المؤمنین ایمانا احسنھم خلقا والطفھم باھلہ۔ (مشکوۃ شریف صفحہ ۲۸۲)

بیشک بلحاظ ایمان کے مسلمانوں کا کامل ترین زیادہ اچھے اخلاق والا ہے اور اپنے اہل کے ساتھ زائد نرمی کرنے والا ہے۔

اکمل المؤمنین ایمانا احسنھم خلقا وخیارکم خیارکم نسائھم۔
(مشکوۃ شریف صفحہ ۲۸۲)

از روئے ایمان کے مسلمانوں کا کامل ترین شخص بہترین خلق والا ہے۔ اور تمہارا بہترین شخص وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہو۔

ترمذی شریف ودارمی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی کہ رسول انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی۔ (مشکوۃ صفحہ ۲۸۱)

تمہارا بہتر وہ ہے جو اپنی اہل کے لئے بہتر ہو اور میں اپنی اہل کے لئے تم سے زیادہ بہتر ہوں۔

بخاری شریف ومسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:: لا یجلد احدکم امرأتہ جلد العبد الخ۔ (مشکوۃ شریف صفحہ ۲۸۰)

تمہارا کوئی شخص اپنی عورت کو غلام کی طرح نہ مارے۔

ابوداؤد وابن ماجہ دارمی میں حضرت ایاس بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:: لا یضربوا آماء اللہ الحدیث۔ (مشکوۃ شریف صفحہ ۲۸۲)

تم اللہ کی باندیوں کو مت مارو (یعنی اپنی بیبیوں کو نہ مارو)

ابوداؤد وابن ماجہ ومسند امام احمد میں حضرت حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے راوی

انہوں نے سرکار رسالت میں عرض کیا:

ما حق زوجة احدنا عليه قال ان تطعمها اذا اطعمت وتكسوها اذا اكتسبت ولاتضرب الوجه ولا تقبح ولاتهجر الا فی البيت۔ (مشکوۃ شریف صفحہ ۲۸۱)

یارسول اللہ ہمارے اوپر بیوی کا کیا حق ہے، فرمایا جب تو کھائے تو بیوی کو بھی کھلا اور جب تو کپڑے پہنے تو بیوی کو بھی پہنا اور اس کے چہرے پر مت مار اس کو بدی کے ساتھ منسوب نہ کر۔ اور اس سے علحدگی نہ کر مگر خوابگاہ میں۔

ان احادیث شریفہ سے ثابت ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیوی کے ساتھ کس قدر حسن معاشرت کا حکم دیا اور اس کو بلاوجہ مارنے کی کتنی ممانعت فرمائی۔ اور اس کا کھانا اور کپڑا ذمہ شوہر پر مقرر فرمایا اب جو شوہر اس کے خلاف عمل کرے یعنی اپنی بیوی سے بدخلقی اور بری معاشرت اختیار کرے اس کو بلاوجہ مارے اس کی حق تلفی کرے۔ اس کو کھانے پینے کو نہ دے تو وہ حقیقۃ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرتا ہے لہٰذا اس عمر کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرے اس کو نہ مارے اس کی حق تلفی نہ کرے اور اپنی پہلی حرکات سے باز آئے۔

اب باقی رہا بچوں کی پرورش کا حق تو لڑکے کی سات برس کی عمر تک اور لڑکی کے بلوغ تک سب سے زائد اور پہلے ان کی ماں کو حق ہے اور ان کے بعد باپ کو ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

احق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح او بعد الفرقة الام والام والجدة احق بالغلام حتى يستغنىٰ وقدر بسبع سنين واحق بالجارية حتى تحيض واذا بلغت الشهوة فالاب احق وهذا صحيح ملخصا۔

اس عبارت سے ثابت ہوگیا کہ لڑکے کی ساتھ برس کی عمر تک اور لڑکی کی تابلوغ پرورش کی حقدار ماں ہوتی ہے تو شرعاً باپ اس کے بعد پرورش کا حقدار بنتا ہے تو جب لڑکا چار برس کا ہے تو اس کی حقدار ماں ہے عمر کو اس کا حق نہیں پہنچتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۱۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۷ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

****

کتاب الطلاق

﴿۵۹﴾

باب الطلاق البائن

مسئلہ (۶۶۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کے متعلق بہ نیت طلاق یہ کہا کہ میں نے اس کو آزاد کیا ایک مرتبہ۔ تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے یانہیں؟۔ بینوا توجروا

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اس عورت کو طلاق بائنہ ہوگئی۔ اب زید اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۷۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کی بیوی پر لوگوں نے تہمت لگائی کہ اس کا تعلق زید کے نوکر خالد سے ہے اس پر زید نے بلا کسی تحقیق کے اپنی بیوی کو برا بھلا کہا اور مارا بھی بیوی غصہ ہوکر زید کے گھر سے چلی گئی زید اپنے ملازم کو جس کا نام خالد ہے ساتھ لیکر اس کی تلاش میں نکلا جستجو کے بعد بیوی ملی اور یہ سب لوگ تھانے میں گئے تھانے دار کے سامنے یہ سب واقعہ بیان کیا گیا بیوی نے کہا کہ مجھ پر یہ تہمت لگائی ہے اور جب یہ تہمت مجھ پر لگائی گئی ہے تو اب میں بھی زید کے پاس رہنا نہیں چاہتی میں اسی نوکر خالد ہی کیساتھ رہوں گی، زید نے بیوی سے گھر چلنے کے لئے کہا، اس نے انکار کر دیا۔ پولس افسر نے کہا کہ زید کی تمہاری بیوی تمہارے ساتھ راضی خوشی سے جاتی ہے تو لے جاؤ ورنہ اس کو چھوڑ دو۔ اس پر زید نے کچھ نہ کہا اور صبح کو اپنے بڑے بچے کو لیکر اپنے گاؤں چلا گیا اور زید کی بیوی نوکر کے ساتھ چلی گئی۔ اسی طرح زید کے بیوی اس کے نوکر

خالد کے پاس ڈھائی تین سال سے ہے، اس درمیان میں زید نے اس کے ملنے والوں سے کہا کہ تم نے اپنی بیوی کو بلایا ہوتا تو کہا: کہ اب وہ ہمارے کام کی نہیں رہی، نہ زید نے کوئی خط بھیجا اور نہ خرچہ بھیجا اور نہ کسی قسم کی خبر گیری کی۔ زید کا نوکر ہندو ہے وہ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوکر اس سے نکاح ہی کرلوں تو اچھا ہے، حرام کام سے تو بچ جاؤں گا۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں یہ نکاح ہوا تو جائز ہوگا یانہیں؟۔ اور تھانے دار کے کہنے سے کہ تمہاری بیوی رضامندی سے تمہارے ساتھ جائے تو لے جاؤ زبردستی مت کرو۔ اس کو چھوڑ جاؤ تو زید کا چھوڑ جانا اور یہ کہنا کہ وہ میرے کام کی نہیں رہی اس سے طلاق ہوسکتی ہے یانہیں؟۔ اس مسئلہ کو جہاں تک ہوسکے جلدی روانہ کردیں، کیونکہ زید کا نوکر مسلمان ہونے کے لئے بھی کہہ رہا ہے اور یہ بھی اندیشہ ہے کہ زید کی بیوی خدانخواستہ مرتدہ نہ ہوجائے بلکہ زید کی بیوی کو مدت زیادہ ہوتی ہے قریب چار سال کے ہوئے ہیں لیکن زید کی طرف سے اب تک کوئی خبر نہیں آئی حالانکہ خالد کے نطفہ سے ایک بچہ بھی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

زید کا یہ الفاظ کہنا کہ اب وہ میرے کام کی نہیں رہی اگر بہ نیت طلاق تھا تو یہ الفاظ کنایہ سے ہے اور ان سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوجائیگی۔

فتاوے عالمگیری میں ہے:

او قال لم يبق بيني وبينك عمل ونوى يقع ولو قال لها: مرا تو کارے نیست وترا بامن نے لا يقع بدون النية ۔ (عالمگیری مصری ص ۶۷ ج ۲)

اگر شوہر نے کہا میرے اور تیرے درمیان کوئی کام باقی نہیں رہا اور نیت کی تو طلاق واقع ہوجائیگی۔ اور اگر عورت سے کہا مجھے تجھ سے کوئی کام نہیں اور تجھ کو مجھ سے نہیں تو بلا نیت طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور زید کی مذاکرہ طلاق یا غضب کی حالت تھی تو بلا نیت بھی طلاق واقع ہوجائیگی تو اسکا خالد سے اس کے اسلام کے بعد نکاح ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۷۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی تھی جس کو عرصہ بائیس سال ہورہے ہیں۔ بعدہ زید نے دوسرا نکاح کرلیا اور ہندہ کے ساتھ بدسلوکی کرنا شروع کردیا، کپڑا وغیرہ بند کردیا۔ آخر ہندہ نے مجبور ہوکر کپڑا طلب کیا۔ اس مطالبہ پر زید نے ہندہ کو زدوکوب کیا اور اپنے گھر سے نکالدیا اور کہا: کہ تمہارا کھانا کپڑا کچھ نہیں مل سکتا ہے، تیرا جہاں جی چاہے جا جسکو عرصہ گیارہ سال ہوتا ہے۔ اب ہندہ اپنی ماں کے پاس رہتی ہے ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور ہندہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی۔ عبداللہ

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں یہ کلمہ ''تیرا جہاں جی چاہے چلی جا'' الفاظ کنایات طلاق سے ہے۔ اگر شوہر نے بے نیت طلاق یہ الفاظ کہے تھے جب تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر یہ الفاظ بہ نیت طلاق کہے ہیں تو ایک طلاق واقع ہوجائے گی۔

درمختار میں ہے: فالکنایات لا تطلق بھا قضاء الا بنیۃ۔

تو یہ ہندہ صرف اس صورت میں اپنا دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۱۸ رشوال المکرم ۱۳۷۳ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۷۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

کوئی اپنی زوجہ کو لکھے کہ آج سے میں اس رشتۂ زوجیت کو ختم کرتا ہوں۔ اس جملہ کے لکھنے سے تین طلاقیں واقع ہونگی یا نہیں؟۔ نیز غصہ اور جادو کے دباؤ کہ وجہ سے جو طلاق دی جاتی ہے وہ ٹھیک ہوتی یا نہیں؟۔ بینوا بالدلیل القوی وتوجروا عنداللہ بفضل اللہ تعالی وبتوسل تراب نعلین سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم۔

المستفتی منشی محمد اعجاز علی معرفت جناب محمد احمد صاحب وکیل محلہ خلیل غربی شاہجہاں پور

۸ رمضان المبارک ۷۰ھ

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں شوہر کا اپنی بیوی سے یہ جملہ (میں آج سے اس رشتہ زوجیت کو ختم رہا ہوں) الفاظ کنایہ طلاق سے ہے۔ اگر اس شوہر نے اس جملے کو بہ نیت طلاق لکھا تو اس سے ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی۔ اور تین طلاقوں کی نیت بیان کرے تو تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

لوقال لھا لا نکاح بینی وبینک او قال لم یبق بینی وبینک نکاح یقع الطلاق اذا نوی۔

ہدایہ میں ہے: وبقیۃ الکنایات اذا نوی بھا الطلاق کانت واحدۃ بائنۃ وان نوی ثلثا کان ثلثا۔'

لیکن شوہر نے جب یہ جملہ بذریعہ تحریر بھیجا ہے تو اس سے طلاق واقع ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ۔ یا تو اس خط کا شوہر کا ہونا بشہادت شرعی ثابت ہوجائے۔ یا خود شوہر اقرار کرے کہ یہ میرا خط ہے اس کو میں نے بھیجا ہے۔

ردالمحتار میں ہے'' بعث بہ الیھا فاتاھا وقع ان اقر الزوج انہ کتابہ او قال للرجل ابعث بہ الیھا اوقال لہ اکتب نسخۃ وابعث بھا الیھا وان لم یقر انہ کتابہ وان لم تقم بینۃ لکنہ وصف الامر علی وجھہ لا تطلق قضاء ولا دیانۃ''

نیز شوہر یہ بھی اقرار کرے کہ یہ جملہ میں نے بہ نیت طلاق لکھا ہے تو اس عورت پر طلاق واقع ہوگئی۔ پھر اگر ایک طلاق کی نیت ظاہر کرے تو ایک ہوگی اور تین کی نیت بیان کرے تو تین ہوگی۔

بالجملہ جب یہ تمام شرائط پائے جائیں تو اس عورت پر طلاق واقع ہوگی ورنہ اس پر طلاق ہی واقع نہ ہوگی۔ جب غصہ اس قدر ہو کہ اپنی بیوی کو پہچان رہا ہے اور یہ بھی جان رہا ہے کہ طلاق سے عورت نکاح سے خارج ہوجاتی ہے اور پھر اس کو یہ بھی یاد ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے، اور ان الفاظ

میں وہی مراد ہے تو ایسے غصے سے طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ غصہ جس میں عقل بالکل جاتی رہے اور اپنے اقوال وافعال کو تک نہ سمجھے جو مدہوش کہلاتا ہے صرف اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے لیکن یہ بہت نادر الوجود ہے۔ اسی طرح اگر جادو سے عقل جاتی رہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے ورنہ اس سے طلاق واقع ہو جائے گی واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۷۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے ہندہ کو طلاق بائن دی اور ہندہ بالغہ بھی ہے اور طلاق دیے ہوئے عرصہ تین دن کا ہوا ہے اور نکاح کو کل دو ماہ کا عرصہ ہوا ہے اور ہندہ ہی سے زید کو خلوت صحیحہ بھی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ہندہ مذکورہ سے کب نکاح ہو سکتا ہے اور کے حیض گزرنے چاہئیں۔ اس کے جواب کو بحوالہ کتب فقہ مرحمت فرمائیے گا۔ بینوا وتوجروا

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر یہ بات صحیح ہے کہ ہندہ کی زید سے خلوت صحیحہ بھی نہیں ہوئی تھی اور زید نے اس کو طلاق بائن دیدی ہے تو اس ہندہ پر عدت واجب نہیں۔ یہ فوراً اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے: و کذا لا یجب علیها العدة لو طلقها قبل الخلوة '

'فتاوی عالمگیری میں ہے: اربع من النساء لا عدة علیهن المطلقة قبل الدخول الخ "

درمختار میں ہے: وسبب وجوبها (العدة) عقد النكاح المتاكد بالتسليم وما جرى مجراه من موت او خلوة اى صحيحة۔ واللہ اعلم بالصواب

۹ شوال المکرم ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۷۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

عرض یہ ہے کہ میری شادی کو عرصہ ڈھائی سال کا ہوا میرے شوہر نے ایک ماہ بعد سے میری خیر گیری چھوڑ دی ہے اور مجھکو کھانے وغیرہ کو بھی دینا بند کر دیا ہے میں سخت پریشان ہوئی مجبور ہو کر اپنے ماں کے گھر سنبھل چلی آئی۔ چند عرصہ کے بعد میرے والد نے پھر مجھکو دہلی میرے شوہر کے پاس پہونچا دیا تو شوہر نے حسب عادت کھانے پینے کی تکلیف دینا شروع کر دی میں نے چند کنبے کے آدمیوں سے کہا کہ۔ مجھ کو کھانے وغیرہ کو نہیں دیتے ہیں میں پردیس میں کیا کروں مجبور ہو کر میں نے پھر کھانے کو مانگا تو میرے شوہر نے مجھ کو مارا اور یہ کہہ کر مجھکو اپنے مکان سے نکال دیا کہ میرے پاس کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں ہے میں یہ کہتا ہوں کہ تیرا جہاں دل چاہے تو چلی جا میں نے یہ کہا جب تم مجھکو روٹی کپڑا نہیں دے سکتے ہو تو مجھکو آزاد کر دو۔ یہ سنکر میرے شوہر نے غصہ ہو کر کہا کہ جا میں نے تجھ کو علیحدہ کیا علیحدہ کیا علیحدہ کیا یہ کہنے کے بعد میں اپنے شوہر کے گھر سے فوراً اپنے رشتہ دار کے گھر چلی گئی جس کو عرصہ ڈیڑھ ماہ سے زیادہ گذر گیا ہے لہذا یہ مسئلہ پیش ہے شرعاً کیا صحیح ہے؟۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں عورت نے اپنی آزادی کا شوہر سے سول کیا اس کے جواب میں شوہر نے غصہ ہو کر یہ کہا کہ جا میں نے تجھکو علیحدہ کیا علیحدہ کیا علیحدہ کیا تو الفاظ جا اور چلی جا۔ اذهبي وانتقلي وانطلقي کے ترجمے اور یہ الفاظ ان کنایات سے ہیں جو رد جواب دونوں کیلئے ہیں اور میں نے تجھ کو علیحدہ کیا یہ "فارقتك" کا ترجمہ ہے اور یہ کنایہ کے ان الفاظ میں سے ہے جو فقط جواب کیلئے ہے اور اس میں مذاکرہ طلاق بھی پایا گیا اور حالت غضب کا ہونا خود سوال میں مذکور ہے۔ تو بحیثیت مجموعی ان الفاظ سے یقیناً بائنہ واقع ہوگی، فتاوی قاضی خان میں ہے: قال فی حالة مذاكرة الطلاق فارقتك او ابنتك او سرحتك يقع الطلاق وان قال لم انو الطلاق لا يصدق قضاء۔ تو بلا شبہ اس عورت پر طلاق واقع ہو گئی۔ یہ عورت بعد عدت کے جس سے چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

﴿۶۰﴾

باب الطلاق الرجعی

مسئلہ (۶۷۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید اپنی بیوی سے ناراض ہوا اور غصے کی حالت میں اس نے اپنی زبان سے کہا کہ میں تم کو چھوڑ دوں گا۔ اُس کے بعد عورت کے رشتہ دار وغیرہ آئے ان کے سامنے اس نے یہ کہا کہ انہوں نے مجھے طلاق دیدی ہے۔ زید نے یہ بات سنکر کہا کہ کیا کہا؟ پھر کہو اس نے وہ الفاظ پھر کہے تو اب زید نے کہا کہ اب میں نے تجھے طلاق دی۔ اس کے بعد وہاں کسی رشتہ دار کے مکان میں چلی گئی۔ وہاں جیسا کہ زید سے دریافت کیا گیا تو زید نے کہا میں نے اس کو طلاق دی۔ تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ عند الشرع یہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کونسی طلاق ہے اور اس کا کیا حکم ہے؟۔ بینوا توجروا

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر زید نے یہی الفاظ کہے ہیں کہ میں نے تجھے طلاق دی تو یہ الفاظ طلاق صریح کے ہیں اس سے بلاشک یقیناً طلاق رجعی واقع ہوگئی۔

جوہرہ نیرہ میں ہے: فالصریح قولہ انت طالق ومطلقۃ وقد طلقتك فھذا یقع بہ الطلاق الرجعی۔

اور عینی میں ہے: ھو ای الطلاق الصریح کقولہ لامرأتہ انت طالق وانت مطلقۃ وطلقتك یقع بھذہ الالفاظ طلقۃ واحدۃ رجعیۃ۔

اور اسی طرح تنویر الابصار اور درمختار اور ردالمحتار وکنز وغیرہا کتب فقہ میں ہے اب زید کا دوسری مرتبہ اس عورت کے کسی رشتہ دار کے مکان پر یہ کہنا کہ میں نے اس کو طلاق دی اگر محض پہلی طلاق کی خبر دینا مقصود ہے جب تو ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ورنہ اس سے دوسری طلاق رجعی واقع ہو جائے گی الحاصل زید نے اپنی بیوی کو یا ایک طلاق رجعی دی یا دو بہر صورت زید اپنی اس بیوی سے عدت کے در میان میں رجعت کرسکتا ہے۔ اور بعد عدت اس سے نکاح کرسکتا ہے کما ھو مصرح فی عامۃ

کتب الفقہ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۷۶)

جناب مولوی صاحب ------------- السلام علیکم۔

گذارش خدمت عالی میں عرض یہ ہے کہ قریب دس بارہ سال ہوئے سائل نے اپنے بیوی کو اس کے والدین اور دیگر اقرباء کے کہنے سننے سے دوسرے شخص کے مکان پر بحالت مجبوری میں طلاق دلوائی اور سائل نے اپنی زبان سے کہدیا کہ طلاق دی، وہاں سے وہ لوگ یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ طلاق دیدی، یہ سننے چلو اور دوسرے دن چند آدمیوں کو میرے مکان پر جمع کیا اور مجھ سے معلوم کیا کہ یہ بات سچ ہے، تمہاری بیوی سچ کہتی ہے کہ تم نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی؟ میں نے اس کے جواب میں یہ کہہ دیا: دیدی، اور سلیج نے مجھ سے کہا کہ فارخطی سو میں نے انکار کر دیا کہ میں فارخطی نہیں دونگا، جب سے اسوقت تک سے ہی بیٹھی ہوئی ہے اور سائل کے پاس آنا چاہتی ہے اور جن لوگوں نے علیحدگی کی کوشش کی بھی ان میں سے کوئی زندہ نہیں ہے اب حضور والا حکم شریعت سے سائل کو مطلع کریں، سائل اپنی بیوی کو بلا کر اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں؟۔

المستفتی۔ عبد المجید بقلم خود ساکن نہیں محلہ کوٹ بتاریخ ۱۷ر جمادی الاخر۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر سائل کا یہ بیان بالکل صحیح اور مطابق واقع کے ہے اور اس نے تین طلاقیں نہیں دی ہیں تو اس عورت سے اس کا نکاح دوبارہ ہوسکتا ہے کما ھو مصرح فی کتب الفقھہ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

مسئلہ (۶۷۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو دو مرتبہ طلاق دی، کیا زید کی بی بی، دو مرتبہ طلاق دینے سے کیا نکاح سے باہر ہوئی اگر نکاح سے باہر نہیں ہوتی ہے، تو کتنے ماہ کے بعد نکاح سے باہر ہو جائے گی۔ فرض کیا کہ زید نے چار و پانچ ماہ تک اپنی بی بی کو اپنی طرف رجوع یا نکاح نہیں کیا، تو کیا ہندہ کو دوسرے شخص سے نکاح کرنے کی ضرورت ہوگی؟۔

الجواب

اللھم ھدایة الحق و الصواب

اگر شوہر نے صریح الفاظ میں اپنی بیوی کو طلاق رجعی دو بار دی ہے تو عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے، اور عدت گزر جانے کے بعد وہ اسکے نکاح سے باہر ہو جائے گی، اور وہ بلا حلالہ کیئے اسی شوہر سے نکاح کر سکتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

﴿۶۱﴾

باب الطلاق المغلظة

مسئلہ (۶۷۸)

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کی شادی مسماۃ ہندہ کے ساتھ تقریباً ۳ سال گذرے ہوئی۔ اور برابر ایک دوسرے کے تعلقات زن و شوہر کی طرح رہے عرصہ تقریباً ۳ ماہ کا ہو رہا ہے کہ زید اور ہندہ میں خانگی معاملہ کی بنا پر جھگڑا ہوا۔ زید نے غصہ کی حالت میں بلا کسی نیت اور خیال کے اپنی عورت سے کہنا شروع کیا کہ ہم نے طلاق دیا طلاق دیا طلاق دیا اور یہ الفاظ طلاق طلاق دیا طلاق دیا ایک ہی سانس میں مسلسل کہتا چلا گیا۔ جب کہہ چکا تو عورت کہنے لگی کہ میں طلاق نہیں چاہتی ہوں۔ میں ساری زندگی ساتھ نہیں چھوڑونگی جہاں رہو گے وہیں رہونگی۔ اس کے بعد جب اس کی شہرت ہوئی تو لوگوں کے سوال پر زید نے جواب دیا کہ جھگڑے اور غصہ کی حالت میں مجھ سے یہ کلمے نکل گئے ہیں۔ لیکن نہ تو میری نیت طلاق دینے کی تھی اور نہ عورت نے قبول کیا اور نہ میں طلاق دینا چاہتا ہوں مجھے ہوش نہیں کہ میں نے دس بار یا پانچ بار یا بیس بار کتنے بار اپنے منہ سے طلاق دیا۔ طلاق دیا کہہ دیا ہے اس کے بعد سے دونوں ایک ہی گھر میں مقیم ہیں اور اپنے اس فعل پر نادم ہیں۔ لہذا سوال دریافت طلب یہ ہے کہ کس قسم کا طلاق واقع ہوا اور یہ دونوں اپنے تعلقات کس طرح قائم رکھیں۔ فقط

ڈھونڑے ساکن نیپال گنج ضلع بہرائچ

الجواب

اللھم ھدایة الحق و الصواب

اس صورت مسئولہ میں مسماۃ ہندہ پر یقیناً طلاق واقع ہوگئی اور طلاق بھی طلاق مغلظہ ہوئی۔ اب باقی رہا یہ عذر کہ غصہ کے حال میں یہ الفاظ طلاق کہے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق اکثر و بیشتر غصہ ہی میں دی جاتی ہے۔ اور رضامندی کے حال میں کون اپنی بیوی کو طلاق دیکر اپنے امور کو خراب کرتا ہے۔ تو طلاق کا سبب اکثر غصہ ہی ہوتا ہے اور شرعاً غصہ میں طلاق واقع ہو جاتی ہے رد المحتار میں ہے " ویقع طلاق من غضب "۔ اسی طرح اس کا یہ عذر کہ میں نے ان الفاظ طلاق سے نیت طلاق ہی نہیں کی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب طلاق کے الفاظ صریح ہوں تو پھر اس میں نیت کی حاجت نہیں رد المحتار میں

ہے " الصريح لا يحتاج الى النية " تو صریح الفاظ طلاق میں بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے ۔اور زید کے صریح الفاظ طلاق ہی ہیں۔ نیز یہ عذر بھی کارآمد نہیں کہ عورت نے اس طلاق کو قبول ہی نہیں کیا کہ وقوع طلاق کے لئے عورت کا قبول کوئی شی نہیں ہاں اس صورت میں اس کی یہ بات باقی ہے کہ ان الفاظ طلاق میں عورت کی طرف نسبت واضافت نہیں ہو رہی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں طلاق کی عورت کی طرف نسبت صراحۃ تو مذکور نہیں لیکن زید یہ الفاظ عورت کو مخاطب بنا کر جواباً کہتا ہے اور عورت کو اس طرح مخاطب بنا کر کہنے سے بھی نسبت واضافت طلاق حاصل ہو جاتی ہے۔ رد المحتار میں ہے " الاضافة اى المعنوية فانها الشرط والخطاب من الاضافة المعنويه " الحاصل صورت مسئولہ میں الفاظ مذکور سے طلاق مغلظہ واقع ہو گئی تو یہ اگر پھر اپنے آپس میں تعلقات پیدا کرنے چاہتے ہیں تو یہ بعد حلالہ شرعی کے نکاح کریں۔ اور اب ایک گھر میں یہ ہرگز مقیم نہ رہیں۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

۲۰ ربیع الآخر ۱۳۷۶ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۷۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید نے اپنی لڑکی ہندہ کی شادی بکر سے کر دی تھی، کچھ عرصہ کے بعد آپس میں نفاق پیدا ہو گیا، لڑکی اپنے باپ کے گھر آئی ہوئی ہے، ایک مرتبہ بکر اپنی سسرال گیا اور وہاں پر زید یعنی خسر سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا دوران جھگڑا میں بکر نے اپنے خسر زید سے کہا کہ اب یہ چاہتے ہیں کہ میں آپ کی لڑکی کو طلاق دے دوں، زید نے جواب دیا کہ زید نے اسی موضوع پر چند بار تکرار رہی اور بکر غصہ کے ساتھ مکان سے باہر نکل آیا۔ دروازہ پر ایک شخص نے دریافت کیا کیوں براتے ہو کیا بات ہے، فوراً بکر نے جواب دیا میں سب قصہ ہی ختم کر آیا، اس کے بعد لوگوں میں چرچہ ہو گیا کہ بکر نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دیدی، بہت برا ہوا۔ بکر سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ تو اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے آیا، بکر نے انکار کیا اور کہا کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے، اس کے خسر زید سے معلوم کیا زید نے جواب دیا کہ بکر نے میری لڑکی کو تین مرتبہ طلاق دے دی ہیں۔ موقع پر چند لوگ موجود تھے۔ چار اشخاص کا حلفیہ بیان ہے کہ بکر نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق دی۔ یوں کہا کہ میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی میں نے طلاق

دی۔ پانچ اشخاص کا حلفیہ بیان ہے کہ بکر نے صرف اتنا کہا تھا کہ آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کی لڑکی کو طلاق دے دوں اس کے بعد پنچایت ہوئی پنچایت میں زید نے کہا کہ بکر خود ہی اپنے حلف سے کہہ دے کہ اس نے طلاق دی کہ نہیں، بکر نے قرآن اٹھا کر حلفیہ بیان دیا کہ میں نے صرف یہ کہا تھا کہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی لڑکی کو میں طلاق دے دوں، دو چار بار یہی کہا اور کچھ نہیں کہا خود ہی زید نے اور زید کے شاہدوں نے بکر کے حلف اٹھانے کو تسلیم نہیں کیا۔ اور کہا کہ میرے نزدیک یہ حلف جھوٹا اٹھایا، اور اگر اس نے جب نہیں دی تو اب دے دے۔ دریافت طلب یہ بات ہے کہ ایسی صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟۔ معہ حوالہ حدیث جواب عنایت فرمائیں۔

(۱) زید نے قرآن اٹھا کر بھی تسلیم نہیں کیا اور کہا کہ میرے نزدیک جھوٹا حلف اٹھایا ہے شرعا گنہگار رہا کہ نہیں؟۔

(۲) شوہر کی طرف سے جو پانچ اشخاص نے گواہی دی ہے وہ شرعا قابل قبول ہے کہ نہیں؟۔

بینوا توجروا، نیاز محمد

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں زید تین طلاق کا مدعی ہے اور اپنے اس دعوے پر چار شاہد پیش کرتا ہے۔ جن کا حلفیہ بیان یہ ہے کہ بکر نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق دی اور یہ کہا کہ میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی، تو مدعی کا دعوی شرعا ثابت ہو گیا،

صحیح حدیث شریف میں ہے:۔ البينة على المدعى واليمين على من انكر۔ یعنی مدعی پر گواہوں کا پیش کرنا ہے اور مدعی علیہ پر حلف اور قسم ہے۔ تو جب مدعی زید کے پاس گواہ موجود ہیں تو زید کا دعوی یعنی تین طلاقیں اسی گواہی سے ثابت ہو گئیں، بکر سے شرعاً حلف اس وقت لیا جاتا جب زید کے پاس گواہ موجود نہ ہوتے۔ اور جب زید مدعی کے گواہ موجود ہیں تو بکر مدعی علیہ سے حلف کی کوئی حاجت ہی نہیں ہے۔ اس واقعہ میں زید کا بکر سے حلف لینا ہی غلط تھا۔ لیکن بکر کے حلف کے بعد بھی اعتبار بینہ مدعی کا ہے نہ بکر کے حلف کا۔ مجمع البحار میں ہے: لو حلف المدعى عليه فاقيمت البينة بعدها على خلاف ما حلف عليه كان الاعتبار بالبينة لا بالحلف۔ (مجمع البحار، ج ا ص ۱۳۱)

تو حاصل جواب یہ ہے کہ دختر زید یعنی زوجہ بکر پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں، اور وہ بکر کے نکاح

سے یقیناً خارج ہوگئی اور یہ بکر بغیر حلالہ کے اس مطلقہ سے دوبارہ نکاح نہیں کرسکتا۔ اور بکر کا حلف غیر معتبر ہے۔ اوراس کے گواہان مدعی کے گواہان کے مقابلے غیر مقبول ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۸۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کی بیوی ہمیشہ زید کی ماں سے سرخروئی جھگڑتی، زید اپنی بیوی سے بار بار یہ کہتا تھا کہ تم میری ماں سے ہرگز نہ جھگڑو اگر جھگڑوگی تو تم کو طلاق دیدونگا۔ باوجود ان باتوں کے زید کی بیوی اپنی وشادامن سے جھگڑنے میں باز نہیں آئی۔

ایک دن ایسا ہوا کہ زید اپنے کاروبار میں گئے ہوئے تھے ان کی بیوی ہندہ زید کی ماں سے سختی سے جھگڑی اثنائے جھگڑا زید اپنے مکان پہونچا۔ زید کی ماں زید سے کہنے لگی کہ ہم تم کو برابر کہتی ہوں کہ اگر تمہاری بیوی ہم سے جھگڑا تکرار کرے گی تو ہم دودھ مادری کو کبھی معاف نہیں کرونگی اور آج بھی کہتی ہوں۔ اس بات کو زید اپنی ماں سے سنکر فورا کہنے لگا کہ بیوی ہم کو بہت ملے گی مگر ماں کا ملنا اور ماں کا قصور معاف کرنا دشوار۔ یہ کہہ کر اپنی ہندہ سے کہنے لگا ہم نے تم کو طلاق دی۔ میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی۔ تم نکل جاؤ غرض کہ اسی طرح سات مرتبہ کہا بعد کو جب کہ ان کی بیوی ہندہ گھر سے نہیں نکلی تو زید نے بیوی کے سر کے بال پکر کر ہاتھ گردن میں ڈال کر گھر سے نکال دیا۔ بعد کو لوگوں نے دونوں کو پکڑ کر پوچھنے لگے تو زید وہی مذکورہ بالا لوگوں کو سنانے لگا۔ ان کی باتوں کی چند گواہان یہ ہیں قاضی عثمان صاحب۔ قاضی محمد سکندر صاحب، شیخ محمد ابراہیم صاحب، صدر الدین صاحب، محمد امیر الدین صاحب۔ محمد مجید صاحب، محمد نظر علی صاحب شیخ محمد مہر علی صاحب محمد علیم الدین صاحب نیز ان سوالوں کو بڑے بڑے علمائے دین کے پاس بھیجا گیا ہے جواب طلاق مغلظہ آیا تھا۔ بعد کو ان باتوں کو ٹھکرا کر ایک جھوٹ گواہ کو تیار کر کے اس کے سوال امارت شرعیہ بھیجا کہ زید اپنی بیوی کو دو مرتبہ کہا کہ میں نے دو مرتبہ طلاق دی یعنی یہ کہا کہ میں نے تم کو طلاق دی میں نے تم کو طلاق دی۔ تم گھر سے نکل جاؤ۔ اس کا جواب آیا کہ طلاق بائن واقع ہوئی عدت کے اندر رجعت کرلو۔ اس جواب پر ان کو رجعت کرلیا آج سترہ ماہ گزر رہے ہیں زید سے ہندہ حاملہ ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس حاملہ سے جو بچہ یا بچی پیدا ہوگی اس

پر کیا حکم شرعی ہوگا؟ وہ لڑکا یا لڑکی۔ مدلل کتب معتبرہ سے نقل حدیث اور ترجمہ تحریر فرمادیں کیونکہ ہم انجان کو سمجھ میں آجائے۔

المرسل جملہ گوہان مذکور وعثمان وسکندر صاحبان وغیرہم۔ موضع منڈیل ڈاکخانہ بائس ضلع پورینہ بہار

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں زید کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہونے پر جب کثیر تعداد میں شرعی گواہ موجود ہیں تو اس کی زوجہ زید پر یقیناً طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور یہ عورت اس پر حرام ہوگئی۔ اب زید اس سے رجعت کرسکتا ہے نہ اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے جب تک کہ حلالہ نہ ہو۔ یعنی بعد عدت دوسرے سے نکاح کرے اور وہ بعد صحبت طلاق دے پھر عدت گزارے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان۔

پھر اس کے بعد فرماتا ہے: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره فان طلقها فلا جناح عليهما ان يتراجعا ان ظنا ان يقيما حدود الله ۔ (سورہ بقرہ ع ۲۸)

طلاق (رجعی) دوبار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے رجعت کرکے یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ پھر تیسری طلاق اسے دے تو اب وہ عورت اسے حلال نہیں جب تک کہ وہ دوسرے خداوند کے پاس نہ رہے۔ پھر وہ دوسرا شوہر اگر طلاق دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں ملیں (دوبارہ نکاح کرسکیں) اگر سمجھتے ہوں کہ اللہ کی حدیں بنائیں گے۔

اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوگیا کہ دوبار تک صریح رجعی ہوتی ہے اور رجعی طلاقوں میں عدت کے اندر شوہر رجعت کرسکتا ہے اور عدت گزر جانے کے بعد رجعت نہیں کرسکتا ہے، ہاں اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔ اور تیسری طلاق کے بعد بیوی اس پر حرام ہوجاتی ہے پھر اس سے نہ رجعت کرسکتا ہے نہ دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔ ہاں جب وہ عورت بعد عدت دوسرے سے نکاح کرلے اور وہ دوسرا شوہر بعد صحبت کے اس کو طلاق دے پھر وہ عورت عدت گزارے اسے حلالہ کہتے ہیں۔ اس حلالہ کے بعد شوہر اول سے دوبارہ نکاح کرسکتی ہے۔

یہاں زوجہ زید کو تو نہ فقط تین طلاقیں بلکہ سات طلاقیں زید نے دیں۔ لہٰذا بحکم قرآن کریم یہ

عورت زید پر ایسی حرام ہوگئی کہ اس کا اس سے رجعت کرنا بھی غلط وباطل قرار پایا۔ اب بغیر حلالہ کے زید اس سے دوبارہ نکاح بھی نہیں کرسکتا۔ تو زید فوراً اس عورت سے جدا ہوجائے اور اپنے مکان سے علیحدہ کرے۔

امارت شرعیہ والوں کو اولاً تو سوال ہی جھوٹا اور خلاف واقعہ پہنچا۔ لہٰذا ان کا فتویٰ ہی اس واقعہ سے بالکل غیر متعلق۔ اور زید کے لئے نا قابل عمل ٹھہرا۔

ثانیاً انکا دوصریح طلاقوں کے سوال کا جواب دینا کہ طلاق بائن واقع ہوئی عدت کے اندر رجعت کرلو۔ یہ غلط وباطل ہے۔ اور قرآن کریم کے حکم کے خلاف ہے کہ قرآن کریم تو ایسی صریح طلاقوں کو رجعی فرماتا ہے اور یہ مفتی امارت شرعیہ اس کے خلاف ایسی دوصریح طلاقوں کے بائن قرار دیتا ہے۔ نیز قرآن کریم تو طلاق رجعی ہی کو قابل رجعت قرار دیتا ہے۔ اور یہ نااہل مفتی اس کے مقابل طلاق بائن کو بھی قابل رجعت ٹھہراتا ہے۔ تو اس قابل مفتی کا جواب قرآن کریم کے مخالف ومقابل ہوا۔ اور اس لاعلم کو بائن ورجعی کے معانی شرعیہ کا فرق معلوم نہیں۔

اس مفتی کی پہلی جہالت تو یہ ہے کہ یہ دوطلاق کے بائن یا رجعی ہونے کا امتیاز نہ کرسکا۔ دوسری جہالت یہ ہے کہ رجعی کو بائن قرار دیا۔ تیسری جہالت یہ ہے کہ طلاق بائن کو عدت کے اندر قابل رجعت ٹھہرایا باوجود کہ درمختار میں تصریح موجود ہے: فان ابانھا فلا رجعۃ۔

چوتھی جہالت یہ ہے کہ اس مفتی کو بصورت طلاق بائن شوہر کی طرف واپسی کا طریقہ معلوم ہی نہیں حالانکہ کتب فقہ میں صاف لفظوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ طلاق بائن میں عدت یا بعد عدت بغیر حلالہ نکاح ہوسکتا ہے۔

لہٰذا عالمگیری میں ہے: اذا کان الطلاق بائنا دون الثلث فلہ ان یتزوجھا فی العدۃ وبعد انقضائھا۔

تو جب امارت شرعیہ کا فتویٰ قران کریم کے حکم کے خلاف ثابت ہوا اور اس میں چار جہالتیں موجود ہیں تو ایسا غلط وباطل فتویٰ کس طرح لائق عمل ہوسکتا ہے اور زید کا یہ جانتے ہوئے کہ میں نے اپنی بیوی کو نہ فقط تین بلکہ سات طلاقیں دی ہیں اور جھوٹ بولکر دوطلاقوں کا اظہار کر کے غلط فتویٰ حاصل کیا گیا ہے اسے دلیری نہ کرنی چاہیئے۔ تھی کہ سترہ ماہ حرام ہوتا رہا ہے۔

لہٰذا زید کو توبہ کرنی چاہیئے اور جس نے جھوٹی گواہی دی ہے اس پر بھی توبہ واستغفار لازم وضروری

اگرچہ اس کی بیوی نکاح سے تو خارج نہ ہوئی مگر آئندہ ایسی جرات نہ کرے۔ اب باقی رہا حمل کا اور بچہ کا ثبوت نسب تو اس بچہ کا نسب تو وہ اسی زید سے ہی مانا جائے گا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: و کل امرأۃ وجبت علیھا العدۃ فان نسب ولدھا یثبت من الزوج الا اذ علم یقینا انہ لیس منہ وھو ان یجیء لا کثر من سنتین۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۴ر جمادی الاول ۱۳۷۲ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۸۱)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

لذرش یہ ہے کہ میں نے چند حدیثیں اور امام اور صحابہ کے قول پڑھے جو تحریر کرتا ہوں۔ مازنی نے کتاب معلم میں لکھا ہے کہ امام محمد ابن مقاتل جو یہ لکھتے ہیں کہ طلاق ثلاثہ جو ایک ساتھ کی ہوں وہ ایک رجعی کے حکم میں ہیں اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا ایک قول ہے اور حضرت امام کا قول بھی یہی ہے۔ ابن تجید کے حاشیہ بیضاوی پر یہ ہے۔ ای بدعۃ غیر مشروعۃ فیکون محرما اذا اجتمع بان قال طالق طالق طالق دفعۃ واحدۃ وقع عندہ لکن یقع واحدۃ رجعیۃ۔ اس سے تو بدعت اور خلاف شرع حرام ممنوع ثابت ہے تین طلاقیں ایک ساتھ دینا طلاق رجعی واقع ہوتی ہے یعنی ایک طلاق کے حکم میں ہے۔ پھر یہ عبارت کے تحریر کیجئے اور اگر کوئی حدیث ہے تو حدیث کا بھی حوالہ دیجئے۔

امیر حسن، محمود پور، پرگنہ سنبھل

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جمہور صحابہ وتابعین وائمہ مسلمین امام نخعی امام سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی امام احمد اور اکثر سلف وخلف رضوان اللہ علیہم اجمعین، کا یہی مسلک ہے کہ جس نے ایک مجلس میں ایک ساتھ تین طلاقیں دیں تو وہ تین ہی طلاقیں شمار ہوں گی اگرچہ وہ گناہگار ہوگا، لیکن اس کو کسی طرح حق رجعت نہیں ہے۔ اور جس نے اسکے خلاف کیا وہ مذہب مخالف جمہور اور سلف قرار پایا۔ چنانچہ حاشیہ بخاری شریف میں عینی سے ناقل ہیں۔

ذهب جماهير العلما من التابعين و من بعدهم منهم النخعي والثوری وابو حنيفة واصحاب مالك والشافعي و اصحابه و احمدوا صحابه و اسحاق وا بو ثور وآخرون كثير ون على ان من طلق امرأته ثلاثا و قعن و لكنه يا ثم و قالوا من خلاف فيه فهو شاذ مخالف لا هل السنة وانما تعلق باهل البدع ومن لا يلتفت اليه لشذوذ ه عن الجماعة ـ

(حاشیہ بخاری، ج ا۔ ص ۷۹۱)

ردالمختار میں ہے۔ ذهب جمهو رالصحابة والتا بعين و من بعد هم من ائمة المسلمين الى انه يقع الثلاث وقد ثبت النقل عن اكثرهم صريحا بايقاع الثلاث ولم يظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال ملخصا ـ اسی بنا پر اس مذہب جمہور کے خلاف گمراہ فرقے بھی ہیں۔ جیسے فرقہ امامیہ، ظاہریہ، فرقہ غیر مقلدین، پھر ان مخالفین میں جو بعض محدثین ہیں جیسے طاوس، حجاج اور ابن ارطاۃ، محمد بن اسحاق، ابن مقاتل۔ تو انہوں نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ احادیث ضعاف ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے جس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ انہوں نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دین اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکو ایک طلاق قرار دیا۔ اور رجوع کا حکم فرمایا۔ علامہ نووی شرح مسلم میں اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

اما الرواية التى روا ه المخالفون ان ركانة طلق ثلثا فجعلها واحدةفرواية ضعيفة عن قوم مجهولين۔

(شرح مسلم۔ ج ا۔ ص ۴۷۸)

لیکن وہ روایت جس کو مخالفین نے نقل کیا کہ حضرت رکانہ نے تین طلاقیں دیں تو انکو ایک طلاق قرار دیا تو یہ ضعیف روایت ہے جو مجہول راویوں سے مروی ہے۔

دوسری حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض میں تین طلاقیں دیں اور پھر انہوں نے رجعت کرلی۔ تو یہی علامہ نووی اسی شرح مسلم شریف میں اسی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

اما حديث ابن عمر فالروايات الصحيحة التى ذكرها مسلم وغيره انه طلقها واحدة۔

(شرح ج ا۔ ص ۴۷۸)

لیکن حضرت ابن عمر والی حدیث تو وہ بھی ضعیف ہے کہ ان سے صحیح روایت جن کو مسلم شریف اور کتب حدیث نے روایت کی وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی تھی۔

تیسری حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانہ نبوی اور خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی میں دو سال تک تین طلاقوں کو ایک طلاق کا حکم دیا گیا پھر حضرت عمر نے انہیں تین طلاقوں کا حکم فرمایا۔

تو انہیں علامہ نووی نے شرح مسلم شریف میں اس پر طویل بحث کی اور آخر میں فرمایا۔

واما هذه الرواية التى لا بى داؤ د فضعيفة رواه ايوب السختيا نى عن قوم مجهولين عن طاؤس عن ابن عباس فلا يحتج بها۔ (ج ا۔ ص ۴۷۸)

لیکن ابو داؤد کی یہ روایت ہے اس کو ایوب سختیانی نے مجہول راویوں سے روایت کی اور وہ طاؤس سے روی اور حضرت ابن عباس سے راوی تو اس روایت کو حجت نہ بنایا جائے۔

لہذا یہ وہ احادیث ہیں جن سے مخالفین نے استدلال کیا ہے اور جب ان کا ضعیف ہونا ثابت ہو چکا تو پھر ان سے استدلال کرنا کس طرح قابل عمل ہوسکتا ہے۔ اور اب مذہب جمہور کی قوت اور حقانیت خود ہی ظاہر ہوگئی، ضرورت تو نہیں تھی کہ مذہب جمہور کے دلائل نقل کئے جائیں۔ لیکن اطمینان خاطر کیلئے چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

و من يتعد حدود الله فقدظلم نفسه ـ لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك امرا۔

(سورہ طلاق، ع ا۔ ج ۲۸)

جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھا، بیشک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تمہیں نہیں معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی نیا حکم بھیجے۔

امام مجدد الاسلام ابوبکر رازی تفسیر احکام القرآن میں تحت آیت کریمہ میں فرماتے ہیں۔

يدل على انه اذا طلق لغير السنة وقع طلاقه و كان ظالما لنفسه بتعديه حدود الله لانه ذكر ذلك عقيب طلاق العدة فابان من طلق لغير العدة خطا قد وقع لا نه لولم يقع طلاقه لم يكن ظالما لنفسه قوله تعالى لاتدرى لعل الله يحدث بعد ذلك امرا) يعنى ان يحدث له ندم فلا ينفعه لا نه قد طلق ثلاثا۔ (احکام القرآن۔ ج ۳۔ ص ۵۵۹)

آیت نے اس امر پر دلالت کی کہ جب طلاق بدعی دی تو اسکی طلاق واقع ہوگئی۔ اور وہ اللہ کی حدوں سے تجاوز کرنے کی بنا پر اپنے نفس کے لے ظالم ہوا کیونکہ اس کو طلاق عدت کے بعد ذکر کیا ہے تو ظاہر ہوگیا کہ جس نے وہ طلاق دی جس کی عدت ہے تو اسکی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس لئے کہ

طلاق واقع نہ ہوتی تو وہ اپنے نفس کے لئے ظالم نہ ہوتا اور اس امر پر دلالت کی کہ ظلم نفس کے ساتھ طلاق کے واقع ہونے کا ارادہ اس قول حق سے ہے کہ تمہیں نہیں معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی نیا حکم بھیج دے ۔یعنی اس کو ہدایت ہو پھر وہ اسکو کچھ نفع نہ دے سکے کیونکہ وہ تین طلاقیں دے چکا ہے۔

اس آیت اور اس کی تفسیر سے ظاہر ہو گیا کہ اگر طلاق بدعی یعنی تین طلاقیں واقع نہ ہوتیں اور وہ رجعت کر سکتا تو اسکو ہدایت ہی کب حاصل ہوتی اور وہ اپنے نفس کے لئے ظالم ہی کیوں ہوتا۔ تو آیت کریمہ نے ظاہر فرما دیا کہ تین طلاقیں جو بدعی ہوں یعنی ایک ساتھ ہوں، واقع ہو جاتی ہیں اور پھر اگر اس کو اس پر ندامت ہوتی ہے کہ وہ جعت نہیں کر سکتا، تو وہ اپنے نفس کے لئے ظالم ٹھہرتا ہے۔

تو آیت کریمہ نے ایک ساتھ تین طلاقوں کو واقع قرار دیا اور انکے بعد رجعت کی اجازت نہیں دی۔ لہذا جمہور کے مذہب پر یہ تو آیت کریمہ سے استدلال ہوا۔ اب چند احادیث بھی پیش کر دی جاتی ہیں۔

بیہقی شریف میں حضرت مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا:

حدیث۔ اذا طلق الرجل امراته ثلاثا فی مجلس واحد، فقد بانت منه ولا تحل له حتی تنکح زوجا غیره ۔ (بیہقی ۔ج ۷ ۔۳۴)

جب آدمی نے بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں تو وہ عورت اس سے جدا ہو گئی اور وہ اس کے لئے حلال نہیں جب تک وہ دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

حدیث ۔بیہقی میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی وہ اپنے والد ماجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے راوی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔

ایما رجل طلق امراته ثلاثا عند الاقراء او ثلاثا مبهمة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره۔ (بیہقی ص ۳۳۶ ج ۷)

جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ہر طہر میں دیں، یا تین مبہم دیں تو وہ عورت اس کو حلال نہ ہوگی، جب تک وہ دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

بیہقی میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنہ کا قول مروی ہے۔

حدیث۔ قال رجل طلق امراته ثلاثا وهو فی مجلسن قال اثم بربه وحرمت علیه امراته ۔ (بیہقی ۔ج ۷۔ص ۳۳۴)

انہوں نے فرمایا کسی شخص نے اپنی عورت کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں تو فرمایا وہ اپنے رب کا مجرم ہوا اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی۔ (یعنی حرمت غلیظہ ہو گئی)

بیہقی میں حضرت نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی:

کان عبد الله اذا سئل عن ذلك قال لا حد هم اماانت لو طلقت امراتك مرة او مرتين فان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم امرنی هذا وا ن کنت طلقتها ثلاثا فقد حرمت علیك حتی تنکح زوجا غیرك و عصیت الله فیما امرك به من طلاق امرأتك۔
(بیہقی، ج ۳ ـص ۳۳۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے جب طلاق کا مسئلہ دریافت کی جاتا تو فرماتے اگر تو نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہاں تک کے لئے مجھے رجعت کا حکم دیا۔ اور اگر اس کو تو نے تین طلاقیں دے دیں، تو وہ تجھ پر حرام ہو گئی۔ یہاں تک کہ دوسرے خاوند کے پاس رہے۔ اور تو نے اللہ کے حکم کی اپنی عورت کو طلاق دینے میں نافرمانی کی۔

بیہقی میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ کا قول مروی ہے کہ مسلمہ احمسی نے کہا:

حدیث ۔قلت لجعفر بن محمد ان قوما یزعمون ان من طلق ثلاثا بجهالة رد الی السنة یجعلونها واحدة یردونها عنکم قال معاذ الله ما هذا من قولنا من طلق ثلاثا فهو کما قال (و فی روایه فقد بانت منه)

کہ میں نے حضرت جعفر بن محمد سے دریافت کیا کہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ جس نے نادانی سے تین طلاقیں دیں تو وہ سنت کی طرف لوٹ آئیں گے کہ انکو ایک طلاق مانا جائے گا۔ اور آپ اہل بیت سے اسکی روایت کرتے ہیں۔ فرمایا معاذ اللہ یہ ہمارا قول نہیں جس نے تین طلاقیں دیں وہ تین ہی ہیں، اور وہ عورت اس سے جدا ہو جائے گی۔

بیہقی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی:

قال عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه فی الرجل یطلق امرأة ثلاثة قبل ان یدخل بها قال هی ثلاث لا تحل له حتی تنکح زوجا غیره۔
(بیہقی ۔ج ۷ ۔ص ۳۳۴)

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس شخص کے لئے فرمایا: جس نے صحبت سے پہلے اپنی بیوی کو

تین طلاقیں دیں تو حکم دیا کہ وہ تین ہی طلاقیں ہیں وہ عورت اسکو حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

بیہقی میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی

عن علی رضی الله تعالیٰ عنه فیمن طلق امرآته ثلاثا قبل ان ید خل بها قال لا تحل له حتی تنکح زوجا غیره۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس شخص کے حق میں روایت ہے جس نے جماع سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں فرمایا وہ عورت اسکو حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

بیہقی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی

اذا طلق الرجل امرأته ثلاثا قبل ان یدخل لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره۔

جب مرد نے اپنی بیوی کو جماع سے قبل تین طلاقیں دیں تو وہ عورت اسکو حلال نہ ہوگی جب تک وہ دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

موطا امام محمد میں حضرت ابن بکیر رضی اللہ اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی

قال طلق رجل امرأة ثلاثا قبل ان یدخل بها ثم بدء له ان ینکحها فجاء یستفتی قال فذهبت معه فسأل ابا هریرة و ابن عباس فقالا لا ینکحها حتی تنکح زوجا غیره فقال انما کان طلاقی ایاها واحدة قال ابن عباس ارسلت من یدك ما کان لك من فضل قال محمد وبهذانا خذ وهو قول ابی حنیفة والعامة من فقها ئنا لا نه طلقها ثلاثا جمیعا فوقعن علیها جمیعا معا۔ (موطا امام محمد۔ ص ٢٠٣)

انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے جماع سے پہلے بیوی کو تین طلاقیں دیں پھر اس کو اس سے نکاح کرنے کی حاجت ہوئی تو وہ فتوی دریافت کرتا ہوا آیا۔ ابن بکیر نے کہا کہ میں اسکے ساتھ چلا اور حضرت ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سوال کیا، انہوں نے یہ جواب دیا کہ اس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ تو اس شخص نے کہا، اس پر میری ایک ہی طلاق واقع ہوئی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ تو نے تو تین طلاقیں دے ڈالیں۔ تو تیرے پاس کچھ باقی نہ رہا۔

امام محمد نے فرمایا۔ ہم اس حکم کو اخذ کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے فقہا کا مذہب ہے اس لئے کہ اس کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی، تو وہ سب اس پر ایک ساتھ واقع ہو جائیں گی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آیت کریمہ، اور ان دس احادیث شریفہ سے آفتاب کی طرح ثابت ہوگیا کہ جب شوہر اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے تو بلا شک اس عورت پر تین ہی طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ نہ ان تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جائے گا۔ نہ مرد کو رجعت کا حق حاصل ہوگا۔ بلکہ یہ عورت ایسی حرام ہو جائے گی کہ اس سے بغیر حلالہ کئے پھر نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور اس عورت پر طلاق رجعی نہیں۔ بلکہ طلاق مغلظہ واقع ہوگی۔ اگرچہ یہ شخص طلاق بدعی واقع کرنے کی بنا پر گنہگار ضرور ہوگا۔ تو یہ مذہب قرآن اور احادیث سے ثابت ہوا۔ اور جمہور صحابہ وتابعین، ائمہ مسلمین ائمہ اربعہ مجتہدین اور سلف وخلف صالحین کا یہی مذہب ہے۔ سائل نے جو اسکے خلاف حضرت امام ابوحنیفہ کا قول تحریر کیا ہے وہ غلط اور باطل ہے۔ جس کا بطلان ابھی دسویں حدیث موطا سے ظاہر ہو چکا۔

باقی رہا سوال میں محمد ابن مقاتل کے قول کا ضعف ذکر تو اس قول کا ضعف اور اس کے دلائل کا ضعف ہمارے جواب کی ابتدائی ابحاث سے ظاہر ہو چکا۔ اور جب وہ جمہور کے خلاف ہے تو شاذ ہوا۔ جو خود ہی ناقبل عمل قرار پایا۔ رہی حاشیہ بیضاوی کی عبارت تو یہ حاشیہ ہم کو دستیاب نہیں ہو سکا جس سے صحت نقل معلوم ہوتی۔ مگر پھر بھی باوجود اسکے اس عبارت میں (وقع عنده) کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مذہب محمد ابن مقاتل کا ذکر ہوگا۔ جو مذہب نا قابل عمل ہے۔ پھر جب ائمہ اربعہ ہی اس مذہب کے خلاف ہیں، تو انکے مقلدین میں سے کوئی مفسر یا محشی اپنے امام کے خلاف کیسے کہہ سکتا ہے۔ بالجملہ ہم نے مسئلہ کی کما حقہ تحقیق کردی، اور مذہب حق کا ثبوت قرآن وحدیث سے پیش کر دیا۔ مولیٰ تعالیٰ قبول حق کی توفیق دے۔ آمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ٢١ر رمضان المبارک ٧٥ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (٦٨٢)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین، اس مسئلہ میں کہ

لقمان نامی ایک شخص اور اس کی بیوی میں کسی بات پر جھگڑا ہوا۔ عورت اپنے تین چھوٹے بچوں کو لے کر میکے روانہ ہوئی۔ اور بستی سے کچھ دور چلی گئی۔ لقمان وہاں پہونچ کر زدوکوب کر کے واپس لے آیا۔

گھر میں چھوڑ کر وہ اپنے کام میں مشغول ہوگیا۔ کام سے فراغت پانے کے بعد کیا دیکھتا ہے کہ گھر کا دروازہ اندر سے بند ہے، اور عورت رسی کا ایک پھندہ لگا کر خودکشی کرنا چاہتی ہے۔ یہ معلوم کر کے لقمان غصہ میں آپے سے باہر ہوگیا۔ مشکلوں سے عورت نے دروازہ کھولا، لقمان کی بستی والوں کا کہنا ہے کہ لقمان اسوقت اپنے آپے میں نہ تھا بلکہ اس کی حالت اور کیفیت بالکل دیوانہ اور پاگل جیسی تھی۔ اسی حالت میں لقمان نے بیوی کو طلاق دیا۔ اور لفظ طلاق کو سیکڑوں بار استعمال کیا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ عورت پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ ازروئے شرع شریف کے جواب باصواب سے مطلع کیا جائے۔ فقط والسلام،

نوٹ۔ لقمان کا بیان ہے کہ میں اپنے ہوش میں نہ تھا، نہ طلاق کا خیال یا وسوسہ میرے دل میں گزرا۔ اب وہ نہایت نادم و پشیمان ہے۔

المستفتی۔ ابوظفر محمد ناظم حیدری، امام مسجد نوری جنکشن،۔ ۱۱ ر رمضان ۷۵ھ

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اس طرح تو ہر طلاق کا دینے والا سوال میں یہی لکھتا ہے کہ میں نے غصہ میں طلاق دی ہے۔ لوگوں نے طلاق کے واقع نہ ہونے کا یہ ایک زبردست حیلہ بنا رکھا ہے۔ باوجودکہ طلاق رضامندی میں اور بغیر غصہ کے کون دیتا ہے۔ اور اپنے امور خانہ داری جانتے ہوئے طلاق دیکر کون بگاڑتا ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ طلاق اکثر و بیشتر تو غصہ ہی کے حال میں دی جاتی ہے۔ اور اسی پر طلاق واقع ہونے کا فتوی دیا جاتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ طلاق کا دینے والا غصہ کی حالت میں بھی طلاق دیتے وقت اس قدر عقل تو رکھتا ہی ہے کہ یہ میری بیوی ہے۔ اور میں اس کا شوہر ہوں، اور میں اس وقت رشتہ زوجیت کو ختم کرنا چاہتا ہوں، اس رشتہ زوجیت کو ختم کرنے والی چیز طلاق ہے۔ اور میں نے اسکو طلاق دے دی اور یہ الفاظ طلاق کہے اور اتنی بار کہے اور فلاں جگہ کہے۔ لہذا جب یہ سب کچھ جانتے ہوئے طلاق دیتا ہے۔ تو وہ اپنے آپے سے باہر کب ہوا۔ اور یہ دیوانگی اور پاگل پن کا حال کب ہے۔ تو صورت مسئولہ میں اگر لقمان کا یہ حال تھا جب تو اسکی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں اور وہ اس پر حرام ہوگئی، اور ۹۷ رلغو و بیکار ہوئیں۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے یہی فتوے دیا ہے۔

بیہقی میں ہے۔ حضرت قیس بن حازم اس کے راوی

سأل رجل المغيرة بن شعبة و انا شاهد عن رجل طلق امرأة مائة قال ثلاث تحرم و سبع و تسعون فضل ۔ (بیہقی۔ج۔۷۔ص ۳۳۶)

کہ ایک شخص نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا اور میں اس وقت حاضر تھا۔ کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو سو طلاقیں دیں تو فرمایا وہ عورت تین سے حرام ہوگئی، ۹۷ رطلاقیں لغو ہوئیں۔

لہذا اس صورت مین زوجہ لقمان پر طلاق مغلظہ واقع ہوتی ہے۔ اور یہ لقمان بغیر حلالہ کے پھر اس عورت سے نکاح بھی نہیں کرسکتا۔ اور اگر فی الواقع لقمان کا غصہ اسقدر بدحواسی اور دیوانگی تک پہونچ گیا تھا کہ نہ اس کو یہ خبر کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اور کس سے کہہ رہا ہوں۔ اور میں نے کیا الفاظ طلاق کہے۔ اور کتنی بار کہے۔ اور کہے بھی یا نہیں۔ اور اس وقت کون موجود تھا۔ اور کون نہیں۔ اور میں کس مقام پر کہہ رہا تھا۔ اور اسوقت کھڑا تھا یا بیٹھا تھا۔ اور الفاظ طلاق یہ سمجھ کر کہہ رہا ہے کہ اس سے رشتہ زوجیت ختم ہوجاتا ہے۔ تو جب اس دیوانگی اور پاگل پن پر کوئی شہادت شرعی موجود ہو تو ایسے انتہائی غصہ کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ لیکن اس میں محض لقمان کا بیان کافی اور قابل اعتماد نہیں۔ بستی والے جب اس کی دیوانگی کی شرعی شہادت دیں تو اس کی طلاق واقع نہ ہوگی، چاہیں اس نے سو نہیں بلکہ ہزار طلاقیں دی ہوں۔ اس کی دیوانگی کی شرعی شہادت دیں تو اسکی طلاق واقع نہ ہوئی، اس کے حکم پر عمل کیا جائے۔ اس کی پوری ذمہ داری اور حرام کاری کا باران بستی والوں پر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۸۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں پر ایک آدمی کو بخار اور چیچک نکلنے کی حالت میں اور غصہ میں آکر اپنی بی بی کو تین طلاقیں دے دیا ہے۔ پھر اس وقت میاں بیوی خوشی کے ساتھ نکاح کرنے چاہتے ہیں۔ کہ جناب مہربانی کر کے اس معاملہ کی فتوی کیا کہتے ہیں۔ برائے مہربانی کر کے بھیج دیجئے گا۔ عین شفقت پدر ہوگی۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں یہ عورت مطلقہ ہوگئی۔ اور اس پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ یہ شوہر اس عورت سے حلالہ کر لینے کے بعد نکاح کر سکتا ہے۔ بغیر حلالہ کے انکے مابین نکاح کی کوئی صورت متصور نہیں۔ طلاق اکثر و بیشتر غصہ ہی کے حالت میں واقع ہوا کرتی ہے۔ رضامندی میں کیا کوئی طلاق دیا کرتا ہے۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۸۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید وہندہ میاں بیوی ہیں۔ تقریبا ساٹھ کے ہوں گی دونوں میں جھگڑا ہوا بات بڑھ گئی، ہندہ نے بدزبانی شروع کی، زید نے کہا کہ بدزبانی بند کرو ورنہ تجھے طلاق دے دوں گا۔ اس پر ہندہ نے بدزبانی متواتر کی۔ کئی مرتبہ کہا کہ تو اپنی ماں سے زنا کرے کہ نہ مجھے طلاق دے دے۔ حالانکہ زید نے ڈرانے کی غرض سے کیا تھا، مگر جب اس نے قسم دے دیا تو زید نے ہندہ کو تین طلاق کہا۔ آیا یہ کہ طلاق ہوگئی یا نہیں۔ ہندہ اب گھر سے نہیں جاتی، کہتی ہے میں کہاں جاؤں میرا کہیں ٹھکانہ نہیں نہ میکہ ہے، نہ ماں باپ ہے نہ کوئی میرا عزیز ہے۔ سوا آپ لوگوں کے۔ زید ہندہ دونوں ماموں زاد بھائی بہن تھے، اور واقعہ صحیح ہے کہ ہندہ کے میکہ میں کوئی نہیں۔ گھر وغیرہ سب تباہ و برباد ہوگیا۔ زید مذکور کے دو بیویاں ہیں۔ لہذا بڑی بیوی کہتی ہے کہ وہ کہاں جائے گی، اس عمر میں چنانچہ وہ میرے ساتھ بحیثیت نند کے رہے گی، جیسے پہلے نند تھی میں اس کی دیکھ بھال کروں گی۔ اب اگر زید ہندہ کو رجوع کرنا چاہے تو کیا صورت ہے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں ہندہ پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ زید اس سے ہرگز ہرگز رجوع نہیں کر سکتا۔ البتہ شرعی طور پر حلالہ کر لینے کے بعد زید اس ہندہ سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره فان طلقها فلا جناح عليهما ان يتراجعا ان ظنا ان يقيما حدود الله۔ (سورہ بقرہ)

پھر اگر تیسری طلاق اسے دیدی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی، جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ پھر وہ دوسرا اگر طلاق دے دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں، کہ پھر آپس میں مل جائیں۔

اگر سمجھتے ہوں اللہ کی حدیں نباہیں گے۔

اب باقی رہا اس مطلقہ ہندہ کا بغرض پرورش گھر میں رکھ لینا تو اس کے خورد و نوش وغیرہ کی اس طرح کفالت کر سکتا ہے جیسے غیر اجنبی عورت کی کفالت کر لی جاتی ہے، اور جب اس کا اور کوئی عزیز اور ٹھکانا نہیں ہے تو اسکی پرورش پر اس کو اجر و ثواب ملے گا لیکن یہ عورت اس سے پردہ کرے گی، اور زید اس سے صحبت وغیرہ کسی طرح کا اختلاط خاص نہ کر سکے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۸۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں

زید اور زید کی بیوی کی آپس میں تکرار ہوئی بحالت روزہ۔ اس تکرار میں زید کہتا ہے کہ میرے یہاں سے چلی جاؤ جواباً اس کی بیوی کہتی ہے کہ کہاں، زید پھر کہتا ہے کہ جہاں جی چاہے جاؤ۔ اس کی بیوی کہتی ہے کہ اس طرح نہیں جاوں گی بلکہ طلاق دے دے۔ پہلی مرتبہ زید ٹال دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اس وقت تو جاؤ یہاں سے اور اس کے بعد ٹالنے کی غرض سے دوسرا جملہ یہ کہتا ہے کہ اس وقت تو جاؤ یہاں سے اور اس کے ساتھ ٹالنے کی غرض سے دوسرا جملہ یہ کہتا ہے کہ طلاق تمہارے باپ کے پاس تحریری صورت میں بھیج دی جائے گی۔ اس واقعہ کے کچھ دیر بعد پھر یہی تکرار ہوتی ہے اور اسمیں یہی بات جاری رہتی ہے جو کہ شروع کی تین لائنوں میں سوال و جواب قلمبند ہیں گویا تکرار کا ماحصل پھر وہیں آرہا ہے کہ زید کی بیوی کہتی ہے طلاق دے دے۔ زید یہ سمجھتے ہوئے کہ زید کی بیوی زید کو مرعوب کرنا چاہتی ہے، اور یہ خیال کرنے کے بعد کہ کیوں نہ اس کو لفظ طلاق سے مرعوب کیا جائے، زید اپنی بیوی کے پیہم تقاضے پر کہتا ہے، مگر کہنے سے قبل ایک ڈیڑھ منٹ کے توقف کرتا ہے کہ کیا کہا جائے۔ کہ اسے طلاق بھی نہ ہو۔ اور اس کی بیوی مرعوب بھی رہے۔ چنانچہ ڈیڑھ منٹ کے توقف کے بعد کہتا ہے کہ طلاق دی۔ اس پر زید کی بیوی کہتی ہے کہ تین مرتبہ کہو، زید طلاق دی طلاق دی، طلاق دی، تین مرتبہ کہتا ہے مگر جذبہ وہی کارفرما ہے جو کہ بارہویں لائن سے ظاہر ہے۔ یہ طلاق ہوگئی یا نہیں۔ فقط۔

نوٹ۔ ڈیڑھ منٹ کے وقفہ کی غور و فکر زید کی یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی سے اس تکرار میں چھ گز کے فاصلہ پر بیٹھا ہوا تھا چنانچہ اس طرف سے منھ پھیر کر اور آنکھیں بند کر کے، اور یہ نیت کرتے ہوئے کہ میں

ہوا کو طلاق دے رہا ہوں، الفاظ کہتا ہے، زید کا ڈیڑھ منٹ کا توقف صرف اس لئے تھا کہ بیوی کو مرعوب بھی کردو اور مرعوب کرنے کے لئے ان لفظوں کو ہوا سے منسلک کرادو۔ گویا مخاطب زید کا ہوا سے تھا، زید کی بیوی فوراً اپنے تایازاد بھائی کے ہمراہ جو کہ اس تکرار کے موقع پر موجود تھا، اپنے تایا مرزا رضا بیگ کے یہاں چلی جاتی ہے۔ واقعہ کے کئی گھنٹہ کے بعد زید کی بیوی کے تایا زید کے پاس آتے ہیں اور واقعات پوچھتے ہیں۔ زید گزرے ہوئے واقعات سنانے کی ساتھ ساتھ غصہ میں بھر جاتا ہے، اسی دوران میں زید کی بیوی کے تایا نے سوال کیا کہ تو نے طلاق کیوں دی۔ زید یہ خیال کرتے ہو کہ زید کی بیوی کے یہ تائے ہیں، اورانہی کے یہاں اس کی بیوی مقیم بھی ہے چنانچہ ان کے سوال کے جواب میں کہتا ہے کہ لفظ طلاق بہ ہوش وحواس خمسہ کہا گیا ہے لیکن انہیں اس خیال کے ماتحت کہ تایا ہیں وہاں ذکر کریں گے، اصل نیت سے آگاہی نہیں دیتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ زید کی بیوی کا مرعوبیت کا پہلو ختم نہ ہو جائے اس لئے لفظ طلاق کا جملہ ان سے کہا یہ نہیں کہ یہ میں اپنی بیوی کو بہ ہوش کہا۔ زید خدا کو حاضر وناظر جان کر یہ بیان حلفی دے رہا ہے۔ فرمایئے طلاق ہوگئی یا نہیں؟۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر بلاشبہ طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، اگر چہ الفاظ طلاق میں عورت کی طرف سے صراحۃ اضافت نہیں ہے لیکن چونکہ یہ طلاق عورت کے مطالبہ پر اور اسکے بار بار اصرار کے بعد دی گئیں ہیں اور تخاطب ہوا۔ زید ان الفاظ سے بیوی کو مرعوب کرنا چاہتا ہے تو اضافت طلاق بیوی کی طرف صراحۃ نہ سہی اشارۃ مراد ضرور ہوگی، تو ان ہر سہ طلاق کے واقع ہو جانے میں اب کوئی عذر باقی نہ رہا۔ رہا یہ عذر کہ تخاطب ہوا سے تھا نیت میں بیوی مراد نہیں تھی تو یہاں صریح طلاق ہے یہ عذر شرعاً معتبر نہیں۔ بالجملہ اب زید اس عورت سے شرعی طور پر حلالہ کر لینے کے بعد نکاح کرسکتا ہے۔ کہ اس عورت پر تین طلاقیں واقع ہو چکیں۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۸۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دے دیا، بعدہ ایک میانجی نے اس کا نکاح پڑھا، کر دونوں کو ملا دیا، میاں جی کا یہ کہنا ہے، کہ حیض کی حالت میں طلاق دیا تھا، اس لئے طلاق واقع نہ ہوا اور میاں جی نے پہلے سکھلا دیا کہ تم کہو ہم نے حیض کی حالت میں طلاق دیا تھا۔ کیا واقعی حالت حیض میں طلاق نہیں ہوتا۔ میاں جی نے جو کچھ کیا روپیہ کی لالچ میں کیا ہے۔ کیا ایسے میاں جی کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے۔ ایسے میاں جی کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟۔

(۲) ابراہیم نے اپنی بیوی کو طلاق نامہ لکھا، اور اسکو لیکر مسجد میں پہونچا اس کے چچا نے دریافت کیا کہ کیا ہے ابراہیم نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق نامہ لکھا ہے، اس کے چچا نے طلاق نامہ لے کر پھاڑ دیا۔ اس نے بیوی سے طلاق کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ لڑکی بالغ نہیں ہے۔ اس لڑکی کو ابراہیم ابھی تک اپنے گھر میں رکھے ہوئے ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ ابراہیم کو اس سے جدا ہو جانا چاہیے یا نہیں۔

ابوظفر محمد ناظم حیدری۔ امام مسجد موری جنکشن ۱۴؍ جون ۵۶ عیسوی

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر فی الواقع میاں جی نے ایسا کیا تو وہ غلط اور باطل ہے یقیناً حیض میں طلاق واقع ہو جاتی ہے،

فتاوی عالمگیری میں ہے۔ والبدعی من حیث الوقت ان یطلق المدخول بھا وھی من ذوات الاقراء فی حالۃ الحیض اوفی طھر جامعھا فیہ وکان الطلاق واقعا ۔ اور جب حالت حیض میں طلاق واقع ہوگئی، تو اگر وہ طلاق رجعی یا بائنہ ہوتی تو رجعت کرنا یا دوبارہ نکاح کر لینا کافی ہو جاتا۔ لیکن صورت مسئولہ میں تو طلاق مغلظہ واقع ہوئی ہے۔ تو بلا حلالہ کے انکے مابین نکاح کرنا، باطل و حرام ہے۔ لہذا اس میاں جی کا فعل شرعاً مذموم وفسق ہے تو ایسے میاں جی کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ اور انکو سخت تنبیہ کی جائے کم از کم ان کا حقہ پانی بند کر دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب؛

(۲) ابراہیم نے طلاق نامہ میں اپنی بیوی کو رجعی یا بائنہ ایک یا دو طلاقیں دی ہیں جب تو وہ اس سے رجعت یا نکاح دوبارہ کرسکتا تھا، اور اگر طلاق مغلظہ دی ہے، تو وہ ابراہیم اس سے بلا حلالہ کے دوبارہ

نکاح نہیں کرسکتا۔اوروہ عورت اس سے جدا رہے گی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل ، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۸۷)

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی بیوی ہندہ کولڑائی جھگڑے کے درمیان تین چارمرتبہ لفظ طلاق سے پکارا یعنی یہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی وغیرہ زید کی بیوی ہندہ اسی مکان میں رہی شوہرنے دوسرے دن صبح تک کوئی گفتگو ہندہ سے زید نے نہیں کی زید کے والد نے اپنے لڑکے سے کہاجب اس عورت کوتو نے طلاق دیدی تو پھر یہاں سے نکالا کیوں نہیں زید پھر غصہ مین بھر کر ہندہ کی طرف بڑھا کہ میں نے تجھے طلاق دیدی میں نے تجھے طلاق دیدی طلاق دیدی تو یہاں سے چلی جا ہندہ بحالت مجبوری اسی مکان میں ایک ہفتہ تک رہی اس درمیان میں اس کا شوہر نا اسکے پاس آیا نہ اس سے گفتگو کی ہندہ کا بھائی وہاں پہونچ گیا وہ اس کے ہمراہ اپنے باپ کے یہاں واپس آگئی تین سال کی مدت کے رہنے کے بعد زید ہندہ کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے یہ جھوٹ بولتا ہے کہ میں نے تجھے طلاق نہیں دی جبکہ اس طلاق کی شہرت ہوچکی ہے دو چار آدمیوں سے یہ بھی کہا ہے کہ میں نے غصہ کی حالت میں طلاق دیدی تھی اس واقعہ کے متعلق شرعا جوحکم ہوصادر فرمایئے۔واثق امید کا حامل ہوں کہ آپ جواب سے سرفراز فرمائینگے ؛۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں ہندہ زید کے نکاح سے خارج ہوگئی اوراس پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اب اس ہندہ سے زید کا عقد ثانی بغیر حلالہ کئے ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل ، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۸۸)

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

میرے بھانجے عبدالستار خاں ساکن کٹائی کے لڑکے شریف کا نکاح عزیز خاں ساکن کٹائی کی لڑکی سے ہوا تھا اس وقت شریف کو عارضہ سستی کا تھا اوراس نے علاج شروع کردیا اورعزیز خاں نے لڑکی کو اپنے گھر بلالیا شریف علاج سے ٹھیک ہوگیا اسی دوران میں خوف ہوگیا لڑکی کے ورثان کو تسلی نہیں ہوئی اور طلاق کا کاغذ لکھوا کر اس پر شریف کا انگوٹھا لگوالیا شریف نے اپنی زبان سے طلاق کا کوئی لفظ نہیں کہا ہے تو اس کی بابت شرع کیا اجازت دیتی ہے کہ طلاق ہوئی یا نہیں مفصل جواب مشکور فرمائیں۔

نوٹ۔لڑکے شریف خاں کو لڑکی والوں نے اپنے مکان پر بلوایا چونکہ لڑکے کا زیور کی قسم جیسا وہاں سامان موجود تھا لڑکے نے اسکو حاصل کرنے کی وجہ سے طلاق نامہ پراور دیگر کاغذ پر جو لڑکی والوں نے پہلے سے تحریر کررکھے تھے انگوٹھا لگادیا مگر انگوٹھا لگاتے وقت یا پیشتر یا بعد میں لڑکے کی کوئی نیت طلاق کی نہیں تھی اور نہ اب ہے لڑکے نے کوئی لفظ طلاق کے بارے میں اپنی زبان سے ادا نہیں کیا لڑکا ان حالات سے ازحد پریشان ہے ان تمام صورتوں میں جو درج ہیں طلاق واقع ہوئی یا نہیں جواب معہ دلائل شرعیہ معہ صفحہ کتب ارسال کیا جاوے لڑکا پڑھا لکھا نہیں ہے۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں ظاہر ہے کہ اس طلاقنامہ پرانگوٹھا لگانے میں کسی جبر شرعی کا پایا جانا سوال میں مذکور نہیں تو شوہر کا اس طلاقنامہ پرانگوٹھا لگادینا کسی شرعی مجبوری کی بنا پر نہیں ہوا۔پھر بھی اگرچہ اس نے اپنی زبان سے لفظ طلاق ادا نہیں کیا ہے مگر اس نے طلاقنامہ سمجھتے ہوئے قصدا اس پرانگوٹھا لگایا تو اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی۔اوراس میں نیت طلاق کی حاجت نہیں۔

شامی میں ہے: ولایحتاج الی النیۃ فی المستبین المرسوم۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: وان کانت (الکتابۃ مستبینۃ) مرسومۃ یقع الطلاق نوی اولم ینو۔

تو اگر طلاقنامہ میں ایک یا دو مرقوم ہیں تو رجعت ہوسکتی اگر عدت نہ گذری ہو ورنہ عقد ثانی ان کے درمیان کیا جاسکتا ہے اور طلاقنامہ میں اگر تین طلاقیں ہوں تو بغیر حلالہ کے ان کے مابین عقد ثانی ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۹ رشعبان المعظم ۱۳۷۸ھ

کتبہ : الفقیر الی اللہ عزوجل ،العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

مسئلہ (۶۸۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں

زید کی بی بی ہندہ سے زید کی ماں سے جھگڑا ہوا ہندہ نے زید کی ماں کو فحش الفاظ میں گالیاں دیں جس پر زید نے اپنی بی بی کو حالت غصہ میں دو تین عورتوں کے سامنے کہا کہ ہم اب اس کو نہیں رکھیں گے جواب دیتے ہیں ایک طلاق دو طلاق تین طلاق بلفظ ایسے ہی کہا اس کے بعد سکوت اختیار کیا اب زید بھی اس کو رکھنا چاہتا ہے اور ہندہ بھی زید سے جدا ہونا نہیں چاہتی ہے تو ایسی صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو کونسی طلاق ہوئی کیا زید کا نکاح پھر دوبارہ بغیر حلالہ کے ہوگا یا حلالہ کی ضرورت ہوگی معہ حوالہ عام فہم جواب عنایت فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا زیادہ والسلام نیز یہ کہ ہندہ حاملہ ہے۔

المستفتی محمد جمیل احمد ساکن کسیا پٹی پوسٹ باچھٹی ضلع مظفر پور مورخہ ۱۰/ ذیقعدہ ۱۳۷۸ھ

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں زید کی بی بی ہندہ پر یقیناً طلاق واقع ہوگئی اور جب تین طلاق کا لفظ موجود ہے تو یہ طلاق مغلظہ ہوگئی لہذا زید کا اس ہندہ کے ساتھ نکاح ثانی بغیر حلالہ کے نہیں ہوسکتا جیسا کہ۔

شامی میں ہے: متی قرن بالعدد کالوقوع بہ۔

ہدایہ میں ہے: ان کان الطلاق ثلثا فی الحرۃ او اثنین فی الامۃ لاتحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ زید نے تین طلاقیں دی ہیں تو اب بغیر حلالہ کے اس کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

﴿۶۲﴾

باب طلاق المعتوہ والسکران والغضبان والمکرّہ

مسئلہ (۶۹۰)

جس کا نام شرافت اللہ ہے جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ۲۷/ اکتوبر ۱۹۳۱ء بروز بدھ شرافت اللہ بازار کو چند مرتبہ گیا اور راستہ میں لوٹ لوٹ آیا، اس روز اس کی آنکھیں بھی سرخ تھیں، دوپہر کو شرافت نے اپنی بیوی کے متعلق کہا کہ مرغ کے کیس کا ٹکڑا اس کے ڈاڑھی لگائی جاوے اور کتیا کی پونچ کاٹ کر چٹیا لگائی جاوے اور گدھے پر سوار کر کے اس کو بازار کو نکالا جائے، تو کیا اچھی معلوم ہوگی۔ شرافت کی بیوی اس بات پر ناراض ہوئی اور کہا کہ ایسی باتیں نہ کرو اس پر شرافت نے اسکو بہت سخت سست کہا جس پر اس کی بیوی نے بھی جواب دیا۔ پھر شرافت بلاسبب ہنسا اور ایک مرتبہ یہ کہکر کہ میں نے تجھے طلاق دی، باہر کو بھاگ گیا جس کو جتنی مستورات اس مکان میں رہتی ہیں اس کی بہن بھاوج وغیرہ سب نے سنا۔ شرافت پھر باہر سے لوٹ کر آیا اور تین مرتبہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی۔ اس وقت اس کے بہنوئی انتظام علی بھی موجود تھے جب شرافت سے معلوم کیا گیا کہ تم نے یہ الفاظ کیوں کہے تو اس نے کہا کہ مجھے اس قدر غصہ تھا کہ میں بالکل بیہوش تھا نہیں بتلاسکتا کہ میں نے کیا کہا۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر واقعہ یہی ہے جو درج سوال ہے اور وقت طلاق تک یہی مدہوشی اور انتہائی غیظ وغضب کی حالت رہی اور وہ غلبۂ ہذیان سے بے عقلی اور دیوانگی کی باتیں کرتا رہا تو یہ طلاق لغو اور اس کی بیوی نکاح سے خارج نہ ہوگی کہ اس وقت ادراک صحیح معدوم ہے۔

شامی میں طلاق غضبان کی منجملہ اور دیگر احوال کے ایک یہ حالت بھی مذکور ہے۔

الثانی ان یبلغ (الغضب) النہایۃ فلایعلم مایقول ولا یریدہ فھذا لاریب انہ لاینفذ شئ من اقوالہ۔

جوہرہ نیرہ میں ہے:

وکذا المعتوہ لایقع طلاقہ ایضا وھو من کان مختلط الکلام بعض کلامہ مثل

كلام العقلاء و بعضه مثل كلام المجانين وهذا اذا كان فى حالة العته۔

اور اگر واقعہ اس کے خلاف ہے یا اس کی یہ حالت وقت طلاق نہیں تھی تو یقیناً حتماً جزماً یہ طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور اس کی یہ بیوی نکاح سے خارج ہوئی۔

بالجملہ مسئلہ کا جواب تو یہ ہے لیکن انتظام علی صاحب اور شرافت علی کے بھائی اس واقعہ کے بعد جو میرے پاس تشریف لائے ان کے زبانی بیان اور اس تحریری بیان میں تفاوت ہے۔ لہذا جواب کو واقعہ سے مطابق کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کا سارا بار سائل کی گردن پر ہے ہم مسئلہ کے دونوں پہلوؤں کا اظہار کر کے سبکدوش ہوگئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۹۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے جو ایک نہایت غصہ دار اور جنونی شخص ہے اگر چہ دیوانہ نہیں ہے اپنی بیوی کو اسی حالت جنونی میں تین طلاق دیدی اور کئی مرتبہ زید اسی حالت جنون پن میں گرنے کے لئے تیار ہوگیا ہے لیکن دیگر شخصوں نے بچالیا اور کئی مرتبہ زید نے اپنی لڑکیوں کو اسی حالت جنون میں زمیں پر دے دے مارا ہے اور لڑکیوں کے بہت خون نکلتا ہے اور کئی مرتبہ زید نے اپنے ماں باپ پر لاٹھی اور چاقو سے حملہ کیا ہے اور گالیاں دیتا ہے اور اپنے دیگر بھائیوں پر بھی حملہ کیا ہے اور گالیاں دیتا ہے، لیکن اسی حالت جنون سے ایک گھنٹہ کے بعد زید کی حالت بہت درست ہوجاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زید سے زیادہ کوئی شریف نہیں ہے اور زید نے کئی مرتبہ اپنے اور اپنے بچوں کے کپڑے سپرد آگ کردیئے ہیں اور زید نے کئی مرتبہ حالت جنون میں روٹی ہانڈی سڑک پر پھینکدی ہے اور بلا وجہ برتن توڑنا اور بچوں کو مارنا توڑنا کرتا ہے اور پھر ہوش میں آنے کے بعد پچھتاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے کیا کردیا اور زید کی شادی سے پہلے ہی سے ایسی حالت ہے کئی مرتبہ جنون میں اپنے مکانون کو گرانے کا رادہ کیا ہے اور پھاوڑے سے گرا بھی دیا ہے لیکن دیگر شخصوں نے دور کیا ہوش میں آنے کے بعد ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ چاہے کوئی دس گالیاں دے جائے اکثر زید کوئی چیز خورد ونوش کی بازار سے لاتا ہے اگر کسی نے ناقص بتلادی تو فوراً سڑک پر پھینکدیتا ہے چاہے کتنا ہی نقصان ہوجائے کچھ پرواہ نہیں کرتا غصہ بہت

جلد بات بات پر آجاتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر واقعی وہ وقت طلاق مدہوش ہوگیا تھا اور انتہائی غیظ وغضب میں تھا اور غلبۂ ہذیان سے بے عقلی اور دیوانگی سے طلاق دیتا رہا تو یہ طلاقیں واقع نہیں ہوئیں اور اس کی بی بی نکاح سے خارج نہیں ہوئی کہ اس وقت ادراک صحیح معدوم ہے۔

شامی میں ہے:

الثانی ان يبلغ الغضب النهاية فلايعلم مايقول ولا يريده فهذا لاريب انه لاينفذ شئ من اقواله (وفيه ايضا) والذى يظهر لى ان كلام المدهوش والغضبان لايلزم فيه ان يكون بحيث لايعلم مايقول بل يكتفى بغلبة الهذيان واختلاط الجد بالهزل كما هو المفتى به فى السكران۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۹۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید بہت غضبناک شخص ہے اسے بات بات پر غصہ آجاتا ہے اور اس غصہ میں بہت سے برے کام کر جاتا ہے اسی غصہ کی حالت میں اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ لیکن وہ اس وقت یہ جانتا تھا کہ میری بیوی ہے اور میں اس کو طلاق دے رہا ہوں اور یہ بھی سمجھتا تھا کہ طلاق دینے سے عورت نکاح سے نکل جاتی ہے پھر غصہ کی حالت دور ہونے کے بعد اس پر بہت نادم ہوا اور رویا لیکن یہ خوب یاد ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا زید کی یہ طلاقیں واقع ہوئیں یا نہیں اور اس کی بیوی نکاح سے خارج ہوئی یا نہیں؟۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں زید کا غصہ اس حد تک نہیں پہنچا کہ عقل جاتی رہے اور وہ اپنے اقوال وافعال

کو نہ سمجھے جو مدہوش کا حکم ہے۔ بلکہ اس کو ادراک صحیح حاصل ہے کہ اپنی زوجہ کو پہچان رہا ہے اور اس کو یہ جانتے ہوئے طلاق دے رہا ہے کہ طلاق دینے سے عورت نکاح سے نکل جاتی ہے پھر اسے غصہ دور ہونے کے بعد یہ بات بھی خود یاد ہے کہ میں نے طلاقیں دیں اور وہ بھی تین دیں۔ لہذا زید کی یہ طلاقیں واقع ہوگئیں اور اس کی زوجہ نکاح سے خارج ہوگئی۔

شامی میں ہے:

احدھا ان یحصل له مبادی الغضب بحیث لایتغیر عقله ویعلم مایقول ویقصده وھذا لا اشکال فیه ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۹۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

میں روزہ کی حالت میں نوکری سے آیا دوپہر کا وقت تھا چونکہ میں حقہ کا بھی عادی ہوں کچھ خمار حقہ کا تھا، جب مکان پہنچا تو میں حقہ کی وجہ سے اپنے لڑکے پر خفا ہو رہا تھا، اس درمیان میں میری اہلیہ نے کچھ کہا، میں بحالت غصہ وجنون میں تھا اور بالکل بیہوش تھا میری اہلیہ سے اس سے پہلے کوئی جھگڑا ولڑائی نہیں تھی، مجھے اپنی اہلیہ سے بہت زیادہ محبت تھی، میں ایسی صورت میں اپنی اہلیہ سے جو بے قصور ہے نہ معلوم کتنی دفعہ طلاق کے لفظ ادا کر گیا، اس کے بعد فوراً ہی میری آنکھیں کھلیں اور رونے لگا اور کہنے لگا کہ یہ کیا ہوا میری اہلیہ بالکل ان الفاظ کے لائق نہیں ہے، میں اپنے ایمان سے صحیح طور سے عرض کرتا ہوں کہ میں اپنی صحیح حالت میں نہ تھا اور نہ بتلا سکتا ہوں کہ اس وقت میری اہلیہ نے مجھ سے کیا کہا تھا، جس کے جواب میں میں نے طلاق کے الفاظ منہ سے ادا کئے، میں حلفیہ ان واقعات کی تحریر کرتا ہوں مجھے اس وقت کچھ تمیز نہ تھی یہاں تک کہ مجھے اپنے پرائے کی پہچان نہ تھی۔ فقط والسلام

محلہ کبر کی سرائے بلد سنبھل ضلع مراد آباد

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر اس وقت اس قدر ادراک تھا کہ سائل نے اپنی زوجہ کو پہچان لیا اور یہ

جانتے ہوئے طلاق دی کہ زوجہ طلاق دینے سے نکاح سے نکل جاتی ہے اور غصہ دور ہونے کے بعد یہ بات یاد رہی کہ میں نے اپنی زوجہ کو طلاقیں دی تھیں اور چند مرتبہ الفاظ طلاق کہے تھے تو اس صورت میں یہ غصہ اس حد تک نہیں پہنچا کہ بالکل عقل جاتی رہی ہو اور اپنے اقوال افعال کی معرفت معدوم ہوگئی ہو لہذا یہ طلاقیں واقع ہوگئیں۔

شامی میں ہے: احدھا ان یحصل له مبادی الغضب بحیث لایتغیر عقله ویعلم مایقول ویقصده وھذا مالااشکال فیه ۔

پھر اگر شہادت شرعی سے یا شوہر کے ظن غالب سے ان الفاظ طلاق کا تین مرتبہ ادا ہونا ثابت ہو جائے تو یہ طلاق مغلظہ ہو جائے گی اور اس عورت سے اس شوہر کا بغیر حلالہ کے نکاح بھی نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۹۴)

کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید اتفاق سے ایک روز نشہ پی کر گھر آیا، زید کی بیوی مسماۃ فلدانی کو زید کے نشہ پینے سے ناگوار معلوم ہوا اس نے اپنے شوہر زید کو کہی کہ آپ نے نشہ پینے سے توبہ کیا تھا اور پھر بھی آج نشہ پی کر آئے ہیں، آپ کی توبہ کا کیا اعتبار ہے ایسا حرکت آپ کا ہے کرتے ہیں، زید نے کہا کہ ہم نشہ نہیں پیا ہے، مسماۃ نے کہی کہ آپ ضرور پیا ہے، نشہ پینے سے بدبو منہ سے آرہی ہے، اتنے میں زید نے اپنی بیوی فلانی کو ایک دو تین طلاق دے دیا، اسی درمیان ٹولہ محلہ کے لوگ اور جمع ہوگئے پھر بھی دوبارہ اس نے بارہ گواہ رکھ کر طلاق دیدیا بیوی حمل سے تھی بتایا جائے کہ زید کا طلاق واقع ہوا یا نہیں جواب کا امیدوار ہوں۔

معین الدین احمد انصاری انجمن سکریٹری موضع جالنگھ پوسٹ ہرہد کنڈ ضلع ہزاری باغ

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

زید نے نشہ کی حالت میں جو طلاق دی تو شرعاً وہ طلاق واقع ہوگئی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے " وطلاق السکر واقع " اور جب اس نے تین طلاقیں دیں تو و

طلاق مغلظ بھی ہوگئی اس صورت میں جب وضع حمل ہو جائیگا اس کی عدت پوری ہو جائیگی فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

یکم رمضان المبارک ۶/ ۱۳۷ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۹۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

زید پر علماء نے فتویٰ دیدیا کہ یہ اپنی عورت پر ظلم کرتا ہے اس لئے یہ ظالم ہے اس سے زبردستی طلاق حاصل کر لینی چاہئے۔ چنانچہ دو آدمیوں نے زید کو ڈرا دھمکا کر اس سے طلاق لکھوالی اور زبان سے بھی طلاق کے الفاظ کہلوائے اس طلاق نامہ پر زید کے ساتھ طلاق حاصل کرنے والوں کے بھی دستخط ہیں۔ اب امن میں آجانے کے بعد زید انکار کرتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی، نہ یہ میرے دستخط ہیں حالانکہ یہ دستخط اس کے دوسرے دستخطوں سے ملتے ہیں۔ یہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟۔ جواب مدلل عنایت فرمائیں۔ ایک عالم صاحب کہتے ہیں کہ طلاق اکراہ معلق واقع ہوئی، مکرہ بالفتح من میں آنے کے بعد اقرار کرے تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔ صحیح راہ کیا ہے تحریر فرمائی جاوے۔ مذکورہ بالا طلاق کا مکرہین کے علاوہ کوئی گواہ نہیں ہے۔ مکرہین بطور گواہ کافی ہیں یا نہیں؟۔ بینوا توجروا

المستفتی، احقر ظہور الدین مدرس مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ باسنی ناگور راجستھان

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

زید نے اگر ان دو آدمیوں کے ڈرانے دھمکانے ہی سے الفاظ طلاق زبان سے بھی کہے اور تحریر طلاق نامہ پر بھی دستخط کردیئے ہیں تو وہ طلاق ہوگئی فتاویٰ عالمگیری میں ہے

" ولو اکرہ علی طلاق او عتاق فاعتق او طلق وقع العتق والطلاق "

(جلد ۳ صفحہ ۵۹۳)

یعنی اور اگر جبر کیا گیا طلاق دینے پر یا غلام کے آزاد کرنے پر تو اس نے غلام کو آزاد کردیا یا طلاق دیدی تو اس کی طلاق اور عتق واقع ہوگیا تو اس عبارت سے صاف ظاہر ہوگیا کہ طلاق بالجبر واقع ہو جاتی ہے اسی میں دوسری جگہ فرمایا۔

والاصل ان تصرفات المکرہ کلھا قولا منعقدۃ عندنا الا ان ما یحتمل الفسخ منہ کالبیع والاجارۃ یفسخ وما لا یحتمل الفسخ منہ کالطلاق والعتاق والنکاح والتدبیر والاستیلاء والنذر فھو لازم کذا فی الکافی۔ (جلد ۳ صفحہ ۵۹۰)

یعنی ہمارے نزدیک مجبور کے ہر قولی تصرفات منعقد ہوتے ہیں مگر جو احتمال فسخ کا رکھتے ہوں مثل بیع اور اجارہ کے تو وہ فسخ ہو سکتے ہیں۔ اور جو احتمال فسخ کا نہ رکھتے ہوں مثل طلاق کے اور غلام آزاد کرنے کے اور نکاح کے اور مدبر بنانے کے اور ام ولد بنانے کے اور نذر ماننے کے پس وہ لازم ہیں اور فسخ نہیں ہوتے۔ اور شامی کے کتاب الاکراہ میں فرمایا ہے

"صح نکاحہ وطلاقہ وعتقہ" (جلد ۵ صفحہ ۸۹)

یعنی مکرہ کا نکاح کرنا اور اس کی طلاق دینا اور اس کا غلام کو آزاد کرنا صحیح ہے۔

تو ان عبارات سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ طلاق بالجبر واقع ہو جاتی ہے اور پھر جب مکرہین دیندار و متشرع شخص ہیں تو ان کی گواہی کافی ہے اور زید کا انکار غیر معتبر ہے اور حکم شہادت پر جو حجت تامہ شرعیہ ہے دیا جائیگا۔ اور ان عالم صاحب کا قول جب ان تصریحات کتب کے خلاف ہے تو نا قابل التفات ہے۔ انہیں اپنے قول سے رجوع لازم اور مولیٰ تعالیٰ قبول حق کی توفیق دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: العبد الارذل محمد اول بن المفتی مولٰینا الحاج محمد اجمل نائب
مفتی مدرسہ اجمل العلوم سنبھل

الجواب صحیح محمد اجمل غفرلہ اللہ عزوجل ۴ محرم الحرام ۷/ ۱۳۷ھ

مسئلہ (۶۹۶)

نحمدہ و نصلی علی رسول الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

بکر اپنی عورت عارفہ کو نان نفقہ کچھ نہیں دیتا اور ظلم اتنا کرتا ہے کہ انسانی برداشت سے باہر ہے کبھی مار کر بیہوش کر دیتا ہے کبھی بیل گاڑی کے پیچھے باندھ کر کتوں کی طرح گھسیٹتا ہے۔ ہمارے یہاں قومی جماعت ہے جس میں سب معزز آدمی ممبر ہیں یہ جماعت شرعی فتویٰ حاصل کرکے اس کے مطابق فیصلہ دیتی ہے۔ اس جماعت نے بکر کو بلا کر سمجھایا کہ اپنے تعلقات سدھارو یا طلاق دیدو۔ بکر دونوں میں

سے ایک بھی کرنے کو تیار نہ ہوا۔ تو جماعت نے اس سے مقاطعہ شروع کر دیا۔ اس پر بھی نہ مانا اب سوال یہ ہے کہ جماعت موصوفہ بکر کا نکاح فسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟۔

المستفتی: احقر ظہور الدین باسنی ناگور

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں جماعت مذکورہ کو بکر کے نکاح کے فسخ کرنے کا شرعاً کوئی حق حاصل نہیں۔ ہاں اس ظلم کے دفع کرنے کی غرض سے بکر سے مقاطعہ کیا جا سکتا ہے وہ اس پر بھی باز نہ آئے تو ایسے ظالم سے یہ جماعت بالجبر طلاق زبانی طور پر ہی حاصل کر سکتی ہے اور مظلومہ عارفہ کو اس کے ظلم سے نجات دلوا سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ:- المتوسل بالنبی المدنی المرسل العبدا لارذل محمد اول ابن المفتی مولینامحمد اجمل نائب مفتی مدرسہ اجمل العلوم سنبھل

الجواب صحیح محمد اجمل غفرلہ اللہ عز وجل مفتی مدرسہ اجمل العلوم سنبھل

مسئلہ (۶۹۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذیل کے مسئلہ میں کہ

زید اور ہندہ کی شادی کو کچھ عرصہ ہوا۔ دونوں چچازاد بھائی بہن ہیں۔ اس طرح کچھ دنوں سے آپس میں نااتفاقی رہا کرتی تھی۔ ہندہ کچھ دنوں کے واسطے باجازت زید اپنے میکہ جو کہ پڑوس میں ہی واقع ہے چلی گئی۔ ہندہ اپنے میکہ میں ہی تھی کہ ایک روز شام کے وقت زید کی والدہ نے ہندہ کو کچھ تحفہ تحائف کی چیزیں پکانے کیلئے بلایا۔ ہندہ پکا ہی رہی تھی کہ زید جو کہ تاڑی پیئے ہوئے تھا باہر سے آیا اور اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ اس کو کس نے بلایا اور یہاں کیوں آئی۔ زید کی والدہ نے جواب دیا کہ میں نے بلایا ہے اور ہندہ نے کہا کہ میرا گھر ہے میں کیوں نہیں آتی۔ اس پر زید نے ہندہ سے کہا کہ تم

خاموش رہو میں تمہاری شکل دیکھنا پسند نہیں کرتا اور جب بات بڑھ گئی تو زید نے کہا کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہون، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔ اس پر ہندہ کی بھابی نے جو وہاں موجود تھی اور ہندہ کے ساتھ ہی آئی تھی کہا کہ یہ کیا کر رہے ہیں اس طرح بیوی کا شکل دیکھنا حرام ہو جاتا ہے۔ تو زید نے کہا کہ میں اس کی

پرواہ نہیں کرتا۔ اور پھر تین مرتبہ اسی طلاق کے لفظ کو دہرایا۔ اس کے بعد ہندہ پھر میکے واپس چلی آئی۔ اس حالت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور اب اگر رجعت کرنا چاہے تو اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

محمد علی مرتضی بن محمد خلیل غفرلہ ۲۴ / جولائی ۵۱ء زکریا اسٹریٹ کلکتہ۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اگرچہ زید تاڑی پیئے ہوئے تھا لیکن سوال سے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ اسقدر بیہوش نہیں تھا کہ اسے ہندہ کی معرفت نہ ہو۔ اور طلاق دینے کا احساس نہ کرتا ہو۔ اور دوسروں کی گفتگو سمجھ کر اس کا جواب نہ دیتا ہو تو زید کی یہ ہر سہ طلاقیں بلاشک ہندہ پر واقع ہو گئیں اور شرعاً یہ مغلظہ طلاق ہوئی جس سے ہندہ یقیناً اس کے نکاح سے خارج ہو گئی اس صورت میں زید ہندہ سے ہرگز ہرگز رجعت نہیں کر سکتا۔

قرآن کریم میں ہے:

فا ن طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زو جا غیر ہ ۔

یعنی پھر اگر تیسری طلاق بھی زید دے تو اب وہ عورت اسے حلال نہیں جب تک دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ لہٰذا بلا حلالہ کے اب زید اس ہندہ سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اور حلالہ کا طریقہ یہ ہے کہ ہندہ بعد عدت کے کسی سے نکاح کرے اور وہ اس کو بعد صحبت کے طلاق دیدے تو اب یہ ہندہ عدت گزر جانے کے بعد شوہر اول زید سے نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۳۰ / ذیقعدہ الحرام ۱۳۷۰ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۹۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ۔

مسمی جلال محمد کی شادی مسماۃ صابرہ سے ہوئی تھی۔ جلال محمد کی بیوہ بہن جلال محمد کے ساتھ رہتی تھیں مگر مسماۃ صابرہ اور بیوہ میں ہر وقت ان بن رہتی تھی۔ اور مسماۃ صابرہ کے والد اور رشتہ دار چاہتے تھے کہ جلال محمد کی بیوہ بہن گھر سے نکال دی جائے اور گھر میں پورا اقتدار صابرہ کا رہے، ورنہ جلال محمد صابرہ

کو طلاق دے۔ چنانچہ ایک روز جلال محمد بحالت نشہ میں صابرہ کے والد اور رشتہ دار سے ملا تو انھوں نے جلال محمد کو کہا کہ یا تم اپنی بہن کو نکال دو یا صابرہ کو طلاق دیدو۔ جلال محمد نشہ میں تھا اس لئے اسنے دباؤ میں آکر محض یہ تحریر لکھدی کہ میں نے طلاق۔ چونکہ طلاق کی کوئی تشریح نہیں تھی اور یہ طلاق نامہ رشتہ داران صابرہ کے پاس کھویا بھی گیا۔ اس کے بعد تحریر طلاق اس طلاق کو رجعی طلاق یا جائز قرار دیتے ہوئے فریقین کے درمیان پھر صلح ہوگئی اور جلال محمد دو تین روز بعد صابرہ کے ساتھ آگیا اور صابرہ کو بحیثیت بیوی کے رکھنے لگا۔ عرصہ برابر آٹھ سال ہوگئی، مگر ہر برادری کی نظر میں صابرہ اب تک مطلقہ ہے اور برادری کے بعض پنچ بھی مصر ہیں کہ علمائے کرام سے فتویٰ لیا جائے۔ لہذا ان حالات میں من وعن استفسار کیا جاتا ہے کہ کیا صابرہ مطلقہ ہے اور جلال محمد کے ساتھ رہنے کی حقدار نہیں؟۔

واضح رائے عالی ہو کہ جب طلاق کے دو تین روز بعد جلال محمد صابرہ کے پاس چلا گیا تو جلال محمد کے حق میں صابرہ کے رشتہ داروں نے ایک تحریر لکھدیا کہ ہم نے تمہیں نشہ کی حالت میں طلاق نامہ لکھدیا تھا، اگر وہ ملجائے تو رد ہے۔ حالت مستفسرہ میں جواب سے مطلع فرمایا جائے۔

المستفتی جلال محمد ٹھکانہ بڑول چوک بچہ گلی جودھ پور

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر جلال محمد نے اپنی بیوی صابرہ کو اگرچہ نشہ کی حالت میں سہی ایک یا دو صریح طلاقیں دی تھیں تو ان کے باہمی زن وشوہر کے خاص تعلقات واختلاط کے بعد رجعت صحیح ہوگئی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

کما ثبت الرجعة بالقول تثبت بالفعل و هو الوطی و اللمس عن الشهوة كذا فی النهاية ـ

لہذا اس رجعت کے بعد جلال محمد کی شرعا اسی طرح بیوی ہوگئی جیسے کہ پہلے تھی۔ برادری کے لوگوں کو اب ان کے تعلقات کو ناجائز ہرگز نہیں سمجھنا چاہئے۔ اور اگر جلال محمد نے صابرہ کو اس طلاق نامہ میں تین طلاقیں دی تھیں تو وہ رجعت شرعا رجعت ہی نہیں ہے۔ اور اس صورت میں ان کے یہ تعلقات ناجائز وحرام ہیں اور جلال محمد اس صابرہ سے بعد حلالہ اور اس کے بعد عدت پوری ہونے کے بعد نکاح کرسکتا ہے۔

قرآن کریم میں اس کا صاف حکم موجود ہے: حتی تنکح زوجا غیرہ ـ

بالجملہ جلال محمد نے جس قدر صابرہ کو طلاقیں دی ہوں ان کا حکم علیحدہ علیحدہ بیان کردیا گیا ہے جیسا واقعہ ہو اسی کے مطابق حکم لکھ کر عمل کیا جائے کہ سوال میں تعداد طلاق کا ذکر نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۳۰ ربیع الاخر ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۶۹۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قبلہ محترم مولانا مولوی اجمل شاہ صاحب مفتی اعظم سنبھل مدظلہ السلام علیکم مزاج مبارک عرض خدمت اقدس میں یہ ہے کہ مجھکو حسب ذیل مسئلہ پر فتوی ارشاد فرمائیے گا ممنون احسان ہوؤنگا۔

عرفانی بیگ ساکن سنبھل محلہ میاں سرائے۔ ۱۱ راگست ۵۹ء

کہ زید اور اس کی زوجہ میں عرصہ سے ایک مشکوکی واقع ہوگئی تھی۔ اسی مشکوکی کے سلسلہ میں بارہا آپس میں فساد ہوتا رہتا تھا۔ زید نے اس مشکوکی کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن زید کی زوجہ کسی طرح سے مشکوکی رفع نہ کرسکی۔ آخر میں آکر عرصہ دو ماہ کا ہوا زید نے کلام اللہ شریف کو درمیان میں رکھکر اطمینان دلایا کہ اس کے خیالات غلط ہیں اور قسم بھی کھائی۔ مگر زید کی زوجہ کو یقین کامل نہ ہوا۔ اسی سلسلہ مین بتاریخ ۷ اگست ۵۹ء کو پھر آپس میں فساد ہوا۔ چونکہ زید غصہ کی حالت میں اس قدر مغلوب الغضب ہو جاتا ہے کہ زید کو زمین آسمان کا پتہ نہیں رہتا کہ میں کہاں ہوں اور کیا کہہ رہا ہوں۔ ایسی حالت میں اس وقت زید کی زبان سے ایک فقرہ میں زوجہ کے لئے یہ الفاظ نکل گئے کہ تیری جنتی پر طلاق۔ تیری صورت پر سات طلاق۔ اور نہیں معلوم کیا کہا جو زید کو بعد میں معلوم ہوا۔ یہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟۔ اور ہوئی تو کس طرح کی؟ زید کی نیت طلاق دینے کی نہیں تھی اور نہ ہے۔ زید کے چار لڑکے اور یک لڑکی جو دو سال کی ہے۔ فقط۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

اگر فی الواقع زید اسی قدر مغلوب الغضب ہو گیا تھا کہ اسکو زمین آسمان کا پتہ نہ رہا یہ بھی پتہ نہ رہا کہ میں کہاں ہوں اور کیا کہہ رہا ہوں اور یہ میری بیوی اور میں اس کو طلاق دے رہا ہوں اور طلاق سے عورت نکاح سے خارج ہو جاتی ہے تو اس صورت میں ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر غصہ اس حد تک نہیں پہنچا تھا اور وہ اپنی بیوی کو پہچانتا تھا اور یہ سمجھ کر طلاق کے یہ الفاظ کہے تو ان الفاظ سے طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی۔ کہ غصہ کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اب چونکہ لفظ صریح طور پر موجود ہے کہ اس میں نیت کی ضرورت نہیں۔ اب اس صورت میں بلا حلالہ کے ان کے درمیان نکاح ثانی نہیں ہوسکتا۔ اس مسئلہ کے دونوں پہلو ظاہر کر دیئے گئے اب سائل پر لازم ہے کہ جیسا واقعہ ہو اسی پر عمل کرے اسکی ذمہ داری سائل پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۶ رصفر المظفر ۱۳۷۹ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

﴿۶۳﴾

باب الفاظ الطلاق

مسئلہ (۷۰۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان اہلسنت و جماعت اس مسئلہ میں کہ

ایک شخص نے اپنی زوجہ کو گھر پر چھوڑا اور خود باہر کسی کام سے چلا گیا۔ اس شخص کی زوجہ بلا اجازت اس کی کے اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی۔ جب شوہر بلانے گیا تو اس کے والدین نے نہیں بھیجا۔ لہذا شوہر پھر سفر میں باہر چلا گیا اور وہاں سے بذریعہ خط کے اس نے تحریر کیا۔ اگر میری زوجہ میری مرضی کے خلاف کوئی کام کرے گی تو میں اس کو طلاق دیدونگا چنانچہ وہ خط زوجہ کے والدین نے پڑھوایا تو اس میں یہی لکھا تھا کہ میں نے تین مرتبہ طلاق دی، مگر جب شوہر اس کو پھر بلانے گیا تو اس کے والدین نے یہ کہا کہ تو تو ہماری لڑکی کو طلاق دے چکا ہے اب بلانے کیوں آیا ہے، تو شوہر نے یہ جواب دیا کہ میں نے طلاق تو نہیں دی البتہ یہ کہا ہے کہ اگر میری بیوی میرے خلاف چلے گی تو میں طلاق دیدوں گا مگر میں نے دی تو نہیں۔ انہوں نے کہا کیا تو قرآن شریف کی قسم کھاتا ہے تو اس نے کہا تم ہو کیا چیز جو لوگ نائب رسول ہیں ان کے سامنے بھی کھا سکتا ہوں کہ قسم کلام پاک کی میں نے نہ تو طلاق دی نہ لکھوائی۔ تو انہوں نے خط منگوا کر پڑھوایا تو خط کے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ تحریر بھی دوسری ہے اور قلم بھی دوسرا ہے اور شوہر خود لکھنا نہیں جانتا ہے ایسی صورت میں فرمائیے طلاق جائز ہے یا ناجائز؟۔ فقط

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

صورت مسئولہ میں اس عورت پر قطعا یقینا طلاق نہیں ہوئی۔ یہ الفاظ بلا تحریر کے بھی اگر خود شوہر اپنی زوجہ کو مخاطب کر کے کہے کہ میں تجھکو طلاق دیدونگا تو صرف ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

کماھو مصرح فی عامۃ الکتب۔

اور اگر یہی الفاظ تحریر میں بھی لکھے یا لکھوائے اور ان کا اقرار بھی کرے یا ان پر شہادت بھی گذارے جب بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اب باقی رہے یہ الفاظ کہ میں نے تین مرتبہ طلاق دی تو ان الفاظ پر نہ شوہر کا اقرار ہے، نہ سوال

میں شہادت شرعی کا اظہار ہے۔ لہذا ان الفاظ سے طلاق کا ثبوت نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تحریر طلاق ثابت ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ شوہر اس کا اقرار کرے یا اس پر شہادت شرعی گذرے۔

شامی میں ہے:

قال الرجل ابعث به اليها اوقال اكتب نسخة وابعث بها اليها ان لم يقرأ انه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الامر على وجهه لاتطلق قضاء ولاديانة وكذا كل كتاب يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لايقع الطلاق مالم يقر انه كتابه ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۰۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین زاد اللہ برکاتہم صورت مسئولہ میں کہ مسماۃ ہندہ کو اس کے شوہر زید نے جو پردیس میں ہے خط لکھا کہ تم کو تکلیف ہے تو تم اپنا انتظام کرو زید دہلی میں بیکار تھا اور مسماۃ ہندہ اپنے بھائی کے پاس۔ زید واپس آیا اور مسماۃ ہندہ کے یہاں ایک سال تک رہا بعد میں زید اور ہندہ میں ناراضگی ہوئی زید اپنے مکان چلا آیا اور ہندہ کو بھی مکان لانا چاہا نہیں آئی زید نے مکان سے خط لکھا کہ اگر تم نہیں آتی ہو ہمارے یہاں تو تم ہماری چیزیں دیدو ہم خوشی سے جواب دینگے مسماۃ ہندہ اب ان الفاظ کو پکڑ کر کہ (اگر تم کو تکلیف ہے تو تم اپنا انتظام کرو اور تم ہماری چیزیں دیدو ہم خوشی سے جواب دینگے) کہتی ہے کہ طلاق واقع ہوگئی ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں از روئے شریعت حقہ کے طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں ہندہ مطلقہ نہیں ہوئی، پہلے الفاظ (اگر تم کو تکلیف ہے تو تم انتظام کرو) کو اگر بالفرض کنایہ بھی تسلیم کرلیا جائے جب بھی ان سے بلانیت طلاق واقع نہیں ہوسکتی۔

جوہرہ نیرہ میں ہے: ويقع الطلاق بالكتاب اوقال نويت به الطلاق وهو صواب لان الكنايات هي التي تفتقر الى النية ۔

اور دوسرے الفاظ (تم ہماری چیزیں دیدو ہم خوشی سے جواب دینگے) سے طلاق واقع نہ ہوئی

بلکہ ان میں ضمناً آئندہ طلاق دینے کی دھمکی دی جارہی ہے بہر صورت ہندہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب مورخہ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۶

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۰۲)

اسلام علیکم مزاج شریف نہایت ادب سے دست بستہ عرض ہے کہ یہاں پر ایک مسئلہ بہت زبردست پیش ہے اور میں غریب ہوں بجز ذات باری تعالیٰ کوئی حامی و مددگار نہیں ہے اس واسطے عرض ہے آپ نائب رسول ہیں موافق شرع شریف میرے سوالوں کے جواب مرحمت فرمائیگا اور میں مسلمان ہوں اور قرآن شریف پڑھا ہوں اور یہ خوب جانتا ہوں کہ قرآن مجید میرا اور تمام مسلمانوں کا دین ایمان ہے سوالات حسب ذیل ہیں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ مجھ مسمی رستم خان ولد عبدالرحمن خاں کا عقد و نکاح ساتھ مسماۃ بیدل بیوہ حرمت خان بنت شریفاً عرف لاڈلی سے عرصہ پانچ سال سے زائد ہوا قبل از نکاح مسماۃ مذکورہ میری منگنی میرے ماموں کی لڑکی سے ہورہی تھی مگر یہ لڑکی نابالغ تھی اب عرصہ پانچ ماہ کے قریب ہوئے کہ میرے ماموں صاحب کا انتقال ہوگیا اور یہ لڑکی بھی بالغ ہوگئی بعد ختم عدت ماموں صاحب مرحوم میری ممانی صاحبہ نے میرے والدین سے فرمایا کہ لڑکی اب سیانی ہوگئی ہے اور تمہارے لڑکے کو منگنی ہے۔ لہذا تم لوگ تیار ہوجاؤ میں شادی کرونگی۔ لہذا میرے والدین نے میری ممانی صاحبہ سے تمام معاملات لین دین کے میرے ایماء سے طے کرلئے اور میری بیوی موجودہ سے بھی دریافت کیا کہ تمہاری منشاء ہو تو رستم خان کی شادی کرلیں کیونکہ پہلے اس کی منگنی ہوئی ہے اس میری بیوی نے منظور کرلیا لہذا تاریخ مقرر ہوئی تمام کام خوشی بخوشی میری بیوی موجودہ کرتی رہی بارات دلہن کے مکان پر پہونچی اور قاضی صاحب وغیرہ تشریف لے آئے جس وقت نکاح پڑھایا جانیکا ہوتا ہے فوراً ایک شخص مکان دلہن سے آکر کہتا ہے کہ دلہن کی والدہ کی مرضی ہے کہ ایک کاغذ لکھ دو اس وقت میرے والد صاحب اور چچا جواب دیتے ہیں کہ یہ موقع رات کا ہے کاغذ دستیاب ہونا غیر ممکن ہے صبح ایک نہیں دو لکھ دیں گے گو یہ معاملہ ٹھیرا نہیں ہے مگر ہم وعدہ کرتے ہیں یقین کرو یہ خبر جب دلہن کی والدہ کے پاس پہونچی ہے تو یہ کہلا کر بھیجتی ہیں کہ اچھا ہم کو کچھ اور نہیں کرانا صرف ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ پہلی عورت یعنی موجودہ

بیوی کو طلاق دیدو بس یہ جملہ میں نے سنا کہ یہ کیا معاملہ ہے فوراً شادی کی اچکن و کرتا اوتار کر رکھ دیا اور کہہ دیا کہ ہم کو ہرگز منظور نہیں اور نہ ہمارا یہ ٹھراہے، اگر ایسا کرنا تھا تو ہم کو پیشتر ظاہر کرتے چنانچہ میرے والد اور دیگر بزرگوں نے کہا کہ طلاق دیدو میں نے بہت منع کیا مگر وہ آمادہ زدوکوب ہوے اور سخت کلامی سے پیش آئے اور بڑی بڑی خوف آمیز باتیں سنائیں اس وقت میں نے ڈروخوف سے لفظ طلاق پانچ سات مرتبہ حالت غصہ میں اوران کے ڈروخوف سے بیدلی سے کہہ دیئے مگر از روئے ایمان وخدا رسول کو حاضر وناظر جان کر یہ تحریر واسطے طلب فتوی پیش خدمت اقدس کرتا ہوں کہ میں نے طلاق دل سے نہیں دی ایسی صورت میں ارقام فرمائیگا کہ حکم خداوندی کیا ہے

رستم خان خیاط مہتر دروارہ باہر ریاست بھرتپور

سوال نمبر-۲

یہ کہ میرا نکاح پڑھا دیا گیا اور میں نے ساتھ خوشی ایجاب قبول کرلیا اب جو صبح کو ملتا ہے کہتا ہے تم نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔ اس سے یہی میں جواب دیتا ہوں کہ معلوم نہیں ہے کہ میں نے اچکن وسہراا تار کر رکھ دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ یہ امر ہم سے ہی ہوا تھا کہ طلاق دینا ہوگا یا کاغذ لکھنا ہوگا۔ لہذا میں نے اپنے والد صاحب و چچا صاحب و دیگر بزرگوں کے ڈروخوف دلانے سے اوپر دل سے کہہ دیا تھا ورنہ میں نے طلاق نہیں دی ہے اس وقت وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر طلاق دل سے نہیں دی تو نکاح بھی تم نے دل سے منظور نہیں کیا ہوگا مگر میں بخدا نکاح میں نے دل سے ایجاب قبول کیا ہے کیونکہ پیشتر ہی تیار ہو کر گیا ہے اور طلاق کا معاملہ فوری کیا گیا تھا ایسی صورت میں کیا حکم ہے۔ فقط رستم خاں

سوال نمبر۳

یہ کہ میں نے تو مسماۃ بیدن زوجہ کو طلاق دیا نہیں مگر اس کے والدین اس کو میرے مکان سے اپنے مکان پر لے گئے اور وہاں سے معلوم ہوا ہے کہ کسی دوسرے شہر میں لے گئے ہیں اور اب یہ کہا جارہا ہے کہ ہم مہر کا روپیہ اور تین ماہ کا کھانا دو میں نے یہ جواب چاہا کہ اگر تم نے میری بیوی کو بہکا دیا ہے کہ تجھ کو رستم خاں نے طلاق دیدی ہے تو اس کو میرے مقابل کرو تا کہ وہ خود مجھ سے طلب مہر اور کھانا کرے ورنہ میں نے اسکو طلاق نہیں دی اور علاوہ اگر بالفرض تم لوگ دروغ گوئی سے طلاق دینا ثابت کرتے ہو تو میعاد عدت میرے مکان پر کاٹتی کیونکہ میں نے شریعت میں ایسا ہی سنا ہے اس وقت کھانے کو مل سکتا تھا

اور میرا مکان آدمیوں سے بھرا ہے میرے پھوپھا اور پھوپھی اور میری ماں اور باپ میں بھائی وجدید ساس وسالہ و بیوی ہر وقت رہتے ہیں اور اول تو میں حلفیہ عرض کرتا ہوں کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے۔

فقط رستم خاں خیاط میز ادروازہ باہر ریاست بھرتپور

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) صورت مسئولہ میں جب شوہر نے اپنی پہلی منکوحہ کو مطالبہ طلاق پر پانچ سات مرتبہ طلاق دی اور پہلی منکوحہ اس کی موجود ہے تو یہ طلاق مغلظہ یقیناً حتماً واقع ہوگئی۔ اور اگر غیر مدخولہ ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوئی اور وہ عورت اسکے نکاح سے خارج ہوگئی۔ اب اس شوہر کا یہ عذر بیکار ہے کہ میں نے دل سے طلاق نہیں دی ہے کیونکہ اس نے طلاق کا صریح لفظ کہا اور لفظ صریح میں نیت وقصد کی حاجت نہیں۔

جوہرنیرہ میں ہے: ولا یفتقرالی النیة یعنی الصریح بغلبة الاستعمال۔

اور ابوداؤد وترمذی شریف میں ہے:

ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال ثلث جدهن جد وهزلهن جد،النکاح والطلاق والرجعة۔ (مشکوۃ ص ۲۸۴)

عینی شرح کنز میں ہے: ولو قال انت طالق ثلاثا من هذ العمل طلقت ثلاثا ولا یصدق قضاءً انه لم ینو الطلاق۔ (عینی مصری ج ۲ ص ۱۴۱) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) جواب اول سے ثابت ہو چکا کہ یہ طلاق یقیناً واقع ہوگئی اور جس طرح یہ عذر بیکار ہے کہ میں نے دل سے طلاق نہیں دی تھی ایسے ہی یہ بات بھی لغو ہے کہ والد اور چچا وغیرہ کے خوف وڈر سے طلاق دی ہے کہ ایسا خوف وڈر طلاق واقع ہونے سے مانع نہیں۔

جوہرنیرہ میں ہے: یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغا عاقلا سواءٌ کان حراً او عبدا طائعا او مکرها هازلا او جاداً۔

(۳) ان دونوں جوابوں سے طلاق تو ثابت ہو چکی تو یہ طلاق خلوت صحیحہ کے بعد دی تو شوہر پر مہر کامل واجب ہو گیا البتہ یہ عورت اپنی عدت شوہر کے مکان پر پوری کرلے گی اس کو شوہر کے مکان سے نکلنا جائز نہیں۔

جوہرنیرہ وقدوری میں ہے: لايجوز للمطلقة الرجعية والمبتوتة الخروج من بيتها ليلا او نهارا۔ (ج ۲ ص ۱۴۲)

اورشوہر کے ذمہ اس عورت کو زمانہ عدت میں مکان اور کپڑے اور کھانا دینا ضروری ہے۔

جوہرنیرہ میں ہے: واذا طلق الرجل امراته فلها النفقة والسكنى فى عدتها رجعيا كان الطلاق او بائنا وكذا الكسوة ايضا۔ (ص ۱۴۸) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۰۳)

کیا فرماتے ہیں علماء اہل سنت مسئلہ ذیل میں

زید نے چند اشخاص کے سامنے اپنی زوجہ کو کہا کہ تو آج سے میری ماں اور بہن ہے۔ اور مجھے تیری ضرورت نہیں۔ اور تو میرے گھر سے نکل جا۔ کیا زید کے ان الفاظ سے عورت کو طلاق پڑے گی۔ اگر ہوتی ہے تو ایک یا دو یا تین۔ اور نہیں تو کفارہ لازم آئیگا بحوالہ کتب ارقام فرمایا جائے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

زید کے الفاظ اولی ''تو آج سے میری ماں اور بہن ہے'' سے ظہار ثابت نہیں ہوتا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: لو قال لها انت امى لا يكون مظاهرا و ينبغى ان يكون مكروها۔

پھر اس کے ظہار نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ ظہار کے لئے صراحۃ حرف تشبیہ کا ہونا شرعا ضروری ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔

فعلم انه لا بد فى كونه ظهارا من التصريح باداة التشبيه شرعا۔

اور ظاہر ہے کہ زید کے ان الفاظ میں حرف تشبیہ صراحۃ مذکور نہیں تو ان الفاظ زید سے ظہار ثابت نہ ہوا۔

زید کے الفاظ ثانیہ ''مجھے تیری ضرورت نہیں'' سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے ''ولو قال لا حاجة لى فيك ينوى الطلاق فليس بطلاق'' بلکہ

یہ الفاظ طلاق کے الفاظ کنایات ہی سے نہیں ہیں کہ نہ تو ان میں انشاء طلاق ہے نہ اخبار طلاق۔ پھر یہ تعریف کنایہ ہی صادق نہیں آئی۔ لہٰذا اس بنا پر ان سے طلاق ہی واقع نہیں ہوتی۔

ردالمحتار میں ہے:

ما ذكروه فى تعريف الكناية (ما احتمل الطلاق وغيره) ليس على اطلاقه بل هو مقيد بلفظ يصح خطابها به ويصلح لا نشاء الطلاق الذى واضمره او للاخبار بانه او قعه ولا بد من ثالث هو كون اللفظ سبباً عن الطلاق وناشأ عنه ملخصاً۔

تو ان الفاظ سے طلاق واقع نہ ہوئی۔

زید کے الفاظ ثالثہ ''تو میرے گھر سے نکل جا'' تو یہ الفاظ کنایات طلاق سے ہیں کہ ان پر تعریف کنایہ صادق آرہی ہے اور ان کا محتمل طلاق ہونا اور ان کا اخبار طلاق پر دال ہونا۔ بلکہ ''ان کا ناشی عن الطلاق'' ہونا ظاہر ہے۔

ردالمحتار میں ہے: ونحو اخرجى واذهبى وقومى اى من هذا المكان لينقطع الشرفيكون رداً اولا انه طلقها فيكون جوابا۔

پھر جب ان الفاظ کا کنایہ طلاق ہونا ثابت ہو چکا تو اگر ان کو بہ نیت طلاق کہا ہے تو ان سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

تو زید کے الفاظ ثانیہ اور الفاظ ثالثہ کا فرق اسی مختصر تقریر سے ظاہر ہو گیا اور زید کے الفاظ اولیٰ جب ظہار ہی نہیں تو کفارہ کس بنا پر لازم ہو۔ نیز وجہ ظہار کے بیان ''تو میری بہن ہے اور تو میری ماں بہن کی مثل ہے'' ان کے مابین فرق کا حال بھی ظاہر ہو گیا فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۱۸ ربیع الاخر ۱۳۷۶ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۰۴)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

زید کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی زید کا قول ہے کہ شادی سے قبل ہندہ کے والد نے یہ کہا تھا کہ بعد شادی کے میں کچھ زمین اور سائیکل زید کو دونگا لیکن شادی کے بعد یہ وعدہ پورا نہیں ہوا اور زید شادی

کے تقریباً سال بھر بعد بمبئی چلا گیا اور وہاں سے اپنے والد کو خط لکھا کہ چونکہ ہندہ کے والد نے شادی سے قبل جو وعدہ کیا تھا وہ پورا نہیں کیا اس لئے میں اس کو نہیں رکھوں گا وہ اپنی لڑکی واپس کرلیں تو بہتر ہے مجھکو نہیں چاہئے میں خرچ وغیرہ نہیں دونگا میری طرف سے اجازت ہے وہ اپنی لڑکی کی شادی کردیں۔ یہ اپنے والد کو لکھا اور اسی مضمون کا ایک خط ہندہ کے والد کو بھی لکھا جس پر ہندہ کے والد نے مع سامان کے ہندہ کو اپنے گھر بلا لیا اس واقعہ کو تقریباً تین سال ہوگئے اس اثنا میں ہندہ نہ کبھی زید کے گھر گئی اور نہ کبھی وہ خود گھر آیا اور نہ کوئی تلاش کیا نہ خرچ وغیرہ دیا اب زید بمبئی سے آیا ہے تو خواستگار ہے کہتا ہے کہ ہندہ میری بیوی ہے چونکہ ہندہ کے والد نے جوزمین اور سائیکل دینے کا وعدہ کیا وہ پورا نہیں کیا، اس لئے حالت غصہ میں خط کے اندر الفاظ مذکورہ میں نے لکھے ورنہ اس سے میری نیت طلاق کی نہیں تھی۔ تو کیا ایسی صورت میں نکاح باقی رہا یا طلاق واقع ہوگئی اگر طلاق واقع ہوگئی تو کونسی طلاق ہوئی کیا زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ بغیر حلالہ کے ہوسکتا ہے یا نہیں مع حوالہ کتب عام فہم اردو میں جواب مرحمت فرمایا جاوے۔ بینو اوتوجروا فقط والسلام

المستفتی، محمد عبداللہ مورخہ ۲۱ شعبان المعظم ۱۳۷۶ھ

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں زید کے یہ پہلے الفاظ میں اس کو نہیں رکھوں گا اس میں طلاق صریح کا تو کوئی لفظ ہی نہیں ہے اور اگر اس سے بھی قطع نظر کیجئے تو اس میں خود ایقاع طلاق ہی نہیں پایا گیا بلکہ اس میں وہ آئندہ اپنے ارادہ کا اظہار کررہا ہے اور ارادہ طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے فتاوی عالمگیری میں ہے "لو قال اردت طلاقك لا تطلق وان نوى"۔

اب رہا ان کا الفاظ کنایہ طلاق سے ہونا تو یہ الفاظ ان کنایات سے نہیں جو ناشی عن الطلاق سے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

'نقل عن البحر عدم الوقوع بلا احبك لا اشتهيك ۔لا رغبة لي فيك وان نوى وجهه ان معاني هذه الالفاظ ليست ناشية عن الطلاق الخ

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولو قال لا حاجة لي فيك ينوى الطلاق فليس بطلاق واذا قال لا اريدك او لا احبك اولا اشتهيك او لا رغبة لي فيك فانه لا يقع وان نوى في قول ابي حنيفة رحمة الله

علیہ۔

تو زید کے یہ الفاظ انہیں الفاظ عبارات کے ہم معنیٰ وہم مفہوم ہیں لہذا ان الفاظ زید سے بھی طلاق واقع نہیں ہوئی اب باقی رہے زید کے یہ تیسرے الفاظ ''میری طرف سے اجازت ہے کہ اپنی لڑکی کی شادی کردیں''۔ تو زید کے یہ وہ الفاظ کنایہ ہیں جن سے اگر نیت طلاق کی جائے تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: روى الحسن عن ابي حنيفة انه اذا قال وهبتك لا هلك اولا بيك اولا صك اوللا زواج فهو طلاق اذا نوى۔

اسی میں ہے: و بابتغي الازواج تقع واحدة بائنة ان نواها"

تو زید کے یہ تیسرے الفاظ ان الفاظ وعبارات کے ہم معنی وہم مفہوم ہیں۔ تو اب زید اگر بحلف شرعی اقرار کرلے کہ ان الفاظ سے میری طلاق کی نیت مقصود نہیں تھی جب تو اس ہندہ کے مطلقہ ہونے کا حکم ہی نہیں دیا جاسکتا لیکن پھر بھی احتیاط کا موقع ہے کہ بغیر حلالہ کے ان کے مابین تجدید نکاح کردیا جائے۔ اور اگر زید جھوٹ بول رہا ہے یا حلف شرعی سے انکار کرے تو ان الفاظ سے اس ہندہ پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے اور طلاق بائنہ میں بھی بغیر حلالہ کے ان کے مابین نکاح کردینا کافی ہوجاتا ہے تو بہر صورت ان کے مابین حلالہ کی حاجت نہیں بلکہ صرف نکاح کردینا کافی ہے " كما هو مصرح في كتب الفقه ۔" واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۶ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۰۵)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

کہ زید ۱۸ شعبان ۱۳۷۶ھ روز پنجشنبہ بعد نماز ظہر اپنے گھر سے نکل کر سسرال اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے وہاں چند اشخاص مرد وعورت موجود تھے جن کے سامنے زید اپنی بیوی سے ناراضی بات چیت کرتے ہوئے پہلے اس کے منہ پر طمانچہ مارا پھر یہ کہا کہ ہم آج اسکا فیصلہ کر کے جائینگے اور ہم کسی قیمت سے رکھیں گے نہیں طلاق دیدینگے پھر وہاں سے زید اٹھکر اپنے گھر چلا جاتا ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی کہ نہیں۔ اگر طلاق ہوئی تو کس قسم کی عندالشرع جو حکم ہو اس سے

آگاہ کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔ المستفتی، ظہیر الدین محلہ مہا کری بارہ دری مسجد فتحپوری سیٹی

الجواب

اللھم ھدایة الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر شوہر نے صرف یہی الفاظ کہے کہ ہم آج اس کا فیصلہ کر کے جائینگے اور ہم کسی قیمت سے رکھیں گے نہیں طلاق دیدیں گے۔ ان الفاظ میں شوہر اپنے آئندہ طلاق دینے کے قصد اور ارادہ کا اظہار کر رہا ہے اور نہ اس وقت وہ ایقاع طلاق کر رہا ہے نہ اس کی خبر دے رہا ہے محض قصد وارادہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: لو قال نویت طلاقك او اردت طلاقك لا تطلق وان نوی "

لہذا اگر اس شوہر نے صرف یہی الفاظ کہے ہیں تو ان الفاظ سے طلاق ہی واقع نہیں ہوتی ہے۔

پھر جب طلاق ہی واقع نہیں تو وہ عورت اس کی بیوی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۰۶)

سوال یہ ہے کہ غلام نبی نامی ایک شخص نے چار پانچ شخصوں کے سامنے اپنی عورت کے متعلق اپنے سسر سے کہا کہ میں نے تیری لڑکی کو طلاق دی تیری لڑکی کو طلاق دی تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص کے روبرو کہا کہ میں نے اپنی عورت کو چھوڑ دی اس واقعہ کو تین ماہ سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے اب یہی شخص کہتا ہے کہ میں نے تو دو مرتبہ طلاق دی ہے لہذا جواب باصواب عنایت کیا جائے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی، محمد ہاشم محمد قاسم خیرانی بانسی قریب ناگپور

الجواب

اللھم ھدایة الحق والصواب

اگر فی الواقع غلام نبی خود یہ اقرار کرتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو صرف دو مرتبہ طلاق دی ہے اور جن آدمیوں کے سامنے کہا ہے وہ بھی شہادت دیتے ہیں کہ غلام نبی نے اپنی بیوی کو صرف دو طلاقیں دی ہیں اور عدت پوری ہوگئی ہے تو یہ دونوں بلا حلالہ کئے اپنے آپس میں نکاح کر سکتے ہیں کہ صورت مذکورہ میں شرعاً صرف دو طلاقیں ہی واقع ہوئی ہیں باقی غلام نبی کا دوسرے شخصوں سے اس واقعہ کے بعد بار بار

یہ کہنا کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دیدی ہے اور اس کو چھوڑ دیا ہے تو یہ کوئی نئی طلاق دینا نہیں ہے۔ بلکہ اسی پہلے واقعہ کی حکایت اور خبر دینا ہے لہذا صورت مسئولہ میں اگر یہ دونوں آپس میں دوبارہ نکاح کرنے پر رضامند ہوں اور آئندہ حقوق طرفین کے ملحوظ رکھنے کا وعدہ کریں تو ان کے درمیان باقاعدہ نکاح کرادینا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۷۶ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۰۷)

باسمہ سبحانہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین حسب ذیل مسائل میں

(۱) زید نے اپنی بیوی کو حالت علالت وکمزور دماغ اپنی خوشدامن سے لڑائی کی اور کہا کہ میں اپنی بیوی اپنے ساتھ لے جاؤنگا۔ زید کی خوشدامن نے کہا کہ اپنے والد کو بھیج دو وہ اپنے ہمراہ لے جائینگے زید نے بحالت غصہ اپنی خوشدامن سے کہا کہ اگر نہ ہمراہ روانہ کروگی تو میں طلاق دے دونگا۔

(۲) زید کی بیوی حاملہ تھی۔ ہفتہ یوم میں وضع حمل ہوا۔ بعد وضع حمل زید کے والد گئے اور اپنی بہو کو اپنے ہمراہ لے آئے۔

(۳) زید کے والد نے اپنی بہو سے دریافت کیا کہ کیا زید نے تم کو طلاق دی ہے۔ زید کی بیوی نے جواب دیا مجھکو نہیں معلوم نہ میں نے لفظ طلاق سنا ہے۔ جس وقت کہ میری والدہ سے ان سے جھگڑا ہو رہا تھا میں اپنے ہی گھر میں موجود تھی۔ مجھ کو پیٹ کی درد ہو رہی تھی۔ مگر میں نے تمام لڑائی سنی میں نے چلتے وقت اپنے شوہر سے دریافت کیا کہ آپ جا رہے ہیں انہوں نے کہا ہاں میں جا رہا ہوں۔ والد کو روانہ کرونگا وہ تم کو آ کر لیجائینگے۔ اسی درمیان میں میرے لڑکا پیدا ہوا آپ گئے اور میں چلے آئی۔

(۴) موضع کے لوگوں نے کہا اس نے غصہ میں طلاق دی ہے لہذا جب تک کہ فتویٰ نہ منگوالو اس کو گھر میں نہ رکھو لہذا زید اپنی دوکان پر رہتا ہے اور اپنی بیوی سے علحدہ ہے۔

(۵) بواپسی ڈاک براہ کرم فتوی واپس فرمائیں۔ کہ آیا طلاق ہوگئی۔ اگر ہوگئی ہے تو کس قسم کی رجعت ہو سکتی ہو۔ یا حلالہ کرنا پڑیگا۔

(نوٹ) زید نے دریافت کرنے پر بتلایا کہ اس وقت ہم بہت کمزور تھے اور بیماری سے اٹھے

تھے میری ساس بلا وجہ جھگڑا کرتی تھی تو میں نے یہ کہا تھا کہ طلاق طلاق طلاق دیدینگے مگر ہماری دلی خواہش نہ تھی کہ اپنی بیوی کو طلاق دیں۔ اور ہم نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم کو طلاق دی ہے یا دیدینگے غلط ۔لفافہ کے ٹکٹ جواب کے لئے ارسال خدمت ہیں۔ جواب مکمل صاف روانہ فرما کر مشکور فرمائیں ۔نوٹ جواب جلد سے جلد عنایت فرمائیں تاخیر جواب میں الجھن پڑیگی۔

راقم حروف احقر العباد محمد افضل خاں فاخری چشتی عفی عنہ

موضع گنیش پور ڈاکخانہ بابا گنج ضلع بہرائچ شریف

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر واقعہ بھی ایسا ہی ہے کہ زید نے اپنی بیوی سے یہ نہیں کہا ہے کہ میں نے تم کو طلاق دیدی ہے بلکہ اس نے محض اپنے ارادہ طلاق کا اظہار اس طرح کیا کہ میں طلاق دیدونگا اور اس نے فی الواقع کوئی طلاق دی نہیں۔ اور زید کے طلاق دینے کے دو شرعی شاہد موجود نہیں تو اس زید سے اس طرح حلفیہ بیان لیا جائے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے۔ بلکہ صرف اتنا کہا تھا کہ میں اس کو طلاق دونگا ۔تو محض ارادۂ طلاق کے اظہار سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ولو قال ھویت طلاقك او احببت طلاقك او رضيت طلاقك او اردت طلاقك لا تطلق وان نوى هكذا في الخلاصة۔

لہٰذا یہ آپس میں میاں بیوی ہیں ان کا نکاح باقی ہے ان میں زن و شوہر کے تعلقات جاری ہیں

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۴ صفر المظفر ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۰۸)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین ان مسائل میں

کہ سراج الدین اپنی دوکان سے کھانا کھانے کے لئے اپنے مکان کو آیا ہے جب کھانا کھا چکے اب سراج الدین نے دوکان سے تین کنجیاں خرید کر کے لا تھا ایک کنجی اپنے لئے رکھ کے باقی دو کنجیاں

بڑے بھائی کی بیوی یعنی بھابھی کو دیدیا۔ تب سراج الدین کی ماں نے کہا کہ تم کیوں بھابی کو کنجی دیدیا یہ بات کہتے ہی ماں نے اپنے بیٹا سراج الدین کو گالی دینا شروع کیا۔ اس وقت سراج الدین نے کہا کہ پیچھے خرید کر لاؤنگا۔ لیکن ماں ہرگز نہ مانی تب سراج الدین غصہ ہو کے ماں کو کہا کہ تم مجھے گالیاں مت دو یہ بات کہ کر واپسی کھانے سے باہر کو آیا اور میرے ساتھ ماں بھی باہر کو نکل آئی اور گالیاں بکتی رہی اور میرے سسر اور ساس کے متعلق گالی دینے لگی اور کہا تو اپنی بیوی کی بات مانتے حکم سنتے اور میری بات کو نہیں مانتے۔ حکم کو عدول کر دیتے ہو تب ہی میں نے ماں کو کہا کہ چھوڑ دوں گا یہ بات کہتے ہی میں دوکان کو چلا گیا۔ سات آٹھ منٹ کے بعد ایک کپڑا لینے گھر کو واپس آیا اور میں اپنی ماں سے کوئی بات چیت نہیں کیا لیکن ماں گالی دینا بند نہ کی گالی دیتے ہی رہی اس وقت میرے دماغ میں بہت غصہ ہوا کے ماں کو مار دینے کے واسطے ایک پھاوڑا اٹھا لیا تھا تب ماں نے اشارہ سے ہاتھ اوپر کو اٹھایا تب میں نے اپنے ہاتھ سے پھاوڑے کو زمین پر پھینک دیا اور ماں کو کہا کہ میں ناظرہ کو ایک طلاق دیا۔ تب ماں نے خرابی زبان سے مجھکو کہا کہ میری کیا ہوگی۔ پھر میں غصہ ہو کے دو طلاق تین طلاق کہا آج بھی ماں نے مجھکو بھلا برا کچھ نہ کہا تب میں کچھ دیر کے بعد ناظرہ یعنی طلاق دینے والا سراج الدین کی بی بی کو بہن کہہ کر رونے لگا۔ لیکن میاں اور بی بی سے کوئی جھگڑا فساد نہیں ہوا۔ طلاق دینے کے وقت صرف دو عورت موجود تھے (یعنی گواہ) طلاق دینے والا محمد سراج الدین اور مطلقہ ناظرہ اس کے بیوی موجود تھے کیا سراج الدین کی بیوی ناظرہ پر طلاق ہوگی یا نہ ہوگی بینوا توجروا

المستفتی محمد عابد الرحمٰن

پیش امام مسجد اسلام پتی گوہاٹی او جان بازار ڈاکخانہ گوہاٹی ضلع دروپ ملک آسام

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں یہ تو ظاہر ہے کہ ان میاں بیوی کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ لیکن طلاق کے واقع ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ زن و شوہر میں کوئی جھگڑا بھی ہو بلکہ طلاق کے واقع ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ شوہر عاقل و بالغ اپنی بیوی کو الفاظ طلاق کہہ دے۔ اور الفاظ طلاق کا غصہ کے حال میں کہنا خود اس کی نیت اور ارادہ طلاق کی علامت ہے۔ سراج الدین نے جب اپنی بیوی کے لئے اپنی ماں کے مطالبہ طلاق کے بعد پہلے تو یہ لفظ کہے کہ چھوڑ دونگا، تو اس کلمہ سے تو طلاق واقع نہیں ہوئی کہ اس میں طلاق کا صرف وعدہ ہے اور اس وقت وہ طلاق نہیں واقع کرتا ہے۔ پھر اس نے واپس آ کر ماں کی

گالیوں پر جو اسی مطالبہ کے بعد طلاق نہ دینے کی بنا پر تھیں یہ کہا کہ میں ناظرہ کو ایک طلاق دیا تو ان الفاظ سے یقیناً ایک طلاق واقع ہوگئی۔ پھر سراج الدین نے اس ایک طلاق کے بعد جب اس کی ماں اس پر بھی راضی نہیں ہوئی، تو غصہ ہو کر دو طلاق تین طلاق کہا تو اس کے بعد ماں نے اس کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیا۔ لہذا جب سراج الدین نے صاف الفاظ میں اپنی ماں کے مطالبہ طلاق کے جواب میں تین طلاقیں کہا۔ تو اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں اور سراج الدین کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہوگئی اور چونکہ اس پر تین طلاقیں مغلظہ واقع ہوئیں اس بنا پر اس سے بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۰ صفر المظفر ۱۳۷۵ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۰۹)

کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین حسب ذیل مسئلہ میں بینوا توجروا

ایک صاحب نے اپنی بیوی سے طلاق طلاق دو مرتبہ کہا۔ اب عرض یہ ہے کہ اس لکھنے سے بیوی پر طلاق کا اثر ہوا یا نہیں اگر طلاق واقع ہوئی تو جائز ہونے کے لئے کیا کرنا چاہئے آپ کا کفش بردار محمد عبد اللہ نعیمی رضوی کھیری محلہ ڈیہہ پور ۲ جنوری

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر شوہر نے صرف یہی الفاظ کہے ہیں اور عورت کو طلاق دینے کی نیت نہ تھی تو ان سے طلاق واقع نہیں ہوئی کہ ان الفاظ میں عورت کی طرف نسبت واضافت نہیں۔

چنانچہ درمختار میں ہے: لم یقع لترکہ الاضافۃ الیھا:

ردالمحتار میں ہے: قولہ لترکہ الاضافۃ ای المعنویۃ فانھا الشرط والخطاب من الاضافہ المعنویۃ و کذا الاشارۃ نحو ھذہ طالق"

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۴ جمادی الاخری ۱۳۷۸ھ

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

مسئلہ (۷۱۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم: نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

حضور والا شان محقق اسلام و مفتی شریعت خیر الانام مولانا مولوی محمد اجمل صاحب دام اقبالہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسئلہ مرقومہ ذیل کا جواب باصواب بہ نظر دقیق وتفکر دقیق با دلائل قوی وبرہان قاطعہ جلدی عطا فرما کر مشکور فرمایا جائے صورت مسئلہ تاکہ جواب الجواب کا سلسلہ پیش نہ آئے مسماۃ راج بھری دختر محمد علی قوم گوجر عرصہ تیس ۳۰ سال سے مسمی پیراندتا ولد حیات محمد قوم گوجر سکنائے روپووالی نکاح میں منکوحہ شرعیہ کے مطابق آچکی ہوئی ہے پیراندتا کے نطفہ سے مسماۃ مذکورہ کے بطن سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں ہیں جو فی الحال موجود ہیں، اب عرصہ بارہ سال کا گزر چکا ہے کہ مسمی پیراندتا نے مسماۃ کو اپنے گھر سے نکال دیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ میرے گھر سے نکل جا میں تم کو نہیں رکھتا اور نہ رکھنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد مسماۃ مذکور نے بارہا مسمی مذکور کے پاس مقرین لوگوں کا میلہ بنا کر لیا کھڑا ہے اور مقیرین نے بارہا کہا ہے کہ تو اس کو اپنے پاس رکھ اور آباد کر اس کو اور اپنی لڑکیوں کو خرچ دے مگر مسمی پیراندتا مذکور نے جواب بارہا دیا ہے کہ میں مسماۃ مذکورہ کو رکھ نہیں سکتا اور نہ رکھتا ہے اور نہ آباد کرتا ہے اور نہ خرچ دیتا ہے اور ساتھ ہی مقیرین نے یہ بھی کہا ہے کہ تو اس کو طلاق دیدے اس کے جواب میں ہر دفعہ یہ کہتا ہے کہ اس کو تحریری طلاق نہیں دوں گا اب مسماۃ مذکور کو از روئے شریعت محمد یہ کیا حکم ہے اب مسماۃ مذکورہ کا نکاح فسخ ہو چکا ہے جدید نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ بصورت دیگر وہ کیا کرے مفصل جواب تحریر فرما کر جلدی ممنون فرمایا جاوے و السلام علی من اتبع الھدی؛

مسماۃ راج بھری مذکورہ معرفت مولوی فضل احمد عفی عنہ مقام ڈاک خانہ حاجی والہ تحصیل وضلع گجرات ۱۸.۲.۴۷ بقلم مولوی فضل احمد

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر فی الواقع مسمی پیراندتا نے اپنی زوجہ مسماۃ راج بھری سے یہ الفاظ (تو میرے گھر سے نکل جا میں تم کو نہیں رکھتا) کہے تو یہ طلاق کنایہ کے الفاظ ہیں جو اپنے معنی وقوع طلاق کیلئے متعین نہیں اب مسمی پیراندتا سے دریافت کرنا ضروری ہے اگر وہ یہ کہے کہ میں نے الفاظ سے طلاق کی نیت کی تھی تو بلاشک

ان الفاظ سے طلاق بائنہ واقع ہوجائیگی۔

درمختار ورد المحتار میں ہے:قوله فخو اخرجی واذهبی وقومی ای من هن المکا
لینقطع الشر فیکون ردا او لا نه طلقها فیکون جوابا۔

ہدایہ میں ہے:اخرجی واذهبی وقومی لا نها تحتمل الطلاق وغیره فلابد من النية۔

شامی میں ہے :والحاصل ان الاول (ای قوله اخرجی واذهبی) یتوقف علی النية
فی حالة الرضاء والغضب والمذاکرة۔

اب باقی رہا اسکا کہنا کہ میں اس کو تحریری طلاق نہیں دوں گا تو طلاق کے لئے تحریر ضروری نہیں زبا
ن سے الفاظ طلاق ادا کرنا اصل ہے اور تحریر کو عندالحاجت زبانی عبارت کا قائم مقام کیا گیا ہے۔

قاضی خاں میں ہے..الکتابة اقیمت مقام العبارة با عتبار الحاجه:

حاصل جواب یہ ہے کہ اگر مسمی پیراندتا یہ اقرار کرے کہ میں نے یہ الفاظ بہ نیت طلاق کہے تھے تو
مسماۃ راج بھری پر طلاق بائنہ واقع ہوگئی اور وہ بعد عدت گذر جانے کے اپنا جدید نکاح کرسکتی ہے اور
بصورت عدم اقرار مسمی پیراندتا اگر مسماۃ مذکورہ کو صرف زبانی طلاق دینے کیلئے تیار ہے تو زبانی طلاق سے
مسماۃ مذکور یقیناً مطلقہ ہوجائیگی (واللہ تعالی اعلم بالصواب۔)

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل ، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۱۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔

بخدمت والاعظمت جناب مولانا مولوی محمد اجمل صاحب مفتی مدرسہ اہلسنت اجمل العلوم
دامت برکاتہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔ ہر دوصورت مرقومہ ذیل کا جواب باصورت مدلل ومستحکم عطا فرماکر
جلد مشکور فرمائیں۔

مسماۃ راج بھری دختر محمد علی قوم گوجر عرصہ تیس سال سے مسمی پیرانہ تا ولد حیات محمد قوم گوجر ساکن
اوپووالی کی منکوحہ شرعیہ ہے۔ مسمی پیرانہ تا مذکور کے نطفے سے مسماۃ مذکور کے شکم سے دولڑکیاں پیدا ہوئیں
جواب زندہ موجود ہیں اب عرصہ بارہ سال کا گزر گیا ہے کہ پیرانہ تا مذکور مسماۃ مذکور کو اپنے گھر سے نکال دیا

ہے اور یہ بھی کہہ دیا ہے تو میرے گھر سے نکل جا میں تجھکو نہیں رکھتا اور نہ رکھنا چاہتا ہوں اس کے بعد مسماۃ
مذکور نے کئی بار معتبر لوگوں کو مسمی مذکور کے گھر کھڑا کیا اور انھوں نے بار ہا کہا کہ تو مسماۃ راج بھری کو اپنے
پاس رکھ اور آباد کر اس کو اور اپنی لڑکیوں کو خرچ دے مگر پیرانہ تا مذکور نے ہر بار یہی جواب دیا ہے کہ میں
مسماۃ کو نہیں رکھوں گا اور نہ رکھتا ہے اور نہ آباد کرتا ہے اور نہ خرچہ دیتا ہے۔ جب لوگوں نے مسمی مذکور کے
مرقومہ ملفوظہ بالا فقرے سنے تو ہر ایک نے کہا کہ یہ تو طلاق ہوئی مسمی پیرانہ تا مذکور نے کہا کہ طلاق سمجھ لو
اس وقت معتبرین کی تعداد (۶) عدد پر مشتمل تھی یہی عام مجلس میں مکالمہ ہوا اور بات مشہور ہوگئی۔اب کچھ
قرصہ کے بعد مسمی پیراندتا مذکور اپنے الفاظ ملفوظہ سے انحراف وانکار کرتا ہے اور معتبرین عام طور پر
شہادت دیتے ہیں کہ مسمی مذکور نے ہمارے روبرو کہا تھا کہ تم طلاق سمجھ لو۔اب صورت مذکور الصدر میں
طلاق شرعا واقعہ ہوگئی ہے یا نہ جواب سے جلدی مشکور فرمایا جائے۔

بینوا توجروا بقلم خود فضل احمد

الجواب

اللھم ھدایة الحق والصواب

اس سوال کا مکمل جواب تو تحریر کردیا گیا ہے اس میں صرف اتنی بات زائد ہے کہ مسمی پیرانہ تا کے
الفاظ کنایہ طلاق سے نیت طلاق کا مراد ہونا متعین ہوگیا لہذا مسماۃ مذکورہ پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی
اور وہ اس کے نکاح سے خارج ہوگئی اب باقی رہا اس کا ان الفاظ سے انحراف کرنا تو جب شہادت شرعی
موجود ہے تو اس کا انکار وانحراف کوئی قابل لحاظ چیز نہیں واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل ، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۱۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
زید نے ایک پرچہ اپنے سسرال والوں کے نام پاکستان سے اس مضمون کا لکھا کہ عبدالرحمن کی
طرف سے معلوم ہو کہ میں مدینہ منورہ جارہا ہوں اور واپس نہیں آوں گا، میں عورت کو (طلاق) دے رہا
ہوں بچے اپنے ساتھ لے جاسکتی ہے۔زیادہ سلام۔

اس کے بعد وہ دو تار روانہ کرتا ہے کہ میرے بیوی اور بچوں کو فورا روانہ کردو میں کھوکھرا پار پر ملوں گا، پھر چار لفافہ آتے ہیں جسکی قریب قریب سبھی ایک سی عبارت ہے جو نقل کی جاتی ہے لکھتا ہے۔

کہ میں نے ایک غلطی کرلی ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے پاکستان میں دوسری شادی کرلی تھی اور اس کو میں واپس جواب دیدیا ہوں مگر غلطی سے پالی خط لکھ دئے احمد کریم کو اور سلطان حسین کو۔ لکھے تھے کہاں اور لکھ دئے کہاں۔ پالی میں جو عورت اس کو تلاک (یہ اسی کا لفظ ہے) نہیں دی ہے آپ کو معلوم ہوا اور وہ جو خط لکھے تھے اس میں نہ تو کوئی نام ہے اور نہ کوئی بات ہے آپ خطوں کو پڑھنا۔ پالی میں جو عورت ہے اس کو جواب نہیں دیا ہے یہ خط آپ کو اس لئے دیا ہے کہ وہ کچھ غلط نہ سمجھ لے اس لئے دوبارہ خط لکھا ہے آپ (عثمان غنی کو) جو کہ زید کا بھائی ہے بال بچوں کو پاکستان جلد روانہ کرائے۔ رحمت کو طلاق نہیں دی ہے یہ عبارت بعد میں لکھکر روانہ کئے۔ عرض کرنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟۔ اور ہوئی تو کونسی طلاق واقع ہوئی؟۔ جواب مرحمت فرمائیں۔ اللہ اجر عظیم عطا فرمائے آمین۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں زید نے اگر دلیل شرعی سے یہ ثابت کردیا کہ اس کی دوسری بیوی پاکستان میں اس کلمہ (میں عورت کو طلاق دے رہا ہوں) کہنے کے وقت موجود تھی جب تو زید کا یہ کہنا کہ میں نے پاکستانی عورت اس طلاق سے مراد لی ہے شرعا صحیح ہے۔ لھذا اس صورت میں وہ پاکستانی عورت صرف مطلقہ ہوجائیگی۔ اور اگر اس وقت بدلیل شرعی سے پاکستانی عورت کو ثابت نہ کرسکا تو اس کی پالی والی عورت پر ایک طلاق رجعی ہوجائے گی اگرچہ زید نے کسی کا نام نہیں لیا ہے کہ اس کا بیوی ہونا معلوم ومشہور ہے۔ فتاوی قاضی خاں میں ہے:" رجل قال لامرأته طالق ولم یسم وله امرأة معروفة طلقت امرأة استحسانا قال قال لی امراة اخری وایاها عنیت لا یقبل قوله الا ان یقیم البینة"

اب باقی رہا یہ امر کہ طلاق بالتحریر ہے تو اس سے بھی طلاق واقع ہوجائے گی اگر زوج اپنی تحریر کا اقرار کرے اور اس کے بعد زید کے دوبارہ چار لفافے بھیجنا اس کی کافی دلیل ہے۔ اور املا میں تلاک لکھنا تو اس لفظ سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے درمختار میں ہے:" ویقع بهذه الالفاظ وما بمعناها من الصریح ویدخل نحو طلاق وطلاغ وطلاك او ط ل ق۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

مسئلہ (۷۱۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

(۱) کہ ایک شخص سنت جماعت باعمل بیماری حالت نازک پر اپنی بیوی کو کہدیا کہ ایسی عورت طلاق کے قابل ہے۔ چند بار یہی الفاظ کہے کیا اس کہنے پر طلاق ہوگئی؟ اس مسئلہ کا جواب جلد عطا فرمایا جائے۔

(۲) خالص طلاق طلاق کہنے سے طلاق ہوجائے گی یا نہیں؟ اور موقع پر بیوی موجود نہ ہو اس مسئلہ کا کیا جواب ہے؟۔

(۳) ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا میں نے طلاق دیا صرف ایک مرتبہ کہا اس کہنے پر طلاق ہوگئی اگر بیوی گھر پر موجود نہ ہو یا موجود ہو استفتاء کا جواب مع مہر ودستخط کے آنا چاہئے؟۔

المستفتی الہی بخش خاں پردھان ہردوئی ضلع باندہ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) اگر شوہر نے اپنی بیوی سے صرف یہی الفاظ کہے کہ ایسی عورت طلاق کے قابل ہے تو ان الفاظ سے واقع نہیں ہوئی کہ ان میں آئندہ طلاق دینے کا قصد وارادہ معلوم ہوتا ہے نہ کہ ایقاع طلاق کا فعل اس سے صادر ہوا ہے۔ تو صرف ان الفاظ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

(۲) صرف لفظ طلاق طلاق اگر کسی مطالبہ کے جواب میں نہ ہو اور زوجہ کی طرف اشارہ کرکے نہ ہو اور ان الفاظ سے عورت کو طلاق دینے کی نیت بھی نہ ہو تو ان سے طلاق واقع نہ ہوگی اس میں بیوی کی طرف کسی طرح کی نسبت اور اشارہ نہ پایا گیا۔

درمختار میں ہے: لم یقع لترکه الاضافة الیها۔

ردالمحتار میں ہے: قوله لترکه الاضافة ای المعنویة فانها الشرط قول فکذا ترک الاضافة فی الصورة المسئولة فلم یقع الطلاق۔

اگر طلاق کی نیت سے کہا اور عورت اس کی مدخولہ ہے تو دو طلاق رجعی واقع ہوگی، عدت کے اندر رجعت کرسکتا ہے اور بعد عدت عورت کی رضا سے نکاح جدید بھی کرسکتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

(۳) جب شوہر نے اپنی بیوی کی طرف کسی طرح کی نسبت کرکے کہا کہ میں نے طلاق دی اور

یہ الفاظ صرف ایک مرتبہ کہے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوئی۔ اب بیوی گھر میں موجود ہو یا نہ ہو۔ اگر بیوی کی طرف کسی طرح کی نسبت واشارہ ہی نہ ہو تو ان الفاظ سے طلاق واقع نہ ہوگی چاہے وہ زوجہ گھر میں موجود ہو یا نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۴ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ

(۷۱۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

مسماۃ غفوری دختر نصیر خاں کی شادی بمقام جودپور بعمر دو یا ڈھائی سال رفیق خان کے ساتھ ہوئی جب کہ دولہا بھی نابالغ تھا۔ اس کی شادی کا ایجاب وقبول زوجین کے والدین کی طرف سے ہوا۔ بعد شادی کچھ عرصہ بعد مسمی رفیق خاں پاکستان چلا گیا اور زوجین کے درمیان کبھی خلوت صحیحہ نہیں ہوئی۔ لڑکی نے بعد بلوغت و طہر اپنے حق خیار البلوغ کو کام لئے ہوئے شادی کو فسخ کردی اور اظہار سرسری سے اظہار ناراضگی میں کردیا کیونکہ اس کا شوہر اس کی نظر میں نیک نہ تھا اور آپس داری میں ایک دوسرے کو پیغام محبت دینے کے لئے خط بھیج چکا تھا اس قسم کی معصیت کو لڑکی کیلئے سوہان روح تھی۔

جب ماہ فروری میں ۱۹۵۴ء میں زوج پاکستان سے لوٹا تو لڑکی نے اس کی موجود میں اپنے حق خیار البلوغ والدین فریقین کے درمیان آپس میں رشتہ داری ہے اور مسماۃ غفوری سائلہ کی چچازاد بہن زوج کے بڑے چند بزرگوں اور معزز لوگوں کی ایک مجلس قائم ہوئی اور قرار پایا کہ دونوں بھائی دونوں بہنوں کو طلاق دیدیں۔ چنانچہ رفیق خاں زوج اور اس کے بھائی فخر الدین نے طلاق دینے کے آمادگی ظاہر کی چنانچہ رفیق کے اظہار آمادگی طلاق پر منشی ظفر علی نے حسب ہدایت وکیل حفیظ اللہ ایک تحریر بنا بر طلاق اور دوسری تحریر بنابر صلح نامہ تحریر کرائی گئی تاکہ کسی فریق کی طرف کوئی مطالبہ باقی نہ رہے۔ اس دربار میں یہ دونوں تحریرات ختم ہوئیں اور رفیق خاں سے طلاق کی تائید میں اس پر دستخط کیلئے رشتہ دار کو بھیج دیا۔ کہ اس کے درمیان کسی ثالث نے فخر الدین کو سمجھایا کہ رفیق کا طلاق دینا تو واجب ہے اس لئے کہ وہ ہم سب کے سامنے اظہار طلاق بائن کر چکا ہے۔ مگر تم بلاوجہ اپنی بیوی کو کیوں طلاق دیتے ہو۔ اس واسطے کہ حضور کا فرمان ہے۔ (ابغض الحلال طلاق) چونکہ تم نے اب تک طلاق نہیں دی ہے تو تم کو ارادہ بدل دینا چاہئے اس کی تائید رفیق خاں نے بھی کی کہ میں طلاق دیئے دیتا ہوں تم طلاق مت دو۔ ورنہ

تمام عمر میرے ذمہ یہ الزام رہے گا کہ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کی وجہ سے بیوی کو چھوڑ دیا مگر فخر الدین مصر رہا اور کہتا رہا کہ تو طلاق دیتا ہے تو مجھے بھی طلاق دینی پڑے گی۔ حدیث بحث میں رات کا ایک بجے تک مجلس شوری ختم ہوئی اور طلاق نامہ وصلح نامہ زوجین کے دستخط نہیں ہو سکے حالانکہ وہ طلاق کی تائید میں لکھے گئے تھے مسماۃ غفوری کی طرف سے جو انفساخ نکاح کا دعویٰ ہوا تھا وہ اب شہادت کے مرحلہ پر آگیا ہے اور اس کو یہ امور ثابت کرتے ہیں۔

(۱) یہ کہ زوجین کے درمیان خلوت صحیحہ نہیں ہوئی۔

(۲) یہ کہ وہ پندرہ اور اٹھارہ برس کے درمیان اپنے اپنے معصیت کوشی خاوند و نکاح فسخ کر چکی تھی۔

(۳) یہ کہ مجلس شوریٰ میں اس کا خاوند طلاق دیکر اس کی تائید میں تحریرات لکھ چکا تھا۔ اندروں حالات دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا واقعات مذکورہ بالا کی روشنی مین کیا مسماۃ غفوری کو طلاق ہو چکی ہے یا نہیں؟ براہ کرام قرآن واحادیث کی روشنی مین جواب مرحمت فرمائیں۔ مشکور ہوگا۔ بینوا توجروا۔

فقط والسلام حمید خاں

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر واقعہ یہی ہے اور اس کے الفاظ میں کوئی ردوبدل نہیں ہے تو اس واقعہ میں رفیق خاں اور فخر الدین کی صرف آمادگی وارادہ طلاق کا ذکر ہے۔ لیکن کسی کے طلاق واقع کرانے اور اپنی بیوی کی طرف نسبت کر کے الفاظ طلاق وارد کرنیکا ذکر نہیں تو فقط آمادگی وارادہ کے اظہار سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ تو مسماۃ غفوری پر صرف اس قدر واقعہ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ باقی رہا غفوری کا فسخ نکاح کا دعویٰ وہ غلط ہے کہ شرعاً والد کے کئے نکاح کو یہ خیار بلوغت سے ہرگز فسخ نہ کر سکتی ہے۔ اور تیسرا نمبر بھی غلط ہے کہ مجلس شوریٰ میں نہ طلاق نامہ پر دستخط ہوئے ہیں نہ الفاظ طلاق رفیق خاں نے ادا کئے صرف طلاق نامہ لکھا جانا کوئی بات نہیں رکھتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۹ / جمادی الاخری ۱۳۷۷ھ

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

مسئلہ

(۷۱۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

میں ایک لڑکی بنام رقیہ کے شوہر ڈاکٹر حسین کے مابین باہمی تنازع تھا جسکی بنا پر لڑکی کے والد نے ڈاکٹر حسین سے کہا کہ تمہارے باہمی تنازعہ رہتا ہے اس لئے تم میری لڑکی کو طلاق دیدو جس پر ڈاکٹر حسین نے کہا کہ یہ عورت میرے کام کی نہیں اس کو ہرگز نہیں رکھنا چاہتا۔ عرصہ تین سال سے میرے گھر پر بیٹھی ہے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں جب ڈاکٹر حسین نے اپنی زوجہ کے والد کے مطالبہ طلاق کے جواب میں اپنی زوجہ کے لئے یہ الفاظ کہے ہیں کہ یہ عورت میرے کام کی نہیں ہے تو یہ الفاظ طلاق کے ہیں۔ چنانچہ فتاوی قاضی خان میں ہے: "ولو قال لم يبق بيني وبينك عمل يقع الطلاق اذا نوى"

(قاضی خاں مصطفائی ص ۴۷ ج ۷)

فتاوی عالمگیری میں ہے۔ "وفي الفتاوى لم يبق بيني وبينك عمل ونوى يقع كذا في العتابيه۔

(از عالم گیری مجیدی ص ۳۷ ج ۲)

ظاہر ہے کہ ان الفاظ عربی کے تحت میں ڈاکٹر حسین کے الفاظ بھی داخل ہیں اور بلاشبہ وہ قول اس قول پر مشتمل ہے تو جس طرح اس قول سے طلاق واقع ہوگئی اسی طرح اس قول ڈاکٹر حسین سے بھی طلاق واقع ہوجائے گی۔

اب باقی رہا یہ فرق کہ اس قول میں شوہر سے نیت دریافت کرنے کی ضرورت ہے کہ وہاں نہ پہلے طلاق کا صراحۃ ذکر تھا نہ وہ قول مطالبہ طلاق کے جواب میں ہے تو اس قول سے پہلے مذاکرہ طلاق صراحۃ پایا گیا۔ اور جو الفاظ کنایہ سوال طلاق کے جواب میں کہے جائیں گے تو ان سے مذاکرہ طلاق کی بناء پر طلاق کا واقع ہونا نیت پر موقوف نہیں ہے۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے۔ "اما اذا تكلمت بسوال الطلاق فقد حصلت المذاكرة وفيها لا تتوقف على النية۔

(ردالمحتار مصری ص ۴۷۷ ج ۲)

یہ الفاظ کنایہ کی تیسری قسم جواب فقط میں داخل ہیں اور حالت مذاکرہ طلاق کی ہے تو ان الفاظ سے طلاق بلانیت کے بھی واقع ہوگی۔ ردالمحتار میں ہے:" والثالث يتوقف عليها في حالة الرضاء فقط ويقع في حالة الغضب والمذاكرة بنية۔ (ردالمحتار ص ۴۷۸ ج ۲)

تو اب ان عبارات سے ثابت ہو کہ اس ڈاکٹر حسین کے ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگئی اور اس صورت خاص میں اس سے نیت دریافت کرنے کی بھی ضرورت نہیں اور پھر جب ان الفاظ کو کہے ہوئے تین سال گزر چکے ہیں اور اس مدت میں وہ عورت اپنی عدت کے پورے ہوجانے کا اقرار بھی کرتی ہے تو یہ عورت اب جس سے چاہے اپنا نکاح بھی کرسکتی ہے۔ درمختار میں ہے۔ ومبدء العدة بعد الطلاق وبعد الموت على الفور وتنقضي العدة وان جهلت المرأة بها اى بالطلاق والموت لانها رجل فلا يشترط العلم بمضيه سواء اعترف بالطلاق او انكر۔

والله تعالى اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۱۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں زید کی زوجہ کے متعلق بیوی کے چچا سے زید کی سخت کلامی ہو رہی تھی، اسی دوران میں زید نے اپنی زبان سے یہ الفاظ ادا کئے۔ (جب نہ دی اب دی چھوڑ دیا چھوڑ دیا جا چھوڑ دیا) تو ان الفاظ کے کہنے سے زید کی بیوی کا کیا حکم ہے۔ آیا اس کے نکاح میں رہی یا نکاح سے باہر ہوئی۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں زید کے جب صرف یہی الفاظ ہیں جب نہ دی اب دی چھوڑ دیا چھوڑ دیا جا چھوڑ دیا، تو ان الفاظ میں زوجہ کے لئے نہ ضمیر خطاب نہ ضمیر غائب نہ اسکی طرف اشارہ ہے نہ اسکے نام وغیرہ کی کوئی نسبت ہے نیز سوال میں نہ زید سے مطالبہ طلاق کا بیان ہے جس کہ جواب میں اس نے یہ الفاظ کہیں ہوں، نہ اس سلسلہ گفتگو میں زوجہ کی موجودگی کا ذکر ہے تو ان الفاظ میں زوجہ زید کی طرف کسی طرح کی نسبت واضافت ہی نہیں پائی گئی اور وقوع طلاق کے لئے زوجہ کی طرف اضافت کا وقوع شرط اور ضروری ہے۔

درمختار میں ہے: لم يقع لتركه الاضافه اليها۔

ردالمحتار میں ہے: عدم الوقوع اصلا لفقد شرط الاضافة مع انه لو اراد طلاقها تكون

الاضافة موجودة ۔ لہذا صورت مسئولہ میں ان الفاظ سے طلاق دینے کی نیت نہ کی تو زوجہ زید پر طلاق واقع نہیں ہوگی وہ عورت اس زید ہی کی زوجہ ہے۔ اور اگر یہ الفاظ اپنی زوجہ کو طلاق دینے کی نیت سے کہے تو طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، بلا اس سے نکاح نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

﴿۶۴﴾

باب اقرار الطلاق

مسئلہ (۷۱۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

مسمی مرزا اقبال احمد نے عرصہ ڈیڑھ سال کا ہوا ایک خط مجھ کو یعنی سید احمد عین کو بابت طلاق کے کھنڈوہ سے لکھا اور اسی خط میں ایک رقعہ اپنی زوجہ عزیز بیگم کو بھی لکھا جو کہ میری دختر ہے اور ایک خط قاضی سید ابوالخیرات صاحب کو لکھا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے نکاح پڑھایا تھا۔ خط لکھنے کے دوسرے روز صبح کو قاضی سید ابوالخیرات صاحب کی خدمت میں مرزا اقبال احمد حاضر ہوا اور چند شخصوں کے روبرو کہا: میں کل کھنڈوہ سے ایک خط آپ کو لکھا ہوں وہ خط ابھی آپ کو بذریعہ ڈاک ملے گا آپ پڑھ لینا: اور سید احمد علی صاحب کو بھی دکھلا دینا اور ان کو بھی میں نے خط لکھا ہوں۔ اس گفتگو پر سید ابوالخیرات صاحب نے فرمایا کہ تم خود موجود ہو بیان کرو کہ کیا لکھا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا کہ موٹر تیار ہے مجھکو اسکول کی حاضری دینا ہے۔ اب میں جاتا ہوں آپ خط دیکھ لینا اور رخصت ہوگیا۔ دوگھنٹہ کے بعد خط آیا، دیکھا گیا تو اس میں یہ مضمون تھا کہ میں نے اپنی زوجہ عزیز بیگم کو تین مرتبہ طلاق دیتا ہوں۔ بہرحال یہ سہ خطوط کی نقل بجنسہ اس استفتا کے ہمراہ ارسال خدمت ہے ملاحظہ فرما کر از روئے شرع شریف حکم صادر فرمایئے کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اگر ہوئی ہے تو کس قسم کی طلاق ہوئی؟ ۔ بینوا توجروا

مرسلہ خادم الفقر سید احمد

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں مساۃ عزیز بیگم کو یقیناً طلاق واقع ہوگئی۔ خط کے ذریعہ سے طلاق واقع ہونے کی جو شرط فقہائے کرام نے تحریر فرمائی ہے کہ شوہر اپنے خط کا اقرار کرے کہ یہ میں نے لکھا ہے وہ شرط یہاں پر باحسن وجہ پائی جاتی ہے۔ اقبال احمد نے قاضی صاحب کے روبرو اپنے خط کا اقرار کرلیا لہذا وقوع طلاق میں کوئی شبہ ہی باقی نہیں رہا۔ شامی میں ہے۔

بعث (ای الزوج) به (الکتاب) الیها (ای الی الزوجة) فاتاها وقع ان اقر الزوج۔

(ج ۲ ص ۴۴)

یعنی بیوی کی طرف خط خاوند نے بھیجا اور وہ اس کو ملا تو طلاق واقع ہوجائے گی اگر خاوند اس بات کا اقرار کرے کہ یہ اسی کا خط ہے اور چونکہ اس نے ایک دم تین طلاقیں دی ہیں تو یہ طلاق مغلظہ ہوئی اور اس کو طلاق بدعت بھی کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

شرط یہاں پر باحسن وجہ پائی جاتی ہے۔ اقبال احمد نے قاضی صاحب کے روبرو اپنے خط کا اقرار کرلیا لہذا وقوع طلاق میں کوئی شبہ ہی باقی نہیں رہا۔ شامی میں ہے۔

بعث (ای الزوج) به (الکتاب) الیها (ای الی الزوجة) فاتاها وقع ان اقر الزوج۔

(ج ۲ ص ۴۴)

یعنی بیوی کی طرف خط خاوند نے بھیجا اور وہ اس کو ملا تو طلاق واقع ہوجائے گی اگر خاوند اس بات کا اقرار کرے کہ یہ اسی کا خط ہے اور چونکہ اس نے ایک دم تین طلاقیں دی ہیں تو یہ طلاق مغلظہ ہوئی اور اس کو طلاق بدعت بھی کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مسئلہ (۷۱۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

ایک شوہر مسمیٰ زید کو اس کے ماموں خسر نے ایک تحریر پر دستخط کرنے کو کہا زید نے بغیر پڑھے دستخط کردیئے بعد کو خسر نے یہ کہا کہ یہ طلاق نامہ تھا کہ جس پر تم نے دستخط کئے ہیں زید کہتا ہے کہ نہ میں نے طلاق دی ہے اور نہ اس کا تصور کیا تو اس طرح طلاق ہوجائے گی مگر خسر کہتے ہیں کہ طلاق ہوگئی تو اب فرمائیے کہ اس صورت میں طلاق ہوجاوے گی یا نہیں۔

احقر محمد عبد القیوم ولد منی سراج الدین مرحوم قوم شیخ سکینڈ ر بلند دروازہ محلہ رولیا پائسہ

الجواب

اللھم ھدایة الحق والصواب

اس دستاویز کے بعد عدم وقوع طلاق کی یہ چند وجوہ سمجھ میں آتی ہیں (۱) دستاویز میں جس واقعہ کو

لکھا گیا ہے اگر یہ واقعہ نہیں گزرا اور خسر نے یہ تحریر خلاف واقعہ محض اپنی طرف سے گڈھ کر لکھی ہے اور یہ بات بھی سچ ہو کہ شوہر نے بغیر پڑھے دستخط کردیئے ہیں اور یہ بھی صحیح ہو کہ شوہر اس تحریر کے مضمون طلاق کا ابتداہی سے منکر ہے تو ہرگز طلاق واقع نہ ہوئی۔

شامی اور فتاوے عالمگیری میں ہے:

کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لایقع الطلاق مالم یقر انه کتابه۔

(ص ۴۴۰)

(۲) دستاویز کا واقعہ تو ضرور وجود میں آیا اور خسر نے اس واقعہ کے موافق یہ تحریر لکھی کہ شوہر نے اپنی بیوی کی طرف بغیر خطاب واضافت اور اشارہ کے تین بار صرف لفظ طلاق طلاق طلاق کہا اور یہ تحریر شوہر ہی کی تسلیم بھی کرلی جائے تو اس صورت میں بھی طلاق واقع نہیں ہوئی کہ طلاق صریح کے واقع ہونے کے لئے لفظ طلاق کی عورت کی طرف کسی طرح کی اضافت ضروری ہے مثلا یوں کہے کہ میری عورت کو طلاق ہے یا فلانی عورت کو طلاق ہے یا عورت کو مخاطب بنا کر کہے تجھے طلاق ہے یا عورت کی طرف اشارہ کرکے کہے اس کو یا اسے طلاق ہے اور اس دستاویز میں عورت کی طرف کوئی اضافت مذکور نہیں ہے اور نہ عورت کو طلاق دینے کی نیت ہے۔ لہذا اس دستاویز کے الفاظ سے طلاق نہیں ہوئی۔ درمختار میں ہے۔

لم یقع لترکه الاضافة الیها۔ (ج ۲ ص ۴۴۰)

ردالمحتار میں ہے: ان الصریح لایحتاج الی النیة ولکن لایدفی وقوعه قضاءً ودیانة من قصد اضافة لفظ الطلاق الیها عالما بمعناه ۔ (ج ۲ ص ۴۴۲)

(۳) شوہر نے جب اس تحریر پر بغیر پڑھے دستخط کردیئے اور اس کا طلاق دینے کا قصد وتصور نہ تھا تو اس صورت میں بھی طلاق واقع نہ ہوئی شامی میں فتح القدیر اور نہر سے ناقل ہیں۔

لو کرر مسائل الطلاق بحضرتها او کتب ناقلا من کتاب امراتی طالق مع التلفظ او حکی یمین غیره فانه لایقع اصلا مالم یقصد زوجته وعمالو لقنته لفظ الطلاق فتلفظ به غیر عالم بمعناه فلایقع اصلا علی ما افتی به مشائخ اوزجند صیانة عن التلبیس۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں یقیناً طلاق واقع نہیں ہوئی مولوی مفتی سید اعظم شاہ صاحب کا فتوی بالکل صحیح ہے اور مفتی مظہر اللہ صاحب اور مفتی کفایت صاحب کا فتوی صحیح نہیں خلاف

تصریحات فقہاء ہیں اور ممکن ہے کہ یہ لوگ بھی اس سوال کا جواب لکھتے تو خلاف نہ لکھتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۱۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامدا ومصلیا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک شخص اپنی زوجہ منکوحہ کو بذریعہ خط طلاق لکھ کر بھیجدیتا ہے جب کہ عرصہ سات ماہ سے زیادہ ہوگیا اس عرصہ سات ماہ میں اس شخص نے اپنی زوجہ کی نان ونفقہ وغیرہ کی بھی خبر نہ لی اور نہ کچھ خرچ بھیجا آیا طلاق ہوگئی یا نہیں۔

المستفتی صوفی محمد ضمیر خان ادریس بمقام شہر مرٹھ کوٹھی جنت نشان

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

خط سے طلاق واقع ہونے کیلئے فقہائے کرام نے یہ شرط تحریر فرمائی ہے کہ یا تو اس خط پر شوہر کی طرف سے ہونے پر شہادت شرعی گذرے یا خود شوہر یہ اقرار کرے کہ یہ میرا خط ہے۔

ردالمحتار میں ہے: بعث (ای الزوج) بہ (ای الکتاب) الیھا (ای الی الزوجۃ) فاتاھا وقع (الطلاق) ان اقر الزوج انہ کتابہ او قال للرجل ابعث بہ الیھا او قال لہ اکتب نسخۃ وابعث بھا الیھا وان لم یقر انہ کتابہ ولم تقم بینۃ لکنہ وصف الامر علی وجھہ لاتطلق قضاء ولا دیانۃ۔ (شامی مصری ص ۴۴۰)

لہذا صرف ان دوصورتوں میں خط سے عورت پر طلاق واقع ہوتی ہے اور محض شوہر کے خط اور دستخط کا پہچاننا۔ یا عورت کا صرف یہ تصدیق کرنا کہ یہ میرے شوہر ہی کا خط ہے یا دیگر خطوط کو شاہد بنانا یا شوہر کا نان ونفقہ کو بند کردینا۔ یا پہلی ناراضی کو اس خط کی صحت کے لئے قرینہ بنالینا یہ سب امور اس خط کے لئے ایسے شاہد نہیں جن سے بلا اقرار شوہر شہادت شرعی کے فقط اس خط سے طلاق واقع ہوسکے۔

بالجملہ خط سے صرف اسی صورت میں طلاق واقع ہوتی ہے کہ یا خود شوہر اس خط کا اقرار کرے یا

اس کا شوہر کا خط ہونا شہادت شرعی سے ثابت ہو یہ تمام حکم تو اس صورت میں ہیں جب شوہر نے صرف خط کے ذریعہ سے طلاق دی ہو اور اگر وہ اس عورت سے بارہا یہ کہہ چکا ہے کہ میں تجھے طلاق دیچکا تو اس بارہا کی تعداد اگر تین طلاق تک پہنچ گئی تو یہ عورت اس کے نکاح سے خارج ہوگئی اس کے بعد خط کی طلاق کا سوال ہی بیکار ہے جیسا کہ اس استفتا کے ساتھ جو دوسرا پرچہ آیا اس سے صاف ظاہر ہورہا ہے۔

الحاصل اگر یہ واقعہ ہے کہ وہ اس خط سے قبل بارہا طلاق دے چکا ہے تو وہ عورت مطلقہ ہوگئی اور اگر ایک دومرتبہ طلاق دیکر رجعت کرچکا ہے اور یہ تیسری مرتبہ یا پہلی ہی مرتبہ بذریعہ خط کے طلاق دیتا ہے تو خط کی طلاق کا حکم اوپر مذکور ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۲۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک صاحب نے اپنے خسر کے نام حسب ذیل عبارت لکھ کر خط روانہ کیا بابت طلاق اب دونوں میاں بیوی پھر آپس میں رضامند ہیں اور تعلقات رکھنا چاہتے ہیں ہنوز شریعت مطہرہ کی رو سے کیا حکم ہے آپ اپنے رشتہ سے محروم کیجئے میں نے اسے آزاد کردیا اب لے جانا یا نہ لے جانا آپ کے اختیار میں ہے بہرحال میری طرف سے اسے فارخطی ہے فارخطی ہے فارخطی ہے۔ اور آگے آپ جانے آپ کا کام فقط

المستفتی محمد عبداللہ رضوی کہیری محلہ ڈیہہ پور ضلع وپوسٹ آفس کہیری ٹاون

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر وہ خط جس میں یہ طلاق کے الفاظ لکھے ہیں اس کے شوہر کی طرف سے ہونے پر کوئی شہادت شرعی موجود ہو یا خود شوہر ہی اقرار کرے کہ یہ میرا خط ہے تو اس خط کے ان الفاظ میں نے اسے آزاد کردیا ہے میری طرف سے اسے فارخطی ہے فارخطی ہے فارخطی ہے سے اس عورت پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں۔ اس صورت میں ان کے آپس میں بغیر حلالہ کیئے کسی طرح نکاح نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر شوہر کے خط پر شہادت موجود نہ ہو اور نہ وہ اقرار کرتا ہوں تو اس خط سے طلاق واقع نہیں ہو گی۔ ردالمحتار میں ہے " بعث (ای الزوج) بہ (الکتاب) الیھا (ای الزوجۃ) فاتاھا وقع

(الطلاق) ان اقرالزوج انه کتابه اوقال للرجل ابعث به الیهااو قال له اکتب نسخة وابعث بها الیها وان لم یقرانه کتابه ولم تقم بینة لکنه وصف الامر علی وجهه لا تطلق قضاء ولا دیانة "(از شامی مصری جلد۲ صفحہ ۲۴۰) واللہ تعالی اعلم بالصواب ۲۴ رمضان المبارک ۷۷ھ ۱۳

كتبه: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۲۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید خفیہ طریقہ سے پاکستان کو چلا گیا اپنی منکوحہ چھوڑ کر۔ بعد کچھ کم یا زیادہ ایک ماہ اپنی مقام موجودگی کی خبر اپنی منکوحہ کو دے دیتا ہے بذریعہ خط بذریعہ آدمی۔ اس کے بعد مدتوں تک خط وکتابت رضا مندی کی کرتا رہتا ہے اور ارادہ اپنے آنے کا ظاہر کرتا ہے اور نہ آنے کی معذوری بھی ظاہر کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ اگر کوئی ذریعہ تمہارے پاس مرے پاس آنے کا ہو تو تم مرے پاس آجاؤ۔ زید کی منکوحہ کو ذریعہ بھی اس کے پاس جانے کا ملتا ہے لیکن وہ نہیں گئی۔ کچھ روز بعد منکوحہ کو ایک خط موصول ہوتا ہے شوہر کی طرف سے جس میں طلاق لکھی ہوئی ہے۔ منکوحہ اپنی آپکو مطلقہ سمجھ کر دوسری جگہ نکاح کر لیتی ہے۔ پھر معلوم ہوتا ہے کہ بذریعہ خط اس کے شوہر کے عزیزوں کو اور موجودہ شوہر کو بھی کہ اس نے کوئی خط طلاق کا نہیں لکھا اور نہ میں نے طلاق دی اور سابق شوہر نے اپنے عزیزوں کو لکھا کہ یہ کیا بات ہے کہ جو میری منکوحہ نے عقد کیا اس کے سابقہ شوہر کے عزیزوں کے بسبب پریشانی کے اس معاملہ کو ایسے ہی چھوڑ دیا اور خط کتابت بند کر دی۔

آیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں اور شوہر ثانی کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں اور شوہر ثانی کے مددگار عزیز دار کے ارد گرد مددگاروں سے پیچھے بھی نماز درست ہے یا نہیں؟۔ جواب مدلل بالصواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب

اللھم ھدایة الحق والصواب

محض شوہر کے طلاق کے خط سے شرعا طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ ہاں جب شوہر اس خط کا اقرار کرے کہ یہ میرا خط ہے تو اس کو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ شامی میں ہے: وقع (طلاق) ان اقر

الزوج انه کتابه ۔ اور صورت مسئولہ میں زوج اپنے اس خط طلاق کا انکار کر رہا ہے۔ تو اس صورت میں عورت پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور جب اس پر طلاق ہی واقع نہیں ہوئی تو وہ عورت شوہر والی قرار پائی۔ اور شوہر والی عورت کے ساتھ نکاح کی حرمت قرآن کریم میں موجود ہے۔

والمحصنت النساء ۔

یعنی تم پر شوہر والی عورتیں حرام ہیں۔

تو اس آیت کریمہ سے اس نام نہاد شوہر ثانی کے ساتھ شرعا اس عورت کا نکاح ناجائز وحرام ہے۔ لہذا اگر یہ شخص اس عورت کو فوراً چھوڑ دے اور اس سے علیحدہ ہو جائے اور پھر وہ توبہ بھی کرے تو اس کے پیچھے نماز درست ہے اور اگر اس عورت کو نہ چھوڑے نہ اس سے علیحدہ ہو، تو پھر وہ کھلا ہوا مرتکب حرام ہے اور اس معاملہ میں جو اس کے معاون ومددگار ہیں وہ بھی اعانت حرام کی بنا پر گنہگار ہوئے تو ان سب کے پیچھے نماز پڑھنے سے احتیاط لازم ہے۔ لانہم فساق۔ واللہ تعالی اعلم۔

كتبه: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۲۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ

مسمی عبد الحکیم نے اپنی زوجہ کو طلاق نامہ رجسٹری روانہ کر دیا جس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ تم میری مرضی کے خلاف میکے چلی گئی ہو میں نے تم کو نوٹس بھی دیا ہے مگر تم نے نوٹس کی کوئی سماعت نہیں کی اور تقریبا ایک ہزار روپیہ کا زیور لیکر چلی گئی ہو۔ اب میری ہر طرح سے بدنامی اور بربادی ہو چکی ہے۔

لہذا میں روبرو گواہان بخوشی خود تین مرتبہ ٹھہر ٹھہر کر طلاق دیتا ہوں اور اپنی زوجیت سے تم کو علیحدہ کرتا ہوں اور آزاد کرتا ہوں اور ختم عدت کے جہاں چاہو نکاح کر لو مجھ کو تم سے اور بچوں سے کوئی سروکار نہیں۔ آج سے تم میری زوجیت میں نہیں رہی آزاد ہو۔

لہذا یہ طلاق نامہ بذریعہ رجسٹری روانہ کر رہا ہوں۔ فقط عبد الحکیم معہ گواہان دونوں گواہوں کے

اس کے بعد عبد الحکیم ایک عورت غیر مطلقہ کا اغوا کر کے پاکستان چلا گیا۔ عدت گزر جانے کے بعد جب اس مغویہ عورت سے بگاڑ ہو جاتی ہے اس کو پاکستان چھوڑ کر چلا آیا۔ اب کہتا ہے کہ طلاق نامہ پر میرے دستخط دھوکہ سے کرائے گئے ہیں۔ میں نے عبارت طلاق نامہ کی نہیں لکھوائی ہے بلکہ دوسرے لوگوں نے

بولی ہے اور نوٹس کے بہانے سے میری دستخط کرالئے اور ایک گواہ غیر متشرع بھی یہی کہتا ہے مگر کاتب طلاق نامہ جو کہ بظاہر ایک دین دار بزرگ ہیں صوم وصلوۃ کے پابند ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے بلکہ عبدالحکیم نے عبارت بولی ہے اور بخوشی دستخط کئے ہیں دوسرا گواہ بھی یہی کہتا ہے اور عبدالحکیم کہتا ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ میرے دستخط کسی سے کرائے گئے ہیں میں طلاق پر راضی نہیں تھا۔ کیا اس صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہونگی یا نہیں، اب اگر دونوں نکاح پر راضی ہوجائیں نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نکاح کرنے کی کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی تمیزن مطلقہ عبدالحکیم شہر میرٹھ۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں یہ ظاہر ہے کہ صرف طلاق نامہ کا بذریعہ رجسٹری عورت کے پاس پہنچانا بالکتابت طلاق دینا ہے۔ اور طلاق بالکتابت کے لئے یہ شرط ہے کہ شوہر یہ اقرار کرے کہ یہ خط یا طلاق نامہ میں نے خود لکھا ہے یا اس کو میں نے لکھوایا ہے یا اس طلاق نامہ کو مجھے پڑھ کر سنایا گیا تو میں نے اس پر دستخط کئے ہیں یا نشانی انگوٹھا لگا دیا ہے یا اس کو میں نے عورت کی طرف بھیجا یا بھجوایا ہے جب تو اس طلاق نامہ کی تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: رجل استکتب من رجل اخر الی امرأته کتابا بطلاقها وقرأ علی الزوج فاخذه وطواه وختم وکتب فی عنوانه وبعث به الی امرأته فاتاها الکتاب واقر الزوج انه کتابه فان الطلاق یقع علیها وکذلك لو قال لذلك الرجل ابعث بهذا الکتاب الیها او قال له اکتب نسخته وابعث بها الیها۔

اور سوال سے ظاہر ہے کہ عبدالحکیم شوہر نہ اس طلاق نامہ کو اپنا مانتا ہے نہ عبارت طلاق نامہ کیلئے یہ اقرار کرتا ہے کہ میں نے اس کو لکھا یا لکھایا ہے نہ طلاق نامہ سمجھ کر اس پر دستخط کرنے کا اقرار کرتا ہے بلکہ اس کو نوٹس سمجھ کر اس پر دستخط کرنا بتاتا ہے نہ اس طلاق نامہ کو عورت کی طرف خود بھیجنے یا بھجوانے کا اعتراف کرتا ہے۔ تو اس طلاق نامہ کی طلاقیں مسماۃ تمیزن پر کسی طرح واقع نہیں ہوئیں۔

ردالمحتار میں ہے: وکذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق ما لم یقر انه کتابه۔ اور شوہر کے بقسم اقرار کی صورت میں اگر دو مرد گواہان شرعی عادل ثقہ کی شہادت شرعی

سے ثابت ہوجائے کہ یہ طلاق نامہ عبدالحکیم ہی کا ہے اور اس نے اس پر طلاق نامہ ہی سمجھ کر برضا وخوشی خود دستخط کئے ہیں اور عبارت طلاق نامہ اس نے خود بولی ہے اور پھر اس کو خود رجسٹری کرکے بھیجا یا بھجوایا ہے۔ جب بھی طلاق نامہ کی تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ سوال میں ایک گواہ کا غیر متشرع ہونا خود مذکور ہے اور دوسرے کا کوئی حال مذکور نہیں۔ اگر وہ گواہ بھی غیر متشرع ہی ہے تو شہادت شرعی کا وجود متحقق نہ ہوا تو اس طلاق نامہ سے مسماۃ تمیزن کو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

عالمگیری میں ہے: وان لم تقم علیه البینة ولم یقر انه کتابه لکنه وصف الامر علی وجهه فانه لا یلزمه الطلاق فی القضاء ولا ما بینه وبین الله تعالیٰ۔

اب باقی رہا صرف کاتب کا قول تو وہ اگر ایسا عادل وثقہ ہے کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہے اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہے اور اس کا صلاح وصواب اس کے فساد وخطا سے زائد ہے۔ تو پھر یہ ایک گواہ ہی تو ہوا اور اس سے شہادت شرعی کا نصاب پورا نہ ہوسکا تو تنہا کاتب کا قول نہ حجت شرعی نہ طلاق کا مثبت ہوسکے۔ ہاں اگر اس کے ساتھ دوسرا کوئی ایسا ہی عادل وثقہ ایسا ہی اوصاف والا متبع شرع گواہ مل گیا جب تو نصاب شہادت کامل ہوجائے گا اور اس طلاق نامہ سے مسماۃ تمیزن پر طلاق مغلظہ ثابت ہوجائے گی۔ اور جب طلاق مغلظہ ثابت ہوگئی تو یہ عورت بلا حلالہ کے عبدالحکیم کی طرف رجوع نہیں کرسکتی، حاصل جواب یہ ہے کہ جن صورتوں میں طلاق واقع ہوگی تو وہ مغلظہ ہی واقع ہوگی، ان میں بلا حلالہ کے عبدالحکیم کے اس عورت کا نکاح جائز نہیں اور جن صورتوں میں طلاق واقع ہی نہیں ہوئی پہلا نکاح ہی باقی ہے اب انکے مابین کسی جدید نکاح کی بالکل حاجت نہیں، اسی بنا پر جواب میں تمام صورتوں کو پیش کردیا ہے تو جو صورت مطابق واقعہ ہو اس پر عمل کیا جائے فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

مسئلہ (۷۲۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید گھر سے دور ہی دور تھا۔ زید سے دو شخصوں نے مذاق کیا اور سمجھایا کہ تم اپنی ماں کو مارتا ہے۔ تمہارا باپ آئے گا تو چھری سے مارے گا۔ اس کے بعد ہی زید گھر آیا، اور اپنی ماں کو بلایا پھر ماں کے سامنے کلثوم کی طرف اشارہ کرکے ایک جملہ میں تین طلاق دیا۔ اور کہا کہ کہاں ہے، گالی دیکر کہا گھر سے نکل جا۔ اس کے بعد ایک پڑوسی عورت سے زید کی ماں نے کہا، اسی وقت کہ زید کلثوم کو ایک دو تین طلاق

دے دیا۔ وہ پڑوسی عورت اور زید کی ماں بروز یکشنبہ مطابق انگریزی تاریخ ۲۴/۷/۵۵ کے شب میں حلفیں اس طلاق کے الفاظ بولنے کی شہادت بر سر پنچایت دے دی ہیں۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اگر زید اپنی زوجہ کلثوم کو تین طلاق دینے کا اقرار کرتا ہے تو کلثوم پر تین طلاقیں واقع ہو کر طلاق مغلظہ ہو جائیں گی اور یقیناً کلثوم زید کے نکاح سے خارج ہو جائے گی اور اگر زید طلاق مغلظہ دینے اور پھر اس کے بعد یہ کہنے کا کہ تو گھر سے نکل جا، اقرار نہیں کرتا تو صرف عورتوں کی شہادت سے اور وہ بھی دو عورتوں کی شہادت سے پھر اس میں بھی صرف واقعہ کی ایک ہی شاہدہ ہو تو ایسی شہادت سے ہرگز ہرگز طلاق ثابت نہیں ہوسکتی کہ یہ تو دو عورتیں ہیں شرع میں تو بغیر مرد کے چار عورتوں کی شہادت بھی معتبر نہیں۔

ہدایہ میں ہے، ولا تقبل شهادة الاربع منهن وحدهن۔

درمختار میں ہے: ولا تقبل شهادة اربع بلا رجل۔

تو بغیر مرد کے صرف ان عورتوں کی شہادت سے طلاق ثابت نہیں ہوسکتی ہے۔ اور یہ کلثوم زید کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۲۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

ایک شخص نے اپنی حقیقی والدہ کی موجودگی میں اپنی زوجہ کو تین بار طلاق دی اور اب منکر ہو گیا۔ اور حلف اٹھانے کو تیار ہے۔ کہ میں نے طلاق نہیں دی، اس کے برعکس زوجہ حلف اٹھانے کو تیار ہے کہ زوج نے مجھے تین بار طلاق دی۔ اس واقعہ کی صرف زوج کی والدہ گواہ ہے۔ جو طلاق کی تصدیق کرتی ہے۔ اور اپنی شہادت کی تین آدمیوں کی موجودگی میں تحریر بھی دے چکی ہے۔ اس واقعہ کو چار ماہ گزر چکے ہیں۔ اس وقت زوجہ آٹھ ماہ کی حاملہ تھی اب بچے کی ماں ہے۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

ثبوت طلاق کے لئے حجت شرعی کا ہونا ضروری ہے۔ سوال سے ظاہر ہے کہ نصاب شہادت کامل موجود نہیں۔ گواہ صرف ایک عورت جس کی شہادت ثبوت طلاق کے لئے کافی نہیں۔ شوہر طلاق کا مقر نہیں، تو طلاق کا ثبوت دلیل شرعی سے کس طرح ثابت ہوا۔ لہذا یہ عورت شرعاً مطلقہ نہیں۔ اب باقی رہا عورت کا طلاق کی خبر دینا۔ یا حلف کے لئے تیار ہو جانا، تو اس سے طلاق ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں احتیاط کا تقاضہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے۔ کہ وہ اس سے صحبت نہ کر سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۲۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک پرچہ لکھکر دیا کہ میں نے تم کو طلاق دی۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں جب شوہر یہ اقرار کرتا ہے کہ یہ میرا ہی پرچہ ہے تو ان الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہو گئی۔ لہذا یہ زن وشوہر اگر دوبارہ تعلق زوجیت رکھنا چاہتے ہیں تو یا تو زبان سے اس عورت پر دو گواہوں کے روبرو یہ کہے کہ میں نے اپنی عورت سے رجوع کیا ورنہ بوسہ وغیرہ جماع کر لے تو رجعت ہو جائے گی اس میں نکاح ثانی کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: الفقیر الی اللہ عز وجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

مسئلہ (۷۲۶)

نوٹس از غلام محمد ولد ابراہیم چونگر ساکن بیکانیر محلہ چونگران

شریمتی حلیمہ بنت احمد بخش ذات چونگر ساکن بیکانیر محلہ چونگران۔ جو کہ میری اور آپ کی شادی شرع محمدی کی رو سے ہوئی تھی اور میرے نطفہ سے آپ کے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں آپ میرے بچوں کی ٹھیک ڈھنگ سے پرورش نہیں کرتیں اور نہ میری خدمت اور گھر کا کام کاج کرتیں اور میرا روپیہ

پیسہ میری عدم موجودگی میں نکالکر برباد کرتی تھیں تمہیں سمجھانے پر لڑائی جھگڑا کرتیں اور اپنے پتا اور بھائیوں کا ڈر بتاتیں جس سے میں نے تمہاری جرأت سے تنگ آکر تمہیں شرع محمدی کی رو سے روبرو دو گواہان زبانی طلاق دیدیا۔ جس طلاق کو تم نے قبول کرلیا اور میرا گھر چھوڑ کر اپنے باپ کے گھر چلی گئیں اور مجھ سے قطع تعلق کرلیا۔ قریب ایک ماہ ہوا میری عدم موجودگی میں میرے لڑکے انیس احمد اور دونوں لڑکیوں شکیلہ اور مدینہ بانو کو میرے گھر سے تم اپنے پاس لے گئیں۔ ان بچوں کو واپس کرنے کو کئی بار کہلایا مگر تم ٹالتی رہیں۔ اب تنگ آکر یہ نوٹس دیا جاتا ہے کہ ایک ہفتہ کے اندر مجھے میرے بچے واپس کردو۔ ورنہ آپ کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی جس کے خرچہ ورچہ کی آپ ذمہ دار ہونگی۔

(غلام محمد قادری)

یہ نوٹس ایک خاوند نے اپنی عورت کو دیا ہے۔ جس کی عبارت سے عورت مذکورہ کو بالکل انکار ہے اور وہ کہتی ہے کہ میرے ساتھ زندگی میں کبھی اس قسم کا معاملہ پیش نہیں آیا کہ میرے خاوند نے کسی دو گواہان کے سامنے مجھے طلاق دی ہو اب آپ شریعت کی رو سے فرمائیے کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟۔

غلام قادر۔ ۲۲ اگست ۵۹ء

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں شوہر اس بات کا مقر ہے کہ میں نے طلاق دیدی اور نوٹس میں تحریری طلاق کا اقرار کرتا ہے تو اس صورت پر ایک طلاق رجعی ہوئی عدت گذرنے سے پہلے یہ اس عورت سے رجعت کرسکتا ہے اور عدت گذرنے کے بعد اس مرد سے دوبارہ نکاح کیا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: الفقیر الی اللہ عز وجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

☆☆☆☆☆☆☆
☆☆☆☆☆☆
☆☆☆☆☆

﴿۶۵﴾

باب المتارکۃ

مسئلہ (۷۲۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی منکوحہ بیوی کو مار پیٹ کر اپنے باپ کو دیدیا کہ تو اس سے اپنا کام نکال۔ تو بڈھا تجھے عورت نہیں ملے گی اور میں دوسری کرلوں گا۔ اور زید کے باپ نے زبردستی اپنی بہو سے برا کام کیا تو ایسی صورت میں اس عورت کا نکاح زید کے ساتھ باقی رہا یا ٹوٹ گیا اگر نکاح ٹوٹ گیا تو اس وقت سے عرصہ چھ ماہ کا گذرنے کے بعد وہ عورت دوسرا نکاح کرسکتی یا نہیں؟۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر باپ کا زید کی بیوی سے زنا کرنا شہادت شرعیہ سے ثابت ہے۔ یا زید اس کی تصدیق کرتا ہے تو وہ عورت زید اور اس کے باپ دونوں پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔

ردالمحتار میں ہے: تحرم موطوأۃ آبائہ واجدادہ وان علوا ولو بزنا والمعقودات لھم بعقد صحیح وموطوئۃ ابناء ہ وابناء اولادہ وان سفلوا۔

مگر وہ عورت زید کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی اور سوال میں اس عورت کو بظاہر زید کا طلاق دینا مذکور نہیں۔ لہذا زید پر یہ فرض ہے کہ اسے چھوڑے اور یہ کہے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ یا جدا کیا، پھر بعد گزر جانے عدت کے وہ عورت کسی تیسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے اور ان دونوں باپ بیٹوں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔

درمختار میں ہے: بحرمۃ المصاھرۃ لایرتفع النکاح حتی لایحل لھا التزوج بآخر الابعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ۔

اور اس چھ ماہ کے عرصہ کا گزرنا عدت میں شمار نہیں ہوسکتا اور عدت کی ابتداء زید کے چھوڑ دینے کی بعد شروع ہوگی۔

شامی میں ہے: قولہ الا بعدالمتارکۃ ای وان مضی علیھا السنون۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۲۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسائل

ایک شخص رنڈوا ہے اس نے اپنے لڑکے کی بیوی سے کہا کہ تجھے مسان کی بیماری ہے اور مجھے اس کا علاج آتا ہے، لہسن پیس کر رکھ لے جب رات ہوئی تو شخص مذکور یعنی خسر بالکل برہنہ اور اپنے بیٹے کی بیوی سے کہا کہ تو اپنا سر میرے ہاتھ پر رکھ کر لیٹ جا، اس نے انکار کیا پھر شخص مذکور نے اس کی چھاتی پکڑ لی تو عورت مذکورہ نے اپنے خسر کے لات ماری پس قصہ ختم ہوا۔ زنا سرزد نہ ہوا۔ صبح کو عورت نے اپنے خاوند سے کہا تو اس نے اپنے محلّہ والوں سے تذکرہ کیا۔ اور لڑکی نے بھی اپنی والدہ سے کہا تو اس شخص کو بلوایا گیا اور لڑکی نے اپنی والدہ اور دو آدمیوں کے روبرو خود اپنے خسر سے کہا تم نے مجھے اپنے ہاتھ پر لیٹ نے کو کہا اور میری چھاتی پکڑی تو اس شخص نے کہا واقعی میرا قصور ہوا اب معاف کر دو اس وقت لڑکی کی والدہ بھی موجود تھی لیکن اب وہ شخص بہت ایسے آدمیوں کے روبرو انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے تہمت لگائی جاتی ہے۔

لہذا اس عورت کا عقد باقی رہا یا نہیں؟، کیونکہ خسر نے بدنیتی سے اپنے لڑکے کی بیوی کو ہاتھ لگایا۔ فقط

المرسل حکیم صوفی عبدالحمید قصبہ سوار ریاست رامپور

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر واقعی ایسی صورت پیش آئی تو اس سے بشہوت چھونا پایا گیا اور بشہوت چھونا حرمت مصاہرت ثابت کر دیتا ہے۔ شامی صفحہ ۴۸۹ میں بزازیہ سے ناقل ہیں: لہ لمس بشھوۃ تثبت حرمۃ المصاھرۃ اور ثبوت شہوت کیلئے یہ ضروری نہیں کہ جانبین سے ہو پھر ایک جانب سے پایا جانا کافی ہے۔

درمختار میں ہے: وتکفی الشھوۃ من احدھما۔ (شامی صفحہ ۲۹۰)

لہذا یہ مس شہوۃ حکم میں زنا کا قائم مقام ہے۔

شامی ہدایہ سے ناقل ہیں: لان المس والنظر سبب دائم للوطی فیقام مقامہ فی موضع الاحتیاط۔ (شامی صفحہ ۴۸۷)

لیکن اس کے ثبوت کے لئے عورت کا بیان کافی نہیں، لان الحرمۃ لیست الیھا کما نص علیہ۔

البتہ اگر شوہر اس بیان کی تصدیق کرے اور اس کے قلب پر ان کا صدق جمتا ہو تو یہ عورت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے شوہر پر حرام ہو جائے گی کسی طرح اس شوہر اور خسر پر حلال نہیں ہو سکتی مگر یہ عورت اب تک نکاح سے خارج نہیں ہوئی شوہر کو یہ ضروری ہے کہ اسے چھوڑ دے اور یہ کہے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا یا میں نے تجھے جدا کیا اس چھوڑنے کے بعد عورت پر عدت گزارنا ضروری ہے پھر بعد گذر جانے عدت وہ عورت کسی تیسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔

درمختار میں ہے: وبحرمۃ المصاھرۃ لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لھا التزوج باخر الا بعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ۔ (شامی جلد ۲ صفحہ ۲۹۰)

اور اگر اس واقعہ پر نہ تو دو عادل شاہد موجود ہوں نہ خود شوہر کے قلب پر ان کے بیان کا صدق جمتا ہو تو یہ عورت اس پر حرام نہیں ہوئی۔ لان قول الفاسق معتبر لذا وقعت تحری علی صدقہ والافلا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۲۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی بیوی ہندہ کا ناجائز تعلق اپنی دوسری بیوی کے بیٹے کے ساتھ اپنی آنکھ سے دیکھنے کا الزام اتہام لگا کر کہ تو میرے بیٹے سے ناجائز تعلق رکھتی ہے جو میں نے دیکھ لیا ہے اس لئے میں تجھ کو ہرگز نہیں رکھوں گا۔ اور مار پیٹ کر کے گھر سے نکال دیا جس کو عرصہ تین سال ہو گیا۔ اس کے بعد ہندہ نے عدالت میں دعویٰ کیا اس پر عدالت نے تاریخ ۱۹ جولائی ۱۹۶۵ء کو طلاق طے کر دیا اس کے ایک ماہ بعد ہندہ نے نکاح ثانی کر لیا تو کیا ہندہ کا یہ نکاح ثانی جائز ہوا یا نہیں عدت کا سوال رہتا ہے یا نہیں۔ مقدمہ میں جو بیانات ہوئے ہندہ کے اور اسکے گواہان کے ان کی نقولات واسطے ملاحظہ ہمراہ ارسال ہیں برائے

کرم جواب سے جلد مطلع فرمادیں۔ المرقوم :۱۱- اگست ۱۹۵۶ء

المستفتی، حسین بخش چودھری بنگلہ والا لوہار پورہ ناگور ضلع جودھ پور راجستھان۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

خود زید جب اس بات کا مقر ہے کہ اس کی بیوی ہندہ کا اس کے بیٹے سے ناجائز تعلق ہے اور اس کو میں نے دیکھ بھی لیا ہے۔تو یہ ہندہ زید پر حرام ہوگئی، پھر جب زید نے اس سے زبان سے یہ بھی کہدیا کہ میں تجھ کو ہرگز نہ رکھوں گا اسے مار پیٹ کر گھر سے بھی نکال دیا پھر اس کو نکالے ہوئے عرصہ تین سال کا بھی گذر چکا۔تو اس صورت میں حرمت مصاہرت اور بھی متحقق ہوئی۔اور اس کے بعد متارکہ بھی پایا گیا اور بعد متارکہ عدت بھی گذر چکی۔تو اس صورت مسئولہ میں ہندہ زید کے نکاح سے بھی خارج ہو چکی اور اس کی عدت بھی پوری ہوگئی۔تو ہندہ کا یہ نکاح ثانی جائز ہوگیا۔درمختار میں ہے:

وبحرمۃ المصاھرۃ لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لھا التزوج بآخر الا بعد المتارکہ وانقضاء العدۃ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔۷ محرام الحرام ۱۳۷۶ھ

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۳۰)

کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین بیچ مسئلہ کے کہ

میرے خسر نے رات کو تقریباً ایک ڈیڑھ بجے بری نیت سے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اٹھایا، میری چیخ نکل گئی، میرے خسر نے مجھے کہا خاموش اور کوئی نہیں ہے میں ہوں، میں سمجھ کر میرے خسر ہیں میں نے شور مچا دیا، شور سن کر میری ساس آ گئی انہوں نے مجھکو خاموش کر دیا اور میرے خسر نے میرے سامنے میری تسلی کے لئے قرآن شریف اٹھوایا آئندہ میں ایسا نہیں کرونگا۔اب مجھکو اللہ کے واسطے معاف کر دے۔میں نے کہہ دیا اچھا، اب میں بغیر طلاق لئے کہیں دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہوں یا نہیں؟ فقط

سکینہ بیگم بنت نعمت اللہ سرائے منڈی عرف منڈی سرائے سنبھل

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر شوہر بھی اس واقعہ کو تسلیم کرتا ہے تو یہ عورت اس شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی لیکن شوہر پر ضرور ہے کہ وہ اس سے متارکہ کرے یعنی یہ کہے کہ میں نے اس کو چھوڑا۔بغیر اس کے اور عدت کے وہ عورت کسی دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی۔اور اگر شوہر کو وہ بات ہی تسلیم نہ ہو تو صرف عورت کا کہنا ثبوت نہیں اس صورت میں وہ کسی دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی بلکہ وہ اسی شوہر کی بیوی ہے اس کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی۔درمختار میں ہے " وبحرمۃ المصاھرۃ لا ترتفع النکاح حتی لا یحل لھا التزوج باخر الا بعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ " واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۳۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین صورت ذیل میں۔

(۱) کہ ہندہ اپنے خسر کے متعلق بیان دیتی ہے کہ ایک روز رات کو میں مکان کے اندر نیند سے سو رہی تھی، میرے خسر آئے اور میرے پستان پر ہاتھ رکھا جس کی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نیند سے بیدار ہوئی۔

(۲) دوسرا واقعہ بیان کرتی ہے کہ ایک دن میں اپنے گھریلو کام میں مشغول تھی میرے خسر دروازہ بند کرکے میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کے زبردستی زنا کیا ہندہ مذکورہ بالا واقعات کو باحلف بیان کرتی ہے۔ہندہ کا خسر مذکور بالا واقعات سے انکار کرتا ہے۔اقرار صرف اتنی بات کا کرتا ہے کہ ایک روز رات کو جبکہ تنہا وہ گھر میں سو رہی تھی میں اپلے لینے گیا، اپلہ اس کے اوپر گر پڑا اور وہ جاگ پڑی، اس وقت میں شوہر گھر نہیں تھا۔اس واقعہ یعنی زبردستی زنا کرنے کی تصدیق ہندہ کی ساس بھی بیان کرتی ہے اور ہندہ کے کہنے کے مطابق اسکا شوہر بھی بیان کرتا ہے اور اس واقعہ (باپ کے اس کی زوجہ سے زنا کرنے) کی تصدیق کرتا ہے۔لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہے یا نہیں۔بینوا توجروا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب .

صورت مسئولہ میں نہ تو صرف ہندہ کا بیان قابل سماعت۔ لا ن الحرمة ليست اليها كما قال الفقهاء ''اورنہ اس کی ساس کی تصدیق حجت کہ فتاوے عالمگیری میں ہے:ولا نقبل شهادة النساء وحدهن ۔لیکن جب اسکا شوہر بھی تصدیق کرتا ہے اور مانتا ہے کہ واقعہ ایسا ہوا تو اس ہندہ کا نکاح تو زائل نہیں ہوا۔فتاوی عالمگیری میں ہے:النكاح لايرتفع بحرمة المصاحرة ۔مگر یہ ہندہ خسر اور شوہر دونوں پر ہمیشہ کیلئے حرام ہوگئی اور کسی حیلہ سے اس شوہر کے لئے حلال نہیں ہوسکتی،اب شوہر پر فرض ہے کہ متارکہ کرے۔یعنی مثلا کہے کہ میں نے تجھے چھوڑا،تو وہ بعد عدت کسی دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے۔درمختار میں ہے۔ وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر الا بعد المتاركه وانقضاء العدة (شامی ص۲۹۰ج۲)

اور اگر شوہر اس واقعہ کو تسلیم نہیں کرتا ہو تو نہ صرف عورت کے بیان سے ثابت ہوسکتا نہ فقط اس کی ساس کی شہادت سے۔ بلکہ ہندہ اس کی عورت ہے اور ان کے مابین نکاح باقی ہے۔فتاوی عالمگیری میں ہے۔ان كذبها(الزوج) فهي امرأته كذافي الظهيرية والله تعالى اعلم بالصواب

محرم الحرام۔۱۳۶۹ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل،الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول،ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۳۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

بکر کے والد عمر نے بکر کی بیوی سے زنا کیا اس کے بعد اس واقعہ کو بکر کی بیوی نے دو عورتوں سے کہا جنہوں نے اس بات کو سب گاؤں میں مشہور کردیا اور سب گاؤں والوں کو معلوم ہوگیا۔جب سب گاؤں میں یہ بات مشہور ہوگئی تو بکر کی بیوی یہ کہتی ہے کہ یہ بات غلط ہے،مجھ سے میرے خسر نے ایسا نہیں کیا بلکہ گھر ایک بات پر مجھکو گالیاں دیں اور لٹھ سے مارا اسکے خسر کا بھی یہی بیان ہے کہ میں نے اس کو گھر کی بات پر مارا ہے۔گاؤں والوں نے ان تینوں کا حقہ پانی بند کردیا ہے۔ یہانتک کہ مسجد میں جانا۔بات چیت کرنا۔گاؤں کی دو کانوں سے انکا سودا خریدنا بھی بند کردیا ہے۔اس واقعہ سے مولوی

محمد اسمعیل صاحب دیوبندی ہیں انہوں نے یہ فتوی دیا کہ عمر کو ایک گڑھے میں ڈالکر چالیس آدمی پتھر ماریں اور ہر آدمی دو پتھر مارے اور سر کو تاک کر مارے اگر زندہ رہا تو اچھا ہے۔اور گاؤں کی پنچائت کے آدمی یہ کہتے ہیں کہ تین سو روپیہ لیکر چھوڑ دیا جائے۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کا اس پہ کیا فتوی ہے۔فقط

سائل محمد ابراہیم ساکن ترتواضلع کلہ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر اس عمر کا اپنے بیٹے کی بیوی سے یہ ناجائز تعلق اور زنا دلیل شرعی سے ثابت ہوجائے تو وہ عورت بکر وعمر دونوں پر ہمیشہ کیلئے حرام ہوجائیگی اور بکر پر ضروری اور فرض ہوگا کہ اس سے متارکہ کرے اور اسے چھوڑ دے۔لیکن صورت مسئولہ میں تو اس واقعہ کی کوئی شہادت شرعی موجود نہیں ہے۔رہا عورتوں کا کہنا تو اول تو حدود میں عورتوں کی شہادت معتبر نہیں،پھر وہ بھی واقعہ کی گواہ نہیں۔نیز صرف عورتوں کی شہادت شرعی شہادت نہیں البتہ اگر بکر اس زنا کی تصدیق کرے اور اسکے قلب پر اس کا صدق جمتا ہو تو یہ عورت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بکر وعمر دونوں پر حرام ہوجائیگی اور یہ بکر اس عورت سے یہ کہدے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا۔پھر وہ عورت اسکے نکاح سے خارج ہوجائیگی۔

مولوی اسمعیل دیوبندی نے اگر یہ فتوی دیا ہے تو بالکل غلط وباطل ہے۔کہ سنگسار کرنا،حد کا قائم کرنا بادشاہ اسلام یا اس کے نائب کا کام ہے۔فتاوے عالمگیری میں ہے۔وركن الحد اقامة الامام اونائبه في الاقامة ۔یہانتک کہ بعد مباشرت حرام کے بھی غیر حاکم کو تعزیر کا حق حاصل نہیں۔عالمگیری میں ہے۔لكل مسلم اقامة التعزير حال مباشرة المعصية واما بعد المباشرة فليس ذلك لغير الحاكم ۔تو جب بعد مباشرت معصیت غیر حاکم کو تعزیر کرنے کا حق حاصل نہیں تو غیر حاکم کے لئے حد قائم کرنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔ یہانتک کہ امام نے اگر سنگسار کرنے کا حکم دیدیا ہے لیکن امام یا حاکم خود سب سے پہلے زانی کے پتھر مارنے کے لئے تیار نہیں ہوتا تو عام لوگوں کو اسکا سنگسار کرنا حلال نہیں۔

درمختار میں ہے۔ويبدأ الامام لو مقرا مقتضاه انه لو امتنع لم يحل للقوم رجمه وان امرهم لفوت شرطه ۔

مگر اس جاہل مفتی بلکہ مخطی نے یہ فتوی محض اپنے دل اور فقط اپنی رائے ناقص سے دیا ہے۔لہذا مسلمانوں کو اس غلط وباطل فتوی پر ہرگز ہرگز عمل جائز نہیں۔اس طرح گاؤں کی پنچائت کا تین سو روپے کا

حکم۔ تو یہ بھی شرعاً ناجائز ہے۔

ردالمحتار میں شرح معانی الآثار سے ناقل ہیں۔ التعزیر بالمال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: والحاصل ان المذھب عدم التعزیر باخذ المال۔

تو یہ پنچائت میں جرمانہ بھی شرعاً ناجائز وناروا ہے۔ ہاں اس عمر کیلئے حقہ پانی وغیرہ بند کرنیکی سزا کافی ہے اور بغیر ثبوت شرعی کے کسی کو سزا کا مستحق قرار دینا نامناسب ہے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

۱۴ر صفر المظفر ۱۳۷۴ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۳۴)

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع اس بارے میں کہ

صفیہ کہتی ہے کہ میرے خسر نے میرے ساتھ جبراً زنا کیا اس کا خسر قسمیہ کہتا ہے کہ میں نے ہرگز ہرگز زنا نہیں کیا۔ ایک شخص نے صفیہ کو اس کے خسر کے بستر میں سے نکلتے ہوئے بھی دیکھا۔ صفیہ کے خسر کی زناکاری کی ایک دو وارداتیں پہلے بھی مشہور ہو چکی ہیں۔ اور اس کی بے عزتی کی جا چکی ہے، ایک فتوی منگایا گیا تھا، جس میں زنا کے ثبوت کے لئے چار آدمیوں کی گواہی کی ضرورت تھی کہ انہوں نے بچشم خود دیکھا ہو۔ غرض چار شخصوں کا ثبوت نہیں ہے، فتوی میں یہ بھی تحریر تھا کہ اگر زنا ہوا ہے اور گواہ بھی نہیں تو صفیہ اپنے شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے۔ ایسی صورت میں صفیہ اپنے شوہر پر حرام ہے۔ صفیہ کے شوہر کے طرفداروں نے بھی ایک فتوی منگایا تھا جس کے جواب میں سنا گیا ہے کہ اگر صفیہ کا شوہر تصدیق کرے کہ اس کے باپ نے زنا کیا ہے تب بھی صفیہ اس پر حرام ہوگئی، صفیہ کے شوہر سے معلوم ہوا کہ جب فتوی آیا تھا مجھ سے پوچھا گیا تھا کہ تجھے شک ہے کہ تیرے باپ نے زنا کیا ہوگا، تو میں نے کہا تھا کہ میرے دل میں یہ بات جمتی ہے شک تو معلوم ہوتا ہے۔ یہ بیان کئی آدمیوں نے فرداً فرداً اور کچھ نے ایک ساتھ، صفیہ کے شوہر اور اس کے طرفداروں کی زبانی سنا۔ اس واقعہ کو کچھ کم وبیش چھ ماہ گزر گئے صفیہ اپنے والد کے گھر ہے، ایسی صورت میں کیا صفیہ اپنی مرضی کے موافق نکاح جدید کر سکتی ہے؟۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں صرف صفیہ کا بیان حجت نہیں جب تک کہ شوہر اس کی تصدیق نہ کرلے، اور جب شوہر نے اسکی تصدیق کردی تو اس شوہر پر یہ عورت ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی، لہذا شوہر پر واجب ہے کہ اس کو اپنے اوپر حرام جانے، اور متارکہ کرے اور متارکہ یہ ہے کہ شوہر عورت سے کہے میں نے تجھے چھوڑا اس کے بعد عدت گزر جائے تو وہ عورت اپنا دوسرا نکاح کسی اور سے کرسکتی ہے، اور متارکہ کی عدت سے قبل نکاح جائز نہیں۔

درمختار میں ہے: بحرمۃ المصاھرۃ لایرتفع النکاح حتی لا یحل لھا التزوج بآخر الابعد المتارکۃ و انقضاء العدۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

اللہ اکبر

﴿۶۶﴾

باب الظہار

مسئلہ (۷۳۵)

کیافرماتے ہیں علماءدین ومفتیان شرع متین کہ

زید نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا کہ تم میری ماں اور میں تمہارا بیٹا۔ اور اس جملہ کو اس نے دومرتبہ کہا کیا ان الفاظ کے استعمال سے زید کی بیوی مطلقہ ہوگئی اور وہ اس کی زوجیت سے نکل گئی؟ اگرنہیں تو زن وشوہر کے درمیان باہمی میل وموافقت کے لئے کیا کرنا ہوگا؟ زید کی بیوی چند بچوں کی ماں ہے اور اپنے شوہر کے ساتھ رہنا چاہتی ہے اسی طرح زید بھی اپنی زوجہ کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے اس مسئلہ کی وضاحت کتب دینیہ شرعیہ سے فرما کر ممنون کرم فرمائیں۔ بینوا توجروا والسلام مع الاکرام فقط

المستفتی محمد عبدالغفور سردار محلہ پورب دروازہ پٹنہ سٹی

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگرفی الواقع زید نے اپنی بیوی سے ایسے مکروہ الفاظ کہے ہیں تو ایسا کہنا شرعا مکروہ ہے لیکن ان الفاظ سے نہ تو طلاق واقع ہوئی نہ ظہار ہی ہوا۔ فتاویٰ عالمگیری قیومی میں ہے " ولو قال لها انت امی لا یکون مظاهراً وینبغی ان یکون مکروها" (عالمگیری قیومی جلد۲ صفحہ ۱۲۶)

درمختار میں ہے " ویکره قوله انت امی "ردالمحتار میں ہے " نحو انت امی بلا تشبیه فانه باطل و ان نوی' (ردالمحتار مصری ۵۸۹-ج۲)

ان عبارات سے یہ ثابت ہوگیا کہ زید کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ تم میری ماں ہو لغو وباطل ہے پھر اس کے بعد یہ کہنا کہ میں تمہارا بیٹا ہوں۔ یہ بھی اسی پہلے کلام پر مبنی ہے تو یہ بھی لغو وباطل ہی قرار پایا۔ بالجملہ زید کے ان مکروہ ونامناسب الفاظ سے اس کی بیوی اس کی زوجیت سے خارج نہیں ہوئی یقیناً یہ دونوں اپنے عقد پر باقی ہیں مگر آئندہ ایسے الفاظ کے استعمال سے زید اجتناب واحتراز کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۱۷؍ رجب المرجب ۷۷ ۱۳ھ

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

مسئلہ (۷۳۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ

ایک دن کا واقعہ ہے کہ مجھ سے اور میری اہلیہ میں دونوں میں کچھ ناراضگی ہورہی تھی۔ ہوتے ہوتے طرفین کے خیالات میں گرمی پیدا ہوگئی اور اسی گرمی کے جوش میں اور غصہ کے قائم یہ دوکلمہ میری زبان سے نکل پڑے بلکہ دواشخاص موجود تھے وہ دونوں کو گواہی میں رکھ اس کلمہ کو کہا۔ آج سے تم ہماری ماں اور میں تمہارا بیٹا تم ہماری ماں اور میں تمہارا بیٹا تم میرے لئے حرام ہوگئیں۔ آگے کچھ اور بحث نہ ہوئی۔ ہم گھر سے اٹھ کر باہر روڈ پر چلے گئے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اس کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ تم ہماری ماں اور میں تمہارا بیٹا صرف مکروہ تھا اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی تھی لیکن اس کے یہ (تم میرے لئے حرام ہوگئیں۔) کہنے سے عورت پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی۔

ردالمحتار میں ہے: وافتی المتاخرون فی انت علی حرام بانه طلاق بائن للعزف بلا نیه "۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل



﴿۶۷﴾

باب اللعان

مسئلہ (۲۳۷)

(۱) کیا فرماتے علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ ایک شوہر نے اپنی زوجہ کو زنا کی تہمت لگائی اور پھر اس اتہام کے غلط ہونے کا خود ہی اعتراف کیا تو آیا صرف زنا کی تہمت لگانے ہی سے اس عورت پر طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں یا نکاح فسخ ہوجائے گا یا نہیں؟۔

(۲) اگر شوہر بیوی کے مال یا جائداد کو بلا اس کی مرضی کے صرف کرے تو آیا شوہر کے اس فعل سے اس عورت کو طلاق یا فسخ نکاح کا حق حاصل ہوجاتا ہے یا نہیں؟۔

الجواب

اللھم ھدایة الحق والصواب

(۱) جب شوہر اپنی زوجہ کو صرف زنا کی تہمت لگائے تو فقط اتہام سے نہ عورت پر طلاق واقع ہوتی ہے نہ نکاح فسخ ہوتا ہے بلکہ اتہام کے بعد جب عورت قاضی کے یہاں شوہر پر دعوی کرے اور قاضی تمام شرائط لعان کو مدنظر رکھتے ہوئے زوجین کو لعان کا حکم دے اور وہ دونوں شرعی طور پر لعان بھی کرلیں تو صرف لعان سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی چنانچہ۔

ردالمحتار میں ہے: ولاتقع الفرقة بنفس اللعان قبل تفریق الحاکم ۔

(شامی مصری ج۲ص۶۰۵)

حاکم کی تفریق سے پہلے خود لعان سے فرقت واقع نہیں ہوتی۔

اسی ردالمحتار میں ہے: مفادہ لاتحصل حرمة الوطی قبل التفریق ۔

(شامی مصری ج۲ص۶۰۵)

مراد یہ ہے کہ تفریق سے پہلے وطی کی حرمت حاصل نہیں۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے: وما یفرق القاضی بینھما فھی امرأته ولھا النفقه عندنا۔

(فتاوی قاضی خاں ج۲ص۲۶۲)

جب تک قاضی ان دونوں میں تفریق نہ کرے تو وہ اس کی بی بی ہے اور ہمارے نزدیک اس کو

نفقہ کا حق حاصل ہے۔

بلکہ لعان کے بعد خود شوہر طلاق دینے سے اور اگر شوہر طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی ان دونوں میں تفریق کرے تو قاضی کی تفریق سے مطلقہ ہوجائے گی۔

چنانچہ جوہرہ نیرہ میں ہے:

ولا تقع الفرقة حتی یقضی بالفرقة علی الزوج فیفارقھا بالطلاق فان امتنع من ذلک فرق القاضی بینھما وقبل ان یفرق الحاکم لاتقع الفرقة والزوجیة قائمة یقع طلاق الزوج علیھا وظھارہ وایلئبہ وتجری التوارث بینھما اذا مات احدھما ۔

(جوہرہ نیرہ ج۲ص۱۳۳)

عورت نکاح سے خارج نہیں ہوتی یہاں تک کہ شوہر کو جدا کرنے کا حکم دیا جائے گا تو شوہر اسے طلاق دے کر جدا کرے پس اگر شوہر طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی زوجین میں تفریق کردے اور حاکم اسلام کی تفریق سے پہلے وہ عورت نکاح سے خارج نہیں ہوتی بلکہ تعلق زوجیت باقی رہتا ہے کہ شوہر کی طلاق اور ظہار وایلا واقع ہوسکتے ہیں اور جب ایک مرجائے تو دوسرا اسکا وارث ہوگا۔

کنز الدقائق ودرمختار میں ہے:

بانت بتفریق الحاکم فیتوارثان قبل تفریقه ۔(شامی ج۲ص۶۰۵)

حاکم اسلام کی تفریق کرنے سے عورت مطلقہ بائنہ ہوتی ہے اور تفریق سے پہلے وہ آپس میں وارث ہوں گے۔

شامی میں ہے: فیتوارثان قبل تفریقه لانھا امراته یفرق القاضی بینھما۔

(شامی مصری ج۲ص۶۰۵)

تفریق سے پہلے زوجین آپس میں وارث ہوں گے اس لئے کہ جب تک قاضی ان میں تفریق نہیں کریگا وہ اس کی عورت ہے۔

فتاوی سراجیہ میں ہے: اذا فرغا من الملاعنة فرق القاضی بینھما ان ابیا التفریق فیکون تطلیقة بائنة وقبل التفریق کانت الزوجیة باقیة ۔(فتاوی سراجیہ ص۴۶)

جب زوجین لعان سے فارغ ہوجائیں تو قاضی ان میں تفریق کرے اگر وہ تفریق سے انکار کریں تو وہ تفریق طلاق بائنہ ہوگی اور تفریق سے پہلے تعلق زوجیت باقی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب لعان سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی تو صرف زنا کی تہمت لگانے سے کس طرح طلاق واقع ہوسکتی ہے اور کس طرح نکاح فسخ ہوسکتا ہے اور یہ ساری گفتگو بھی اس صورت میں ہے کہ جب شوہر اتہام پر برقرار رہے اور جب وہ اتہام کے غلط ہونے کا اعتراف کرے تو بقائے نکاح میں کوئی شک ہی نہیں۔

ردالمحتار میں ہے: ولو اکذب نفسه حل له الوطی من غیر تجدید النکاح۔

(ردالمحتار مصری ج ۲ ص ۶۰۵)

اگر شوہر نے تہمت زنا کو خود ہی جھٹلایا تو بغیر تجدید نکاح شوہر کے لئے اس سے وطی کرنا حلال ہے

جوہرہ نیرہ میں ہے: اما اذا کذب نفسه لم یبق التلاعن بعد الا کذاب ۔

(جوہرہ نیرہ ج ۲ ص ۱۳۳)

خلاصہ جواب یہ ہے کہ اس عورت پر صرف تہمت زنا کی بنا پر طلاق واقع ہوئی نہ نکاح فسخ ہوا بلکہ وہی نکاح باقی ہے اور جب شوہر نے اس اتہام کے غلط ہونے کا اعتراف کرلیا تو اب لعان کا حق بھی ساقط ہوگیا جیسا کہ ابھی جوہرنیرہ کی عبارت سے ظاہر ہوگیا۔

(۲) صورت مسئولہ میں عورت کو نہ اپنے آپ کو طلاق کا حق ہے نہ فسخ نکاح کرانے کا حق ہے۔

درمختار میں ہے: ولا یفرق بینهما بعجزه عنها بانواعها الثلاثة وهی ماکول وملبوس وسکن۔

(شامی ج ۲ ص ۶۷۳)

عورت کے نان ونفقہ اور لباس ومکان سے شوہر کے عاجز ہونے کی صورت میں ان میں تفریق نہیں ہوسکتی۔

تو صورت مسئولہ میں کس طرح تفریق واقع ہوسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

﴿۶۸﴾

باب التعلیق

مسئلہ (۷۳۸)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ

کیا اس شرط پر نکاح درست ہے کہ " ان امرها یکون دائما بیدها " اور اس شرط سے نکاح ہونے کے بعد وہ عورت جب چاہے اپنے گھر بیٹھ جائے اور اس کا نام طلاق سمجھ لیا جائے جب کہ (امرها) مطلق ہے۔ اس میں لفظ طلاق نہیں ہے للہ بحوالہ عبارت ونام کتاب فتاوی جواب مرحمت ہو۔

المستفتی محبوب احمد محلہ درگاہ پرشاد متصل ستی کا کنواں پیلی بھیت

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر بوقت عقد یہ شرط کی اور ایجاب عورت یا اس کے وکیل کی طرف سے اس طرح ہوا کہ میں نے اپنے نفس کو یا فلاں موکلہ کو اس شرط پر تیرے نکاح میں دیا اور مرد نے کہا کہ میں نے اس شرط کو قبول کیا تو نکاح درست ہے اور شرط صحیح ہے اور عورت کو اپنے نفس کو طلاق دیدینے کا اختیار حاصل ہے اور اگر ایجاب مرد کی طرف سے ہو اور عورت قبول کرے تو نکاح تو درست ہو جائیگا مگر وہ شرط صحیح نہ ہوگی اور عورت کو طلاق دینے کا اختیار حاصل نہ ہوگا ردالمحتار صفحہ ۴۹۷ ودرمختار میں ہے " نکحها علی ان امرها بیدها صح مقیداً بما اذا ابتدائت امرأة فقالت زوجت نفسی منك علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لا تطلق ولا یصیر الامر بیدها (وفیه ایضاً) ولو قال لها تزوجتك علی ان امرك بیدك فقبلت جاز النکاح ولغا الشرط لان الامر انما یصح فی الملك او مضافا الیه ولم یوجد و احدمنهما بخلاف ما مر فان الامر صار بیدها مقارنا لصیرورتها منکوحة والحاصل ان الشراط صحیح اذا ابتدأت المرأة لا اذا ابتدأ الرجل ولکن الفرق خفی " (ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۵۵۵)

اب باقی رہا یہ امر کہ جس پہلی صورت میں عورت کو اختیار حاصل ہے تو اس میں صرف گھر بیٹھ

جانے سے طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ وہ عورت ان جملوں میں سے کوئی جملہ کہے تو مجھ پر حرام ہے یا میں تجھپر حرام ہوئی۔ یا میں تجھ سے جدا ہوں، یا تو مجھ سے جدا ہے میں نے اپنے نفس کو طلاق دی وغیرہا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے " رجل جعل ان امرامرأته بيدها فقالت للزوج انت على حرام او انت منى بائن او انا عليك حرام او انا منك بائن فهذا كله طلاق " درمختار میں ہے "فلو قالت اناطالق طلقت نفسى وقع " تو وہ عورت بصورت اختیار اگر ان جملوں میں سے کوئی جملہ کہتی ہے تو طلاق واقع ہوگی ورنہ محض گھر بیٹھ جانے سے ہرگز طلاق واقع نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۷۸ھ

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۳۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کی دو بی بی ہیں زاہدہ اور خالدہ۔ زید اپنے کام سے کسی دوسری جگہ گیا تھا اور واپس مکان آیا تو خالدہ کو روتی ہوئی اور زاہدہ کو کھانا پکاتے ہوئے پایا۔ زید نے سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں بی بی زاہدہ اور خالدہ کے درمیان جھگڑا ہو گیا ہے۔ زید نے یہ بات معلوم کر کے غصہ میں آکر دونوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تم دونوں گھر سے نکل جاؤ اگر نہیں نکلو گی تو تم دونوں پر طلاق۔ ایک طلاق کیا بلکہ تین طلاق۔ زید یہ کہہ کر کہیں باہر چلا گیا دونوں بی بی زید کے نکل جانے پر گھر سے نکل کر بستی میں چلی گئیں تھوڑی دیر کے بعد دونوں عورت زید کے گھر میں واپس آگئیں۔ دونوں رات و دن زید کے گھر میں ٹھہری رہیں۔ بعد تیسرے روز دونوں کے ورثاء لوگ آکر دونوں کو میکے لیکر چلے گئے۔ جب زید چوتھے روز مکان پہونچا تو دونوں بی بی کو نہیں پایا۔ ہاتھ مسل کر رہ گیا۔ مذکورہ بالا سوالوں کے متعلق پھلواری شریف کو لکھا گیا تھا جواب آگیا کہ وہ طلاق واقع نہیں ہوئی ہے۔ اس جواب کے ملتے ہی زید اور زید کے والد بی بی کو لینے گئے۔ عورت کے ورثاء نے کہا چند آدمی بلا کر لاؤ جب رخصتی دیجائیگی ورنہ نہیں۔ زید کے والد نے کسی کو بلا کر نہیں لے گیا نہ رخصتی اب تک دیگئی ہے نہ وہ لے گیا۔ اب عرصہ پندرہ ماہ گزر رہے ہیں خالدہ کا قول ہے کہ طلاق واقع ہوگئی ہے جس کی بنا پر لڑکی ابھی میکے میں ہے حالت ابتر ہے عرض زید کا ہے اس کا خلاصہ جلد از جلد مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔ ان صورت سوال مذکورہ بالا میں کیا واقع ہوا۔ آیا طلاق واقع ہوئی یا

نہیں؟ شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے مفصل بیان فرمائیں۔

المستفتی شیخ منگلو موضع منڈیل ڈاکخانہ بائس ضلع پورنیہ بہار۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر واقعہ اسی طرح ہوا اور وہ دونوں عورتیں اسی وقت زید مذکور کے مکان سے نکل گئیں چاہے تھوڑی دیر بعد واپس آگئیں ہوں تو اس صورت میں تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور اگر وہ اس وقت تو مکان زید سے نہ نکلیں اور نہ انھوں نے نکلنے کی کسی طرح کی تیاری کی تو دونوں پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ پھر پھلواری شریف کا فتویٰ پہلی صورت میں تو صحیح ہے کہ وہ دونوں اسی وقت مکان زید سے نکل گئیں ہوں۔ رہی دوسری صورت کہ وہ مکان زید سے نہ اس وقت نکلیں نہ نکلنے کی تیاری ظاہر کی تو اس صورت میں پھلواری شریف کا فتویٰ صحیح نہیں۔ اور شرعا اس پر عمل کرنا غلط ہے کہ اس واقعہ میں حقیقۃ یمین فور ہے اور یمین فور کا حکم تمام کتب فقہ میں تفصیل سے ہے۔ اگر پھلواری شریف کا فتویٰ بلفظہ منقول ہوتا تو اسکا مکمل ذکر کر دیا جاتا تاہم نے جواب میں ہر صورت کا حکم بیان کر دیا ہے جو صورت واقعہ کی ہو اس پر عمل کیا جائے۔ لہٰذا اب ساری ذمہ داری سائل کی گردن پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۲ / جمادی الاول ۱۳۷۸ھ

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

۶۹

باب المفقود

مسئلہ

(۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین زاداللہ برکاتہم مسائل ذیل میں

(۱) زید اپنی بیوی بچوں کو چھوڑ کر پردیش چلا گیا تقریبا سات آٹھ سال سے مفقود الخبر ہے معلوم نہیں کہ زندہ ہے یا مرگیا عورت مذکور فقر وفاقہ کا شکار ہے نہ کوئی ذریعہ معاش نہ جائداد ومیراث ہے جس سے گذر بسر کر سکے ایسی صورت میں کوئی حیلہ شرعی پیدا ہوسکتا ہے کہ جس سے وہ اپنا عقد ثانی کر کے گذر بسر کر سکے۔ بینوا توجروا۔

(۲) مسماۃ ہندہ زوجہ میران بخش کا نکاح بوجہ ارتداد جب ٹوٹ گیا اور پانچ سال تک مرتد رہنے کے بعد جب پھر مسلمان ہوئی تو اب وہ میران بخش کے ساتھ اپنا نکاح کرنا کسی طرح پسند ومنظور نہیں کرتی تو اس کا نکاح کسی دوسرے مسلمان سے کردیا جائے یا نہیں۔ فقط

(۳) زید نے اس وقت یعنی اساڑھ میں بکر کو دس روپیہ کا غلہ دھان حسب نرخ بازار دس سیر کے حساب سے اودھار دیا اور کہا کہ اگھن میں جو بھاؤ لگے گا اس بھاؤ سے دس روپیہ کا دھان لوں گا چنانچہ اگھن میں پانچ سیر کا دھان بکا اسی حساب سے بکر سے زید نے لیا اس کو یہاں بکانا کہتے ہیں از روئے شرع شریف کے یہ جائز ہے یا ناجائز۔ فقط بینوا توجروا

المستفتی عبدالوہاب عفی عنہ پکسران ضلع رائے بریلی

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

(۱) زوجہ مفقود کے لئے ہمارا مذہب مفتی بہ یہ ہے کہ شوہر کی ولادت کو جب ستر (۷۰) سال گزرجائیں یعنی اس کی عمر ستر برس کی ہوجائے تو اس کی موت کا حکم کیا جائے اور اس کی زوجہ وفات کی عدت گزارے۔

ردالمحتار میں ہے:

واختار ابن الهمام سبعين لقوله عليه السلام اعمار امتى مابين الستين الى السبعين فكانت المنتهى غالباً۔

(ردالمحتار ج۳ ص۳۴۱)

ایسی ضرورت کسی حرام کو حلال نہیں کرسکتی کتنی وہ عورتیں ہیں جنکے شوہران ... ناراض ہوکر ان کے خورد نوش کی خبر نہیں لیتے اور وہ فقر وفاقہ کا شکار رہتی ہیں نہ ان کے پاس کوئی ذریعہ معاش ہوتا ہے تو کیا انہیں عقد ثانی کی اجازت دی جاسکتی ہے ہرگز نہیں ہرگز نہیں لہذا یہ ضرورت عقد ثانی کو مباح نہیں کرسکتی اسے چاہیئے کہ اپنی عصمت کو محفوظ رکھتے ہوئے اور احکام شرع کی پابندی کرتے ہوئے کوئی حلال کسب یا ملازمت کرے اور اپنی ضروریات کو پورا کرے اور اعمال مجربہ سے کسی عمل کو پڑھے انشاء اللہ تعالیٰ اس کا شوہر واپس آجائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) ہرگز نہیں بلکہ ہندہ کا جبراً میران بخش ہی سے نکاح کیا جائے گا ہاں اگر خود میران بخش اس کے ساتھ نکاح سے سکوت کرلے یا صاف الفاظ میں انکار کرے تو مسماۃ ہندہ کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنے کا اختیار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۳) صورت مسئولہ میں جب بکر نے زید سے دومن ۲۰ سیر دھان ادھار لئے تھے تو اگھن کے مہینہ میں بھی بکر زید کو صرف ۲ من ۲۰ سیر ادا کرے کہ قرض میں وزن کے برابر ہونے کا اعتبار ہے بھاؤ کے سستے مہنگے ہونے کا اعتبار نہیں۔

درمختار میں ہے: كل مايكال ويوزن لما انه مضمون بمثله فلاعبرة بغلائه ورخصه۔

(شامی ج۴ ص۱۸۰)

اور اگر زید نے اپنی شرط کی بنا پر بکر سے اگھن میں بجائے ۲ من ۲۰ سیر کے فی روپیہ ۱۵ حساب سے ۳ من ۳۰ سیر وصول کئے تو اس میں ایک من ۱۰ اما جو قرض سے زائد لئے وہ حرام وسود ہے۔

لانه يستوفى دينه كا ملافتبقى له المنفعة فضلا فتكون ربا قال فى الدر المختارنا قلا عن الاشباه كل قرض جر نفعا حرام وقال فى جواهر الفتاوى اذا كان مشروطا صار قرضا فيه منفعة وهو رباهذا كله فى ردالمحتار۔

بالجملہ ایسے قرض کا معاملہ کرنا اور اس میں منفعت کی ایسی شرط لگانا ناجائز وحرام ہے اور کھلا ہوا سود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۴۳)

کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(ہندہ) کی شادی بزمانہ نابالغی زوج (زید) کے ساتھ فریقین کے والدین نے کی۔ (زید) بعد شادی مفقود الخبر سارہا۔ اور زوجین کے درمیان کی خلوت صحیحہ نہیں ہوئی اور نہ ہونے کے واقعات وعمر تھی جب ہندہ سن بلوغ کو پہونچنے کے قریب ہوئی تو خبریں ملیں کہ گو زید بالغ ہو گیا ہے مگر کسی جرم میں ماخوذ ہونے کی وجہ سے روپوش ہے۔ اور اس نے کسی دیگر عورت سے شادی بھی کر لی ہے کچھ عرصہ بعد جب ہندہ کو معلوم ہوا کہ زید کی زوجیت میں رہنا اس کی آئندہ سوہان روح ہے تو اپنے ولی اپنے باپ سے شکایت کی۔ باپ نے یہ احساس کرتے ہوئے کہ اس نے بیٹی کے حق میں کانٹے بوئے اب کیا کرنا چاہئے۔ اہل علم سے مشورہ کیا۔ اہل علم نے سوال کیا کہ۔ تم نے شادی بحیثیت ولی منعقد کی یا کس طرح۔ باپ نے جواب دیا کہ چونکہ میرے سمدھی نے میری لڑکی کے بدلے اپنی لڑکی میرے لڑکے کو دینے کا اقرار کیا تھا اور یہ اقرار درمیان مستورات طے ہوا تھا۔ اس لئے میں نے اپنی بیوی کی خواہش پر ہندہ کی شادی زید کے ساتھ کرنے کے رضامندی ظاہر کی تھی۔ اپنے حق ولایت کو کام میں نہیں لیا تھا۔ یہ سنکر وکلاء صاحبان کی رائے ہوئی۔ کہ کلکتہ ہائی کورٹ سے ۱۷۴ انڈین کیس صفحہ ۶۳۲ پر قرار دیا ہے۔ اگر باپ محض رضامندی دے اور حق ولایت کو کام نہ لے تو لڑکی کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ حق خیار البلوغ کا مطالبہ کرے۔ اس کی تائید میں بحوالہ ردالمحتار جلد دوم صفحہ ۴۸۴ یہ بھی بتایا گیا کہ باپ یا ولی جائز کے فرائض اولیں میں ہے کہ وہ زوج ایسا تلاش کرے جو مریض، احمق، بدشعار نہ ہو۔ فتاوی عالمگیری۔ وکتاب الانوار وغیرہ کے حوالہ جات سے یہ بھی بتایا گیا کہ اگر والد احمقانہ یا غافلانہ طریق پر شادی کرتا ہے وہ جائز نہیں ہے جسٹس امیر علی جنہوں نے شرع محمدی انگریزی زبان میں شرعی کتب کے حوالہ سے تدوین کی ہے۔ ۱۹/انڈین لار پورٹ کے صفحہ ۷۹ پر رقمطراز ہیں کہ اگر کوئی لڑکی حق خیار البلوغ کا استعمال کرتے ہوئے بلا قضائے قاضی یا عدالت دوسری شادی کرے تو وہ ازدواج ناجائز کی مرتکب نہیں ہے۔ کیونکہ قضائے قاضی وتوسل عدالت حق خیار البلوغ کے لئے چنداں ضروری نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ولی جائز کی احمقانہ یا غافلانہ غلطی کا ازالہ کرنے کے لئے حق خیار البلوغ کا زمانہ تا سن شعور باقی رہتا ہے۔ ان واقعات کے ماتحت لڑکی کے باپ نے اپنے حقوق ولایت سے دست بردار ہوئے جب لڑکی کو پہلا طہر ہوا اجازت دی کہ چاہے وہ شادی منظور کرے یا حق بلوغ کو کام میں لیتے ہوئے فسخ کردے چونکہ مہر

متعینہ بھی حسب قاعدہ نہ تھا نیز لڑکے کی شورہ پشتی مشہور تھی لڑکی نے حق خیار البلوغ کو کام میں لیتے ہوئے زید کی زوجہ بننے سے روبرو چند اشخاص قطعی انکار کر دیا۔ بحیثیت وکیل لڑکی کی طرف سے کچھ لوگ میرے پاس آئے کہ قانونی روشنی میں ایک اطلاع خاوند واس کے باپ کو بطور نوٹس دیدیا جائے میں نے کتب قانونی کا مطالعہ کیا تو شرعی محمدی کی روشنی میں کئی ہائی کورٹوں کے فیصلہ لڑکی کے حق میں ملے اور نظائر محلّہ بالا درست پائے گئے مگر اپنی شرعی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے قبل اجراء نوٹس مذکورہ میں نے مناسب سمجھا کہ معاملہ علماء ومفتی صاحبان کی طرف رجوع کیا جائے۔ لہذا مستفسر ہوں کہ صورت مسئولہ میں کیا لڑکی کی بلا قضائے قاضی یا توسل عدالت دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ انگریزی کتب میں مجھے حضرات شیخین میں سے مجھے امام محمد کی رائے ملی ہے کہ لڑکی اگر دو شخصوں کے سامنے انفساخ نکاح کردے تو بلا توسل عدالت انفساخ نکاح ہے۔ یہ لڑکی ایسا کر چکی ہے یہ کہاں تک صحیح ہے براہ کرم تحقیقی نگاہ ڈال کر مفصل جواب سے مستفیض فرماویں اور عنداللہ ماجور ہوں بینوا وتوجروا

المستفتی، حکیم وکیل قاضی محمد حفیظ اللہ صدیقی بکس نزد اسٹیڈیم سینما جودھپور

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں ہندہ کا یہ نکاح نہ قابل فسخ ہے اور نہ ان کو خیار بلوغ حاصل ہے۔

اولا: جب اس ہندہ کا نکاح بحالت نابالغی کے باپ نے کیا ہے تو باپ کا کیا ہوا نکاح نہ قابل فسخ ہوتا نہ خیار بلوغ کا حق حاصل ہوتا ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے " فان زوجھما الاب والجد فلا خیار لھما بعد بلوغھما "

(عالمگیری قیومی جلد ۲ صفحہ ۱۰)

ثانیا: ولی کا سکوت تو شرعا رضا نہیں ہوتا اور جب وہ صراحۃ اپنی رضامندی کا اظہار کرے اور خود عقد نکاح کرلے تو اسی کا نام حق ولایت کو کام میں لینا ہے اور یہی بحیثیت ولی نکاح کا منعقد کرنا کہلاتا ہے۔ درمختار میں ہے " فلو زوج الا بعد حاقا قیام الاقرب توقف علی اجازتہ "

اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں " فلا یجوز سکوتہ اجازۃ لنکاح الا بعد وان کان حاضراً فی مجلس العقد ما لم یرض صریحا او دلالۃ " (ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۳۲۳)

تو ہندہ بالغہ کا باپ اس کے نکاح سے جب اپنی صراحۃ رضا ظاہر کرتا ہے اور خود برات کو بلاتا ہے

اوراس کا انتظام کرتا ہے اپنی اجازت سے عقد کراتا ہے تو یہ اس کا حق ولایت کو کام میں لینا نہیں ہے تو اور کیا ہے لہٰذا ہندہ کے نکاح سے اسکے والد کی رضا صراحۃ ودلالۃ ہرطرح ثابت ہوگئی۔ اوراگر اس سے بھی قطع نظر کرلی جائے تو اس ہندہ کے عقد کرانے کی نسبت کس کی طرف کی جائے گی۔ ظاہر ہے اسوقت ہندہ تو نابالغہ تھی تو اس کی طرف تو نسبت ہونہیں سکتی۔ اسی طرح کسی ولی ابعد کی طرف بھی نسبت نہیں کی جا سکتی کہ اس کا ولی اقرب باپ موجود ہے وولی اقرب کی موجودگی میں بلا اس کی رضا کے ولی ابعد نابالغہ کا نکاح کرنہیں سکتا۔ اوراگر ولی ابعد ہی نے نکاح کیا اور مجلس میں ولی اقرب باپ بھی موجود تھا اور وہ اس نکاح سے اپنی رضامندی کا اظہار کرچکا ہے تو عقد کرانے کی نسبت حقیقۃ ولی ابعد کی طرف نہیں ہوگی بلکہ اس ولی اقرب باپ کی طرف ہوگی۔ بہرصورت اس ہندہ کے عقد کرانے کی نسبت اس کے باپ کی طرف ہوگی تو ثابت ہوگیا کہ یہ عقد نکاح اسی کی حق ولایت سے وجود میں آیا اور بحثیت ولی ہونے کے وہی اس کا منعقد کرنے والا قرار پایا اور یہ اوپر ثابت ہوچکا ہے کہ باپ کا کیا ہوا نکاح نہ قابل فسخ ہے نہ اس میں خیار بلوغ کا حق حاصل ہے۔

ثالثا: جب باپ اولاد کے حق میں غیر شفیق ہو اور وہ لڑکیوں کے ساتھ سوء اختیار اور طمع کا معاملہ کرنے میں مشہور ومعروف ہو کہ وہ اس نکاح سے پہلے کسی لڑکی کو غیر کفو میں یا فسق سے کچھ دام لیکر نکاح کرچکا ہو تو ایسے باپ کا دوسری لڑکی کا نکاح صحیح ونافذ نہیں ہوتا۔

ردالمحتار میں ہے " لو عرف من الاب سوء الاختیار لسفهه او لطمعه لا یجوز عقدها اجماعا ۔ (وفیه ایضا والحاصل ان المانع هو کون الاب مشهور ابسوء الا ختیار قبل العقد فاذا لم یکن مشهورا بذلك ثم زوج بنته من فاسق صح وان تحقق بذلك انه سیئی الاختیارقبله بخلاف العقد الاول لعدم وجود المانع قبله "

(ردالمحتار مصری جلد۲ صفحہ۳۱۲)

اور سوال میں اس ہندہ کے باپ کا نہ غیر مشفق ہونا مذکور نہ اس کے سوء اختیار کے مشہور ومعروف ہونے کا بیان تو اس نکاح پر عدم صحت کا حکم تو ہونہیں سکتا بلکہ یہ نکاح لازم قرار پایا۔

تنویر الابصار متن درمختار میں ہے:

ولزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفؤ ان کان الولی ابا او جد الم یعرف منهماسوء الاختیار "

(ردالمحتار جلد۲ صفحہ۳۱۲)

تو اس ہندہ کا نکاح نہ قابل فسخ ہی ہے اور نہ اس کو اس میں خیار بلوغ حاصل ہے۔

رابعا: عورت کو خیار فسخ خود اسی وقت ہے جب وہ بالغ ہو۔ لہٰذا وہ اسی وقت کسی کو گواہ بنائے کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں اور میں اپنے نفس کو اختیار کرتی ہوں اور اگر اس میں کچھ بھی وقفہ کردیا تو فسخ کا اختیار جاتا رہا۔

ردالمحتار میں ہے " اذ بلغت وهی عالمة بالنکاح او علمت به بعد بلوغها فلا بد من الفسخ فی حال البلوغ او العلم فلو سکتت ولو قلیلا بطل خیار ها "

(ردالمحتار جلد۲ صفحہ۳۱۸)

اس سوال سے ظاہر ہے کہ ہندہ کو نکاح کا علم تو پہلے ہی سے تھا۔ لیکن اس کا خود بوقت علم بلوغ کسی کو گواہ بنانا اور اپنے نفس کا اختیار کرنا سوال میں نہیں ہے بلکہ اس قدر طویل وقفہ مذکور ہے کہ اس نے بالغ ہوکر عرصہ کے بعد یہ سوچا کہ مجھے اس کی زوجیت میں زندگی گذارنی دشوار ہے تو اس نے اپنے باپ سے شکایت کی باپ نے بھی فوراً جواب نہیں دیا بلکہ اہل علم سے مشورہ کرکے نہ معلوم کتنے عرصہ کے بعد اس کو فسخ نکاح کی اجازت دی تو ہندہ نے بوقت علم بلوغ نہیں بلکہ نہ معلوم کس قدر عرصہ کے بعد فسخ نکاح کا اس وقت ارادہ کیا جب اس کا خیار فسخ وخیار بلوغ باطل ہوچکا ہے تو اس کا فسخ نکاح کرنا شرعا فسخ نہیں ہے۔

خامسا: خیار بلوغ میں نکاح اس وقت فسخ ہوتا ہے جب قاضی فسخ نکاح کا حکم دے کہ حکم قاضی فسخ کے لئے شرط وضروری ہے۔

ردالمحتار میں ہے " لا یثبت الفسخ الا بشرط القضاء "۔

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے " وشرط القضاء للفسخ فی خیار البلوغ من صغیر او صغیرة فلا یبطل العقد ما لم یقض القاضی لان هذا العقد کان نافذا فلا یبطل بمجرد الرد ما لم یتاکد بالقضاء "

(مجمع الانہر جلد۱ صفحہ۳۳۷)

لہٰذا ہندہ کا نکاح بغیر حکم قاضی فسخ نہیں ہوسکتا۔ الحاصل اس ہندہ کا فسخ نہیں ثابت ہوسکتا۔ مسئلہ کے سمجھنے کے لئے پانچ وجوہ بہت کافی ہیں۔ انگریزی کتابیں یا ہائی کورٹ کے فیصلے حکم شرعی کو نہیں بدل سکتے۔ میں اس وقت عدیم الفرصت ہوں اسلئے زائد تفصیل نہ کرسکا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ : الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول ۱۲ / رجب المرجب ۱۳۷۷ھ

مسئلہ (۷۴۵)

مکرم ومحترم حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہم

ذیل میں مفقود کے متعلق ایک سوال اوراسکا جواب درج ہے براہ کرم از روئے شرع مطہر وفقہ حنفی تحریر فرمائیں۔ کہ کیا ایک مفتی کا بحیثیت حنفی ہونے کے یہ جواب صحیح ہے۔

سوال؛ سائلہ اپنے شوہر مسمے جلال الدین کے ہاں عرصہ پندرہ سال آباد رہی۔ بعدازاں مسمے مذکورہ اپنی عورت کو نکالکر کہیں چلا گیا اوراک عرصہ گزر چکا ہے کہ اس کی زندگی اورموت کا کچھ پتہ نہیں۔ سائلہ کے پاس نہ کوئی جائداد ہے نہ کوئی رشتہ دار جواس کی خبرگیری نان ونفقہ کرے۔ ایسی حالت میں سائلہ مجبور ہورہی ہے۔ نوجوان ہے یوں بھی وہ خطرہ میں ہے۔ سائلہ کی درخواست پر مسمیاں نتھو اورروشن دین گواہ اورانجمن کی تصدیق ثبت ہے،

الجواب۔ بعون الوھاب ۔ قرآن کریم کا جامع مانع حکم ہے کہ عورتوں کوحسن سلوک سے رکھا کرویا اچھی طرح سے چھوڑدو۔ کماقال اللہ تعالی فامساك بمعروف او تسريح باحسان ۔

(سورہ بقرہ)

حضور شارع علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے کہ اسلام میں ضرر رسانی جائز نہیں بلکہ یہ ایک قبیح فعل ہے۔ لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام الحدیث ۔

لہذا جوشخص مفقود الخبر (گم ہوجائے) اوراس کی زندگی اورموت کی خبر باوجود تلاش نہ ملے توگم شدگی کی حالت یاعدم ایفائے حوائج ضروریہ نان ونفقہ وغیرہ سے جوتکلیف وضرر زوجہ مفقود الخبر کیلئے ہے اس کی برابر اورکوئی ضرر عورت کیلئے نہیں ہے۔ اورانہیں وجوہات پر خلیفہ ثانی حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زوجہ مفقود الخبر کی نسبت حکم جاری کردیا کہ زوجہ مفقود الخبر چارسال تک انتظار رکھ کر پھر مزید چارماہ دس یوم عدت وفات گزار کرنکاح ثانی کرلے جس پر ایک جم غفیر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع اور مسلک مالکیہ کا فیصلہ وانحصار بھی اسی مسئلہ میں اس حکم اوراجماع صحابہ پر ہے جسے موطا امام مالکؒ میں روایت فرمایا گیا ہے ۔

ان عمر بن الخطاب قال ايما امراة فقدت زوجها فلم تدراين هو الخ۔ (موطا)

اورخلیفہ ثالث سیدنا حضرت عثمان۔ ابن عمر۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا بھی یہی فتوے ہے۔

(تلخیص)

اورپھر جماعت تابعین رضی اللہ عنہم نے اپنے عصر میں اس مسئلہ کی مخالفت نہیں کی۔

(زرقائی شرح موطا)

لیکن ائمہ احناف رحمہم اللہ تعالے کے اقوال اس مسئلہ میں مختلف ہیں مگر عورت کی مجبوری ومشکلات مدنظر رکھتے ہوئے بالا ائمہ موصوف رحمہم اللہ تعالے نے بھی عند الضرورۃ الشدیدہ یعنی بوجہ عدم ایفائے نان ونفقہ وغیرہ بخوف واقع حرام ہونے مسلک مالکیہ پر فتوی دینا درست اور جائز قرار دیا جیسا کہ درمختار میں ہے۔

لا باس بالتقليد عند الضرورة۔ (درمختار)

علاوہ بریں ہندوستان وپنجاب کے مستند علمائے احناف نے بھی انہیں احکام کے ماتحت فتوی دیا ہے۔ (دیکھو فتاوے لکھنوی جلد اول وفتاوے گنگوہی جلد دوم)

مگر اختیار فسخ واجازت نکاح ثانی قاضی اسلام کو ہے جیسا کہ کتب فقہ میں صراحت ہے۔

لا يثبت الفسخ الا بشرط القضاء۔ (شامی)

چونکہ موجودہ دور حکومت غیر اسلامی میں قاضی کا وجود معدوم ہے اوراختیارات قاضی اسلام عدالت مجاز کو ہیں یا پھر بصورت معذوری جماعت عدول مسلمین کو اختیارات ہوسکتے ہیں۔ یعنی اگر عدالت کی چارہ جوئی میں معذوری ومجبوری ودشواری ہوتو پھر چند دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت مرتب کیجائے اوراس کے سامنے تمام حالات وشہادت پیش کرکے فسخ نکاح کا حکم واجازت نکاح ثانی کی لی جائے۔ کیونکہ پھر یہ جماعت حسب احکام شرعیہ حکم فسخ واجازت نکاح ثانی دینے کی مجاز ہوگی۔ پس اتباع احکام شرعیہ وبشرط صدق قول مستفتی مصدقہ گواہان زوجہ مفقود الخبر نکاح کرنیکی مجاز ومختار ہوگی۔ فقط واللہ تعالی اعلم واحکم۔

المستفتی مولوی محمد مختار صاحب خطیب مسجد تالاب کھٹیا جموں توی۔

الجواب

نحمده ونصلي على رسوله الكريم عليه وعلى اله الصلاة والتسليم۔ اما بعد۔

زوجہ مفقود کے متعلق یہ فتوے دیکھ کراز حد حیرت ہوئی۔ اگر مجیب غیر مقلد ہے تو پھر تو اسے احکام شرع کا کیا لحاظ، جوخیال خام آیا لکھدیا، جومونھ میں آیا کہدیا، جس آیت وحدیث کو چاہا دلیل بنا کر پیش کردیا، پھر چاہے اسے مسئلہ سے کوئی ادنی تعلق بھی نہ ہو۔ غیر مقلد کو جب قرآن وحدیث کا صحیح طور پر سمجھنا

ہی نصیب نہیں ہوتا تو وہ مسائل کے سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔ لہذا اس کا فتوی مقلدین ہی کیا غیر مقلدین کیلئے بھی نہ حجت نہ دلیل نہ قابل عمل نہ اسکا کوئی حکم لائق اعتماد۔ نہ اسکا کوئی حوالہ قابل اعتبار۔ تو اس کے فتوے کو فتوی ہی کہنا باطل محض ہے۔

اور اگر مجیب حنفی مقلد ہونے کا مدعی ہے تو اسے فقہ احناف کی کسی معتبر کتاب سے ایسے مفتی بہ قول کی عبارت پیش کرنی کافی تھی جسکا یہ مضمون ہوتا کہ زن مفقود چار سال کے بعد عدت وفات گزار کر اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن مجیب نے ایسی تو کوئی عبارت نقل نہیں کی بلکہ اس مدعے کے اثبات میں خود اجتہاد کرنے کی ناپاک سعی کی اور اپنی فقاہت اور قابلیت کے جوہر دکھائے۔

تو پہلے مجیب قرآن کریم سے اجتہاد فرما کہ اسطرح استدلال کرتا ہے۔

قرآن کریم کا جامع مانع حکم ہے کہ عورتوں کو حسن سلوک سے رکھا کرو، یا اچھی طرح سے چھوڑ دو۔ کما قال اللہ تعالی۔ فامساک بمعروف او تسریح باحسان (سورہ بقرہ)

مجیب نے اس آیت کو پہلے کسی تفسیر ہی میں دیکھ لیا ہوتا کہ یہ آیت زن مفقود کے متعلق بھی ہے یا نہیں۔ میں پہلے آپکو یہ چیز ہی دکھادوں کہ اس آیت سے علماء نے کس چیز پر استدلال کیا ہے۔ احکام کی مشہور و معروف تفسیر یعنی تفسیر احمدی میں تحت آیت ہے:

نزل قوله تعالى: الطلا ق مر تان فامساك بمعرو ف او تسريح باحسان، يعنى ان الطـلا ق الـرجـعـى الذى يتعلق به الرجعة مرتا ن اى اثنا ن لا زائد تا ن فبعد ذلك امساكها بمعروف او تسريحها كذالك۔ (تفسیر احمدی مطبوعہ دہلی ص ۷۷ ج ۱)

اللہ تعالی کا یہ قول نازل ہوا۔ الطلا ق مرتا ن فا مساك بمعروف الآیہ۔ یعنی بیشک طلاق رجعی جس سے رجعت متعلق ہے دو مرتبہ ہے نہ دو مرتبوں سے زاید۔ تو اس کے بعد عورت کو بھلائی کے ساتھ یا تو روک لینا ہے یا چھوڑ دینا ہے۔

تو مفسر نے اس آیت سے طلاق رجعی پر استدلال کیا اور مجیب نے اس آیت سے نکاح زن مفقود پر استدلال کی اپنی قابلیت اجتہاد کا نمونہ دکھایا۔ اولا آیت میں طلاق رجعی کے بعد بھلائی کے ساتھ روک لینے یا چھوڑ دینے کا حکم ہے۔ مجیب نے اس آیت سے زن مفقود کیلئے چار سال کے بعد نکاح کا جواز کس طرح نکالا؟۔

ثانیا: اس آیت سے چار سال کے بعد زن مفقود کے نکاح کا جواز کس امام وفقیہ نے لکھا۔

ثالثا: آیت میں امساک وتسریح کا خطاب شوہر سے ہے یا غیر شوہر سے۔ اگر غیر شوہر سے ہے تو اس کو بدلیل ثابت کیجئے۔ اور اگر شوہر سے ہے تو زن مفقود میں شوہر خود ہی مفقود ہے۔ تو اب تسریح وامساک کا خطاب کس سے ہوگا۔

رابعا: اور اگر بزعم مجیب آیت میں زن مفقود کا حکم ہے تو یہ چار سال کی قید کس لیے زائد ہوئی ہے اور کس نے زائد کی۔ کب زائد ہوئی؟۔

اس آیت کریمہ سے استدلال کرنے کے بعد مجیب حدیث سے اس طرح استدلال کرتا ہے۔

اور حضور شارع علیہ الصلا والسلام کا فرمان ہے کہ اسلام میں ضرر رسانی جائز نہیں بلکہ یہ ایک قبیح فعل ہے۔ لاضرر ولا ضرار فی الاسلام۔

مجیب نے حدیث تو پیش کی لیکن نہ اس میں راوی کا نام لکھا نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا۔ یہ کیا دیانت ہے۔

اولا: یہ حدیث اگر زن مفقود کے حق میں خاص طور پر وارد ہوئی تو مجیب اس کو ثابت کرے۔

ثانیا: مضمون حدیث تو مسلم ہے لیکن حدیث میں یہ کہاں ہے کہ ضرر رسانی سے عورت شوہر ضار کے نکاح سے خارج ہو جاتی ہے اور اسے دوسرے سے نکاح کرنیکا حق حاصل ہو جاتا ہے۔

ثالثا: مجیب جب اس حدیث سے استدلال کر رہا ہے تو اس میں ضرر کی کوئی مدت تو بیان نہیں فرمائی گئی۔ تو مجیب نے زن مفقود کیلئے چار سال کی مدت کہاں سے معین کر دی باوجودیکہ زن مفقود چار سال سے قبل بھی ضرر پاتی ہے۔

رابعا: اقسام ضرر سے کون کون سے ایسے ضرر ہیں جن سے عورت کو پہلے نکاح کے فسخ کرنے اور نکاح ثانی کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے؟۔

خامسا: جس عورت کا شوہر اس سے ناراض ہو اور اس کی خورد ونوش تک کی بھی خبر نہ لیتا ہو تو کیا یہ عورت بھی اس کی ضرر رسانی سے اس حدیث کی بنا پر پہلے نکاح کے فسخ کرنے اور نکاح ثانی کر لینے کا حق رکھتی ہے۔

اس کے بعد مجیب لکھتے ہیں:

لہذا جو شخص مفقود الخبر (گم ہو جائے) اور اس کی زندگی و موت کی خبر باوجود تلاش نہ ملے تو گم شدگی کی حالت یا عدم ایفائے حوائج ضروریہ نان ونفقہ وغیرہ سے جو تکلیف وضرر زوجہ مفقود الخبر کیلئے ہے

اس کی برابر اور کوئی ضرر عورت کیلئے نہیں۔

مجیب نے آیت وحدیث تو لکھدی اور دیکھا کہ ان سے زن مفقود کا حکم تو ثابت نہیں ہوتا پھر اپنا اجتہاد ہی پیش کرنا شروع کر دیا۔

اقول اولا: یہ تسلیم ہے کہ شوہر کی گم شدگی میں زوجہ کو نان ونفقہ وغیرہ کی تکلیف اور ضرر پہنچتا ہے لیکن اس کی برابر بلکہ اس سے زیادہ ضرر وتکلیف اس وقت بھی ہوتی ہے کہ جب شوہر سامنے موجود ہے اور ایسا ناراض اور برگشتہ ہے کہ اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ نہ حوائج ضروریہ کا لحاظ رکھتا ہے۔ نہ نان ونفقہ وغیرہ کی خبر لیتا ہے۔ تو مجیب جب اسی علت کی بنا پر زن مفقود کو نکاح ثانی کی اجازت دے رہا ہے۔ یہی علت یہاں بھی موجود ہے تو کیا مجیب اس عورت کو بھی نکاح ثانی کی اجازت دیگا؟۔

ثانیا: مجیب کا یہ کہنا (کہ عورت کیلئے نان ونفقہ کے نہ ہونے کی برابر اور کوئی ضرر نہیں) مطلقا صحیح نہیں ہے۔ بعض شوہر بدمزاج مغلوب الغضب بات پر سڑی سڑی گالیاں دیتے ہیں۔ زدوکوب کرتے ہیں اور نان ونفقہ وغیرہ کی تکلیف نہیں دیتے۔ تو شریف زادیوں کو جتنا ضرر اور تکلیف ان گالیوں اور مار پیٹ سے ہوتی ہے اتنی نان ونفقہ کی کمی سے نہیں ہوتی اور اسی قسم کی بہت سی نظیریں پیش کی جاسکتی ہیں۔ لہذا مجیب کا یہ قول ہر جگہ صحیح نہیں ہوتا۔

ثالثا: مجیب نے جو حدیث پیش کی تھی اس میں مطلق ضرر کا ذکر ہے۔ اب مجیب اس میں تخصیص کے کیوں درپے ہے اور بڑے ضرر کو کیوں خاص کرتا ہے بلکہ دلیری سے اسے حدیث کے موافق یہ فتوے صادر کرنا چاہیے کہ عورت شوہر کی ہر ضرر وتکلیف دینے پر اس شوہر کو چھوڑ دے دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔

پھر مجیب اپنے دعوے پر ایک واقعہ پیش کرتا ہے۔

انہیں وجوہات پر خلیفہ ثانی حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زوجہ مفقود الخبر کی نسبت حکم جاری کر دیا تھا کہ زوجہ مفقود الخبر چار سال تک انتظار رکھکر پھر مزید چار ماہ دس یوم عدت وفات گزار کر نکاح ثانی کرلے جس پر ایک جم غفیر صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم اور مسلک مالکیہ" کا فیصلہ اور انحصار بھی اسی مسئلہ میں اسی حکم اور اجماع صحابہ پر ہے جسے موطا امام مالک" میں روایت فرمایا گیا۔ ان عمر بن الخطاب قال ایما امراة فقدت زوجها فلم تدراین هو الح۔ (موطا)

مجیب کی مائیہ ناز دلیل یہی ہے اور مسلک مالکیہ کا دارومدار بھی اس حدیث پر ہے۔

اولا: مجیب کے ذمہ یہ لازم تھا کہ اس حدیث کی محدثانہ طریقہ پر بحث کرتا اور محدثین نے اس پر

جو جرح کی ہے اس کے جواب دیتا اور جب اس میں سے کوئی بات پیش نہیں کرسکا تو اس کو دلیل بنا کر کیوں پیش کرتا ہے؟۔

ثانیا: امام المحدثین ابوبکر احمد حسین بیہقی شریف میں اس حدیث کے متعلق حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ جیسے محدث اعظم کا قول پیش کرتے ہیں:

قال الشافعی فقد رأینا من ینکر قضیة عمر رضی الله تعالی عنه کلها فی المفقود ویقول هذا لا یشبه ان یکون من قضاء عمر رضی الله عنه۔ (بیہقی ص۴۴۶ ج۲)

امام شافعی نے فرمایا ہم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو مفقود کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کل فیصلہ ہی کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے ایسا فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نہیں ہوسکتا۔

ثالثا: موطا کی روایت میں جتنے الفاظ حضرت امام مالک کی نظر میں معتمد تھے تحریر فرمائے ورنہ یہ حدیث بطرق کثیرہ مروی ہے اور حضرت ابن ابی لیلی اور حضرت سعید بن مسیب کی روایت میں یہ الفاظ اور زائد ہیں۔

فجاء زوجها یخاصم فی ذلك الی عمر رضی الله عنه فخیره عمر رضی الله عنه بین الصداق وبین امراته فاختار الصداق۔ (بیہقی ص۴۴۶ ج۷)

چار سال کے بعد اس کا شوہر آیا اور اس معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاصمت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مہر لینے یا عورت کے واپس کرنے میں اختیار فرمادیا تو اس نے مہر کو اختیار کیا۔

حدیث کے ان الفاظ کا حکم تو خود حضرت امام مالک کا مذہب بھی نہیں۔ تو اب مجیب کو تقلید امام مالک کرنا بھی مفید نہیں۔ لہذا مجیب اب اس حدیث پر عمل کریگا یا مسلک مالکیہ پر؟۔

رابعا: موطا میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے ان الفاظ حدیث کا انکار کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

قال مالك وادركت بعض الناس ینکرون الذی قال بعض الناس علی عمر بن الخطاب انه قال یخیر زوجها الاول اذا جاء فی صداقها او فی امراته۔

(موطا امام مالک ص۱۵۱)

امام مالک نے فرمایا کہ میں نے بعض لوگوں کو ان الفاظ کا انکار کرتے ہوئے پایا جن کو بعض

لوگوں نے حضرت رضی اللہ عنہ کے الفاظ بتائے کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ اسکا پہلا شوہر جب لوٹ آئے تو اسے اختیار دیا جائیگا اس کے مہر لینے کا یا عورت کے واپس لینے کا۔

اور امام مالک کے اس انکار کا رد بھی حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا جس کو حضرت امام بیہقی نے بیہقی میں نقل کیا ہے۔

كيف جاز ان يروى الثقات عن عمر حديثا واحدا فنا خذ ببعضه وندع بعضا ۔

(بیہقی شریف ص ۴۴۶ ج ۷)

یہ کیسے جائز ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث کی ثقہ راوی روایت کریں تو ہم اس حدیث کا بعض حصہ لیں اور بعض کو چھوڑ دیں۔

اب مجیب صاحب بتائیں کہ اب ان کی پیش کردہ حدیث کس حیثیت کی قرار پائی۔ اور اب اس سے کیا استدلال کیا جائیگا۔

خامسا: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فیصلہ کا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے انکار فرمایا بیہقی شریف حضرت حنش رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال علی رضی الله عنه ليس الذی قال عمر رضی الله تعالیٰ عنه بشئ يعنی فی امراة المفقود هی امراة الغائب حتی يا تيها يقين موته اوطلا قها ولها الصدا ق من هذا بما استحل من فرجها ونكا حه با طل (وفی رواية سعيد بن جبير عن علی) قال هی امرأة الاول دخل بها الاخر اولم يدخل)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ زن مفقود میں وہ حکم نہیں ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بلکہ وہ زوجہ غائب ہے یہانتک کہ اس کی موت یقینی طور پر یا طلاق کی خبر آئے۔ اور اپنے دوسرے نکاح کا مہر یہ عورت اپنی شرم گاہ کے حلال کرنے کے عوض میں وصول کرے اور دوسرا نکاح باطل ہے اور جو روایت حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے اس میں حضرت علی نے فرمایا کہ یہ عورت پہلے شوہر کی بیوی ہے دوسرے شوہر نے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ (بیہقی ص ۴۴۴ ج ۷)

اب مجیب صاحب اپنی پیش کردہ حدیث شریف کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

سادسا: مجیب یہ بھی ثابت کرے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب یہ معاملہ پیش ہوا تو انہوں نے چار سال کی مقدار شوہر کی گم شدگی سے لی یا وقت حکم سے چار سال گزارنے کا حکم دیا؟۔

سابعا: مجیب کے پیش کردہ مستند عالم مولوی عبدالحی لکھنوی حاشیہ ہدایہ میں فتح القدیر سے ناقل

قوله عمر رجع الی قول علی وهو ما ذكر عبد الرحمن بن ابی ليلی ثلث قضيات رجع فيها عمر الی قول علی امراة المفقود وامرأة ابی كنف والمراة اللتی تزوجت ۔

(حاشیہ ہدایہ ص ۶۰۳ ج ۲)

ہدایہ کا یہ قول کہ حضرت عمر نے قول عام کے طرف رجوع فرمایا اسے عبدالرحمن ابی لیلی نے اس طرح ذکر کیا کہ تین فیصلے ہیں جن میں حضرت عمر نے حضرت علی کے قول کے طرف رجوع فرمایا۔ ایک زن مفقود کا فیصلہ۔ دوسرا ابو کنف کی بیوی کا فیصلہ۔ تیسرا اس عورت کا فیصلہ جس نے شوہر کے موت سن کر نکاح کر لیا تھا۔

مجیب بتائے کہ اب اس حدیث سے کس طرح استدلال صحیح ہو سکتا ہے اور خلیفہ سوم کا یہ حکم کیسے حجت بن سکتا ہے۔ اور مسلک مالکیہ کی بنیاد اس فیصلہ پر کیونکر درست ہو سکتی ہے؟۔

ثامنا: مجیب یہ بھی ظاہر کرے کہ حضرت امام مالک کا مذہب کیا ہے اور وہ چار برس کی مقدار کب سے شمار کرتے ہیں؟۔

تاسعا: زن مفقود کے چار سال کے بعد نکاح کر لینے پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا اجماع ہونا کس کتاب میں ہے۔ مجیب نے اس کے ثبوت میں نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا نہ کوئی عبارت نقل کی۔ اگر مجیب کے نظر میں کوئی حوالہ تھا تو اس کو کیوں نہیں نقل کیا؟۔

عاشرا: جب اس مسئلہ میں حضرت علی سے بطرق کثیرہ اور بھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے احادیث مروی ہیں حتی کہ خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہے جس کو امام بیہقی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند روایت کی۔

قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم امرأة المفقود امراته حتی يا تيها البيان

(بیہقی شریف۔ ص ۴۴۵ ج ۷)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زن مفقود اسی کی بیوی ہے یہاں تک کہ اسکے پاس بیان آجائے (یعنی شوہر کے موت یا طلاق کی خبر آجائے۔

تو مجیب بتائے کہ باوجود ان احادیث کے ان کے خلاف پر کیسے اجماع منعقد ہوا۔

حادی عشر: حضرت علی حضرت ابن مسعود حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مخالفت کیا

اجماع کی قادح ہے یا نہیں ؟۔

ثانی عشر: مسلک مالکیہ کا انحصار اور فیصلہ اس مسئلہ میں اجماع صحابہ پر ہے۔ یہ کس کتاب میں ہے اور کس عبارت کس ترجمہ کا مفہوم ہے۔ یہ موطا امام مالک میں تو نہیں ہے۔ اگر درحقیقت کہیں ہے تو مجیب پیش کرے۔ اس کے بعد مجیب صاحب تحریر کرتے ہیں۔

اور خلیفہ ثالث سیدنا حضرت عثمان وابن عمر وابن مسعود رضی اللہ عنہم کا بھی یہی فتوے ہے۔

اولا: مجیب نے اسکا بھی نہ کوئی حوالہ دیا نہ کوئی عبارت پیش کی۔ مجیب کا عبارت کو پیش نہ کرنا ضرور کچھ معنی رکھتا ہے؟۔

ثانیا: حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف اس حکم کی نسبت غلط ہے۔

بیہقی شریف میں حضرت امام بیہقی نے اس واقعہ کو اس طرح روایت کیا:

قال ابو نصر يعني عبد الوهاب بن عطاء سألت سعيد اعن المفقود فاخبرنا عن قتادة عن المليح الهذلي انه قال بعثني الحكم بن ايوب الى سهمية بنت عمير الشيبانية اسالها فحدثتني ان زوجها صيفي بن قتيل نعي لها من قندابل فتزوجت بعده العباس بن القيس ثم ان زوجها الاول قدم فاتينا عثمان بن عفان رضي الله عنه وهو محصور فاشرف علينا فقال كيف اقضي بينكم وانا على هذا الحال فقلنا قدرضينا بقولك فقضى ان يخير الزوج الاول بين الصداق وبين امرأته ثم قتل عثمان رضي الله عنه الحديث۔

(بیہقی شریف ص ۴۴۷ ج ۷)

ابونصر عبدالوہاب بن عطا نے کہا میں نے مفقود کے متعلق سعید سے دریافت کیا تو انہوں نے قتادہ سے خبر دی وہ ملیح ہذلی سے راوی۔ ملیح نے کہا مجھے حکم بن ایوب نے سہمیہ بنت عمیر شیبانیہ کی طرف بھیجا میں نے ان سے دریافت کیا تو سہمیہ نے مجھ سے بیان کیا کہ اس کے شوہر صفی بن قتیل کی خبر موت قندابل سے آئی تو میں نے اس کے بعد عباس بن طرف قیسی سے نکاح کرلیا پھر پہلا شوہر صفی آگیا تو ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اسوقت وہ اپنے مکان میں مقید تھے۔ انہوں نے ہمیں مکان کے اوپر سے ملاحظہ کر کے فرمایا کہ میں اپنے اس حال میں تمہارا کس طرح فیصلہ کروں۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم آپکے زبانی فیصلہ پر راضی ہیں۔ تو انہوں نے یہ حکم فرمایا کہ شوہر اول کو مہر لینے یا اپنی عورت سہمیہ سے لینے کا اختیار حاصل ہے پھر حضرت عثمان شہید کردئے گئے۔

اب مجیب بتائے کہ خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فتوے اور فیصلہ اس واقعہ میں زن مفقود کیلئے کہاں ہے۔

ثالثا: یہ روایت بھی مجروح ہے۔ امام بیہقی اس روایت کو نقل فرما کر یہ جرح فرماتے ہیں۔

هذه المرأة لم تعرف بما تثبت به روايتها هذه ۔ یعنی یہ عورت ایسی معروف نہیں کہ یہ اس کی روایت اس سے ثابت ہو سکے۔ مجیب ایسی غیر ثابت روایت سے استناد کرتا ہے۔

رابعا: امام بیہقی نے اس پر دوسری جرح یہ کی فرماتے ہیں۔

فان هذه الرواية ان ذلك كان في امرأة نعي لها زوجها۔

(بیہقی ص ۴۴۷ ج ۷)

اگر اسی طرح پر ہو تو اس عورت کے متعلق ہے جسکے شوہر کے مرنیکی خبر آچکی تھی۔

کہئے مجیب صاحب جس عورت کے شوہر کے مرنیکی خبر آچکی ہے کیا آپ اسی کو زن مفقود قرار دے رہے ہیں یا نہیں؟ آپ تو خود اس کے خلاف لکھ چکے ہیں تو خلیفہ سوم کا فیصلہ زن مفقود کیلئے کس طرح حجت بن گیا۔ یہ ہے مجیب کا دجل وفریب لعنة الله على الكاذبين ۔

خامسا: اس واقعہ میں خلیفہ سوم کے مقرر کردہ چار سال کی مقدار کہاں ہے؟۔

سادسا: جب آپ کے پیش کردہ خلیفہ دوم وخلیفہ سوم کے احکام وفتاوے آپکے دعوے کی تائید نہ کر سکے اور آپنے مکروفریب سے ان کی طرف نسبت کردی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا فتوی بھی بہت ممکن ہے کہ آپکی دلیل نہ ہو اور یہ نسبت بھی غلط ہو۔ لہذا آپ اس کی پوری عبارت مع نام کتاب اور صفحہ کے پیش کریں اسکا بھی مکمل جواب دیدیا جائیگا؟۔

سابعا: مجیب کا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کرنا بھی صریح کذب وافترا ہے۔

مولوی احمد علی صاحب حاشیہ بخاری شریف میں ناقل ہیں، حاشیہ ص ۷۹۷ ج ۲۔

وجاء عن علي اذفقدت المرأة زوجها لا تتزوج حتى يقدم او يموت قال عبدالرزاق بلغني عن ابن مسعود انه وافق عليا في انها تنتظر ابداوروى عن طريق النخعي لا تتزوج حتى يستبين امره وهو قول فقهاء الكوفة والشافعي۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ روایت آئی کہ جب عورت اپنے شوہر کو گم پائے تو نکاح نکرے یہانتک کہ وہ آجائے یا مرجائے۔ عبدالرزاق نے کہا کہ مجھے حضرت ابن سعد سے یہ روایت پہنچی کہ

انہوں نے حضرت علی کی موافقت اس طور پر کی کہ عورت ہمیشہ انتظار کرے۔ اور امام نخعی کی سند سے مروی کہ وہ عورت نکاح نہ کرے یہاں تک کہ شوہر کا حال ظاہر ہو جائے اور یہی کوفہ کے فقہا اور امام شافعی کا قول ہے۔

اب مجیب صاحب دیکھئے کہ حضرت ابن مسعود کا مذہب حضرت علی رضی اللہ عنہما کے مذہب کے موافق ہے۔ اب اگر مجیب اپنی بات کا پکا اور قول کا سچا ہے تو دکھائے کہ حضرت ابن مسعود کا وہ فتوے کہاں ہے۔ ورنہ اپنے اوپر لعنت اللہ علی الکاذبین پڑھکر دم کرلے۔ پھر مجیب اسکے بعد تحریر کرتے ہیں۔

اور پھر جماعت تابعین رضی اللہ تعالی عنہم نے اپنے عصر میں اس مسئلہ کی مخالفت نہیں کی جیسا کہ زرقانی میں ہے۔

مجیب نے اس میں کتاب کا نام تو لکھ دیا زرقانی میں ہے لیکن عبارت پھر بھی پیش نہیں کی۔

اولا: مجیب کا عبارت نہ پیش کرنا ضرور کچھ معنی رکھتا ہے جسکی پردہ داری ہے۔

ثانیا: وہ کون کون سے تابعی ہیں جنہوں نے اس مسئلہ کی مخالفت نہیں کی؟۔ مجیب ان کے اسما تو پیش کریں اور اسماء کے ساتھ ان کے اقوال بھی کسی معتبر کتاب سے نقل کریں۔ اسکا بھی مکمل جواب دیا جائے گا۔

ثالثا: مجیب کا یہ دعوی بھی غلط ہے کہ جماعت تابعین نے اس مسئلہ کی اپنے عصر میں مخالفت نہیں کی۔ اگر مجیب کی احادیث پر نظر ہوتی تو ایسا غلط دعوے نہ کرتا۔ واقعہ یہ ہے ایک جماعت تابعین نے اس مسئلہ کے خلاف اور فقہاء حنفیہ کی موافقت میں احادیث کی بھی روایت کی اور اپنے مذہب کو بھی ظاہر کیا ہے۔ ان میں طبقہ رابعہ کے حضرات بھی ہیں اور طبقہ ثانیہ کے اجلہ تابعین بھی ہیں۔ اس وقت بطور نمونہ کے دس تابعین کے اسما شمار کرادئے جاتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز ۔ حضرت سعید بن مسیب ۔ حضرت شعبی ۔ حضرت سعید بن جبیر۔ حضرت مسروق ۔ حضرت ابراہیم نخعی۔ حضرت حکم بن عتیبہ ۔ حضرت محمد بن شرجیل۔ حضرت حنش ۔ حضرت عباد بن عبد اللہ الاسدی رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین۔

ان میں اکثر کبرائے تابعین سے ہیں۔ کما ذکرہ الامام البیھقی ۔ اور اس کے بعد مجیب نے کہا۔

لیکن ائمہ احناف رحمہم اللہ تعالی کے اقوال اس مسئلہ میں مختلف ہیں مگر عورت کی مجبوری و مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان ائمہ موصوف رحمہم اللہ تعالی نے بھی عند الضرورۃ الشدید یعنی بوجہ عدم ایفاے نان

ونفقہ وغیرہ و بخوف وقوع حرام مسلک مالکیہ پر فتوے دینا درست اور جائز قرار دیا۔

مجیب کی یہ بات بھی عجیب ہے کہ ائمہ حنفیہ کے اقوال اس مسئلہ میں مختلف ہیں۔

اولا: مجیب صاحب کیا جس مسئلہ میں اختلاف اقوال ہیں اسکو نا قابل عمل قرار دیا جائے گا؟۔

ثانیا:۔ بکثرت احکام میں اختلاف اقوال ہیں تو انہیں بھی اسی بنا پر چھوڑ دیا جائیگا اور دوسرے امام کا مذہب اختیا کرلیا جائیگا؟۔

ثالثا: مجیب نے خبر اختلاف اقوال سے ڈر کر مذہب مالکی کو اختیار کیا تھا تو خود مذہب مالکی میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف اقوال ہیں کہ بعض مالکی کہتے ہیں کہ چار سال وقت گم شدگی سے لئے جائیں گے۔ بعض نے کہا حاکم کے رجوع کرنے سے پہلے کتنی ہی مدت گذر جائے خواہ وہ بیس سال ہوں انکا اعتبار نہیں۔ بلکہ حاکم کے یہان معاملہ پیش کرنے کے بعد چار سال اور انتظار کے دئے جائیں گے۔ دیکھو مذہب مالکی کی کتاب المدونہ۔ کہئے مجیب صاحب اب آپ کیا کریں گے؟۔ اگر آپ شافعی یا حنبلی مذہب کو اختیار کرتے ہیں تو پھر اختلاف اقوال سے خالی نہیں؟۔

رابعا: عورت کی مجبوری اور مشکلات نان ونفقہ کا احتیاج اور حرام میں ملوث ہونے کا خوف یہ اگر حرام کو حلال کر دیتے ہیں تو اس وقت ہزاروں ایسی جوان عورتیں ہیں جن کے شوہر زندہ ہیں اور موجود ہیں مگر وہ ان کی طرف سے ایسے برگشتہ ہیں کہ نہ ان کے نان ونفقہ کی خبر لیں۔ نہ ان کے قریب جائیں۔ نہ ان سے کسی طرح کی بات کریں۔ تو کیا مجیب ایسی عورتوں کو بھی ضروت کا لحاظ کرتے ہوئے نکاح کی اجازت دیتے ہیں۔ اس کے بعد مجیب تحریر کرتے ہیں۔

درمختار میں ہے۔ لا باس بالتقلید عند الضرورۃ ۔

درمختار میں یہ عبارت کتاب المفقود میں تو ہے نہیں۔

اولا: مجیب نے یہ عبارت کہاں سے نقل کی اور ممکن ہے کہ یہ عبارت بھی پہلی عبارتوں اور حوالوں کی طرح بے محل اور بے تعلق ہو۔

ثانیا: مجیب نے اس عبارت کو کیا سمجھ کر نقل کیا۔ اس عبارت میں تقلید سے آیا مطلق تقلید مراد ہے یا معین؟۔ اگر مطلق مراد ہے تو وہ اس وقت زیر بحث نہیں۔ اور اگر معین مرداہے تو وہ واجب ہے اس کو لاباس سے ذکر کرنیکا کیا فائدہ ہے۔ پھر عند الضررۃ کا اضافہ کس افادہ معنی کیلئے ہے؟۔

ثالثا: مجیب نے اس عبارت سے زن مفقود کیلئے کیا استدلال کیا۔ اسکا ذکر ہی نہیں کیا۔ اب یا تو

استدلال کا فائدہ لکھنا بھول گیا۔ یا عبارت تو لکھدی اور لکھنے کے بعد سمجھ میں نہیں آئی۔ یا اس کے لکھنے کی غرض صرف عبارات کی شمار کو زائد دکھانا ہے۔ پھر مجیب نے کہا:

علاوہ بریں ہندوستان و پنجاب کے مستند اعلی احناف نے بھی انہیں احکام کے ماتحت فتوے دیا۔

مجیب کا پنجاب اور ہندوستان کے علماء کا حوالہ بھی غالبا ایسا ہی ہوگا جیسے اوپر صحابہ کا اجماع اور تابعین کا اتفاق غلط اور بے اصل تھا اور ان کے فتوے بھی شاید ایسے ہی مخالفت ہوں جیسے خلیفہ سوم حضرت عثمان اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہما کے فتوے مخالف ثابت ہوئے۔

یہ جو کچھ عرض کیا جارہا ہے وہ مجیب کے حوالے نقل کرنیکی عادت کی بنا پر الزاما کہا جارہا ہے۔ یا یوں کہیے کہ جب پہلے حوالوں کی حقیقت واضح ہو چکی ہے تو ان کو بھی اسی پر قیاس کیا جارہا ہے۔ ورنہ جو چیز نظر کے سامنے نہیں اس کے متعلق غلطی یا صحت کا حکم کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد مجیب نے کہا۔

دیکھو فتاوے لکھنویہ جلد اول و فتاوے گنگوہی جلد دوم۔

مجیب کا پہلا جملہ مبہم تھا اور اس بات کا مقتضی تھا کہ ان مستند علما کے نام بھی پیش کردے جائیں تو مجیب نے اس ابہام کو بھی رفع کردیا اور ان مستند علماء میں سے جو چوٹی کے لکھنوی اور گنگوہی تھے ان کے نام ظاہر کئے۔ مجیب نے غالبا لکھنوی سے مولوی عبدالحی لکھنوی اور گنگوہی سے مولوی رشید احمد گنگوہی مراد لیے ہیں اور فتاوے سے ان کے وہ فتاوے مراد ہیں جو اس وقت عام طور مطبوعہ ملتے ہیں۔

فتادے رشیدیہ جلد دوم میں گنگوہی صاحب کا فتوی دیکھا جس کا سوال وجواب یہ ہے۔

استفتا۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عورت جو خاوند اسکا عرصہ بیس اکیس سال سے مفقود الخبر ہے اور نکاح ثانی ایسی کا اسی صورت پر کسی شخص نے کرادیا تو جائز ہے یا نہیں اور جو حمل ہے اسکا کیا حکم ہے؟۔

الجواب:۔ اس صورت میں جب کہ شوہر کو مفقود الخبر ہوئے بیس سال سے زائد ہو گئے ہیں تو اسکا نکاح دوسرے شخص سے حسب مذہب امام مالک جس پر حنفیہ نے بھی بوجہ ضرورت فتوے دیدیا ہے درست ہوگیا اور اولاد جو شوہر دوم سے ہوئی ہے اسکا نسب ثابت ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاوے رشیدیہ ص ۱۴۵ ج ۴)

اسی فتاوے گنگوہی میں مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کا فتوے بھی اسی سول کے جواب میں ان الفاظ میں ہے۔

هو المصوب۔ عند الضرورت حنفیہ کے نزدیک تقلید مذہب غیر درست ہے اور اس مسئلہ میں بھی حنفیہ تصریح کرتے ہیں۔ چنانچہ جامع الرموز میں ہے:

قال مالك والاوزاعي الى اربع سنين فينكح عرسه بعدها كما في النظم فلو افتى به في موضع الضرورة ينبغي ان لا باس به على ما اظن انتهى۔

اور ردالمحتار حاشیہ درمختار میں ہے۔ ذكر ابن وهبان في منظومة انه لو افتى بقول مالك في الضرورة يجوز انتهى والله اعلم۔

حرره محمد عبد الحي تجاوز الله عن ذنبه الجلي والخفي،۔

(فتاوے رشیدیہ ص ۱۴۷ ج ۲)

ان دونوں فتاوی میں نہ تو نان ونفقہ کی ضرورت کا ذکر ہے۔ نہ وقوع حرام کے خوف کا بیان۔ نہ چار سال کے بعد نکاح کرنیکی اجازت کی الفاظ میں۔ تو مجیب کی جو پیش کردہ وجوہ ہیں نہ ان پر فتوی ہے تو یہ مجیب کو کیا مفید؟۔

ثانیا: گنگوہی و لکھنوی صاحبان نے مجیب کی طرح نہ کسی آیت سے استدلال کیا۔ نہ کسی حدیث سے استفادہ کیا۔ نہ ان فتوؤں میں اپنی شان اجتہاد پیش کی۔ بلکہ قہستانی اور ردالمحتار کی صرف عبارات پیش کیں تو ان سے زائدہ مواخذ بھی نہیں کیا جائیگا۔ مجیب بھی اگر ایسا ہی کرتا تو اس پر بھی ہم زیادہ مواخذہ نہیں کرتے۔ لیکن اس نے اپنی مجتہدانہ شان پیش کی اسلئے اس سے زائد مواخذات کئے گئے۔

ثالثا: گنگوہی و لکھنوی صاحبان بھی آپ کی طرح بے قید ہیں۔ ان کو آپ مستند علما میں شمار کرتے ہوں گے۔ ہمارے نزدیک تو ان سے بھی بہت فحش غلطیاں صادر ہوئی ہیں۔ اور گنگوہی سے تو کفر تک واقع ہوا ہے، تو ہم نے ان پر بھی مواخذات کئے اور رد و ابطال کے احکام دیئے۔

رابعا: انہوں نے جن بعض فقہائے حنفیہ پر اعتماد کر کے مذہب مالکی کا فتوے دیا یہ خود قابل اعتراض ہے۔

علامہ شامی نے اسی جامع الرموز سے قہستانی کی عبارت کو نقل کر کے اس کی موافقت میں فتاوے بزازیہ کی عبارت پیش کی۔ لکھتے ہیں:

قال في البزازية الفتوى في زماننا على قول مالك وقال الزاهدي كان بعض اصحابنا يفتون به للضروره۔ (ردالمحتار ص ۳۱۴ ج ۳)

بزازیہ میں کہا کہ ہمارے زمانہ میں فتوے قول امام مالک پر ہے اور زاہدی نے کہا کہ ہمارے بعض اصحاب بوجہ ضرورت کے اسی پر فتوے دیتے تھے۔

قہستانی۔ فتاوے بزازیہ۔ اور زاہدی کے یہ اقوال ہیں جنکو ہر مخالف پیش کیا کرتا ہے اور انہیں کو مفتی بہ قول جانتا ہے۔ لیکن ان پر فقہاء کا اعتراض ہے۔ علامہ شامی اس کے بعد ناقل ہیں:

واعترضه النهر وغير ه بانه لا داعى الى الافتاء بمذهب الغير ۔

(ردالمحتار ص ۳۴۱ ج ۳)

اور اس قہستانی و بزازیہ وغیرہ پر نہر اور دیگر کتب نے اعتراض ہے کہ مذہب غیر پر فتوی دینے کا کوئی داعی نہیں۔

لکھنوی صاحب کی پیش کردہ قہستانی یعنی جامع الرموز کی عبارت پر فقہاء کے اعتراضات ہیں اسی طرح انکی پیش کردہ ابن وہبان کی عبارت پر فقہاء کے اعتراضات ہیں۔

اسی ردالمحتار میں ہے:

لكنه اعترض على الناظم بانه لا حاجة للحنفى الى ذالك اى لا ن ذلك خلا ف مذ هبنا ۔

(ص ۳۴۰)

شارح ابن شحنہ نے ابن وھبان ناظم پر یہ اعتراض کیا کہ حنفی کے لئے قول مالک کے ذکر کرنے کی حاجت نہیں کیوں کہ یہ ہمارے مذہب کے خلاف ہے۔

لہذا یہ امر ظاہر ہوگیا کہ مخالف جن عبارات کتب پر اعتماد کر کے فتوے دیتا ہے ان عبارات پر خود فقہائے کرام کے اعتراضات ہیں تو ایسی عبارات کا نقل کرنا خود دیانت کے خلاف ہے۔

خامسا: فتاوی بزازیہ اور قنیہ للزاہدی فتاوی میں سے ہیں اور جامع الرموز قہستانی شروح میں سے ہیں اور متون نے اس قول کو اخذ نہیں کیا بلکہ اس کے خلاف تصریح کی تو بقاعدہ فقہاء عمل اور فتوے متون پر ہوگا۔

لہذا اب لکھنوی صاحب کا متون بلکہ ظاہر الروایت کے مخالف قول کو مفتی بہ قرار دینا فقہ سے ناواقفی کی بین دلیل ہے اس کی عبارات وجہ چہارم میں آئے گی۔

سادسا: قہستانی اور قنیہ کا بلا منقول عنہ کے کسی قول کو مفتے بہ قرار دینا غیر معتمد ہے جیسا کہ وجہ چہارم میں عبارت آتی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب یہ قول اصحاب مذہب حنفی اور متقدمین و متاخرین فقہاء

کے خلاف ہے تو قہستانی اور قنیہ کو اس قول کا منقول عنہ نہیں مل سکا۔ تو اب لکھنوی صاحب کا ان پر فتوے دیدینا اور معتمد قرار دینا غلط ہے۔

سابعا: ابن وھبان نے اپنی منظوم میں صرف مذہب مالک کا ذکر کیا ہے کہ اس کو مذہب حنفی قرار دیا چہ جائیکہ اسے حنفیہ کا قول مفتی بہ ٹہرائیں۔ پھر بھی اس پر شارح نے یہ اعتراض کر دیا۔

ان ذلك خلاف مذهبنا فحذفه اولى ۔ (ردالمحتار ص ۳۴۰ ج ۳)

یعنی بیشک یہ (یعنی قول مالک کا ذکر کرنا) ہمارے مذہب کے خلاف ہے تو اسکا نہ ذکر کرنا اولے ہے۔ تو ابن وھبان لکھنوی صاحب کے موافق کس طرح ہوئے۔ اس کے بعد مجیب لکھتے ہیں:

مگر اختیار فسخ واجازت نکاح ثانی کی قاضی اسلام کو ہے جیسا کہ کتب فقہ میں صراحت ہے۔

لا يثبت الفسخ الا بشرط القضاء ۔ شامی۔ چونکہ موجود دور حکومت غیر اسلامی میں قاضی کا وجود معدوم ہے اور اختیارات قاضی اسلام عدالت مجاز کو ہیں پھر بصورت معذوری جماعت عدول مسلمین کو اختیارات ہو سکتے ہیں۔ یعنی اگر عدالت کی چارہ جوئی میں معذروی و مجبوری اور دشواری ہو تو پھر چند دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت مرتب کی جائے اور اس کے سامنے تمام حالات وشہادات پیش کر کے فسخ نکاح کا حکم واجازت نکاح ثانی کی لی جائے۔ کیونکہ پھر جماعت جب احکام شرعیہ حکم فسخ واجازت نکاح ثانی دینے کی مجاز ہوگی۔

مجیب نے اس عبارت میں دو باتیں پیش کیں۔ ایک فسخ واجازت نکاح کا اختیار قاضی اسلام کو ہے یہ تو مسلم ہے۔ دوسری بات چند دیندار مسلمانوں کی جماعت حکم فسخ واجازت نکاح کی مجاز ہوگی۔ اس پر مجیب نے نہ تو کسی کتاب کا حوالہ کیا نہ کوئی عبارت پیش کی۔ لہذا مجیب پر لازم ہے کہ اس پر پہلے کوئی عبارت نقل کرے اور نیز یہ ثابت کرے کہ اس جماعت میں اہل علم کی بھی قید نہیں ہے تو اسکا قول قابل قبول ہوگا۔ ورنہ خودرائی کی جرأت مسائل دین میں گمراہی کا سرچشمہ ہے۔ پھر مجیب ان الفاظ پر اپنا فتوی ختم کرتا ہے۔

پس اتباع احکام شرعیہ وبشرط صدق قول مستفتی مصدقہ گواہان زوجہ مفقود الخبر نکاح کرنیکی مجاز ومختار ہوگی فقط واللہ تعالی اعلم واحکم۔

مجیب نے اس عبارت کو اپنی غلط تحقیقات پر مرتب کیا اور اپنی ناقص تحقیق کو احکام شرعیہ قرار دیا ہم اسی رد کے ضمن میں اس کے بہت سے اغلاط اور جہالات ثابت کر چکے اور اس پر کافی سوالات قائم

کر چکے اور اس کے استدلال واجتہاد کا ابطال کر چکے۔ تو اس کی تحقیق اب حکم شرعی ثابت نہیں ہوئی اور جب وہ حکم شرعی نہیں ہے تو اسکا اتباع غیر لازم ہوا۔ لہذا زن مفقود چار سال کے بعد مذہب مالکی کی بنا پر نزدیک محققین حنفیہ کے ہرگز نکاح کرنے کی مجاز ومختار نہیں۔ یہ تو مجیب کے فتوی کا مختصر رد تھا لیکن اسی رد کے ضمن میں حق خود واضح ہوگیا کہ جب مجیب کا استدلال غلط اور باطل ہے تو اسکا حکم کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ تو اب اس سوال کا جواب جو محققین حنفیہ کے نزدیک مفتے بہ ہے بطور اختصار کے پیش کرتا ہوں وباللہ التوفیق فاقول وبحولہ اجول۔

اللہ تعالی قران کریم میں فرماتا ہے:

والمحصنات من النساء ۔(سورہ نساء۔)

علامہ نسفی تفسیر مدارک میں تحت آیۃ فرماتے ہیں:

حرم علیم نکاح المنکوحات ای اللاتی لهن ا زاواج ۔

(مدارک مصری ص ۱۷۰ ج ۱)

تم پر منکوحہ عورتوں کا نکاح کرنا حرام کیا گیا یعنی ان عورتوں سے جنکے شوہر موجود ہوں۔

علامہ احمد جیون تفسیر احمدی میں اس آیت کریمہ کے معنی بیان فرماتے ہیں:

المعنی وحرم علیکم ذوات الا زواج ما دامت ذوات الازواج ۔

(احمدی ص ۱۵۱ ج ۱)

آیت کے معنی یہ ہیں کہ تم پر شوہر والی عورتیں جب تک کہ وہ شوہر والی عورتیں ہیں حرام کی گئیں۔

اور یہ ظاہر ہے کہ زن مفقود منکوحہ ہے اور شوہر والی ہے۔ لہذا یہ جب تک شوہر والی ہے اسکا دوسرا نکاح کرنا حرام ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں وارد ہوا جس کو بیہقی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا:

قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم امرأة المفقود امرأته حتی یا تیها البیا ن

(دار قطنی وبیہقی ص ۴۴۵ ج ۷)

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ زن مفقود اس کی اس وقت تک بی بی ہے جب تک کوئی بیان آئے۔

اس آیت اور حدیث سے اتنا مسئلہ تو نہایت واضح ہوگیا کہ زن مفقود بھی شوہر والی عورت ہے اور

جب وہ شوہر والی ہے تو اس سے نکاح ہونا بحکم آیت حرام ثابت ہوا۔ اب حدیث شریف نے اس حرمت کی یہ حد بیان فرمائی۔ حتی یا تیها البیان۔ یہانتک کہا زن مفقود کے پاس بیان آجائے۔ اب ان کلمات میں لفظ بیان مجمل ہے تو اس لفظ بیان کا بیان وارد ہونا ضروری تھا۔ لہذا اس لفظ کا بیان وہ فرماتے ہیں جن کے لئے خود آقائے مولی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا مدینة العلم وعلی بابها ۔ میں علم کا شہر ہوں اور علی اسکا دروزہ ہے۔

تو حضرت مولی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:

هی امرأة ابتلیت فلتصبر حتی یستبین مو ت اوطلا ق ۔ (رواہ عبد الرزاق والاما م البیهقی رواہ بطرق کثیر ة فی الفاظ مختلفة)

زن مفقود ایسی عورت ہے جسکی آزمائش کی گئی تو وہ صبر کرے یہانتک کہ شوہر کا مرنا یا طلاق دینا ظاہر ہوجائے۔

ان احادیث نے زن مفقود کو نکاح کرنے کی اسوقت اجازت دی کہ شوہر کی موت یا طلاق دینے کی خبر موصول ہوجائے تو وہ بعد عدت نکاح کرسکتی ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس قول کی موافقت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کی۔ چنانچہ حضرت علامہ ابن حجر نے درایہ میں روایت کی:

قال عبد الرزاق اخبرنی ابن جریج بلغنی ان ابن مسعود وافق علیا علی انها تنتظر ابدا ۔ (درایہ ص ۲۶۰)

عبدالرزاق نے کہا کہ ہمیں ابن جریج نے خبر دی کہ مجھے یہ بات پہنچی کہ حضرت ابن مسعود نے حضرت علی کی اس بات پر موافقت کی کہ زن مفقود اپنے شوہر کا ہمیشہ انتظار کرے۔

مجیب کے پیش کردہ مستند عالم مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی نے حاشیہ شرح وقایہ اور حاشیہ ہدایہ میں نقل کیا۔

اخرج ابن ابی شیبة عن ابی قلا بة وجا بر بن زید والشعبی والنخعی کلهم قالوالیس لها ان تتزوج حتی یستبین مو ته۔ (ہدایہ ص ۶۰۳ ج ۲)

ابوشیبہ نے حضرت ابوقلابہ اور جابر بن زید اور شعبی اور نخعی سے روایت کی کہ ان سب تابعین نے کہا زن مفقود کو نکاح کرنیکا حق نہیں یہانتک کہ اس کے شوہر کی موت ظاہر ہوجائے۔

حضرت امام بیہقی نے بیہقی شریف میں فرمایا:

وهو قول النخعي والحكم بن عتيبه وغيرهما۔ (بیہقی ص ۴۴۴ ج ۷)

یہی قول امام نخعی اور حکم بن عتیبہ اوران کے علاوہ کا ہے۔

بالجملہ اجلہ تابعین کا یہی قول ہے کہ زن مفقود کوقبل موت شوہر کے اپنے نکاح کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ۔اسی لئے فقہائے حنفیہ نے آیت کریمہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کوسند قرار دیتے ہوئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کے قول کو حجت ٹھراتے ہوئے اور تابعین کے اقوال کا لحاظ کرتے ہوئے مفقود کیلئے موت کا حکم مقرر کرنے میں کمال احتیاط کی اور حضرت امام مالک کے قول کوان چند وجوہ سے قابل عمل نہیں قرار دیا۔

وجہ اول:۔امام مالک کا قول خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث مرفوع کے خلاف ہے جب کہ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ میں مذہب حنفیہ کی دلیل پیش کی۔

ولنا قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في امراة المفقود انها امراته حتى ياتيها البيان۔ (ہدایہ اولین ۶۰۴)

اور ہم حنفیوں کی دلیل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث ہے زن مفقود کے متعلق کہ وہ اس مفقود کی بی بی ہے یہانتک کہ اس کے پاس بیان آجائے۔

تو حنفیوں نے اس حدیث کو دلیل قرار دیا اور امام مالک کے مسلک کی دلیل کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں ہے۔

وجہ دوم:احناف کی دلیل حضرت علی کرم اللہ وجہ کا بھی فرمان ہے۔ ہدایہ میں اس کو حنفیوں کی دوسری دلیل بتا کر اسی حدیث کے بعد متصل تحریر فرمایا۔

و(لنا) قول علي رضي الله عنه فيها هي امراة ابتليت فلتصبر حتى تستبين موت او طلاق ۔ (ہدایہ اولین ص ۶۰۲)

اور ہم حنفیوں کی دوسری دلیل زن مفقود کے متعلق حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کا قول ہے کہ وہ ایسی عورت ہے جس کی آزمائش کی گئی تو وہ یہاں تک صبر کرے کہ شوہر کی موت یا طلاق واقع ہو جائے۔ تو حنفیون نے تو اسی قول علی کرم اللہ وجہ کو اپنی دلیل بنایا ور امام مالک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہا کے اس فعل کو دلیل قرار دیا جس کا رد کے ضمن میں مفصل ذکر ہوا کہ محدثین نے اس واقعہ ہی کا انکار کیا اور خود حضرت امام مالک نے اس حدیث کے بعض حصے کو قابل عمل قرر دیا اور بعض کو ترک فرمایا تو اس پر امام

شافعی نے اعتراض کیا۔

نیز حضرت عمر کے اس حکم پر حضرت علی رضی اللہ عنہما نے انکار فرمایا۔ پھر سب سے زائد قابل لحاظ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے اس حکم سے رجوع فرمایا۔ ہدایہ میں ہے۔

وعمر رضي الله تعالى عنه رجع الى قول علي رضي الله عنه (ہدایہ ص ۶۴۰)

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے قول کی طرف رجوع فرمایا۔

عینی شرح کنز الدقائق میں ہے۔

وعمر رضي الله عنه رجع عن هذا (عینی مصری ص ۷۰۴ ج ۲)

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے اس قول سے رجوع فرمایا۔

جوہرہ نیرہ شرح قدوری میں ہے:

وصح رجوع عمر الى قول علي رضي الله عنهما (جوہرہ ص ۴۴)

اور قول حضرت علی کرم اللہ وجہ کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رجوع فرمانا صحیح ہے۔

لہذا جب حنفیوں کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کی طرف رجوع فرمانا بطریق صحت ثابت ہو چکا تو فقہاء حنفیہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے قول پر کس طرح فتوی دے سکتے ہیں اسی بنا پر جوہرہ نیرہ شرح قدوری میں صاف طور مسئلہ تحریر فرمادیا۔

ولو قضى في امرأة المفقود على قول عمر لا ينفذ لا نه قد صح رجوع عمر الى قول علي رضي الله عنهما۔ (جوہرہ ص ۴۴ ج ۲)

اگر زن مفقود میں قاضی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول پر حکم کیا تو نافذ نہ ہوگا اسلئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرنا صحیح ہے ۔

اسی لئے فقہائے حنفیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کے قول کو دلیل قرار دیا اور اسی کو اپنا مذہب ٹھرایا

شریفیہ شرح سراجیہ میں ہے:

ولا تزوج امراته عند نا وهو مذهب علي رضي الله تعالى عنه (شریفیہ ص ۱۵۱)

اور ہم حنفیوں کے نزدیک مفقود کی بی بی سے نکاح نہ کیا جائے اور یہی حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا مذہب ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت امام مالک کے مذہب کی ساری بنیاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول

پر ہے ورفقہاء حنفیہ کے نزدیک یہ قول قابل عمل نہیں کہ انکار رجوع فرمانا ثابت ہو چکا تو انہوں نے حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ کے قول کو مذہب قرار دیا۔

وجہ سوم: حنفیوں کے نزدیک فتوے اکثر ظاہر الروایت پر ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے:

ان ما اتفق علیہ اصحابنا فی الروایات الظاهر ة یفتی به قطعا ۔ (درمختار ص۴۹ ج۱)

جس پر ہمارے اصحاب متفق ہو جائیں روایات ظاہرہ میں تو یقیناً اسی پر فتوے دیا جائے۔ اور مفقود پر موت کا حکم دینے کے لئے ظاہر الروایت میں یہ حد بیان فرمائی گئی ہے۔

جوہر نیرہ شرح قدوری میں ہے:

وفی ظاهر الروایة یقدر بموت الاقران ۔ (جوہرص۴۴ ج۲)

ظاہر الروایات میں ہے کہ مفقود کی موت کا حکم اس کے ہم زمانہ لوگوں کی موت سے کیا جائے۔

سراجیہ اور اس کی شرح شریفیہ میں ہے:

وفی ظاهر الروایة انه اذالم یبق احد من اقرانه حکم بموته فقیل المعتبر اقرانه فی بلده وقیل جمیع البلدان والاولی الاصح۔ (شریفیہ ص۱۵۱)

ظاہر الروایت مں ہے کہ جب مفقود کے ہمعصر لوگوں میں سے کوئی باقی نہ رہے تو اس کی موت کا حکم کیا جائے بعض نے کہا اس کے شہر کے ہم عصروں کا اعتبار کیا جائے۔ اور بعض نے کہا تمام شہروں کے اور پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ لہذا فقہائے حنفیہ امام مالک کے چار برس کے قول پر ظاہر الروایات کے خلاف کس طرح فتوے دے سکتے ہیں۔

وجہ چہارم: فقہاء فرماتے ہیں کہ مفتی بہ قول اور معتمد مذہب کے بیان کے لئے متون ہیں پھر شروح پھر فتاوے۔ لہذا جب فتاوے اور شروح میں اختلاف ہو تو فتاوے پر شروح کو ترجیح دیجائیگی اور جب شرح و متون میں اختلاف ہو تو شروح پر متوں کو مقدم کیا جائے گا۔ اور متون ہی پر فتوے دیا جائیگا ردالمحتار میں ہے:

اذا اختلف التصحیح والفتوی فالعمل بما وافق المتون اولی وکذا لو کان احدهما فی الشروح والاخر فی الفتاوی مما صرحوا به من ان ما فی المتون مقدم علی ما فی الشروح وما فی الشروح مقدم علی ما فی الفتاوی ۔ (وفیه ایضا) التزام المتون ذکر ما هو الصحیح فی المذهب ۔ (ردالمحتار ص۵۱)

جب تصحیح اور فتوے میں اختلاف ہو تو عمل اس پر اولے ہے جو متون کے موافق ہو۔ اور ایسے ہی اگر ان میں سے ایک شروح میں ہو اور دوسرا فتاوے میں۔ کہ فقہا نے اس کی تصریح کی کہ جو متون میں ہو وہ اس پر مقدم ہے جو شروح میں ہے۔ اور جو شروح میں ہو اس پر مقدم ہے جو فتاوے میں ہے۔ متون کا التزام اس کے ذکر کے لئے ہے جو مذہب میں صحیح ہے۔

اب دیکھو متون میں زن مفقود کے لئے کیا تحریر فرماتے ہیں۔ قدوری میں ہے:

ولا یفرق بینه وبین امراته واذا تم له مائة وعشرون سنة من یوم ولد حکمنا بموته واعتدت امراته ۔ (جوہرہ ص۴۴ ج۲)

مفقود اور اس کی بیوی میں تفریق نہ کی جائے۔ اور جب اس کی پیدائش کو ایک سو بیس برس پورے ہو جائیں تو اب اس کی موت کا ہم حکم کرینگے اور اس کی بی بی عدت گزار یگی۔

کنز الدقائق میں ہے:

ولا یفرق بینه وبینها وحکم بموته بعد تسعین سنة وتعتدامرأته ۔ (از عینی ص۴۷۰)

اور مفقود اور اس کی زوجہ میں تفریق نہ کی جائے اور مفقود کی موت کا حکم نوے سال کے بعد کیا جائے اور اس کی زوجہ عدت گزارے۔

وقایہ میں ہے:

فلا تنکح عرسه الی تسعین سنة وبعدها یحکم بموته فتعتد عرسه للموت (ملخصا)

نوے سال تک مفقود کی بی بی کا نکاح نہ کیا جائے اور اس کے بعد اس کی موت کا حکم کیا جائے پھر اسکی بیوی موت کی عدت گزارے۔

ہدایہ میں ہے: ولا یفرق بینه وبین امراته واذا تم له مائة وعشرون سنة من یوم ولد حکمنا بموته واعتدت امراته ۔ (از ہدایہ ص۶۰۲)

اور مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہ کی جائے۔ اور جب اس کی پیدائش کو ایک سو بیس برس پورے ہو جائیں تو ہم اس کی موت کا حکم دینگے اور اس کی بیوی عدت گزار یگی۔

ملتقی الابحر میں ہے:

ولا تنکح امراته الی ان یحکم بموته وان مضی عن عمره ما لا یعش اقرانه وقیل تسعون سنة وقیل ما ئة وعشرون سنة حکم بمو ته وتعتد زو جه عند ذلك (ملخصا)

اورمفقود کی عورت کا نکاح اس کی موت کے حکم دینے تک نہ کیا جائے۔اور جب اس کی اتنی عمر گزر جائے کہ اس کے ہمعصر بھی باقی نہ رہیں اور بعض نے کہا نوے سال اور بعض نے ایک سو بیس سال تو اس کی موت کا حکم کیا جائے اور اس کی عورت اس وقت عدت گذارے۔

تنویرالابصار میں ہے:

ولا ینکح عرسه غیر ہ ولا یفرق بینه وبینها ولو بعد اربع سنین الی موت اقرانه فی بلده علی المذهب وبعده یحکم بموته فتعتد عرس للموت (ملخصا)

زن مفقود کا کسی غیر سے نکاح نہ کیا جائے اور اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان چار سال کے بعد بھی تفریق نہ کی جائے یہاں تک کہ صحیح مذہب کی بنا پر اس کے شہر کے ہم زمانہ لوگوں کی موت واقع ہو جائے۔اس کے بعد اس کی موت کا حکم کیا جائے تو پھر اس کی بیوی موت کی عدت گزارے۔

یہ چند متون کی عبارات نقل کیں۔ان میں حضرت امام مالک کے چار برس کے قول کا نہ کہیں ذکر ہے۔نہ اس پر فتوی دیا بلکہ اس کے مخالف اقوال پر اعتماد کیا۔بلکہ تنویرالابصار میں تو صریح طور پر چار برس کے قول کا ردکیا۔لہذا اب اگر کسی شرح یا فتاوی میں ان متون کے خلاف فتوے دیں تو وہ معتبر نہ ہو گا۔اب متون کے بعد شروح مشہورہ کی عبارات بھی سنیے۔ہدایہ شرح بدایہ اور جوہرہ نیرہ شرح قدوری میں بالفاظ مختلف یہ عبارت ہے۔

ولا یفرق بینه وبین امراته۔قال مالك رحمه الله تعالیٰ اذامضی اربع سنین یفرق القاضی بینه وبین امراته وتعتد عدة الوفاة ثم تتزوج من شاء ت۔لا ن عمر هکذا قضی فی الذی استهوا ه الجن بالمدینة وکفی به اماما ولا نه منع حقها بالغیبة فیفرق القاضی بینهما بعد ما مضی مدة اعتبارا بالایلا ء والعنة وبعد هذا الاعتبار اخذ المقدار منهما الاربع من الایلا ء والسنین من العنة عملا بالشبهین۔لنا قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی امراة المفقود انه امراته حتی یا تیها البیا ن وقول علی فیها هی امراة ابتلیت فلتصبر حتی تستبین مو ت اوطلا ق خرج بیا نا للبیا ن المذکو ر فی المرفوع ولا ن النکا ح عرف ثبوته والغیبة لا توجب الفرقة والموت فی حیز الاحتما ل۔فلا یزال النکاح بالشك وعمر

رجع الی قول علی۔ولو قضی فی امرأة المفقود علی قول عمر لا ینفذ لا نه قد صح رجوع عمر الی قول علی رضی الله عنهما۔ولا یعتبر بالایلا ء لانه کا ن طلا قا معجلا فا عتبر فی الشرع موجلا وکا ن موجبا للفرقة۔قوله فاذا تم له ما ئة وعشرون سنة من یو م ولد حکمنا بموته واعتدت امراته هذا روایة الحسن عن ابی حنیفة وفی ظاهر الروایة یقدربمو ت الاقران۔وفی المروی عن ابی یوسف بما ئة سنة وقدره بعض هم بتسعین سنة فاذا حکم بموته وجب علی امراته عدة الو فاة من وقت الحکم بمو ته۔

شرح کنزالدقائق للعلامۃ المصطفی الطائی میں ہے:

ولا یفرق بینه وبینها)ولو بعد مضی اربع سنین (وحکم) القاضی (بمو ته بعد تسعین سنة) من یوم ولد وعلیه الفتوی وفی ظاهر الروایة یقدر بمو ت اقرانه من اهل بلده علی المذهب۔

عینی شرح کنزالدقائق میں ہے:(ولا یفرق) القاضی (بینه) ای بین المفقود (وبینها) ای بین امراته وقال مالك اذمضی اربع سنین یفرق بینهما وتعتد عدة الوفاة ثم تتزوج ان شاء ت وبه قال الشافعی فی قول واحمد فی روایة لا ن عمر رضی الله عنه فعل کذالك فی الذی استهوته الجن فی المدینة ولنا قوله علیه السلام فی امراة المفقود انها امراته حتی یا تیها البیان وعمر رضی الله عنه رجع عن هذا (وحکم بموته) ای بموت المفقود (بعد تسعین سنة) لان الغالب لا یعیش اکثر من ذلك وبه قال احمدوالشافعی فی قول وابو یوسف قدره بما ئة سنة وروی الحسن عن ابی حنیفة انه قدره بمائة وعشرین سنة وفی ظاهر الروایة مقدر بمو ت الاقران فی بلده والمختار انه یفوض الی رای الامام لانه یختلف باختلا ف البلا د والطبا ئع (وفیه ایضا)وقال المتاخرون من مشائخنا انها ستون سنة رفقا بالنا س ودفعا للحرج عنهم۔

درمختارشرح تنویرالابصار میں ہے(ولا یفرق بینه وبینها ولو بعد مضی اربع سنین)خلا فالما لك۔

ان شروح کی عبارات میں حضرت امام مالک کے قو لکا دلائل عقلی ونقلی سیرد فرما کر ظاہر الروایت کے قول پر فتوے دیا۔لہذا اب مخالفین کا متون وشروح مشہور کے مقابل فتاووں سے فتاوے بزازیہ اور

قنیہ سے اور شروح غیر مشہورہ جامع الرموز قہستانی اور شرح ملا مسکین سے چار برس کے قول امام مالک پر فتوے دینا غیر معتمد وغیر معتبر اور نا قابل عمل ہے۔ علاوہ بریں ان کتابوں کی حیثیت یہ ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

شرح الکنز لملا مسکین وشرح النقایه للقهستانی اولنقل الاقوال الضعیفة فیها کالقنیة للزاهدی فلا یجوز الافتاء من هذه الا اذا علم المقول عنه واخذه منه۔

(ردالمحتار ص ۵۰ ج ۱)

بالجملہ چار برس کے قول کو مفتی بہ کہنا مخالفین کی ناواقفی ہے اور حنفیوں کیلئے اخلاف مذہب حنفی مذہب غیر پر فتوے دیتا ہے اور اپنے مذہب سے بلاوجہ انحراف کرنا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ان چار وجوہ کی بنا پر حضرت امام مالک کا قول ہمارے نزدیک قابل عمل نہیں۔

اب یہاں یہ بحث اور باقی رہی کہ زن مفقود کے متعلق فقہائے احناف کے اقوال خود مختلف ہیں تو اب کس کو قابل عمل اور مفتی بہ قرار دیا جائے۔ اس کی مختصر تحقیق یہ ہے۔ وجہ سوم میں یہ بحث گذر چکی کہ حنفیون کے نزدیک اکثر فتوی ظاہر الروایات پر ہوتا ہے اور زن مفقود کیلئے ظاہر الروایت میں یہ ہے کہ مفقود کے شہر کے ہم عصر لوگوں میں سے جب کوئی باقی نہ رہے تو قاضی اس مفقود کی موت کا حکم کرے۔ تو فقہاء نے موت اقران کی برسوں کی مقدار میں تعین کی۔ لہذا اس کے ایک سوبیس۔ ایک سو۔ نوے۔ ستر۔ ساٹھ۔ مقرر کئے۔ بعض فقہاء نے انتہائی عمر طبعی کا لحاظ کیا تو انہوں نے ایک سوبیس فرمایا۔ اور بعض نے اپنے زمانہ کے لحاظ سے دیکھا کہ لوگون کی عمر سو سے تجاوز نہیں ہوتی تو انہوں نے سو کو منتہائے عمر قرار دیا۔ بعض نے تجربہ کیا کہ ہمارے زمانہ میں شاذ ونادر ہی کسی کی عمر نوے سے زائد ہوتی ہے اور احکام شرعیہ کا مدار اغلب پر ہے تو انہوں نے نوے کی عمر متعین کی۔ بعض نے غور کیا کہ اکثر لوگ ساٹھ اور ستر کے درمیان مرتے ہیں اور نیز اس امت کی عمر حدیث شریف میں یہی وارد ہوئی ہے۔

چنانچہ ترمذی شریف وابن ماجہ شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

اعمار امتی ما بین ستین الی السبعین واقلهم من یجوز ذلک۔

(مشکوۃ شریف ص ۴۶۵)

یعنی میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر کے درمیان ہین اور ان کے کم تر لوگ اس سے تجاوز کرینگے۔ اب بعض نے سہولت اور دفع حرج کا لحاظ کرتے ہوئے کمی کی حد یعنی ساٹھ کی عمر کو مقرر کیا اور بعض نے احتیاط کو مدنظر رکھتے ہوئے ستر کی عمر متعین کی۔

بالجملہ یہ فقہاء کے تخمینے ظاہر الروایت کے قول کے مخالف نہیں ہیں بلکہ اسی قول ظاہر الروایت کی تفسیریں ہیں۔ اور موت اقران کی تحدید ہے۔ اب ان تخمینوں میں جو اختلاف ہے وہ محض اپنے اپنے نظریہ اور رائے کا اختلاف ہے مقصد اصلی سب کا وہی قول ظاہر الروایت ہے۔ اب ان تخمینوں میں زیادہ بہتر ستر برس کا قول ہے، اسی کو صاحب فتح القدیر امام محقق علی الاطلاق کمال الدین ابن ہمام نے اختیار کیا۔

ردالمحتار میں ہے: واختار ابن الهمام سبعین لقوله علیه الصلوة والسلام اعمار امتی ما بین الستین الی السبعین فکانت المنتهی غالبا۔ (ردالمحتار ص ۳۴۱ ج ۳)

لہذا اب قابل عمل اور لائق اختیار یہی ستر کا قول ہے۔ اور یہ ستر کا قول اکثر لوگوں کی عمروں کی منتہے ہے اور ظن غالب یہ ہے کہ اقران اسوقت تک اکثر زندہ نہیں رہتے۔

ثانیا: ستر کا منتہائے عمر ہونا خود حدیث شریف سے ثابت تو یہ حدیث اسی قول کی مرجح ہوگئی۔

ثالثا: اس ستر کے قول کو امام محقق علی الاطلاق ابن ہمام نے مختار قرار دیا جو اہل ترجیح سے ہیں اور بعض نے انہیں اہل اجتہاد سے شمار کیا۔

رابعا: اور فقہا نے بھی اس ستر کے قول کو مفتی بہ قول کہا۔ چنانچہ جواہر اخلاطی میں ہے:

یحکم بموته بعد سبعین سنة وعلیه الفتوی۔

یعنی ستر سال کے بعد مفقود کی موت کا حکم دیا جائے گا اور اسی پر فتوی ہے۔

لہذا ان اقوال میں ستر برس کی عمر کا قول سہل ترین اور راجح تر قرار پایا۔ حاصل جواب یہ ہے کہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک کسی مفتی حنفی کو زن مفقود کیلئے قول حضرت امام مالک پر یعنی چار برس کے بعد نکاح ثانی کرنے کا فتوے ہرگز نہیں دینا چاہے بلکہ زن مفقود پر لازم ہے کہ صبر اور انتظار کرے یہاں تک کہ اس کیشوہر کی ولادت کو ستر برس گذر جائیں اس کے بعد قاضی اس کی موت کا حکم کرے اور اس وقت سے زن مفقود چار مہینہ دس دن کی عدت گذار کر اپنا دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

﴿۷۰﴾

باب العدة

مسئلہ (۷۴۶، ۷۴۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے عظام ومفتیان کرام مندرجہ ذیل مسئلوں میں

(۱) زید جو اپنے مسلمان اور پابند شرع ہونے کا دعویدار ہے اس نے اپنے ایک مرض سے تنگ آکر ایک برہمن سے اوجھائی کرائی اور خود بھی ہندؤں کے تہوار ہولی کی رات میں برہنہ ہوکر ٹوٹکے کے طور پر آگ کے جلتے میں کچھ چیزیں ڈالیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسلمانوں کا اس کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہئے اور احکام اسلام کی رو سے زید کس گناہ کا مرتکب ہوا؟۔

(۲) ہندہ جولاعلمی کے باعث وہابی کے نکاح میں پہنچ گئی اور کچھ دنوں کے بعد اس کے شوہر کا وہابی ہونا ثابت ہوا تو پڑھے لکھے لوگوں نے ہندہ کو اسکے شوہر کے گھر جانے سے روکا اور کہا کہ جب ہندہ کا شوہر وہابی تھا تو ہندہ کا نکاح ہی نہیں ہوا چنانچہ اس مسئلہ شرعی کے پیش نظر طلاق کی ضرورت محسوس نہیں کی لیکن دفع شر ومصلحت کی وجہ سے ہندہ کے شوہر سے باقاعدہ طلاق ہی حاصل کرلی، لیکن نکاح ثانی کے لئے عدت اس لئے نہیں گذرنے دی کہ اول تو ہندہ کا شوہر وہابی تھا دوسرے ہندہ سے اس کے شوہر نے قربت بھی نہیں کی تھی مگر گاؤں کے کچھ شریف قسم کے لوگوں نے شور مچایا کہ دیکھو بغیر عدت کے دن گذرے ہوئے دوسرا نکاح کرادیا اور اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا بھی چھوڑ دیا جس نے مسئلہ شرعی پر مکمل طور پر عمل کیا براہ کرم دونوں مسئلوں کے جواب قرآن وسنت کے مطابق اور تسلی بخش مرحمت فرماکر ممنون کریں۔

المستفتی چودھری امام علی سکندر پور ضلع بستی ۲۸ مارچ ۱۹۵۷ء

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) صورت مسئولہ میں زید پران ناپاک حرکات کی بناپر توبہ اور تجدید ایمان ضروری ہے پھر اگر وہ بالاعلان توبہ کرکے تجدید ایمان کرلے تو اس کے ساتھ سارے اسلامی معاملات کرنے درست ہیں۔ اور اگر وہ معاذ اللہ توبہ ہی نہ کرے تو پھر اس کے ساتھ میل جول سلام وکلام اور تمام اسلامی تعلقات ترک

کردینے چاہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) جب ہندہ کو شوہر سے قربت اور خلوت صحیحہ تک بھی حاصل نہیں ہوئی تھی کہ اس کو طلاق دیدی گئی تو پھر بعد طلاق کے عدت واجب نہیں ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یاایها الذین آمنو اذا انکحتم المومنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لکم علیهن من عدة تعتدونها۔ (سورہ احزاب ع ۵)

یعنی اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں بے ہاتھ لگائے طلاق دیدو تو تمہارے لئے ان پر کچھ عدت نہیں جسے گنو۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوگیا کہ جب عورت کو قبل قربت کے طلاق دیدی جائے تو اس پر عدت واجب نہیں۔ لہٰذا اس ہندہ کا بغیر عدت گذارے جو نکاح ثانی کردیا گیا وہ بالکل صحیح اور مطابق حکم قرآنی ہے، تو جس نے اس کے خلاف شور مچایا اور اس کے پیچھے نماز چھوڑ دی وہ اس حکم قرآنی سے ناواقف ہے اس کے بعد اس کو چاہئے کہ وہ اپنی حرکات سے باز آئے اور اس کے خلاف کوئی کلمہ نہ کہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۴ شوال المکرم ۱۳۷۶ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۴۸)

بحضور مفتی صاحب دار الافتاء مدرسہ عالیہ اجمل العلوم سنبھل دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم

مندرجہ سوالوں کا جواب مرحمت فرماکر شکریہ کا موقع دیکر عنداللہ ماجور وممنون ہوں ہندہ کا نکاح ثانی عمرو سے ایسی حالت میں ہوا کہ نکاح اول کی طلاق کے ایام عدت نہ گذرے تھے لیکن ہندہ یہ دعوی کرتی ہے کہ شوہر اول نے میرے ساتھ نہ خلوۃ صحیح کی اور نہ وہ میرے ساتھ اپنی خواہشات پوری کیا۔ ایسی حالت میں یہ جو نکاح مذکور ہندہ کے ساتھ واقع ہوا ہے یہ نکاح ظاہر شرع میں صحیح ہے کہ نہیں۔

ایسی چیزوں میں عورت کا دعوی قابل سماعت ہے کہ نہیں اگرچہ خلاف واقع اور حقیقت ہو۔

سائل محمد قاسم صدر کمیٹی مجلس عاملہ مدرسہ رضویہ اہل سنت وجماعت کیتھون ضلع کوٹہ راجستھان

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگرشوہر اول کی ہندہ کے ساتھ خلوۃ صحیحہ اور جماع کے ہونے پر کوئی شہادت شرعی موجود ہو۔پھر عدت کے ایام نہ گذرے نے پر بھی شہادت شرعی قائم ہو جب تو ہندہ کا معتدہ ہونا ثابت ہو جائیگا۔اور ظاہر ہے کہ ایسی معتدہ کا نکاح غیر سے جائز نہیں ہے۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے: ولا یجوز نکاح منکوحۃ الغیر و معتدۃ الغیر عند الکل۔

(قاضی خاں مصطفائی ۱/۱۴۹)

اس صورت میں تو ہندہ کا عمرو سے ایام عدت گذرنے سے پہلے جو نکاح ثانی ہوا وہ باطل وحرام ہے۔لہٰذا یہ ہندہ اس عمر سے فوراً جدا ہو جائے۔اور اگر ان امور مذکورہ پر کوئی شرعی شہادت موجود نہیں ہے تو ہندہ کا یہ قول (کہ شوہر اول نے میرے ساتھ نہ خلوت صحیحہ کی اور نہ میرے ساتھ اس نے اپنی خواہشات پوری کی) شرعاً معتبر وصحیح ہے کہ ہندہ شوہر اول سے خلوت صحیحہ وجماع کی منکر ہے اور قواعد کے اعتبار سے قول منکر ہی معتبر ہوتا ہے۔

ردالمحتار میں ہے: وجھہ ماش علی القواعد لان القول للمنکر۔

(ردالمحتار جلد۲ صفحہ۳۵۴)

بلکہ قاضی خاں میں اس کی تصریح موجود ہے:

قالت تزوجت ولم یدخل بی کان القول قولھا۔ (قاضی خاں جلد۳ صفحہ۷۹)

اس صورت میں ہندہ کا عمرو سے جو نکاح ثانی ہوا وہ جائز وصحیح ہے کہ اس صورت میں ہندہ پر عدت ہی واجب نہیں تھی تو پھر اس نکاح ثانی کی صحت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۵ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۴۹،۷۵۰،۷۵۱)

حضرت سیدی ومرشدی وغوثی ومقبول بارگاہ سبحانی مخزن اسرار معقول ومنقول کاشف استار فروع واصول فاضل بے بدل مصدر احسان مفتی اعظم مولانا مولوی قاری شاہ محمد اجمل صاحب دامت برکاتھم

العالیہ السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ

عرض یہ ہے کہ

(۱) ہندہ نے سکھا سے نکاح کیا اور تھوڑی مدت اس کے پاس بھی رہی جس سے مباشرت اچھی طرح سے ہوئی، بعد تھوڑی سی مدت کے آپس میں کچھ کشیدگی ہوگئی، اس کشیدگی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندہ نے جھکن سے نکاح کر لیا سکھا نے اس کو طلاق بھی نہیں دی تھی اور نہ کبھی صراحۃً وکنایۃً سکھا کی زبان سے ایسا کلمہ نکلا جو کہ طلاق پر مبنی ہو، اب جبکہ ہندہ کے ۶۔ بچے پیدا ہوگئے اس کے پاس رہتے ہوئے تقریبا اٹھارہ برس گذر گئے تو سکھا نے ہندہ کو طلاق دی۔لہذا دریافت طلب یہ امور ہیں کہ

نمبر (۱) ہندہ طلاق کی عدت پوری کرے گی یا نہیں؟۔

نمبر (۲) عدت پوری کریگی تو عدت کی تعریف کیا ہوئی؟۔

نمبر (۳) اور اگر اتنے طویل زمانہ اور دوسرے شخص سے اولاد ہونیکی بنا پر عدت پوری نہیں کرتی ہے تو "ثلثہ قروء" کا کیا مطلب ہوا؟ بینوا توجروا۔

المستفتی محمد اشفاق حسین غفرلہ الرزاق

مدرس مدرسہ خازن العلوم قصبہ دڑھیال یکم جون ۱۵ء

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں تاوقت طلاق سکھا ہی کے نکاح میں بدستور باقی رہی باوجود یکہ وہ ہندہ شوہر سے اٹھارہ برس جدا رہی اور ہندہ برابر زنا اور فسق میں مبتلا رہی لیکن سکھا کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی۔جب خود سکھا نے اتنے عرصہ کے بعد طلاق دی تو یہ اب مطلقہ ہوئی اور اس پر عدت طلاق واجب ہوئی۔

قرآن کریم میں اللہ عزوجل فرماتا ہے:

والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء۔

اب اس عرصہ میں اس ہندہ نے جو دوسرا نام کا جھوٹا نکاح کیا وہ نکاح ہی نہیں بلکہ یہ ہندہ اتنے زمانہ تک زنا ہیں مبتلا رہی اور اس اٹھارہ برس میں جتنی اولادیں اس نام کے دوسرے شوہر کی صحبت سے پیدا ہوئیں وہ سب اولاد حرام ہوئیں۔

ردالمحتار میں ہے: لو تزوج بامرأۃ الغیر عالما بذلک ودخل بھا لاتجب العدۃ علیھا

حتی لا یحرم علی الزوج وطوھا وبه یفتی لانه زنا والمزنی بها لا تحرم علی زوجها۔

(۳۰۱ ج ۲)

بالجملہ اب اس ہندہ پر سکھا کے طلاق دینے کے بعد سے عدت واجب ہے۔

جوہرہ نیرہ میں ہے:العدۃ ھی التربص الذی یلزم المرأۃ بزوال النکاح وشبھته۔

ھدایہ میں ہے:وابتداء العدۃ فی الطلاق عقیب الطلاق ومشائخنا رحمھم الله یفتون فی الطلاق ان ابتدائھا من وقت الاقرار۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۵۲،۷۵۳،۷۵۴،۷۵۵)

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں۔

(۱) ایک لڑکی نابالغہ کی شادی نابالغ لڑکے کے ساتھ ہوئی، شوہر نابالغ گنگا کے فساد میں مارا گیا۔ شوہر متوفی کو کچھ روپیہ سرکار سے ملا ہے اور لڑکی مذکورہ کے پاس کچھ زیور شوہر متوفی کا اور کچھ لڑکی کے والدین کا موجود ہے، کچھ قرضہ شوہر متوفی کے والد پر تھا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ

(۱) اس لڑکی کی عدت ہوگی یا نہیں؟۔

(۲) اور مہر کتنا واجب ہوگا؟۔

(۳) اور عدت کے زمانہ کا نان نفقہ خاوند کے مال میں ہوگا یا نہیں؟۔

(۴) سرکاری روپیہ کی وصولیابی میں کچھ خرچہ لڑکی کے والد کا ہوا ہے اس کو مجرا کیا جائے یا نہیں؟۔

(۵) متوفی کے والد کا قرضہ اس کے لڑکے متوفی کے مال سے ادا کیا جائے گا یا نہیں؟۔

(۶) متوفی کی ایک پھوپھی اور ایک بیوی ہے، یہ روپیہ جو سرکار سے متوفی کو ملا ہے اور جو زیور متوفی کی بیوی کے پاس ہے اسکا شرعا کیا حکم ہے؟۔

متوفی کا والد بھی گنگا ہی پر مارگیا ہے۔ بینواتوجروا

الجواب

اللھم ھدایة الحق والصواب

(۱) یہ نابالغ لڑکی یقیناً موت کی عدت یعنی چار ماہ دس دن گذارے گی۔

جوہرہ نیرہ میں ہے:

واذا مات الرجل عن امرأته الحرۃ فعدتها اربعة اشهر وعشرۃ وھذه العدۃ لا تجب الا فی نکاح صحیح سواء دخل بها اولم یدخل وسواء کانت مسلمة او کتابیة او صغیرۃ اذا کان زوجها مسلما او صغیرا والله تعالی اعلم۔

(۲) صورت مسئولہ میں اس نابالغہ کا جس قدر مہر تھا وہ پورا پورا واجب ہوگیا اس میں کوئی کمی نہیں ہوسکتی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:والمھر یتاکد باحد معان ثلثة۔ الدخول والخلوۃ الصحیحة وموت احدالزوجین والله تعالی اعلم بالصواب۔

(۳) اس لڑکی کے زمانہ عدت کا نان ونفقہ شوہر کے مال میں سے نہ لیا جائیگا۔

درمختار میں ہے:لا تجب النفقة بانواعها لمعدۃ۔ والله تعالی اعلم بالصواب۔

(۴) سرکاری روپیہ کی وصولیابی میں لڑکی کے والد نے جس قدر روپیہ اس نیت سے خرچ کیا کہ بعد وصولی اس کو لے لیا جائیگا تو وہ اس کو مجرا کرسکتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

(۵) اس سرکاری روپیہ میں سب ورثہ شریک ہونگے اور ہر وارث بمقدار اپنے حصہ شرعی کے اس سے لیگا۔ والد متوفی کی موت کا حال معلوم نہیں۔ اگر اس کی موت بیٹے کی موت کے بعد ہوئی ہے تو والد متوفی کا حصہ اس کے قرضہ کی ادائیگی میں دیا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

(۶) متوفی کا جس قدر متروکہ مال ہے، اب چاہے سرکاری روپیہ ہو یا زیور ہو یا اسکے علاوہ کچھ اور مال۔ اس سے پہلے زوجہ کا مہر ادا کیا جائے گا۔ پھر جو اس سے بچا اس کو ورثہ پر تقسیم کیا جائے گا۔ اب اگر متوفی کے یہ صرف دو ہی وارث بی بی اور پھوپی ہیں تو بی بی کو چوتھائی اور باقی تین چوتھائی پھوپی کو دیا جائے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۵۶، ۷۵۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ایک عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا جس کو چالیس روز ہوئے۔ اس عورت کی ایک لڑکی ہے جو شوہر کے انتقال سے کچھ دنوں پہلے اس کی حیات میں پیدا ہوئی جس کی عمر ایک ماہ ہے اس صورت میں عورت پر عدت واجب ہے یا نہیں؟۔

(۲) اس وقت تک عورت نے عدت کی شرائط کی پابندی نہیں کی اس طرح اگر عوت نے چار ماہ دس دن پورے کئے۔ تو بعد اس عدت کے نکاح جائز ہے یا نہیں؟۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) صورت مسئولہ میں اس عورت پر یقیناً عدت وفات چار ماہ دس دن واجب ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: ”والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسهم اربعة اشهر وعشرا۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

(۲) جب اس عورت کے چار ماہ دس دن پورے ہو جائیں گے تو وہ کسی سے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ اب اگر اس نے احکام عدت کی پابندی نہیں کی تو وہ گنہ گار ہے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲)

بحضور محقق المفتیین سید اصحاب اقلام المناظرین سیدی مدیر مدرسہ اجمل العلوم، بلدۃ سنبھل۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عرض حضور میں یہ ہے کہ مندرجہ ذیل مسائل کا جواب مرحمت فرمائیں

(۱) کسی عورت سے خلوت صحیحہ قبل حمل یا کسی مرض سے یا دوا سے یا معاذ اللہ حمل کو فساد کرنے پر کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟۔

(۲) فریقین (شوہر اور عورت کے درمیان) خلوت میں تنازع واقع ہو جائے یعنی ایک نے انکار کیا دوسرے نے خلوت کا دعوی کیا ایسی حالت میں خلوت کے ثبوت میں کس کی بات مانی جائے؟۔

(۳) ایک عورت سے بعد طلاق زوج اول دوسرے نے شادی کر لی، لیکن شوہر ثانی کا نکاح عدت پوری ہونے سے قبل ہو رہا ہے۔ ایسی حالت میں زوج ثانی کے نطفہ سے جو بچہ پیدا ہوگا اسکو ولد الزنا قرار دیا جائے کہ نہیں؟۔

(۴) اسی صورت میں (سوال تین کی صورت میں) وہی عورت قسم کھاتی ہے کہ مجھے شوہر اول نے بضعہ تک کی ملابست نہ لی ہے اور نہ مجھے عدت کی ضرورت ہے۔ کیا اس عورت کی بات شرعا مانی جائے گی کہ نہیں؟۔ اور اگر بے نمازی عورت ہو تو بھی۔

(۵) مسلمان پنچوں کو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے کہ انکی بستی میں عدت کے اندر منکوحہ ثانی عورت کو حمل ہوا اور شوہر اول سے عدم خلوت کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور پنچ اس کی کیا تفتیش کریں؟۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) صورت مسئولہ میں خلوت صحیحہ یا تو زوجین کی اقرار سے ثابت ہو جائے گی ورنہ پھر شہادت سے ثابت ہوگی۔ اور شہادت اس امر پر پیش کی جائے گی، کہ ان زوجین کو ایک ایسے مکان میں جمع کر دیا گیا جس میں جماع سے موانع شرعی وطبعی وحسی میں سے اس وقت کوئی مانع موجود نہیں تھا۔ عالمگیری میں ہے: والخلوة الصحيحة ان يجتمعا في مكان ليس هناك مانع يمنعه من الوطى حسا او شرعا او طبعا كذا في فتاوى قاضي خان

فتاوی خیریہ میں ہے۔ حجج الشرع ثلث البينة والاقرار والنكول ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۲) جب زوجین مین طلاق سے تفریق ہو گئی پھر ان میں یہ اختلاف ہوا کہ مرد کہتا ہے کہ خلوت صحیحہ نہیں اور عورت کہتی ہے کہ ہو گئی، تو عورت ہی کا قول معتبر ہے۔ درمختار میں ہے۔ ولو افترقا فقالت بعد الدخول وقال الزوج قبل الدخول فالقول لها لانكارها لسقوط نصف المهر۔ والله تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۳) جواب دوم سے ثابت ہو چکا ہے کہ بعد تفریق زوجین جب عورت خلوت صحیحہ کا انکار کرتی ہے تو اسی کا قول معتبر ہے۔ تو پھر اس پر بعد طلاق زوج اول کے عدت واجب نہیں اور جب وجوب عدت نہیں تو نکاح ثانی صحیح ہوا۔ لہذا یہ بچہ اگر وقت طلاق سے پورے چھ ماہ میں یا زائد میں پیدا ہوا تو

بچہ زوج سے ثابت النسب ہوا۔ اور اگر یہ بچہ وقت طلاق سے چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا اور نکاح اول سے بعد چھ ماہ کے ہوا تو یہ بچہ شوہر اول سے ثابت النسب ہوا۔ ولد الزنا ہر دو حال میں قرار نہیں پائے گا،

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۵) پنچوں کو اپنی رائے اور عقل سے کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان جوابوں میں جس طرح مسئلہ شرعی لکھا گیا ہے اسی پر فیصلہ صادر کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں۔

(۱) ایک شخص کا انتقال ہو گیا اور اس کی بیوی ہے اسکی بیوی کا نکاح کب ہو سکتا ہے وفات کی عدت کیا ہے؟۔

(۲) اگر اس عورت کا نکاح عدت سے پہلے کسی قاضی نے پڑھا دیا۔ تو یہ نکاح شرعا جائز ہوا یا نہیں؟۔ اور اس قاضی نکاح پڑھانے والے اور جو شخص گواہ اور وکیل ہوئے ان کا شرعا کیا حکم ہے؟۔

(۳) نکاح کے وقت بعض جگہ کچھ روپیہ لیکر شوہر سے مسجد میں خرچ کیا جاتا ہے تو ایسے نکاح مذکورہ کا روپیہ مسجد میں صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟۔

(۴) اگر کوئی شخص عدت سے پہلے جو نکاح ہوا ہے یہ کہے کہ سب شرع ہی ہے ہم کو اپنے پیسوں سے کام ہے تو اس شخص کے کہنے کا شرعا کیا حکم ہے؟۔ بینوا توجروا

المستفتی حافظ بہار حسین موضع پھل سنگھ پرگنہ سنبھل ۲۴ اگست ۱۹۵۹ء

الجواب

اللہم هداية الحق والصواب

(۱) وفات کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

(۲) عدت گذرنے سے پہلے معتدہ کا شرعا نکاح جائز نہیں اگر کسی نے پڑھا دیا تو قاضی وکیل وگواہ حاضرین سخت گنہگار ومجرم ہیں ان کو توبہ کرنا چاہئے۔

(۳) بوقت نکاح شوہر سے روپیہ لینا ناجائز ہے اور یہ مال خبیث ہے اور مال خبیث مسجد میں

صرف نہیں کیا جا سکتا ہاں اگر شوہر سے مسجد کے لئے بطور امداد کے کوئی چندہ طلب کیا جائے تو وہ روپیہ مسجد میں صرف کیا جا سکتا ہے۔

(۴) جو نکاح عدت گذرنے سے قبل ہوا ہو اس کو یہ کہنا کہ یہ سب شرع ہی ہے سخت دلیری وجرأت ہے اس پر توبہ واستغفار واجب ہے اگر وہ توبہ کرنے سے انکار کرے تو مسلمان اس سے قطع تعلق کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

کتاب البیوع

(۱۷)

باب البیع الصحیح

مسئلہ (۷۶۷)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں

کہ جوڑا جانور میں عموما دونوں کے عمر وذات وغیرہ میں کم وبیش کا ضرور فرق ہوتا ہے ایسی صورت میں جوڑا جانور بلاتفریق قیمت خرید فروخت کا شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی، عبدالکمال پوکھریرا مظفر پور

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جانوروں کے جوڑے کی ایک عقد میں بلاتفریق قیمت کے بھی خرید وفروخت جائز ہے اس صورت میں اگر لے تو دونوں کو قبول کرے اور اگر واپس کرے تو دونوں کو واپس کردے۔لیکن جب ان میں تفاوت اور فرق موجود ہے تو ہر ایک کی قیمت بوقت خرید وفروخت جلد از جلد متعین کردینی چاہئے۔

۲۴ ربیع الآخر ۷۷ھ

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۶۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ

زید کہتا ہے کہ بلاعمر کی اجازت کے اس کے تالاب کی مچھلیاں جال سے نکالنا اور کھانا کھلانا جائز ہے۔اس لئے کہ عمر کی ملکیت مچھلیوں پر نہیں ہے۔صرف تالاب کا مالک ہے۔اگر مچھلیوں پر ملکیت ہوتی تو بیع کرنا بھی مالک کے حق میں جائز ہوتا۔

اور بکر کا یہ کہنا ہے کہ تالاب کی مچھلیوں کا بیع کرنا بیشک عمر کے حق میں اس لئے جائز ہے کہ شریعت مطہرہ نے مجہول شئی کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ بلا اجازت مالک جسکا

جی چاہے تالاب میں تصرف کرے، اور جال ڈال کر مچھلیاں نکالے۔ لھذا قول زید کا صحیح نہیں ہے ۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید برسرحق ہے یا بکر؟۔ جواب مدلل بحوالہ کتب واضح واپسی ڈاک عنایت فرمائیں شدید انتظار ہے۔

(نوٹ) تالاب کے اقسام جس قدر بھی ہوسکیں جن سے احکام بدلتے ہیں تمام صورتوں کے جوابات کے تحریر فرمائیں تاکہ اس بارے میں جتنے مسائل ہیں ہم لوگوں کے علم میں آجائیں ۔

۲/رجب الآخر ۷ھ

الجواب

اللھم ھدایة الحق والصواب

وہ تالاب جو مچھلیاں حاصل کرنے کے لئے تیار کیا جائے تو تالاب والا ہی اس کا مالک ہے بلا اس کی اجازت کسی دوسرے کو اس تالاب کی مچھلیاں پکڑنا جائز نہیں۔

(۲) وہ تالاب جو اس غرض کے لئے تو نہیں تھا مگر تالاب والے نے اس میں مچھلیاں آجانے کے بعد اس کے دریا سے آمدورفت کا راستہ بند کردیا۔ تو یہ تالاب والا ہی اسکی مچھلیوں کا مالک ہے۔ اس کی بلا اجازت کے کوئی ان مچھلیوں کو نہیں پکڑ سکتا۔

(۳) وہ تالاب جو مذکور غرض کے لئے تو تیار نہیں ہوا۔ لیکن تالاب والے نے ہی اس میں مچھلیاں چھڑوائی ہیں۔ تو ان مچھلیوں کا بھی یہی تالاب والا مالک ہے۔ بلا اس کی اجازت کے کسی کا ان کو پکڑنا جائز نہیں۔

اب باقی رہا ان صورتوں میں مچھلیوں کے بیچنے کا جواز یا عدم جواز، اسکی تفصیل یہ ہے کہ کسی مملوک چیز کے قابل بیع ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مقدور التسلیم ہو۔ تو اگر ان صورتوں میں وہ مچھلیاں بغیر جال، کانٹے اور بلا کسی حیلہ ترکیب کے پکڑی جاسکتی ہیں تو ان کی بیع جائز ہے، کہ مقدور التسلیم ہیں۔ باوجودیکہ ان صورتوں میں وہ مچھلیاں تالاب والے ہی کی مملوک ہیں۔

(۴) وہ تالاب جو نہ مچھلیوں کی غرض کیلئے تیار کیا ہو۔ نہ اس میں مچھلیاں آجانے کے بعد اس کا راستہ بند کیا گیا ہو، نہ اس میں تالاب والے نے خود مچھلیاں چھوڑ دیں ہوں۔ تو ایسے تالاب کی مچھلیوں کا تالاب والا مالک نہیں جو چاہے اس سے مچھلیاں پکڑ سکتا ہے اور پھر پکڑ لینے کے بعد ان کی بیع کرسکتا ہے ۔علامہ شامی نے ردالمحتار میں ان تمام صور اور ان کے احکام کو فتح القدیر سے نقل فرمایا ہے:

والحاصل كمافي الفتح انه اذادخل السمك فى الحظيرة فا ما ان يعدها لذلك او لافقى الاول يملكه وليس لاحد اخذه ثم ان امكن اخذه بلاحيلة جاز بيعه لا نه مملوك مقدور التسليم والا لم يجز لعدم القدرة على التسليم وفى الثانى لايملكه فلا يجوز بيعه لعدم الملك الاان يسد الحظيرة اذا دخل فحينئذ يملكه ثم ان امكن اخذه بلاحيلة جاز بيعه والافلا وان لم يعدها لذلك لا كنه اخذه وارسله فيها ملكه فان امكن اخذه بلا حيلة جاز بيعه لانه مقدور التسليم او بحيلة لم يجز لا نه وان كان مملو كا فليس مقدور التسليم۔

(ردالمحتار مصری ص ۱۱۱ ج ۴)

اب باقی رہے زید و بکر کے اقوال تو زید کا قول چوتھے نمبر کے تالاب کے لئے تو صحیح ہے۔ اور پہلے تینوں تالابوں کے لئے غلط ہے اور اس کی یہ دلیل (کہ اگر مچھلیوں پر ملکیت ہوتی تو بیع کرنا بھی مالک کے حق میں جائز ہوتا) بھی صحیح نہیں۔ اوپر تفصیل سے ظاہر ہو چکا کہ بیع کے جواز کیلئے صرف ملکیت ہی کافی نہیں ہے بلکہ مبیع کا مقدور التسلیم ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ پہلی تینوں صورتوں میں تالاب والا مچھلیوں کا مالک تو ہے لیکن جال کانٹے یا حیلہ وترکیب سے پکڑے جانے کی صورت میں بیع کا عدم جواز مقدور التسلیم نہ ہونے کی بنا پر ہے نہ کہ عدم ملکیت کی وجہ سے۔ تو زید کا قول و دلیل دونوں مجروح قرار پائے۔ اب رہا بکر کا قول تو اگر وہ پہلی تین صورتوں کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ان کی بیع مطلقاً ناجائز نہیں ٹھہرتی بلکہ ناجائز صرف اس صورت میں ہے جب ان مچھلیوں کو جال کانٹے یا حیلہ وترکیب سے پکڑا جائے۔ اور اگر جال کانٹے یا بلا حیلہ وترکیب سے ان مچھلیوں کو پکڑا جاسکتا ہے تو ان کی بیع جائز ودرست ہے۔ بکر کا اس صورت کو بھی ناجائز کہہ دینا غلط اور خلاف تحقیق ہے۔ ہاں آخری چوتھی صورت میں عمر کے حق میں ان کی بیع یقیناً ناجائز ہے لیکن اس کی علت وہ نہیں ہے جو بکر نے بیان کی کہ شئی مجہول کی بیعنا جائز ہے بلکہ اس کی علت ان کا غیر مملوک ہونا یا مملوک غیر مقدور التسلیم ہونا ہے۔ اور جب اس چوتھی صورت میں تالاب والا ان مچھلیوں کا مالک ہی نہیں تو پھر اس سے اجازت لینے کے کیا معنی ہیں بلکہ اس تالاب میں جس کا جی چاہے تصرف کرے اور جال ڈال کر مچھلیاں پکڑے۔ بکر کا اسکے خلاف کہنا غلط ہے۔ بالجملہ زید وبکر کے اقوال بکل الوجوہ صحیح نہیں بلکہ قابل اصلاح ہیں اور ان کی اصلاح ہمارے بیان میں مذکور ہے۔ اب سائل کو چاہیے کہ ان چہار صور میں جو صورت واقعہ کے مطابق ہو اس کا حکم اوپر کی تفصیل میں تلاش کر

کے عمل کرے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۶۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

پیش امام جامع مسجد نے بلا معاوضہ جامع مسجد کی امامت کی۔ فی سبیل اللہ کسی نے خدمت کی وہ لے لیا۔ دوسرا ذریعہ آمدنی کا یہ ضرور کہ امام کی نکاح خوانی کی آمدنی ضرور رہی وہ بھی ایسی رہی کہ دوسروں کو موقع لگ گیا انہوں نے پڑھا دیا یعنی نکاح کی آمدنی مستقل نہیں ہے۔ تیسرے ذریعہ آمدنی کا ہے رمضان شریف میں کلام پاک امام صاحب سناتے ہیں ختم کے روز نمازیان مسجد خدمت کرتے ہیں وہ لے لیتے ہیں۔ اس خدمت کو عرصہ پینتیس سال ہوگیا امام صاحب نے لڑکے کو گرل سازی کا کام سیکھنے کو بٹھا دیا۔ جب لڑکا گرل سازی کے کام میں ہوشیار ہوگیا۔ امام صاحب کے پاس اتنا پیسہ نہ تھا جو دوکان کر دیتے پر انھوں نے اپنا مکان بھی سو روپیہ میں دخلی رہن رکھ دیا اور علیگڑھ میں گرلسازی کی دکان کرادی۔ چندروز کے بعد علی گڑھ میں ہولی کے ایام میں بلوہ ہوگیا اس میں امام صاحب کے لڑکے کی دوکان کا سامان سب لوٹ کر بلوائی لے گئے اور دوکان میں جتنا فرنیچر تھا آگ دیدی۔ اور بھی روپیہ اپنے داماد سے لیکر دوکان میں لگادیا تھا غرض یہ ہے کہ پوری بربادی امام صاحب کی ہوئی۔ اب آکر یہ ہوتا ہے کہ امام صاحب نے جو اپنا مکان دخلی کر دیا تھا جنھوں نے مکان رکھا تھا ان کی بیوی کا انتقال ہوگیا اور وہ خود بھی آنکھوں سے اندھے ہوگئے۔ وہ بہت مجبور ہیں اب روپیہ کا سخت تقاضہ ہے ایک مکان ہے جسکی آمدنی جامع مسجد کے نام ہے۔ مکان کی آمدنی چھ سو روپیہ جمع ہوگئی ہے وہ آمدنی امام صاحب کو قرضہ میں دی جاسکتی ہے؟۔ اور امام صاحب یہ بھی کہتے ہیں میں رفتہ رفتہ اس قرض کو ادا کردوں گا۔ لوگ کہتے ہیں کہ امام صاحب اپنا مکان جامع مسجد کے نام چھ سو روپیہ میں بیع کردیں جب امام صاحب روپیہ ادا کردیں اپنا مکان قبضہ میں لے لیں۔ امام صاحب یہ کہتے ہیں: میں بیع نہیں کروں گا۔ دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ بیع نامہ کے اندر کوئی شرط نہیں برائے کرم جواب سے مطلع کیجئے۔ پہلی ایک قطعہ آمدنی کا ریاست جیب گنج سے تھا۔ پیش امام صاحب کے ۸ روپے اور ۲ روپے موذن۔ جب سے زمیندارہ ختم ہوا وہ آمدنی بھی بند ہوگئی۔

مرسلہ خادم عرصی رضا خاں مسلم گنج ضلع ایٹہ ۳۰ نومبر

الجواب

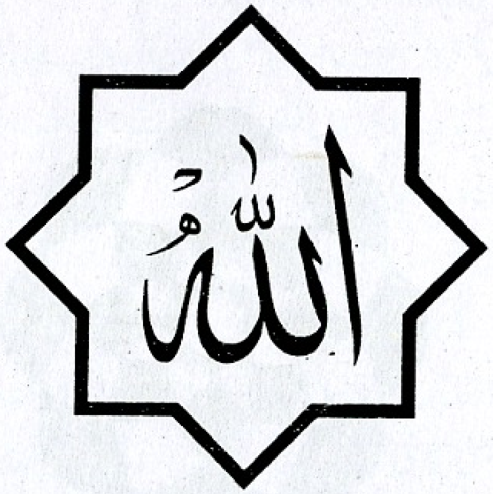
اللھم ھدایۃ الحق والصواب

ان امام صاحب کو جامع مسجد کے قرض کی ادائے گی کی یا تو یہ صورت ہوسکتی ہے کہ وہ امام صاحب اگر قبول کرلیں تو انکی امامت کی تنخواہ مقرر کردی جائے جو شرعا جائز ہے۔ اور اس میں جامع مسجد کے روپیہ سے انکا قرض ادا کردیا جائے اور انکی ماہوار تنخواہ اس میں وضع کرتے رہیں۔ اور اگر وہ قبول نہ کریں تو ان کا مکان بجائے رہن کے بیع بالوفا متولی مسجد کے نام کردی جائے اور اس کی قیمت سے انکا قرض ادا کردیا جائے۔ بیع بالوفا کی صورت یہ ہے کہ یہ امام صاحب اس قدر روپیہ ادا کردیں تو انکا وہ مکان واپس کردیا جائے اس میں کسی مدت کی قید نہیں ہوتی ہے اور اس مکان کے منافع حاصل کرنا بھی جائز ہیں اور مکان کی واپس رقم کے ادا کردینے پر موقوف ہے:

کما حققہ الشامی فی رد المحتار۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔ ۹ ربیع الاخری ۷۴ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل



﴿۷۲﴾

باب البیع الفاسد

مسئلہ (۷۷۰)

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

آجکل اس قدر عام ہے کہ لوگ آم وغیرہ کے باغ قبل فصل تیار ہونے کے خرید لیتے ہیں اور پھل درخت پر بڑھتا رہتا ہے کیا یہ ازروئے شرع جائز ہے؟

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

آج کل آم وپھلوں کی قبل تیاری کے جو بیع کی جاتی ہے اور پھل کے لئے اس کے پکنے تک درخت پر باقی رہنے کی جو شرط کی جاتی ہے تو ازروئے شرع ایسی بیع فاسد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

﴿۷۴﴾

باب السلم

مسئلہ (۷۷۱)

مرسلہ محمد امین ابن ابراہیم ڈاکخانہ بھیمڑی ضلع تھانہ صوبہ بمبئی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید ہندو کسانوں کو دھان بونے کے قبل ایک روپیہ فی من دھان کے حساب سے روپیہ دیتا ہے اور فصل پر یعنی دھان تیار ہونے پر ان سے دھان ایک روپیہ فی من کے حساب سے وصول کرتا ہے اس شرط کے ساتھ کسانوں کو روپیہ دینا جائز ہے یا ناجائز؟ عمر کہتا ہے کہ یہ سود ہے اس لئے آپ کو تکلیف دیجاتی ہے، کہ آپ اس مسئلہ کو فیصلہ کے ساتھ کریں گے ایسی مع فصل تیار ہونے پر بازار میں دو روپیہ فی من کے حساب سے بکتا ہے۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

یہ صورت بیع سلم کی ہے اور اس کے پندرہ شرائط ہیں۔

(۱) راس المال یعنی جو ثمن ہے اس کی جنس کا بیان کہ روپیہ ہے یا اشرفی یا نوٹ۔

(۲) اس کی نوع کا بیان اگر وہاں مختلف قسم کے سکے رائج ہوں۔

(۳) اس کے وصف کا بیان کہ کھرا ہے یا کھوٹا۔

(۴) راس المال کی مقدار کا بیان کہ کس قدر ہے۔

(۵) راس المال کا نقد ہونا۔

(۶) اس مجلس عقد میں راس المال پر مسلم الیہ یعنی جو بائع جو روپیہ لیگا۔ کا قابض ہو جانا۔

(۷) مسلم فیہ یعنی بیع کی جنس کا بیان کہ گیہوں ہیں یا جو یا دھان۔

(۸) اس کی نوع کا بیان مثلاً یہ گیہوں یا دھان فلاں قسم کے ہیں۔

(۹) اس کی صفت کا بیان کہ اعلیٰ درجہ کے ہیں یا اوسط درجہ کے یا ادنیٰ درجہ کے۔

(۱۰) اس کی مقدار کا بیان کہ یہ وزن میں اس قدر ہوں گے۔

(۱۱) اس بیع کے ادا کرنے کی کوئی معلوم میعاد مقرر کرنا۔

(۱۲) وہ مسلم فیہ عقد سلم کے وقت سے ختم میعاد تک بازار میں برابر دستیاب ہوتا رہے کسی وقت میں ناپید نہ ہو۔

(۱۳) مسلم فیہ ایسی شی ہو کہ معین کر لینے پر معین ہو جائے روپیہ اشرفی میں اسی لئے سلم جائز نہیں کہ یہ معین کرنے سے معین نہیں ہوتے تو روپیہ اشرفی مسلم فیہ نہیں ہو سکتے ہیں۔

(۱۴) اگر سلم فیہ ایسی چیز ہو جس کی مزدوری وبار برداری دینی پڑے تو وہ جگہ معین کر دی جائے جہاں ان کو ادا کرے۔

(۱۵) رب السلم یعنی روپیہ دینے والے اور مسلم الیہ یعنی روپیہ لینے والے اگر قطعی طور پر سلم نہ کریں بلکہ یہ شرط کر دیں کہ اگر منظور نہ ہوا تو سلم باقی نہ رہے گی یہ خیار شرط ہے لہذا عقد سلم میں کو ایسی خیار شرط کا حق حاصل نہیں ہے یعنی یہ عقد خیار شرط کو قبول ہی نہیں کرتی۔

الحاصل اگر بیع سلم مین یہ پندرہ شرائط پائے جائیں تو پھر وہ بلاشبہ جائز ہے۔ اس کو سود کہنا غلطی ہے۔ لہذا ان شرائط میں سے اگر کوئی شرط رہ گئی تو ضرور سود وحرام ہے۔ بازار کے نرخ کے حساب سے انہیں کچھ تعلق نہیں۔ اگر بازار میں دھان فی روپیہ من بکتا ہے اور انہوں نے اسی بیع سلم کے طریقہ پر فی روپیہ دس من طے کیا تو انہیں فی روپیہ دس من لینا جائز ہے۔ یہ سود ہرگز نہیں۔ ہاں اس ایک بات کا لحاظ ضروری ہے کہ یہ سارا معاملہ برضامندی فریقین ہو اور اگر جبرا لینا ہو تو حرام ہے کہ جبر یہ لینا عقد سلم نہیں یہ ساری تفصیل عینی بحر الرائق درمختار شامی جوہرہ نیرہ وغیرہ تمام کتب فقہ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۷۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

بعض غریب کاشتکار اپنی کپاس دس روپیہ من بیچتے ہیں حالانکہ ابھی کھیتوں میں کپاس کے پودے چھوٹے چھوٹے ہیں فصل پر کپاس ۲۵ روپیہ من بکتی ہے تو کیا یہ جائز ہوگا کہ سودا کی بغیر حضوری بیچا

جائے ایسی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں۔ فصل آنے میں تین ماہ باقی ہیں بعض لوگ ایسی بیع کو سود کی طرح کہتے ہیں۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

بیع کی ایک قسم بیع مطلق ہے۔ جس میں مبیع کا مجلس عقد میں حاضر وموجود ہونا ضروری ہے لیکن ایک بیع کی وہ قسم بھی ہے جس میں ثمن کا تو مجلس عقد میں نہ فقط موجود ہونا بلکہ اس پر قبضہ کرنا ضروری ہے اور اس میں مبیع مجلس عقد میں موجود نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اگر مبیع کو خود لایا جائے تو یہ بیع ہی ناجائز ہو جائے۔ بلکہ مبیع کی ادائیگی کے لئے ایک میعاد مقرر کیجاتی ہے چاہے اس کو ۳ ماہ ہی کا مقرر کر دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اس بیع کا نام بیع سلم ہے۔ اس میں بیع کے جائز وصحیح ہونے کے لئے (۱۶) شرطیں ہیں جو فتاوی عالمگیری میں اور بہار شریعت میں مفصل طور پر درج ہیں۔ اگر یہ تمام شرطیں متحقق ہو جائیں تو اس کی بیع یعنی خرید وفروخت بلاشبہ جائز ہے۔ کپاس میں بیع سلم کر سکتے ہیں۔

چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

لا باس بالسلم فی القطن والكتان والابريسم والنحاس والقير والحديد والرصاص والصفر والشبه وهذه الاشياء من ذوات الامثال۔

لہذا کپاس کی بیع سلم میں (۱۶) شرطیں پائی جائیں تو بلاشبہ کپاس کو بیع سلم کے طریقہ پر خرید وفروخت کیا جا سکتا ہے اس میں کوئی شرعی محظور لازم نہیں آتا جو اس کی بیع کو سود کہے وہ مسائل شرع سے نا واقف ہے کہ جائز بیع کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ اس بیع میں جو عاقدین نے بھاؤ مقرر کر لیا بس وہ متعین ہو گیا اب وہ فصل میں چاہے جائز کسی بھاؤ کو فروخت ہو۔ مثلا یہی کپاس خریدار اور بیچنے والے کے درمیان دس روپے من میں طے ہو چکی تو اگر فصل میں وہ کپاس ۲۵ روپے من پر فروخت ہو تو ان عاقدین کے حق میں وہ ۱۰/ روپے من ہی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

﴿۷۵﴾

باب الاجارہ

مسئلہ (۷۷۳)

فتاوی عالمگیری مطبع کلکتہ کے کتاب الاجارہ میں ہے" واختلفوا فی الاستیجار علی قرأة القرآن علی القبر مدة معلومة قال بعضهم یجوز هو المختار۔

اس عبارت کا حاصل مطلب کیا ہے بینوا توجروا۔

احقر الوری سید الخیر نعیمی اسلام آبادی۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

سائل کی پیش کردہ عبارت فتاوے عالمگیری کی پوری عبارت مطبوعہ مجیدی کانپور میں یہ ہے:

واختلفوا فی الاستئجار علی قرأة القران علی القبر مدة معلومة قال بعضهم لا یجوز وقال بعضهم یجوز وهو المختار (کذا فی السراج الوهاج ص۵۴۶ ج۳)

اقول اولا: ظاہر ہے کہ اس عبارت میں ھو المختار کو یجوز کی تاکید مانا جائیگا کہ اتصال بھی اسی کا مقتضی ہے تو اس صورت میں پھر دعوی اختلاف کس طرح صحیح قرار پائے گا۔

علامہ خلوتی نے حاشیہ منتہی میں شیخ الاسلام تقی الدین کا قول نقل کیا:

ولا یصح الاستئجار علی القرأة واهدائها الی المیت لا نه لم ینقل عن احد من الائمة الاذن فی ذلك وقد قال العلماء ان القاری اذا قرء لا جل المال فلا ثواب له فای شئ یهدیه الی المیت وانما یصل الی المیت العمل الصالح والاستئجار علی مجرد التلاوة لم یقل به احد من الائمة وانما تنازعوا فی الاستئجار علی التعلیم۔ (ردالمحتار ص۳۷ ج۵)

لہذا جب مجرد تلاوت پر استجار کا کوئی قائل ہی نہیں اور اس پر ائمہ کا اختلاف وتنازع ہی ثابت نہیں تو عالمگیری کا "اختلفوا" کہنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔

ثانیا: حکم جواز کا ثبوت اذن ائمہ پر موقوف ہے اور اسی عبارت شیخ الاسلام میں گزرا کہ قرات پر اجرت لینا اور اسکا ثواب میت کو پہنچانا صحیح نہیں کہ ائمہ میں سے کسی کی اجازت منقول نہیں، تو پھر حکم جواز کس طرح ثابت ہوگا۔

ثالثا: اصل مذہب تو عدم جواز استیجار ہے اور جواز بر بنائے ضرورت ہے اور قراۃ علی القبر کیلئے کوئی ضرورت شرع داعی نہیں۔ چنانچہ علامہ خیر الدین رملی حاشیہ بحر میں تتاز خانیہ سے ناقل ہیں:

وقد ذکر نا مسئلة تعلیم القرآن علی استحسان یعنی للضرورة ولا ضرورة فی الاستئجار علی القرآن علی القبر۔ (ردالمحتار ص۳۶ ج۵)

علامہ شامی "رحمتی" سے ناقل ہیں:

ما اجازوه انما اجازوه فی محل الضرورة کاستئجار تعلیم القرآن والفقه والاذان والامامة خشیة التعطیل لقلة رغبة الناس فی الخیر ولا ضرورة فی استئجار شخص یقرء علی القبر وغیره اه۔ (ردالمحتار ص۴۵۷ ج۵۔)

لہذا قراۃ علی القبر کے لئے جب ضرورت ہی متحقق نہیں ہوئی تو جواز استجار کا قول کس بنا پر صحیح ہو گا۔

رابعا: علامہ ابن عابدین نے مجوزین استیجار علی القبر کا رد فرمایا۔ ردالمحتار میں ہے:

لقد اخطا فی هذاه المسئلة جماعة ظنا منهم ان المفتی به عند المتاخرین جواز الاستئجار علی جمیع الطاعات مع ان الذی افتی به المتاخرون انما هو التعلیم والاذان والامامة وصرح المصنف فی المنح فی کتاب الاجارات وصاحب الهدایة وعامة الشراح واصحاب الفتاوی بتعلیل ذلك بالضرورة وخشیة الضیاع کما مر ولو جاز علی کل طاعة لجاز علی الصوم والصلوة والحج مع انه باطل بالاجماع وقد اوضحت ذلك فی رسالة حافلة۔ (ردالمحتار ص۴۵۷ ج۵)

لہذا علامہ شامی نے جواز استئجار تلاوت علی القبر کے قول کو مذہب متاخرین کے خلاف قرار دیکر جماعت مجوزین کو خاطی ٹھہرایا۔

خامسا: فتاوی عالمگیری نے اس قول کو سراج الوہاج سے نقل کیا اور یہ حضرت علامہ ابو بکر حدادیمنی کی کتاب ہے اور مختصر قدوری کی شرح ہے۔

ردالمحتار میں ہے: السراج هو شرح مختصر القدوری للحدادی صاحب الجوهرة۔

(ص ٦١ ج ١)

اور کشف الظنون میں ہے: السراج الوهاج عده المولى المعروف ببر كلى من جملة الكتب المتداولة الضعيفة غير المعتبرة قال چلپی ثم اختصر هذا الشرح وسماه الجوهرة النيرة۔

لہذا جب یہ کتب ضعیفہ غیر معتبرہ سے ہے تو صرف اسی کے قول کو کس طرح معتبر قرار دیا جائے۔

سادسا: سراج الوہاج کا خلاصہ جوہرہ نیرہ ہے اور یہ ہر دو ایک ہی مصنف علامہ ابو بکر حدادی یمنی کی ہیں اور علامہ شامی نے اسی عبارت منقولہ فی السوال کو جوہرہ نیرہ سے نقل کر کے اس طرح رد کیا:

والصواب ان يقال على تعليم القرآن فان الخلاف فيه كما علمت لا في القرأة المجردة فانه لا ضرورة فيها فان كان ما في الجوهرة سبق قلم فلا كلام وان كان عن عمد فهو مخالف لكلامهم قاطبة فلا تقبل۔ (ص ٣٦ ج ٥)

لہذا یہ فتاوی عالمگیری کی عبارت جو سراج الوہاج اور جوہرہ نیرہ سے منقول ہے یا تو سبقت قلم سے غلط لکھی گی ورنہ غیر مقبول ہے اور مخالف اقوال فقہاء کرام ہے۔

سابعا: صاحب "تبیین المحارم" نے تو اس عبارت مسئولہ کا نہایت مبسوط رد بلیغ کیا:

وقد اطنب في رده صاحب تبيين المحارم مستندا الى الاقوال الصريحة فمن جملة كلامه قال تاج الشريعة في شرح الهداية ان القرآن بالاجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارى قال العينى في شرح الهداية يمنع القارى للدنيا والآخذ والمعطى آثمان فالحاصل ان ما شاع في زماننا من قرأة الاجزاء بالاجرة لا يجوز لان فيه الامر بالقرآة واعطاء الثواب للآمر والقرأة لاجل المال فاذا لم يكن للقارى ثواب لعدم النية الصحيحة فاين يصل الثواب الى المستاجر ولولا الاجرة ما قرء احد لاحد في هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا ووسيلة الى جمع الدنيا انا لله وانا اليه راجعون ۔ اه ۔

(از ردالمحتار ص ٣٦ ج ٥)

لہذا اس قدر صریح نقول کے مقابلہ میں بھی عبارت منقولہ فی السوال کو کیونکر معتبر قرار دیا جائے اور اس کی تصحیح کو کس طرح صحیح سمجھا جائے۔

ثامنا: علامہ خیر الدین رملی نے اسی کا اس طرح رد فرمایا:

وقد رده الشيخ خير الدين الرملى في حاشية البحر في كتاب الوقف حيث قال اقول المفتى به جواز الاخذ استحسانا على تعليم القرآن لا على القرأة المجردة كما صرح به في التتارخانية حيث قال لا معنى لهذه الوصية ولصلة القارى بقرأته لان هذا بمنزلة الاجرة والاجارة في ذلك باطلة وهي بدعة ولم يفعلها احد من الخلفاء۔

(از ردالمحتار ص ٣٦ ج ٥)

لہذا جب یہ اجارہ باطلہ اور بدعت قرار پایا تو عالمگیری کی عبارت میں اس اجارہ کو جائز مان کر کس طرح مفتی بہ قول قرار دیا جائے۔

تاسعا: اور اگر عبارت عالمگیری میں هو المختار کو لا یجوز کا بیان قرار دیا جائے اگرچہ یہ احتمال بعید ہے تو پھر تمام تصریحات کے موافق بھی ہو جائے اور سارے اعتراضات بھی دفع ہو جائیں۔

عاشرا: اوپر کے بیان سے یہ تو ظاہر ہو چکا کہ عبارت عالمگیری کی منقول عنہ سراج الوہاج ہے اور سراج الوہاج کا خلاصہ جوہرہ نیرہ ہے، اور میرے پاس جو جوہرہ نیرہ ہے وہ مطبع مجتبائی (دہلی ١٣١٤ھ) کا مطبوعہ ہے اس میں یہ عبارت اس طرح ہے:

واختلفوا في الاستئجار على قرأة القرآن على القبر مدة معلومة قال بعضهم لا يجوز وهو المختار (ص ٤٧٣ ج ١)

اگر یہ نسخہ صحیح ہے تو سراج الوہاج میں بھی یہی عبارت ہونی چاہئے کہ جوہرہ نیرہ اسی کا خلاصہ مختصر ہی تو ہے، اور قال بعضهم بقول شامی سبقت قلم سے غلط لکھا گیا ہو، ورنہ مصنف ایک ہی تو ہے ایسا تناقض کس طرح ہو سکتا ہے۔ علاوہ بریں جوہرہ نیرہ معتبر و مستند کتاب ہے، اس کی تصریح خود سراج الوہاج کے تقابل میں حجت بلکہ فتاوی عالمگیری پر بھی حجت ہے کہ شروح کو فتاوی پر تقدم حاصل ہے۔ كما صرح العلامة الشامي في رسم المفتي ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس تفصیل کے بعد عبارت فتاوی عالمگیری کو سند بنانا اور اس پر اعتماد کرنا خلاف تحقیق ہے واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

محمد اول بقلم خود۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۷۴)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین ان فتاوی میں کہ

ایک عالم دین فرماتے ہیں: مدارس دینیات کے سفیروں کا اطلاق عاملین صدقات پر ہوسکتا ہے۔ اوران کو اجرت عمل کا لینا و دینا ثابت بلکہ ضروری ہے۔ کما قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لعمر رضی اللہ عنہ خذما اعطیت ،قال الضحاک ومجاھد: لھم الثمن من الصدقۃ وقال البغوی: یستحقون منھا قسطا علی ذلک۔ (تفسیر ابن کثیر)

ان معلومات سے واضح ہوتا ہے کہ عامل کو اسکے عمل کی اجرت بعد فراغت عمل مکسوب ہی میں دینا چاہئے اسی طرح اہل مدرسہ زمانہ کی موجودہ حالت اور ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے سفیروں کو رقومات محصلہ سے کوئی حصہ چہارم یا سوم یا پنجم یا نصف یا دو تہائی یا ہشتم ٹھہرا کر دورہ کا صرفہ سفیر کو ذمہ ہوا گر بحق سفارت بحق خدمت دیں تو جائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم،

اور دیوبند کا فتوی یہ ہے

الجواب:۔ صدقات واجبہ میں سے بعد حیلہ تملیک کے سفیروں کو تنخواہ دینا جائز ہے لیکن رقوم محصلہ کا کوئی حصہ نصف، ثمن، ربع وغیرہ اگر مقرر کیا جائے تو اجارۃ فاسد اور ناجائز ہے۔ اس لئے تنخواہ ماہوار مقرر ہونی چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ مسعود احمد عفی عنہ، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند،

اگر اول جواب صحیح ہے تو دارالافتاء دیوبند کے جواب کا رد مدلل و وضاحت مع الروایۃ مطلوب ہے۔ ازراہ کرم جواب سے جلد سے جلد مرحمت فرمائیں۔ ضیاء اللہ لعل صاحب

الجواب

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی آلہ و صحبہ الصلوۃ والتسلیم

جواب سے قبل چند مقدمات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ فہم جواب میں آسانی ہوجائے اور مسئلہ کما حقہ سمجھ میں آجائے۔

مقدمہ اولی: مزدوری تنخواہ پر کام کرنا، کرایہ پر یا ٹھیکہ پر یا نوکری پر کوئی خدمت کرنا یہ سب اجارہ کہلاتا ہے۔ اور اجارہ کا معنی شریعت میں کسی کو نفع کا عوض کے مقابل ملک کر دینا ہے۔

ہدایہ میں ہے: "الاجارۃ عقد یرد علی المنافع بعوض"

ملتقی الابحر میں ہے: "ھی بیع منفعۃ معلومۃ بعوض معلوم"

کنز الدقائق میں ہے: "ھی بیع منفعۃ معلومۃ باجر معلوم"

درمختار میں ہے: "ھی شرعا تملیک لنفع مقصود من العین بعوض"

ان عبارات سے یہ ثابت ہوگیا کہ شرعا اجارہ وہ عقد ہے جس میں اجر معلوم کے مقابل منفعت معلومہ پر تملیک مقصود ہو۔

مقدمۃ ثانیہ: صحت اجرت کے شرائط میں سے چند اہم شرائط یہ ہیں:

(۱) عاقدین کی رضامندی۔

عالمگیری میں ہے: "واما شرائط الصحۃ فمنھا رضا المتعاقدین"

(۲) اجرت کا معلوم ہونا

(۳) نفع کا معلوم ہونا۔ درمختار میں ہے: وشرطھا کون الاجرۃ والمنفعۃ معلومتین لان جھالتھما تقضی الی المنازعۃ"

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے: "وشرطھا ما تقدم من کون الاجرۃ والمنفعۃ معلومتین"

(۴) مدت کا بیان کر دینا۔ ملتقی الابحر میں ہے: "والمنفعۃ تعلم ببیان المدۃ۔

درمختار میں ہے: "و یعلم النفع ببیان المدۃ۔

ردالمحتار میں ہے: "(قولہ ببیان المدۃ) لانھا اذا کانت معلومۃ کان قدر المنفعۃ معلوما"

(۵) بیان عمل۔ عالمگیری میں ہے۔ ومنھا بیان العمل"

درمختار میں ہے: "ویعلم النفع ایضا ببیان العمل"۔

ان عبارات سے ثابت ہوگیا کہ اجارہ پر دو عاقدوں کی رضا کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور اجرت اور نفع کا معلوم ہونا ضروری ہے کہ اگر یہ مجہول ہوئے تو نزاع کی نوبت پیش آجائے گی۔ اور اس میں بیان مدت اس لئے ضروری ہے کہ جب مدت ہی معلوم نہ ہوگی تو منفعت کس طرح معلوم ہوسکتی ہے۔ اسی طرح اس میں بیان عمل اس لئے ضروری ہے کہ جب اجارہ عمل پر ہے تو عمل کا مجہول ہونا نزاع کی طرف مفضی ہوگا۔ الحاصل صحت اجارہ کے یہ پانچ شرائط ہیں۔

مقدمۃ ثالثہ: اجارہ کی دوقسمیں ہیں: ایک وہ اجارہ جو اعیان وذوات کے منافع پر ہو جیسے مکان۔ زمین۔ جانور وغیرہ پر۔ دوسرا وہ اجارہ جو عمل پر ہو۔ جیسے۔ دھوبی۔ درزی۔ حمال وغیرہ کے عمل پر۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:'' اما بیان انوا عها فنقو ل انها نو عان نو ع یرد علی منا فع الا عیا ن کا ستیجا ر الدور والا راضی والدواب والثیا ب وما اشبه ذلك ونو ع یرد علی العمل کا ستیجا ر المحترفین للاعما ل کا لقصار والخیاطة والکتابة وما اشبه ذلك کذافی المحیط "

پھر جو عمل پر ہو اس کے اجیر کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ اجیر ہے جو عمل میں کسی ایک ہی شخص کا کسی وقت خاص وقت میں پابند ہو وہ اجیر خاص کہلاتا ہے۔ جیسے ایک شخص کا نوکر۔ ملازم۔ خادم۔ دوسرا وہ اجیر جو عمل میں ایک شخص کا کسی وقت خاص میں پابند نہ ہو وہ اجیر مشترک کہلاتا ہے ۔ جیسے دھوبی۔ درزی۔ رنگریز وغیرہ۔

تنویرالابصار میں ہے:" الا جیرعلی ضر بین مشترك وخا ص فا لاول من یعمل لالوا حد او یعمل له غیر موقت او مو قتا بلا تخصیص والثا نی وهو الخاص وهو من یعمل لوا حد عملا مو قتابا لتخصیص ملخصا)

پھر اجیر اپنی اجرت کا حقدار کبھی اپنا عمل پورا کردینے کے بعد ہوتا ہے۔ جیسے دھوبی اور درزی۔ ہدایہ میں ہے:'' ولیس للقصار والخیاط ان یطالب بالاجرة حتی یفرغ من العمل لان العمل فی البعض غیر منتفع بہ فلایستوجب الاجرة'' اور کبھی وہ اثر عمل کے ظاہر ہوجانے کے بعد اجرت کا حقدار ہوتا ہے۔ جیسے رنگریز کپڑے پر رنگ آجانے کے بعدم۔

ملتقی الابحر اور اسکی شرح مجمع الانھر میں ہے:'' ومن کا ن لعملہ اثر فی العین کصباغ یظھر لو نا فی الثو ب۔ (مجمع الانھر ص ۳۷۷ ج ۲)

اور کبھی غرض اور مقصود عمل کے حاصل ہوجانے کے بعد اجرت کا حقدار ہوتا ہے۔ جیسے اہل وعیال کے لانے والے اجیر کا انہیں لے آنے کے بعد۔ اور خط کے پہنچانے والے اجیر کا مکتوب الیہ کو خط پہنچا دینے کے بعد۔

مجمع الانھر میں ہے:'' الا جر مقابل بنقل العیا ل لابقطع المسافة حتی لو ذھب ولم ینقل احد ا منھم لم یستو جب شیئا " (مجمع الانھر مصری ص ۳۷۴ ج ۲)

ہدایہ میں ہے:" وان استا جر لیذھب بکتابه الی فلا ن با لبصرة ویجی بجوا به فذھب فوجد فلا نا میتا فرد ه فلا اجر له وھذا عند ابی حنیفة وابی یو سف ولھما ان المعقود علیه نقل الکتاب لا نه ھو المقصود او وسیلة الیه وھو العلم بما فی الکتاب لکن الحکم معلق به وقد نقضه فیسقط الاجر "

اور کبھی وقت ومدت اجارہ میں اپنے آپ کو موجود وحاضر رکھنے کے بعد بھی اجرت کا حقدار ہوتا ہے اگرچہ اس نے کچھ عمل نہ کیا ہو جیسے خادم کا وقت مقررہ پر حاضر رہنا۔

درمختار میں ہے:'' ویستحق الاجر بتسلیم نفسه فی المدة وان لم یعمل کمن استو جر شهر الخدمة۔ (ردالمحتار ص ۴۵ ج ۵)

اب اس فتوے دیوبندی کی بنا پر اگر سفارت مقدار میں ماہوار تنخواہ پر ہو تو یہ اجارہ فاسد قرار پاتا ہے۔

اولا: اس اجارہ میں اجرت تو معلوم ہے یعنی وہ ماہوار تنخواہ جو اراکین مدارس نے مقرر کردی ہے اور نفع غیر معلوم ہے کہ سفیر کے ذمہ مہینہ بھر میں آمدنی لانے کا کچھ تعین نہیں، تو منفعت کے مجہول ہونے سے یہ اجارہ فاسد ہوگیا۔

ہدایہ میں ہے؛" ولا یصح حتی تکو ن المنا فع معلومة لما روینا ولا ن الجھالة فی المعقود علیه وفی بدله تقضی الی المنا زعة (وفیه ایضا) والجھالة تو جب الفسا د "

مجمع الانھر میں ہے: فسدت الاجا رة للجھا لة"

ان عبارات سے ثابت ہوگیا کہ اس اجارہ میں جب نفع مجہول رہا تو اجارہ فاسد ہوگیا ۔

ثانیا: صحت اجارہ کی شرط رضائے عاقدین بھی ہے اور اس اجارہ میں سفیر کی رضا تو حاصل ہے کہ وہ ماہوار اپنی مقررہ تنخواہ وصول کرنے کا حقدار ہے چاہے کچھ آمدنی حاصل ہو یا نہ ہو۔ اور مہتمم مدرسہ کی رضامندی اس صورت میں تو ہے جب وہ سفیر اپنی تنخواہ سے زائد لیکر آئے۔ اور جب وہ سفیر کچھ آمدنی نہ لایا یالایا مگر وہ اس کی تنخواہ سے کم ہے یا بمقدار تنخواہ ہے تو ظاہر ہے کہ مہتمم رضامند نہیں تو اس صورت میں رضائے عاقدین متحقق نہ ہوئی جو صحت اجارہ کی شرط تھی۔ لھذا یہ اجارہ فاسد ہوا۔

ثالثا: جس اجارہ میں نفع صرف احد العاقدین کو حاصل ہو وہ اجارہ بھی فاسد ہوتا ہے۔

ہدایہ میں ہے:" فیه منفعة لاحد المتعا قدین وما ھذا حالہ یو جب الفسا د ''

اور اس اجارہ میں مہتمم مدرسہ کا نفع تو خطرہ میں ہے اور سفیر کا نفع یقینی ہوا تو احد العاقدین کا نفع تو بہر صورت متحقق ہے۔لھذا اس بنا پر بھی یہ اجارہ فاسد قرار پایا۔

رابعا۔اجارہ کا مقصود علیہ کبھی نفس عمل نہیں ہوا کرتا ہے جیسے کسی شہر میں ایک شخص خاص کے پاس خط پہنچائے اور جواب لانے کے لئے کسی کو اجیر کیا وہ اجیر وہاں پہنچا تو مکتوب الیہ کو مردہ پایا تو اس میں معقود علیہ عمل یعنی قطع مسافت نہیں بلکہ مقصود علیہ مقصود عمل یعنی خط کا پہنچانا اور مکتوب الیہ کو مضمون خط پر مطلع کرنا ہے جس کی عبارت مقدمہ ثالثہ مین گزری۔اسی طرح اس اجارہ میں مقصود علیہ بظاہر عمل یعنی آمدنی کی سعی کرنا ہے۔لیکن اہل مدارس کا مقصود منافع عمل یعنی سفیر کا آمدنی کر کے لانا ہے اور اس قدر آمدنی کر کے لانا ہے جو اس کی تنخواہ سے زائد ہو گی۔تو اگر سفیر اپنی تنخواہ سے کم آمدنی لایا ہو تو اس نے اجارہ کے مقصود علیہ کے خلاف کیا جو موجب فساد اجارہ ہے۔

خامسا:اس اجارہ میں جب مقصود علیہ سفیر کی آمدنی ہے تو اس کی جہالت ضرور مفضی الی النزاع ہو گی (اور شرعا وہ اجارہ معتبر ہے جو مفضی الی النزاع نہ ہو۔

مجمع الانہر میں ہے:" فقد اخرج الا جا رۃ الفا سدۃ با لجھالہ عن التعریف ونبہ ان المعتبر فی الشرع ھی الا جا رۃ الغیر المفضیۃ الی النزا ع ۔ (مجمع مصری ص ۳۶۸ ج ۲)

سادسا: جب سفیر کی آمدنی اجارہ کی معقود علیہ قرار پائی تو اگر یہ سفیر کچھ آمدنی نہ لایا یا لایا تو اپنی تنخواہ سے کم لایا تو سفیر اپنی تنخواہ کا حقدار نہ ہونا چاہئے جیسے کسی کو کسی شہر سے اہل وعیال کے لانے کیلئے اجیر کیا اور وہ انہیں نہ لایا تو وہ اجر کا مستحق نہیں ہوتا ہے۔

مجمع الانہر میں ہے:" الاجر مقابل بنقل العیا ل لا بقطع المسافہ حتی لو ذھب ولم ینقل احدامنھم لم یستوجب شیئا"

سابعا:اس اجارہ میں جب سفیر اپنی تنخواہ سے زائد نہیں لایا تو اہل مدرسہ کو اس اجارہ میں کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا اور عقد اجارہ نفع ہی کے لئے مشروع ہے۔ہدایہ میں ہے:"ان الاجارۃ تعقد للانتفاع" لھذا اس صورت میں سفیر کو تنخواہ دینے میں اہل مدرسہ کیا نفع پہنچتا ہے اور ان کے حق میں اس عقد اجارہ کا جواز وصحت کس بنا پر ہے۔

ثامناً: جب اس اجارہ میں تنخواہ ماہوار ہے تو ظاہر ہے کہ یہ سفیر اجیر خاص ہوا اور جب اجیر خاص قرار پایا تو اگر اس سے زر چندہ ہلاک ہو جائے تو اس پر تاوان نہ آئے گا۔اور تنخواہ کا حق دار رہے گا۔جیسا

کہ اجیر خاص کا حکم ہے۔فتاوی عالم گیری میں ہے:

" وحکم الاجیر الواحد انہ امین فی قو لھم جمیعا حتی ان ما ھلك من عملہ لا ضما ن علیہ فیہ "

تاسعا: جب اس اجارہ میں سفیر اجیر خاص ہوا تو اسے تنخواہ کے حقدار ہونے میں آمدنی کا لانا شرط نہ ہوگا۔بلکہ چندہ کے لئے سعی کرنا اور سفر کرنا کافی قرار پائے گا۔جیسا کہ اجیر خاص کا حکم ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:" والاجیر الخا ص من یستحق الا جر بتسلیم نفسہ ومضی المدۃ ولا یشترط العمل فی حقہ لا ستحقا ق الاجر "

حاصل کلام یہ ہے کہ اس فتوے میں اہل دیو بند نے جو سفیر کے لئے ماہوار تنخواہ کو جائز قرار دیا ہے یہ غلط اور باطل ہے۔اسی وجہ سے اس پر کوئی فقہ کی عبارت پیش نہ کر سکے۔

اب باقی رہا یہ امر کہ یہ سفیر عاملین صدقات کے حکم میں داخل ہیں یا نہیں۔تو عاملین تو وہ سعی کرنے والے اشخاص ہیں جنہیں امام وسلطان صدقات کے وصول کرنے کیلئے مقرر کرتا ہے۔

چنانچہ تفسیر احمدی میں ہے:" والعملین علی الصدقۃ ھم السعاۃ الذین نصبھم الامام لا خذ الصدقۃ فیعطی الامام لھم قدر مایسعھم بنفسھم وعیالھم واعوانھم ولا یقدر با لثمن " (تفسیر احمدی ص ۲۶۶ -فتا وی عالمگیری میں ھے :" العامل وھو من نصبہ الامام لاستیفا ء الصدقا ت والعشور کذا فی الکا فی ۔ ویعطیہ ما یکفیہ واعوانہ با لوسط مدۃ ذھا بھم وایابھم ما دا م المال با قیا الا اذا استغرقت کفا یتہ الزکوۃ فلا یزا د علی النصف کذا فی البحر الرا ئق ۔ مجمع الانھر میں ھے : العامل ھو الذی یبعثہ الا م بجبا یۃ الصدقات یعطی بقدر عملہ ما یکفیہ واعوانہ با لوسط مدۃ ذھابھم وایا بھم غیر مقد ر بالثمن فا ن استغرقت کفا یۃ الزکوۃ فلا یزا د علی النصف لا ن التنصیف عین الانصاف"

پھر صدقات دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو صدقات ظاہرہ کہلائے جیسے سائمہ جانوروں کی زکوۃ اور عشر وغیرہ۔دوسرے صدقات باطنہ ہیں جیسے سونے چاندی کی زکوۃ۔

ردالمحتار میں ہے:" ما ل الزکوۃ نو عا ن ظا ھر ھو الموا شی وما یمر بہ التا جر علی العا شر وبا طن وھو الذھب والفضۃ واموال التجا رۃ فی موا ضعھا بحر "

اور امام کے مقرر کردہ عاملین وعاشرین صدقات ظاہرہ کو اور ان باطنہ کو حاصل کر سکتے ہیں جنہیں

اپنے شہر سے نکال کر کسی عاشر پر لیکر گزریں۔ لیکن وہ صدقات باطنہ جو شہر ہی میں ہوں تو ان کے لئے یہ عاملین و عاشرین مقرر نہیں کیے جاتے۔

ردالمحتار میں ہے:" اما لبا طنة اللتی فی بیته لو اخبر بها العا شرفلا یا خذ ها منها کما صرح به فی البحر ۔ ملتقی الابحر اور اس کی شرح مجمع الا نهر میں هے :"(ادعی الا داء بنفسه الی الفقراء فی المصر) لا ن اداء کا ن مفو ضا الیه فیه وو لا یة الا خذ با لمرور دخو لة تحت الحمایة وانما قا ل فی المصر لا نه لو ادعی الدفع الیهم بعد الخروج من المصر لا یقبل (فی غیر ا لسوائم) لا ن حق الا خذ السوائم للا ما م فی المصر و غیره "

پھر ان عاملین سے جو معاملہ کیا جاتا ہے نہ تو وہ عقد اجارہ ہے اور انہیں جو کچھ دیا جاتا ہے نہ اسے ہر اعتبار سے اجرت کہا جاتا ہے بلکہ وہ من وجہ اجرت ہے اور من وجہ صدقہ ہے۔

مجمع الانہر میں ہے؛" فیه شبه الصدقه والا جرة فصا رمااستحقه صدقه من وجه اجرة من وجه ملخصا " اسی بنا پر فقهاء کرام نے انکے عمل پر اجر معلوم مقرر نہیں فرمایا۔

احکام القرآن میں هے : " ولا نعلم خلاف بین الفقهاء انهم لا یعطو ن الثمن وانهم یستحقو ن منها بقدر عملهم " (تفسیر القرآن ص۱۰۲ ج۳)

اور نہ ان کے عمل کو بالکل بے اجرت قرار دے کر انکی ساری محنت کو رائگاں ٹھہرایا بلکہ ان عاملین کو اس رقوم محصلہ سے بقدر عمل ربع یا ثلث یا نصف تک بلا حیلہ تملیک کے حقدار قرار دیا اور ان صدقات کو غیر ہاشمی غنی کے لئے بھی جائز فرمایا۔

طحطاوی میں ہے:" ویجو ز للعامل الا خذ وان کا ن غنیا لا نه فر غ نفسه لهذا العمل فیحتا ج الی الکفا یة ۔ درمختا ر میں هے : وعامل یعم الساعی والعا شر فیعطی ولو غنیا لا ها شمیا لا نه فرغ نفسه لهذا العمل فیحتا ج الی الکفا یة والغنی لا یمنع من تنا ولها عند الحا حة کا بن السبیل بحر عن البدا ئع ۔

ان عبارات سے ثابت ہو گیا کہ عاملین کے ساتھ جو معاملہ ہے نہ تو شرعاً وہ مقدار اجارہ ہے نہ وہ اجیر خاص ہیں۔ نہ ان کی اجرت بہ طریقہ تنخواہ کے کسی معلوم پر ماہوار مقدر کی جاتی ہے۔ نہ انہیں صدقات واجبہ میں سے لینے کے لئے حیلہ تملیک کی حاجت ہے۔ نہ انہیں رقوم محصلہ ثلث یا ربع یا نصف سے لینے کے ممانعت ہے۔ نہ وہ رقوم محصلہ میں سے نصف سے زائد لے سکتے ہین۔ نہ وہ بصورت ہلاکت رقوم کسی

ایک پیشہ کے مستحق ہیں۔ نہ ان کے لئے فقیر ہونا ضروری ہے بلکہ غنی بھی یہ عمالت کر سکتے ہین۔ ہاں ہاشمی سادات کو اس کی اجازت نہیں۔ بالجملہ یہ احکام ان عاملین کے ہین جو شاہان اسلام کی طرف سے صدقات ظاہرہ وصول کرنے کے لئے مقرر ہیں۔

اب باقی رہے صدقات باطنہ کے وصول کرنے والے سفراء مدارس، ان کے لئے تقرر شاہان اسلام کی حاجت نہیں کہ صدقات باطنہ کو اپنے شہر میں دینے کا خود صاحب مال مالک نصاب مستقل مختار ہے، اس میں نہ شاہان اسلام کو مطالبہ کا حق حاصل ہے نہ اس کے وصول کرنے کیلئے انکے مقرر کردہ عامل،

ہدایہ میں ہے؛" ان حق الاخذ للسلطا ن فلا یملك ابطا له بخلا ف الا موال البا طنة

ردالمحتار میں ہے:" ان الامـام لا ینـصب المـکـا سین لقبض الزکو ة بل لا خذ عشورات ما ل وجدوه قل او کثر وجبت فیه الزکا ة اولا "

تو ان صدقات باطنہ کے وصول کرنے والے سفرائے مدارس اگرچہ اصطلاحاً عامل نہیں ہیں لیکن انہیں عاملین سے مناسبت کاملہ ومشابہت تامہ حاصل ہے تو جو معاملہ عاملین کے ساتھ ہے وہی معاملہ ان سفراء کے لئے ہونا چاہئے۔ اور جو احکام عاملین کے حق میں ہیں وہی علت ان سفرا کے حق میں مقرر ہونا چاہئے۔ اور جو احکام عاملین کے لئے ہیں وہی احکام ان سفراء کے لئے ہونے چاہئیں۔ اس لئے کہ عاملین اگرچہ صدقات ظاہرہ کے لئے سعی کرتے ہین تو سفراء مدارس صدقات باطنہ کے لئے سعی کر سکتے ہیں۔

لھذا ان سفرا کے ساتھ جو معاملہ ہو، نہ تو وہ عقد اجارہ ہے۔ نہ وہ اجیر خاص ہو سکتے ہیں۔ نہ انکی اجرت بہ طریق تنخواہ کسی اجر معلوم پر ماہوار مقرر کی جاسکتی ہے۔ نہ انہیں صدقات واجبہ میں سے لینے کیلئے حیلہ تملیک کی حاجت ہے۔ نہ انہیں رقوم محصلہ میں سے ربع یا ثلث یا نصف لینے کی ممانعت ہے۔ نہ یہ رقوم محصلہ سے نصف سے زائد لے سکتے ہیں۔ نہ یہ بصورت ہلاک رقوم کسی پیسے کے حقدار ہوں۔ نہ ان کے لئے فقیر ہونا ضروری ہے بلکہ غنی اور مالدار بھی یہ سفارت کر سکتا ہے۔ البتہ ہاشمی سادات کو اس سفارت کی اجازت نہ ہوگی۔ بالجملہ فتوی دیوبندیہ میں ان سفرا کے لئے ماہوار تنخواہ کو جائز قرار دینا بھی غلط ہے۔ اور انکے لئے رقوم محصلہ کے کسی حصہ کو اجارہ فاسد ٹھہرانا بھی غلط ہے۔ اور انہیں صدقات واجبہ کے بعد تملیک کی اجازت دینا بھی غلط ہے۔ اور اسی طرح فتوی اولے کی بنا پر ان سفراء مدارس کو عاملین میں داخل کرنا اور انہیں عاملین سمجھنا بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

۱۷ ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۷۵)

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

اگرکسی شخص کے گھرموت ہوئی اور بعد کفن دفن کے متعلقہ گھروالوں نے کسی قرآن پڑھنے والے صاحب سے کہا کہ آپ اس میت کی قبر پر چالیس دن میں ایک قرآن پاک پڑھ کر بخش دیں تو میں آپ کی خدمت ادا کردوں گا۔ پڑھنے والے صاحب نے مذکورہ عرصہ میں قرآن پاک پڑھ کراس کے گھروالوں سے کہا کہ میں نے سات کلام پاک پڑھے ہیں تو صاحب خانہ نے ان کو ڈھائی روپیہ نذر کئے مگر پڑھنے والے صاحب نے یہ فرما کر واپس کردیا اور کہا کہ یہ ڈھائی روپیہ تم ہی رکھ لو کیوں کہ حساب سے تو پونے نو روپیہ ہوتے ہیں مگر پھر بھی صاحب خانہ نے عرض معرض کر کے پانچ روپیہ پیش کئے اور کہا کہ میں تو اس سے زیادہ نہیں دے سکتا تو کیا ان صاحب کو کلام پاک پڑھ کر حساب کر کے لینا جائز ہے اور اکثر سننے میں بھی ایسا ہی آتا ہے کہ انکا یہی طریقہ ہے تو کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے۔

المستفتی متولی محمد رمضان جودھپور۔

الجواب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

میت کیلئے بغرض ایصال ثواب قرآن شریف کا پڑھنا اور اس کی تلاوت کے عوض میں بغیر ٹھہرائے ہوئے یا کچھ ٹھہرائے کچھ دام لینا ناجائز ہے۔

شامی میں ہے: لا یصح الاستیجار علی القراءۃ واھدائھا الی المیت لانہ لم ینقل عن الائمۃ الا ذن فی ذالک وقد قال العلماء ان القاری اذا قرء لاجل المال فلا ثواب لہ فای شی یھدیہ الی المیت وانما یصل الی المیت العمل الصالح والاستیجار علی مجرد التلاوۃ لم یقل بہ احد من الائمۃ۔

نیزاسی میں ہے: ولا ضرورۃ فی الاستیجار علی القراءۃ علی القبر۔

لیکن ایسے شخص کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۷۶)

کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں معہ حوالہ قرآن شریف جواب جلد مرحمت کیجئے

(۱) ایک مومن نے حربی، مشرک کا مکان، ۳۰۰ روپیہ رہن لیا ہے۔ اس مکان کا کرایہ مومن کے لئے جائز ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کس طرح، نہیں تو کرایہ کی رقم کہاں کہاں صرف کی جاسکتی ہے، خود صرف میں لے آوے تو کیا کرے؟۔

(۲) مومن کا مکان مومن نے رہن رکھا، اب اس کا کرایہ کون لیگا اگر زبانی کچھ کرایہ مالک کو دینا طے کیا تو وہ باقی کرایہ خود کام میں لاسکتا ہے یا نہیں؟۔

(۳) عمر نے اپنے عزیز کی بیماری میں، ہندو سادھو سے ڈورا تعویذ کیا اور تعویذ بت کے سامنے بنایا گیا، تو اب عمر کے لئے کیا حکم ہے۔ جب کہ اس نے بت ہی جان کر استعمال کیا ہو اور کوئی وقعت نہ دی؟۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(۱۔۲) اگر مکان مرہون مرتہن نے راہن کی اجازت سے کرایہ پر دیا ہے، تو کرایہ کا مالک راہن ہے۔ مرتہن کو اس کرایہ کا لینا جائز نہیں۔ اگر مرتہن نے بلا اجازت راہن اس مکان کو کرایہ پر دیا ہے تو کرایہ مرتہن لے لیکن وہ صدقہ کردے، اپنے صرف میں نہ لائے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔ و ان آجر المرتھن من اجنبی بامر الراھن یخرج من الرھن وتکون الاجرۃ للراھن وان کانت الاجازۃ بغیر اذن الراھن یکون الاجرۃ للمرتھن یتصدق بہ ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اس شنیع فعل کی بنا پر عمر پر توبہ وتجدید ایمان لازم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ : الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

﴿ ۷ ﴾

باب الامانت

مسئلہ (۷۷۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

عابد نے ایک عدد ریڈیو بیٹری والا ساجد کے مکان پر امانت میں رکھا وہ رکھ کر باہر چلے گئے، کچھ مدت کے بعد ساجد کی لڑکی نے اس ریڈیو کو بجلی کے تار سے لگا کر دیکھا تو ریڈیو میں کچھ نقصان ہو گیا، جس وقت عابد باہر سے واپس آئے اپنا ریڈیو مانگا، ریڈیو کے دیتے وقت عابد سے کہا اس میں کچھ نقصان ہو گیا ہے عابد نے کہا کوئی بات نہیں ہے اگر نقصان ہو گیا ہے، انہوں نے اپنا ریڈیو بجا کر دیکھا تب ان سے کہا آپکا جو نقصان ہو گیا ہے وہ اب ہم سے لے لیں، انہوں نے کہا ہم ہرگز ہرگز نہ لینگے، عاجد سے سب گھر والوں نے چند مرتبہ کوشش کی آپ اپنا نقصان لے لیں مگر عابد نے ساجد کے سب گھر والوں کو مجبور کر دیا اور نقصان نہ لیا، بعد ایک سال کے وہ اپنا نقصان مانگتے ہیں، اس وقت کہا تھا بہت تھوڑا نقصان ہوا ہے اب عابد اور ساجد میں دونوں میں نفاق ہونے کی وجہ سے عابد اپنا نقصان طلب کرتے ہیں۔ یہ جائز ہے نقصان کا لینا یا ناجائز ہے؟۔ فقط

المستفتی، عبدالرحمن محلہ میاں سرائے سنبھل

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

امانت کی چیز کے نقصان کا بدلہ اس وقت ہوتا ہے کہ اس چیز کو استعمال کیا ہو اور استعمال بھی ایسا کیا ہو جس میں اس کی زیادتی پائی جائے بصورت مسئولہ میں اس ریڈیو کے استعمال کا تو ذکر ہے لیکن اس میں کسی زیادتی کا پایا جانا سوال میں مذکور نہیں بہر حال اگر اس کے استعمال سے یہ نقصان پیدا ہوا تو اس نقصان کا بدلہ اس پر ہونا چاہئے، سوال میں یہ مذکور ہے کہ اس نے اس نقصان کا بدلہ دینے کے لئے مالک سے بار بار اصرار کیا۔ اس کے گھر والوں نے بھی کوشش کی مگر مالک مسمی عابد اس نقصان کا بدلہ لینے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہوا۔ اور اس نے نہ فقط اپنے عمل سے بلکہ زبان سے بھی اس نقصان کا بدلہ لینے

سے صراحۃ انکار کر دیا تو اس نے اپنے مطالبہ اور حق کو معاف کر دیا۔ اب بعد ایک سال کے آپس میں نفاق پیدا ہو جانے کی بنا پر اس کو اس معاف شدہ حق کے مطالبہ کرنے کا شرعا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اور اسوقت اس نقصان کا بدلہ لینا اس کو ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۱۳ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

﴿۷۷﴾

باب الوقف والهبة

مسئلہ (۷۷۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین زاداللہ برکاتہم صورت مسئولہ میں کہ

مسمی اللہ بخش مرحوم نے اپنی کل جائداد ادھر مرض الموت میں ڈیڑھ ماہ قبل از انتقال جامع مسجد میں وقف کیا اور تحریر وقف نامہ کے وقت واقف کے دو چچازاد بھائی مسمی رحیم بخش وعبدالشکور حاضر وموجود تھے اور انہوں نے اپنی خوشی اور رضامندی ظاہر کی اور کہا کہ ہم کو بھی یہ وقف منظور ہے ہمیں کوئی عذر اور اعتراض نہیں ہم کو انکار اس بات سے ہے کہ کسی غیر کو ہبہ نہ لکھی چنانچہ وقف نامہ تحریر ہوکر رجسٹری ہوکر وقف نامہ پر رحیم وشکور کے دستخط یا نشانی انگوٹھے وغیرہ نہیں ہے رحیم وشکور اب انکار کرتے ہیں اور عذردار ہیں ایسی صورت میں از روئے شرع شریف کے کیا حکم ہے آیا یہ وقف کامل ہوا اور جائداد مسجد کی ملک ہوئی یا ایک تہائی مسجد کی اور دو حصے رحیم اور شکور کے فقط۔ بینوا توجروا

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر فی الواقع اللہ بخش واقف کے دونوں چچازاد بھائی رحیم بخش وعبدالشکور بوقت تحریر وقف نامہ موجود حاضر تھے اور اس وقت انہوں نے اپنی خوشی اور رضامندی ظاہر کی اور کسی طرح کا کوئی اعتراض یا انکار نہیں کیا تو کل جائداد وقف ہوجائے گی اور ان کو دو تہائی کا حق ان کی اجازت کیوجہ سے باطل ہو جائے گا۔

فتاوی قاضی خان میں ہے:

مریض وقف دارًا فی مرض موته فهو جائز اذا كان يخرج من ثلث ماله وان لم يخرج فاجاز الورثة۔ (فتاوی قاضی خاں ص ۷۲۷)

شامی میں ہے: الوقف فی المرض وصية تنفذ من الثلث فقط الا باجازة (وفيه ايضا) وان اجاز الوارث الاخر كان الكل وقفا۔ (شامی ج ۳ ص ۳۷۴)

اب رحیم بخش وعبدالشکور کا بعد اجازت انکار کرنا قابل اعتبار اور لائق التفات نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۷۹)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ

ایک گاؤں میں چھ سات مکان مسلمانوں کے ہیں اور اس گاؤں میں پہلے مسجد نہ تھی اور اس گاؤں میں قبرستان تھا اس میں ایک فقیر کا مکان تھا گاؤں والوں نے اس مکان کی جگہ پر مسجد بنائی ہے اور فقیر کو کچھ نہ بتلایا تو اب اس فقیر کے واسطے اس قبرستان میں مکان کے عوض مکان بنا سکتے ہیں یا نہیں اور پیش امام کے مکان میں مسجد میں کی رقم خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی، احقر قاضی غلام حسین کوٹھی

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

گاؤں والوں نے مسجد کے لئے فقیر سے جو مکان لیا ہے اگر وہ موقوفہ زمین قبرستان میں تعمیر نہ تھا بلکہ وہ مکان وزمین خاص اس فقیر کی ملک تھا اور اس فقیر نے اسکو بمقابلہ عوض کے دیا اور عوض اس کے لئے مکان بنانا ہی قرار پایا۔ تو بلاشک وہ مکان مسجد کی رقم سے بنایا جاسکتا ہے لیکن وہ مکان قبرستان کی موقوفہ زمین میں نہ بنایا جائیگا۔ اور اگر وہ مکان اس فقیر کا مملوک ہی نہ تھا یا صرف عملہ کا وہ مالک اور زمین قبرستان کی تھی اور وہ قبرستان موقوفہ ہے تو اس فقیر کو اس مکان کے دینے کا اختیار ہی حاصل نہیں۔ ہاں اگر صرف عملہ خود اسکا بنایا ہوا ہے تو وہ اپنے عملہ کا عوض لے سکتا ہے۔ پھر اکثر گاؤں کے قبرستان زمیندار کی طرف سے یا گاؤں والوں کی جانب سے موقوفہ ہوتے ہیں۔ تو موقوفہ زمین قبرستان میں مسجد کو تعمیر نہیں کیا جاسکتا پھر اگر اس میں مسجد تعمیر ہو چکی ہے تو اس کے عوض میں اتنی ہی زمین قبرستان کیلئے دی جائے اور قبرستان کی جو موقوفہ زمین میں فقیر کے لئے مکان نہ بنایا جائیگا۔

پیش امام کے لئے قبرستان کی موقوفہ زمین میں تو ہرگز مکان نہ بنایا جائیگا۔ اور اس کے علاوہ غیر موقوفہ زمین میں مسجد کی اس رقم سے بنایا جاسکتا ہے جو ضروریات مسجد کے لئے ہو کہ خود امام اور اس کے

اخراجات ضروریات مسجد میں داخل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۸ صفر المظفر ۱۳۷۶ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۸۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین زاداللہ برکاتہم صورت مسئولہ میں کہ

یہاں پر ایک قبرستان پرانا ہے لوگ یہی کہتے ہیں کہ قبرستان تھا۔ فقیر مالک زمین نے باغ لگایا تھا باغ کے بعد اس زمین کو برائے مکان فروخت کرڈالا اب ان میں مکان بنے ہوئے ہیں جس میں لوگ رہتے ہیں ایک صاحب کا مکان قبرستان کے قریب میں تھا۔ انہوں نے بھی اپنے مکان کے متصل زمین خریدی اب مکان کے سامنے انہوں نے کچھ حصہ بڑھا کر دروازہ آگے کو بنایا ہے لہٰذا اس صورت میں جب کہ اس زمین میں مکان بنے ہوئے ہیں ان صاحب نے بھی کچھ حصہ اپنے مکان میں لے لیا ہے کہاں تک ٹھیک ہے از روئے شرع مطلع کیا جاؤں انہوں نے جو کیا اس کے لئے احکام شریعت کیا ہے۔

شوکت علی بہیڑی۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر فی الواقع وہ قبرستان ہے تو نہ اس میں باغ لگانا جائز تھا نہ اس کی زمین کو فروخت کرنا صحیح نہ اس میں مکان بنانا درست ہوا۔ اب اگر ان صاحب نے اسی قبرستان کی زمین کو خرید کر کے اپنا دروازہ آگے بڑھا کے بنایا تو یہ ناجائز ہے اور قبرستان کی زمین موقوفہ پر بیجا طور سے قبضہ کر لینا ہے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی لہٰذا ان کو اس زمین قبرستان کا چھوڑ دینا شرعاً ضروری ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وسئل ھو ایضا عن المقبرۃ فی القری اذا اندرست ولم یبق فیھا اثر الموتی لا العظم ولا غیرہ ھل یجوز زرعھا واستغلالھا قال لا ولھا حکم المقبرۃ کذا فی المحیط"

وفتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"امراہ جعلت قطعۃ ارض لھا مقبرۃ واخرجتھا من یدھا وذفنت فیھا ابنھا وتلک القطعہ لا تصلح للمقبرۃ لغلبۃ الماء عندھا فیصیبھا فساد فارادت بیعھا ان کانت الارض

بحال لا یرغب الناس عن دفن الموتی لقلۃ الفساد لیس لھا البیع "(جلد ۲ صفحہ ۳۵۱)۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ المتوسل بالنبی المرسل العبد الارذل محمد اول بن المفتی مولانا مفتی محمد اجمل نائب المفتی اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل مفتی مدرسہ اجمل العلوم سنبھل۔

الجواب صحیح محمد اجمل غفرلہ اللہ عزوجل ۲۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۷ھ

مسئلہ (۷۸۱)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

قریب پونے دوسو سال سے وقف مسجد موسومہ میر ببر علی کی تولیت اور امامت بایں طور چلی آرہی ہے کہ متولی سابق اپنے مرنے سے پیشتر جسے متولی اور امام بنوانا چاہتا ہے ایک تحریر یا معززین کے سامنے زبانی اس کو متولی قرار دیکر اعلان کر دیتا ہے اس تعامل کے مطابق متولی شاہ سید بدالدجی صاحب مرحوم تک تولیت کا طریقہ چلا آیا انہوں نے بھی بذریعہ وصیت نامہ مرقومہ ۱۶/ اپریل ۱۹۴۱ء اپنے فرزند رشید جناب مولانا شاہ سید شمس الضحیٰ صاحب کو نامزد کر دیا اور انتقال کے پیشتر چند معززین اور اعزہ کے سامنے اپنے فرزند مذکور کو متولی بنا کر اعلان بھی کر دیا چنانچہ ان کے وصال کرتے ہی مولانا شاہ سید شمس الضحیٰ صاحب حسب دستور قدیم بحیثیت متولی کار تولیت انجام دینے لگے اب اس تعامل کے خلاف بغیر کسی الزام کے سنی وقف بورڈ لکھنو تولیت سے انکار کرتا ہے۔ اور اپنے انتظام میں لینا چاہتا ہے جس سے مسلمانان اہل سنت والجماعت کو اس خطرہ کے لاحق ہونے سے اندیشہ ہے کہ سنی وقف بورڈ اس قسم کے انتظام میں سنی کے متعدد فرقوں میں سے کسی ایک فرقہ کا پابند نہیں ہے چنانچہ اس کی بنائی ہوئی کمیٹی میں وہ لوگ اکثریت سے ہیں جو علماء دیوبند پر اعتماد رکھتے ہیں اور ایسا ہی شخص امام مسجد بھی بورڈ کی کمیٹی نے رکھا ہے مسجد اور اس کے امام اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں جو علماء دیوبند سے اختلاف رکھتے ہیں اور صوفی مسلک کے پابند ہیں اور کسی ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے جو دیوبندیا اہل حدیث یا قادیان وغیرہ ہو دریافت طلب امر یہ ہے کہ سنی وقف بورڈ لکھنو کا یہ طرز عمل اور انکار تولیت وقیام کمیٹی بہ تقرر امام جائز ہے یا مداخلت فی الدین اور ناجائز۔ بینوا توجروا

دیگر علمائے کرام کے بھی شرعی مشورہ سے مستفید فرمائیے فقط

امام الدین انصاری سگ بارگاہ طیبہ گورکھپور

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جب مسجد مذکور کے وقف کی تولیت اور امامت کا تقریبا پونے دوسو سال سے یہی طریقہ چلا آرہا ہے کہ متولی سابق اپنے مرنے سے پیشتر جسے متولی وامام بنانا چاہتا ہے تو ایک تحریر یا معززین کے سامنے زبانی اس کو متولی قرار دیکر اعلان کردیتا ہے تو اس وقف کے لئے یہ طریقہ شرعا تعامل اور عرف قرار پایا۔

چنانچہ ردالمحتار میں ہے "والتعامل کما فی البحر التحریر ھو الاکثر استعمالا"

پھر جب اس طریقہ کا تعامل اور عرف ہونا ثابت ہو چکا تو جو عرف سے ثابت ہوتا ہے وہ مثل ثابت بالنص کے ہے۔

(ردالمحتار میں ہے) "ان الثابت بالعرف کالثابت بالنص"

اسی میں ہے "والمعروف عرفا کالمشروط شرعا" لہذا اس عرف وتعامل کی بنا پر حضرت مولانا سید شاہ شمس الضحیٰ صاحب کا متولی ہونا شرعا بالکل صحیح قرار پایا بلکہ ان کی تولیت واقف کی شرط کے موافق ٹھہرتی ہے کو مسلمانوں کا پونے دوسو برس کا عمل یہی بتا تا ہے کہ غالبا یہ لوگ واقف کی شرط کے موافق کرتے چلے آرہے ہیں "کما نقل العلامۃ الشامی فی الرد المحتار عن الذخیرۃ حیث قال سئل شیخ الاسلام عن وقف مشھور اشتبھت مصارفہ وقدر ما یصرف الی مستحقیہ قال ینظر الی المعھود من حالہ فیما سبق من الزمان من ان اقوامہ کیف کانوا یعملون فیہ والی من یصرفون فیبنی علی ذالک لان الظاھرہ انھم کانوا یفعلون ذالک علی موافقۃ شرط الواقف وھو المظنون بحال المسلمین فیعمل علی ذالک"

تو اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ پونے دوسو برس کا یہ عمل مسلمین ظاہر یہ ہے کہ شرط واقف کے موافق ہے۔ تو اس بنا پر مولانا موصوف کا متولی ہوا موافق شرط واقف کے قرار پایا اور شرط واقف مثل نص شارع کے ہے ردالمحتار میں ہے "شرط الواقف کنص الشارع" پھر اگر اس سے بھی قطع نظر کیجئے کہ خود متولی اپنی صحت وحیات میں کسی دوسرے کو اپنی جگہ متولی بنا سکتا ہے جب یہ اختیار اس کو تفویض ہوا۔

چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے "واذا اراد المتولی ان یقیم غیرہ مقام نفسہ فی حیاتہ وصحتہ لا یجوز الا اذا کان التعویض الیہ علی سبیل التعمیم ھذا فی المحیط"

اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ متولی اپنی حیات وصحت میں بجائے اپنے کسی دوسرے کو متولی بنا سکتا ہے جب یہ اختیار اس کو تفویض ہو صورت مسئولہ میں متولی کو اس اختیار کا تفویض ہونا پونے دوسو برس کے تعامل اور عرف سے ظاہر ہے لہذا اس بنا پر بھی مولانا موصوف کا متولی ہونا شرعا درست وصحیح ہوا۔

اب اس کے مقابل سنی وقف بورڈ لکھنو کا مولانا موصوف کی تولیت سے انکار کرنا یقیناً خلاف شرع اور مداخلت فی الدین ہے۔

(۱) ظاہر ہے کہ سنی وقف بورڈ کا مرتبہ اور اس کے اختیارات کسی طرح قاضی شرع کے برابر نہیں ہوسکتے کہ قاضی کو بھی بلا الزام خیانت کے کسی کو متولی بنانے کا حق حاصل نہیں اور نہ ایسا متولی اس کے بنا نے سے شرعا متولی ہوسکتا ہے۔

ردالمحتار میں ہے "لو شرط الواقف کون المتولی من اولادہ و او لادھم لیس للقاضی ان یولی غیرھم بلا خیانۃ ولو فعل لا یصیر متولیا" اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ جب قاضی شرع نہ تو کسی متولی کو بغیر الزام خیانت معزول کرسکتا ہے نہ بجائے اس کے اپنے اختیار سے کسی دوسرے کو متولی بنا سکتا ہے تو اس سنی وقف بورڈ کا مولانا موصوف کو اس وقف کی تولیت سے معزول کردینا اور بجائے ان کے کسی دوسرے کو متولی وامام بنا دینا بلاشبہ خلاف شریعت اور دین میں مداخلت ہے۔

(۲) اوپر ثابت ہو چکا کہ تعامل اور عرف مثل نص شرع کے ہے اور اس تعامل اور عرف سے مولانا موصوف کی تولیت صحیح قرار پاچکی ہے پھر اس سنی وقف بورڈ کا تعامل اور عرف کی مخالفت کرنا اور بجائے مولانا کے کسی دوسرے کو متولی تجویز کردینا زبردست مخالفت شرع ومداخلت فی الدین ہے۔

(۳) نیز اوپر یہ بھی ظاہر ہو چکا ہے کہ پونے دوسو برس کا تعامل مسلمین موافقت شرط واقف کی دلیل ہے اس بنا پر مولانا موصوف کی تولیت موافق شرط واقف کے قرار پاچکی ہے پھر سنی وقف بورڈ کا مولانا کی تولیت سے انکار کرنا گویا شرط واقف کی مخالفت کرنا ہے۔ جس کا اس کو شرعا کسی طرح حق حاصل نہیں تو یہ بھی اس کی کھلی ہوئی دین میں مداخلت ہے۔

(۴) جب پونے دوسو برس سے متولی سابق کو اپنی صحت وحیات میں دوسرے کو متولی بنانے کا اختیار حاصل تھا تو اس تعامل کے مطابق متولی سید شاہ بدرالدجیٰ صاحب کا اپنے فرزند مولانا سید شاہ شمس الضحیٰ صاحب کو متولی بنانا شرعا صحیح اور درست تھا تو سنی وقف بورڈ اس کے خلاف محض اپنی خودغرضی کی بنا پر مولانا موصوف کو تولیت سے برطرف کردینا اور بجائے ان کے کسی دوسرے کو تفویض کرنا حکم شرع کی

مخالفت ہے اور دین میں کھلی ہوئی مداخلت ہے۔

(۵) وقف کسی فرقہ خاص کے لئے معین ہو مثلا حنفیوں کے مدرسہ کے لئے ہو تو اس کو کوئی حاکم دوسرے فرقہ مثلا شافعیوں کے مدرسہ پر خرچ نہیں کرسکتا۔

ردالمحتار میں ہے "ومنها انها اذا كانت معينة لفرقة خاصة ليس لرجل من اهل تلك الفرقة ان يصرفها الى جهة اخرى وان كان الكفر ملة واحدة عند نا كمدرسة مو قوفة على الحنيفة مثلا لا يملك احد ان يجعلها لا هل مذهب اخرون ان اتحدت الملة"

اس عبارت سے ثابت ہوگیا کہ ایک فرقہ خاص کا وقف دوسرے فرقہ پر خرچ نہیں کیا جاسکتا اگر ان فرقوں میں باعتبار تعلق کے کوئی اختلاف نہ ہو بلکہ صرف فروعات میں ان کے مابین اختلاف ہو پھر جب سنی وقف بورڈ میں لا دینیت والا مذہبیت موجود ہے اور وہ نہ صرف اختلاف فروعات بلکہ اختلاف عقائد کا بھی فرق نہیں کرتا ہے تو پھر وہ کسی فرقہ خاص کے وقف کے شرائط کی کیا محافظت کرسکتا ہے تو اس کا ایسا غیر ذمہ دارانہ فعل یقیناً مداخلت فی الدین ہوگا۔

(۶) جب سنی وقف بورڈ کی اکثریت فرقہ علماء دیو بند پر اعتماد رکھتی ہے تو وہ اپنے نظریہ کے مواقف اوقاف اہل سنت و جماعت پر ضرور کسی دیوبندی عقیدہ کے متولی اور امام کو متعین مسلط کریگا۔ لہذا اس کا یہ طرز عمل اور اپنی طرف سے کسی کو متولی و امام منتخب کرنا بلاشبہ اوقاف اہل سنت و جماعت کی حق تلفی ہے اور یہ صراحتاً مداخلت فی الدین ہے۔

(۷) سنی وقف بورڈ کا مولانا موصوف کو بغیر الزام خیانت وغیرہ کے تولیت سے معزول کردینا محض ان کی سنیت کی مخالفت اور بجائے ان کے دوسرے دیو بندی کا تجویز کرنا اپنی دیو بندی ذہنیت کی حمایت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے تو ایسی دیو بندیت کی بیجا ہمدردی فرقہ اہل سنت و جماعت کے حق میں یقیناً مداخلت فی الدین ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۹ شوال المکرم ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

جائداد موقوفہ فی سبیل اللہ تعالیٰ یا موقوفہ علی الاولاد اگر ایسی ہو کہ اس کی آمدنی قلیل اور وصول یا

بی میں مشکلات کثیر ہوں تو ایسی صورت میں اس کو بیع کر کے کوئی دوسری جائداد خرید لی جائے جسمیں سہولتیں اور آمدنی زائد ہونیکا غالب گمان ہو جائز ہے یا نہیں؟۔

(۲) ایک صورت یہ کہ متولی وقف علی الاولاد کی غیر موقوفہ کوئی زمیں ہو اس میں موقوفہ جائداد کو فروخت کر کے کوئی عمارت بنادی جائے اور متولی اس زمین کو بھی اس کے ساتھ وقف کردے جائز ہے یا نہیں؟۔

(۳) اور کیا متولی کو وہ زمیں مملوکہ وقف کرنا ضروری ہے یا ایسا بھی کرسکتا ہے کہ زمیں اپنی ملکیت پر باقی رکھے اور موقوفہ جائداد کی قیمت سے مکان تعمیر کرادے۔

(۴) اگر کوئی وقف نامہ علی الاولاد اس صورت سے ہو کہ اس میں دو جائدادیں وقف ہیں ان میں سے ایک قلیلہ ہے اس کی آمدنی کے بارے میں واقف نے یہ لکھا ہے کہ متولی اسے حرمین شریفین پر صرف کرے۔ اور ایک زائد آمدنی کی جائداد ہے اسے واقف نے متولی کی ذات واہل وعیال پر صرف کرنا بتایا ہے دونوں جائدادیں دو موضعوں میں ہیں۔ تو کیا متولی ایسا کرسکتا ہے کہ ان دونوں جائدادوں کو فروخت کرے جن کا وقف نامہ ایک ہی ہے اور موقوفہ علی اہل حرمین شریفین کی آمدنی جو وقت وقف میں تھی یا جو وقت بیع میں ہو اس کثیر خاص وقف علی الاولاد کی آمدنی سے اہل حرمین شریفین پر خرچ کرنا اپنے اوپر لازم کرے اسلئے کہ وہ اتنی قلیل ہے کہ اس کے انتظام میں خرچہ اور دقت زائد ہوتی ہے۔

(۵) وقف نامہ میں واقف نے آخر میں یہ الفاظ لکھے ہیں لہذا یہ تملیک نامہ بطور دستاویز وقف علی الاولاد لکھ دیا تو یہ جائداد وقف ہوئی یا تملیک اور واقعہ بھی یہی ہے کہ واقف کا مقصد اس سے صرف یہ ہے کہ جائداد تلف نہ ہو اور قلیل آمدنی والی اہل حرمین شریفین پر صرف ہوا کرے نقل وقف نامہ ہمراہ ہے امید ہے اس کے ہر پہلو پر غور فرما کر ایسا جواب عنایت فرمایا جائے کہ متولی کی پریشانی میں تخفیف ہو اور ر اس پر شرعی موخذہ بھی نہ ہو اپنے قیمتی اوقات میں سے کچھ مبذول فرما کر عند اللہ تعالیٰ ماجور ہوں اور مستفتی کو بھی مرہون کرم بنائیں نقل وقف نامہ ہمراہ ہے۔

مستفتی متولی اپنا حلفیہ بیان آپ کے روبرو پیش کرتا ہے کہ وقف نامہ لکھنے کے کچھ بعد جبکہ جائداد کی حالت خراب ہوئی اور اظہار افسوس کیا کہ ہم نے وقف کر کے ہاتھ توڑ لئے اس جائداد سے تو بہتر تھا کہ شہر میں مکان یا دوکانیں ہوتیں یہ جائداد وبال جان ہوگئی۔ متولی کو اس بات کا یقین کامل ہے کہ وقف نامہ کے الفاظ (کسی قسم کے انتقال کا حق نہوگا) سے واقف مرحوم کا مقصد صرف یہ ہے کہ جائداد

تلف نہو نہ یہ کہ اگر کوئی صورت تبادلہ کی ہو جس سے متولیان کو پریشانی کم اور آمدنی زائد ہو وہ بھی عمل میں نہ لائی جائے ۔فقط۔

المستفتی نیاز مند محمد انوار الحق عفی عنہ کہ گہنا بلڈنگ پیلی بھیت ۔ ۲۵ رصفر المظفر ۶۱ء

(وقف نامہ کی نقل) میں کہ محمد عبدالحق ولد حاجی قدرت علی قوم راعی پیشہ فلان ساکن فلاں کا ہوں۔ میں نے برضا ورغبت اپنے بحالت صحت نفس وثبات عقل بنظر دوراندیشی ومصلحت دینی ودنیوی اپنی مملوکہ ومقبوضہ جائداد بسوہ اصلی موسومہ محال فلان موضع فلان جمعی مبلغ تین پچھتر روپیہ مال ومبلغ ۲۰۷ ۔ابواب جملہ ایما۔ ومن جملہ ۴۹ ۔ایکڑ۔۴ ڈسمل مقروضہ مندرجہ کھاتہ کھوٹ نمبر ۲۔ واقع محال فلاں موضع جانٹ فلاں ڈانگ کے پانچ ایکڑ بائیس ڈسمل آراضی خرید کردہ جمعی مبلغ دس روپیہ جمع بتخصہ سرکاری کو من جملہ حقوق موافق داخلی وخارجی اس کے معہ باغ قلمی نمبر فلاں فلاں بلا استثنی کسی حق وملکیت کے بتقدیم شرائط وہدایات ذیل وقف علی الاولاد کردیا اور اپنا قبضہ اس سے اٹھالیا اور اسکا متولی اپنے بیٹے محمد انوارالحق ساکن پیلی بھیت کو بنادیا اور اس کو قبضہ متولیان دیدیا۔ شرائط وہدایات حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ کہ میرا بیٹا محمد انوار الحق اپنی زندگی تک جائداد موقوفہ پر بحیثیت متولی قابض رہے گا وہ اپنی زندگی تک کل آمدنی جائداد موقوفہ دس بسوہ کو اپنی ذات پر اور اپنے اہل وعیال پر تقریبات شادی وغمی میں اور ہر مصرف میں جس قدر جہاں وہ مناسب سمجھے صرف کرتا رہے گا کسی شخص یا کسی جماعت یا کسی حاکم وقت کو متولی سے باز پرس یا حساب فہمی کا حق نہ ہوگا اسکے بعد اس کی اولاد ذکور اور اس کی اولاد ذکور میں سے جو عمر میں بڑا ہو بحیثیت متولی ومہتمم قابض جائداد موقوفہ کا رہے گا ور سب شرائط وہدایات مندرجہ کا پابند رہے گا۔

(۲) یہ کہ اگر کوئی اولاد ذکور نہو تو متولیان کی دختران کی اولاد ذکور میں سے جو عمر میں بڑا ہو متولی وقابض جائدد موقوفہ تابع شرائط مندرجہ بالا رہے گا۔ اگر خدانخواستہ متولی وقت کے کوئی اولاد ذکور نہو تو اولاد اناث سے جو عمر میں بڑی ہو متولی وقابض رہے گی درصورت انقطاع نسلی کے جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالی ساکن فلان کا جو سجادہ نشین ہو وہ متولی قابض رہے گا اور وہ جائداد موقوفہ دس بسوہ کی آمدنی میں سے ایک چہارم اپنی ذات پر اور ایک درگاہ مولانا صاحب موصوف کے اخراجات عرس میں اور نصف جس مدرسہ دینیہ اور مساجد میں جہاں مناسب سمجھے صرف کرتا رہے گا۔

(۳) سوم یہ کہ متولی وقف کو وہ تمام حقوق حاصل رہیں گے جو از روئے خاتون نافذ الوقت کسی

اصلی زمیں کی مالک زمیں داری کو حاصل ہوں اس کے خلاف یہ عذر واعتراض قابل لحاظ نہ ہوگا کہ وہ محض متولی ہو نہ کہ مالک۔

(۴) یہ کہ متولی وقت کو کسی چیز یا کل جائداد موقوفہ کے بیع رہن یا مکفول وغیرہ یا کسی قسم کے انتقال کا استحقاق نہوگا اور نہ کوئی جز وکل جائداد موقوفہ کا کسی مطالبہ میں قابل ترقی ونیلام ہوگا۔ لہذا یہ تملیک نامہ بطور دستاویز وقف علی الاولاد بہ تعین مبلغ سات ہزار روپیہ۔ مالیت ہر دو جائداد موقوفہ لکھدیا کہ سند ہو فقط۔

الجواب

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم .

وقف نامہ سے جائداد مذکور فی السوال کا وقف ہونا ظاہر ہے اور اس میں واقف نے اس جائداد موقوفہ کے تبادلہ کی کوئی شرط ذکر نہیں کی بلکہ عدم شرط بایں الفاظ موجود ہے کہ متولی وقت کو کسی جز یا کل جائداد غیر منقولہ موقوفہ کی بیع، رہن یا مکفول وغیرہ یا کسی قسم کے انتقال کا استحقاق نہ ہوگا اور مستفتی متولی کا حلفیہ بیان (واقف مرحوم نے وقف نامہ کے کچھ سال بعد جبکہ جائداد کی حالت خراب ہوئی تو اظہار افسوس کیا کہ ہم نے وقف کر کے ہاتھ توڑ لئے۔ اس جائداد سے تو بہتر تھا کہ شہر میں مکان یا دوکان ہوتیں ۔اب یہ جائداد وبال جان ہوگئی۔) اس امر پر دال ہے کو وقف میں واقف نے تبادلہ کرنیکا اختیار نہ خود اپنے لئے ملحوظ رکھا نہ متولی کے لئے۔ ورنہ واقف کو نہ اظہار افسوس کی صورت پیش آتی نہ ہاتھ توڑ لینے کی مجبوری ہوتی۔ لہذا ایسے وقف کے تبادلہ کی فقہ میں دو صورتیں ذکر کی ہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

والثانی ان لا یشترط (ای الاستبدال۔) سواء شرط عدمه اوسکت لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة بان لایحصل منه اصلا اولا یفی بمؤنة فهو ایضا جائز علی الاصح اذا کان باذن القاضی و رای المصلحة فیه والثالث ان لا یشترط ایضا ولکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیر منه زرعا نفعا وهذا لا یجوز استبداله علی الاصح۔

(شامی مصری ص ۳۹۹ ج ۳)

اور دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے تبادلہ کی شرط نہیں کی اب چاہے اس نے عدم تبادلہ کی شرط کی ہو یا سکوت کیا ہو مگر وقف بالکل قابل انتفاع نہیں رہا اور اس سے کچھ آمدنی حاصل نہیں ہوتی۔ یا

اخرجات کے لئے وہ کفایت نہیں کرتی تو مذہب صحیح کی بنا پر تبادلہ جائز ہے جب یہ تبادلہ باذن قاضی ہو۔ اوراس میں مصلحت ہو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نیز واقف نے تبادلہ کی شرط نہیں کی لیکن وقف میں فی الجملہ نفع ہے اوراس کے بدل میں اس سے زیادہ پیداوار اور نفع ہوگا تو مذہب اصح ومختار کی بنا پر یہ تبادلہ جائز نہیں۔

صورت مسئولہ میں اس جائداد موقوفہ کا تبادلہ اس تیسری صورت کے تحت داخل ہے۔ لہٰذا یہ تبادلہ ناجائز ہے۔ شامی میں ہے:

وفی فتح القدیر والحاصل ان الاستبدا ل اماعن شرط الاستبدال اولا عن شرطه فان کا ن الخروج للوقف عن انتفاع الموقوف علیهم فینبغی ان لا یختلف فیه وان کان لا لذالك بل اتفق انه امکن ان یوخد بثمنه ما هو خیر منه مع کو نه منتفعابه فینبغی ان لا یجوز لا ن الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیه دون زیادة ولا نه لا موجب لتجویزه لان الموجب فی الاول الشرط وفی الثانی الضرورة ولاضرورة فی هذا اذ لا تجب الزیادة بل تبقية کما کان اه اقول ما قاله هذا المحقق هو الحق الصواب۔ (شامی مصری ص ۴۰۱ ج ۳)

اور یہ جائداد موقوفہ قابل انتفاع ہے تو محض آمدنی کے زیادہ ہونے کی بنا پر اسکا تبادلہ جائز نہیں۔

سوالات جوابات تو اسی کے ضمن حاصل ہوگئے۔ لیکن بلحاظ وضاحت نمبروار جواب بھی مختصر الفاظ میں تحریر کئے جاتے ہیں۔

(۱) محض سہولتوں اور آمدنی کے زائد ہونے کے گمان پر اس صورت خاص میں وقف کا بیع کرنا جائز نہیں۔

(۲و۳) بلاضرورت جائداد موقوفہ کو فروخت کر کے عمارت بنانا جائز نہیں بلکہ بلاوجہ غیر منقول کو منقول بنا کر وقف کو خطرہ کیلئے پیش کرنا ہے۔

(۴) دونوں جائدادوں کو نہ فروخت کرسکتا ہے نہ واقف کی شرط کے خلاف کوئی نیا تصرف کرسکتا ہے۔

(۵) یہ جائداد مذکورہ بلاشبہ وقف ہے۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۸۷)

بیوت وقفت علی مسافر المسلمین فهل یسکن فیها الکفار ام لا وکذاارض وقفت علی المسلمین للمقبرة فهل یجوز فیها الزراعة ام لا۔ بینوا توجروا۔

جزاکم الله خیرالجزاء

المستفتی احمد الملیباری ڈاکخانہ کلیزا کوٹہ بٹٹ عشرون ربیع الاخری سنة احدی وسنون وثلا ث مئاة بعدالف۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اذا وقف الواقف البیوت علی مسافر ی المسلمین فهذاالوقف خاص بهم فلا یسکن فیها الکفار وکذاالارض اذا وقفت علی المسلمین للمقبرة فلا یجوز فیها الزراعة لان الفقهاء صرحوا بان مراعاة غرض الواقفین واجبة ویتعین الوقف بشرط الواقف فلا یجوز التصرف فیه خلاف غرض الواقفین کما صرح به فی رد المحتار والله تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۸۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ واقف نے اپنی اولاد زید پر وقف علی الاولاد کیا اور یہ لکھا کہ زید اوراس کی اولاد ذکور پر نسلا بعد نسل وبطنا بعد بطن جب تک سلسلہ نسل قائم رہے تقسیم ہوتا رہیگا۔ جب یہ سلسلہ منقطع ہو تو حق انتفاع میر سید شاہ قیام الدین قدس سرہ کے سلسلہ اولاد ذکور میں بحصہ مساوی رجوع ہوجائیگا۔

واقف کا سلسلہ ذکور منقطع ہونے کے وقت اولاد شاہ قیام الدین قدس سرہ میں دس افراد ذکور موجود تھے۔

شاہ قیام الدین

شاہ محمد صالح

ا

شاہ محمد احمد اللہ

ا

شاہ محمد غوث

ا

شاہ محمد حسن علی　　سید محمد مہدی　　شاہ غلام رسول

ا　　ا

فصاحت علی　حافظ محمد بخش　شاہ عبداللہ سید جعفر علی　سید ہدایت علی

سید عابد علی　(۱۰) ولایت علی　واجد علی　سید آفتاب علی

آمنہ بی بی (واقفہ۔ زوجہ واجد علی)

(۱) سید زاہد علی　(۲) سید شاہد علی　(۹) امجد علی　محمد علی　ان پر وقف کیا گیا انکا سلسلہ منقطع ہوگیا

(۳) سید کاظم علی　(۸) سید سجاد علی

(۴) سید اراشد علی　(۵) سید عارف علی　(۶) سید مصطفیٰ علی　(۷) سید ہاشم علی

ص ۱۳۴ جلد سوم ہے

الجواب

اللھم ھدایة الحق والصواب

صورت مسئولہ میں منفعت وقف واقف کی تصریح کے موافق اس وقت سید شاہ قیام الدین قدس سرہ کے سلسلہ اولاد ذکور میں مساوی حصص پر تقسیم کی جائے گی۔ اور اس سلسلہ میں اب زاہد علی۔ شاہد علی۔ کاظم علی۔ راشد علی۔ عارف علی۔ مصطفیٰ علی۔ ہاشم علی۔ واجد علی۔ امجد علی۔ سجاد علی۔ دس افرد ذکور موجود ہیں تو اس منفعت وقف کو بھی دس حصوں پر تقسیم کیا جائیگا۔

فتاوی قاضی خان میں ہے:

اذا ذکر الواقف ثلث بطون یکون الوقف علیھم وعلی من اسفل منھم الاقرب والابعد فیھم سواء الا ان یذکر الواقف فی وقفہ الاقرب فالاقرب او یقول علی ولدی ثم بعد ھم علی ولدولدی او یقول بطنا بعد بطن۔ (خانیہ مصطفائی ص ۳۱۴ ج ۴)

جب واقف نے تین بطون کا اس طرح ذکر کیا کہ وقف ان پر ہو اور ان سے نیچے کی نسل پر تو ان میں قریب اور بعید سب برابر ہیں لیکن اگر واقف اپنے وقف میں یہ ذکر کرے کہ زیادہ قرب والے کو پھر زائد قریب کو۔ یا کہے کہ میری اولاد پر پھر انکے بعد میری اولاد کی اولاد پر۔ یا کہے کہ بطنا بعد بطن:

درمختار میں ہے: وتقسم بینھم بالسویة ان لم یرتب، (شامی ص ۴۵۲)

اور بطون میں مساوی حصوں پر تقسیم کیا جائے اگر ترتیب نہو۔

ویستوی الاقرب والابعد ای یشترک جمیع البطون فی الغلة لعدم ما یدل علی الترتیب۔ (شامی ص ۴۵۰)

اور آمدنی تین قریب وبعید تمام بطون کے شریک ہونگے اور بحصہ مساوی لیں گے۔ جب ترتیب پر دلالت کرنے والی کوئی چیز مذکور نہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وفی الوقف علی القریب تقسم الغلة علی الرؤس الصغیر والکبیر والذکر والانثی والفقیر والغنی سواء لمساواة الکل فی الاسم۔ (عالمگیری۔ ص ۳۲۳)

اور وقف علی القریب میں آمدنی صغیر وکبیر اور مذکر ومونث اور مالدار وفقیر کے رؤس پر برابر تقسیم کی جائے کہ اسم قریب میں سب برابر ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ واقف نے نہ تو کوئی قید ذکر کی اور نہ ترتیب بطن کا لحاظ کیا بلکہ یہ کہا کہ اولاد ذکور میں بحصہ مساوی رجوع ہو جائے گا تو یہ منفعت وقف نہ اولاد اناث کو دی جائے۔ نہ ارث کیطرح بطن اعلی کو بطن اسفل کیلئے حاجب قرار دیا جائے۔ نہ اس میں درجات وطبقات کی ترتیب کا لحاظ کیا جائے کہ واقف کی شرط کی مخالفت جائز نہیں۔

فتاوی خیریہ میں ہے۔ لا یجوز لاحد ان یفعل شیئا مخالفا لما شرطہ الواقف اذا شرط الواقف کنص الشارع" (خیریہ مصری ص ب ۱۹۸ ج ۱)

کسی کو واقف کی شرط کے خلاف کوئی کام کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ واقف کی شرط شارع کی نص کی طرح ہے۔ لہذا ان دسوں افراد ذکور کو بحصہ مساوی تقسیم کیا جائے گا۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسة اجمل العلوم فی بلدة سنبھل

(۲۰۔ شوال المکرم ۱۳۶۵ھ)۔

مسئلہ (۷۸۹)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

• علماء جو مساجد میں تفسیر بیان کرتے ہیں کیا مسجد کی دکانوں کی آمد سے ان کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟۔ مولوی محمد عالم برمکان مولانا مولوی عبدالقیوم بالائے قلعہ علی گڑھ ۱۴ ذیقعدہ ۲۴ھ۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر واقف نے ان دو دکانوں کی آمدنی کو کسی مصرف مسجد کے لئے خاص کر دیا ہے تو اس مصرف کے سوا دیگر مصالح مسجد میں اس آمدنی کو خرچ نہیں کیا جا سکتا۔

ردالمحتار میں ہے: شرط الوقف کنص الشارع۔ (ص ۳۸۷ ج ۳)

فتاوی خیریہ میں ہے۔ اذا وجد شرط الواقف فلاسبیل الی مخالفتہ۔ (ص ۲۰۷ ج ۱)

تو ایسی آمدنی سے تو تفسیر کرنے والے عالم کی تنخواہ ادا نہیں کی جا سکتی۔

اگر واقف نے ان دو دکانوں کی آمدنی کو کسی مصرف کیلئے خاص نہیں کیا ہے بلکہ مسجد کے تمام مصالح کیلئے وقف کیا ہے تو اس آمدنی کو تمام مصالح مسجد میں اسی ترتیب کی بنا پر صرف کیا جائے گا جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔ فتاوی قاضی خاں میں ہے:

مسجد لہ مستغلات واوقاف اراد المتولی ان یشتری من غلۃ الوقف للمسجد دھنا او حصیرا او حشیشا او آجرا او جصا لفرش المسجد او حصی قالوا ان وسع الواقف ذالک للقیم وقال یفعل ما تری من مصلحۃ المسجد کان لہ ان یشتری للمسجد ما شاء۔

(قاضی خاں مصطفائی ص ۳۰۰ ج ۴)

اسی طرح اگر یہ دوکانیں عامۃ المسلمین کے چندہ سے تعمیر ہوئی ہیں تو ظاہر ہے کہ اس قسم کا وقف کسی مصرف کیلئے خاص نہیں ہوتا بلکہ یہ عرفا تمام مصالح مسجد کو شامل ہوتا ہے۔ اور مصالح مسجد کی تفصیل الاشباہ والنظائر میں یہ ہے:

لو وقف علی المصالح فھی الامام والخطیب والقیم وشراء الدھن والحصیر۔

(ص ۲۱۷)

اور صاحب درمختار نے درالمنتقی شرح الملتقی میں ان کو اور زائد کیا:

الوقاد والفراش واجرۃ حمل الماء (بدرالمنتقی مصری۔ ص ۷۲۳ ج ۱)

اور درمختار میں ان کو اور زائد کیا" والموذن والناظر والمباشر واجرۃ حمل الماء وکلفۃ نقلہ من البیر الی المیضاۃ والشاھد والشاد والجاب والبواب ومزملاتی۔

اور فتاوی خیریہ میں ان کو اور زائد کیا: المیقاتی لکثرۃ الاحتیاج الیہ۔ (ص ۱۵۴ ج ۱)

ان عبارات سے امام وخطیب۔ متولی وناظر۔ موذن ودربان۔ چراغ جلانے والا۔ فرش بچھانے والا۔ وضو کیلئے پانی لانے والا۔ پینے کا پانی بھرنے والا۔ مسجد کی صفائی کرنے والا۔ مسجد کا خبرگیر ملازم۔ محصول کا تحصیل دار۔ تیل چٹائی وغیرہ۔ سب مصالح مسجد میں داخل ہیں کہ ان میں بعض تو شعائر میں سے ہیں اور بعض کی طرف مسجد یا اہل مسجد دونوں کو حاجت ہے۔ بعض وہ ہیں جن کا نفع صرف اہل مسجد یعنی نمازیوں ہی کو پہنچتا ہے تو اب اہل مسجد کی منفعت وحفاظت کو ملحوظ کرتے ہوئے وہ عالم جو تفسیر سے احکام دینیہ کا انہیں عام نفع پہنچائے تو اس کی طرف اہل مسجد کو کتنی اہم حاجت ہے۔ لہذا اس عالم کو بھی مصالح مسجد میں شامل کرنا چاہئے اور خصوصا جب آمدنی تعمیر وشعائر سے فاضل ہو تو اس عالم کو حسب کفایت تنخواہ دینا کیوں ناجائز ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے۔

ان انتھت عمارتہ وفضل من الغلۃ شئی یبدأ بما ھو اقرب للعمارۃ وھو عمارتہ المعنویۃ التی ھی قیام شعائرہ (ردالمحتار مصری ص ۳۸۸ ج ۳)

اور یہ ظاہر ہے کہ تفسیر کرنا مسجد کی عمارت معنویہ میں داخل ہے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۹۰)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

حاجی اللہ بخش نے اپنی جائداد وقف کی اور تحریر کیا کہ وقف ہذا واسطے فائدہ وپرورش اپنی زوجہ اور اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لئے ہے بموجب شرع محمدی اور قانون مجوزہ وقف علی الاولاد ایکٹ ۶ ۱۹۱۳ء اور نیز یہ کہ مجھ واقف کے چار فرزند مسمیان عبدالصمد ومحمد شفیع وعبدالرحیم وعبدالسمیع اور ایک دختر مسماۃ خانم اور ایک زوجہ مسماۃ بی جان ہے۔ اس لئے آمدنی اسکی درمیان پسران ودختر بقدر حصص شرعی تقسیم

ہوگی۔ یعنی ہر پسر کو بمقابلہ دختر دو چند حصہ ملے گا۔ اور یہی طریقہ آیندہ بھی جاری رہے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ عبدالصمد کا انتقال ہوگیا، عبدالصمد کے آٹھ پسر پیدا ہوئے جس میں سے چار لڑکوں مسمیان عبد الحق، نورالحق، نظام الحق، اور احسان الحق کا انتقال عبدالصمد کی حیات میں ہوگیا مگر انتقال شدہ عبدالصمد کے لڑکوں نے اپنے پیچھے اولاد اور بیویاں چھوڑی ہیں۔

۱۔ عبدالحق متوفی پسر عبدالصمد متوفی نے ایک بیوہ چھوڑی ہے ایک لڑکا عرفان الحق چھوڑا ہے۔

۲۔ نورالحق متوفی پسر عبدالصمد متوفی نے ایک بیوہ مسماۃ اکبری دو دختران مسماۃ سروری بیگم، اور بلقیس بیگم، اور ایک پسر مسمی فصیح الدین چھوڑا ہے۔

۳۔ نظام الحق متوفی پسر عبدالصمد متوفی نے پانچ پسران و یک دختر، اکرام الحق، اسرار الحق، معراج الحق، شجاع الحق، احتشام الحق و مسماۃ کشور سلطانہ بیگم چھوڑی۔

۴۔ احسان الحق متوفی پسر عبدالصمد متوفی ایک دختر مسماۃ محمودہ خاتون۔

عبدالصمد کے انتقال کے بعد کیا یہ متوفیاں مذکور کے بچے اور بیویاں جس کی تفصیل اوپر دی گئی ہیں اور اپنے حیات شدہ چچاؤں مسمیان عزیز الحق و گل محمد و نذر محمد و ظہور محمد اور اپنی حیات شدہ پھوپھوں مسماۃ خیر النسا، رحمت النسا، امین فاطمہ کنیز فاطمہ عزیز فاطمہ کے ساتھ عبدالصمد کے حصہ سے وارث ہوں گے۔ یا نہیں۔ فقط، عبدالصمد متوفی کے چار پسران عزیز الحق و گل محمد نذر محمد ظہور محمد، چھ دختران مسماۃ خیر النسا، رحمت النساء امین فاطمہ، کنیز فاطمہ، انیس فاطمہ، عزیز فاطمہ بعد وفات حین حیات ہیں۔

المستفتی، الیس عزیز الحق علوی۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

صورت مسئولہ میں حاجی اللہ بخش واقف نے یہ وقف علی الاولاد اور اپنی اولاد کی اولاد اور اپنی زوجہ کے لئے کیا ہے تو اس میں لفظ اولاد جمع ہے وہ ابدا اسکی پیدا ہونے والی تمام نسل کو شامل ہے اور عبد الصمد کی اولاد بطن ثانی ہے اور اس کے پوتے پوتیاں بطن ثالث ہیں اور واقف نے ترتیب بطن و طبقات کی شرط وقف نامہ میں ذکر نہیں کی تو اقرب والابعد یعنی بطن ثانی و بطن ثالث مساوی حصہ کے مستحق ہیں۔ صاحب درمختار اور درالمنتقی شرح الملتقی میں فرماتے ہیں۔

واما بالجمع سواء کان فی البطن الاول او الثانی بان قال ابتداء علی اولادی او

قال علی ولدی و اولا د اولا دی فیدخل النسل کله ابدا کذکر الطبقات الثلث بلفظ الولد المفرد ویستوی فیه الا قرب والا بعد الا ان یذکرمایفید الترتیب یعنی لا یدخل البطن الثانی الا ان یذکر البطن الاول لصیغه الجمع او بنص علی البطن الثانی ولا ید خل البطن الثالث الا اذا نص علیه فقال علی ولدی وولد ولدی وولد ولد ولدی فاذ نص علی البطن الثالث دخل البطن الزابع والخامس الی مالا نها یة ابدا ماتنا سلوا و کذالوذکر البطن الثانی بلفظ الجمع فقال علی ولدی واولا د اولا دی کما فی السراحیة و غیرهافبان بهذا ان البطن الثالث فما تحته الی غیر نهایة یدخل بذکر البطن الثالث مطلقا وبذکر البطن الاول او الثانی بلفظ الجمع فلیحفظ فان تحریرة هکذا من خواص کتابی هذا۔

(المنتقی مصری ج ۱ ص ۷۴۶)

واقف نے اولاد ذکور کا حصہ بمقابلہ اناث کے مثل حظ الانثیین مقرر کر دیا ہے تو اس شرط واقف کا لحاظ بوقت تقسیم ضروری ہے۔ لہذا عبدالصمد کا حصہ اس کے چار بیٹوں عزیز الحق، گل محمد، نذر محمد، ظہور محمد، اور سات پوتوں عرفان الحق فصیح الدین، اکرام الحق، اسرار الحق، معراج الحق، شجاع الحق، احتشام الحق، اور چھ لڑکیوں خیر النسا، رحمت النساء امین فاطمہ کنیز فاطمہ، انیس فاطمہ عزیز فاطمہ، اور چار پوتیوں سروری بیگم، بلقیس بیگم، کشور بیگم، سلطانہ بیگم محمود خاتون، للذکر مثل حظ الانثیین یعنی ہر مذکر کو بمقابلہ مونث کے دو چند حصہ دیا جائے، اور ۳۲ رسہام پر حصہ عبدالصمد کو تقسیم کر کے گیارہ ذکور کو ۲۲ سہام فی کس دو سہام دیئے جائیں اور دس اناث کو ۱۰ رسہام فی کس ایک سہم دیں۔

درمختار میں ہے۔ و تقسم بینهم بالسویة ان لم یرتب البطون و ان قال للذکر کالانثیین فکما قال۔ اور عبدالصمد کے زندہ لڑکے اپنی اولاد کے لئے تو حاجب ہیں اور بھائیوں کی اولاد کے لئے حاجب نہیں،

فتاوی خیریہ میں ہے۔ ان الا صل یحجب فروع نفسه لا فروع غیره۔

(فتاوی خیریہ ج ۱ ص ۱۱۵)

اور اولاد واقف میں سے کسی کی بیوی جو اس نسل میں نہ ہو وہ اس وقف میں سے حصہ نہیں پائے گی۔ حاصل جواب یہ ہے کہ عبدالصمد کے حصہ سے اس کے ساتوں پوتے اپنے چچوں کی برابر اور چاروں پوتیاں اپنی پھوپھوں کے برار حصہ پائیں گی۔ اور جو بیوی اس کی نسل سے نہ ہوں وہ حصہ نہ پائیں گی۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۹۱)

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

شیخ قطب الدین وشیخ قاسم اپنی جائداد زرعی وسکنائی کو اپنی اولاد پر نسل بعد نسل وبطنا بعد بطن وقف کیا اس کا باقاعدہ وقف رجسٹری کروادیا جس کے شرائط میں واقفان نے ان باتوں کی صراحت کر دی کہ

(شرط ۸) جس میں لکھا آمدنی مذکورہ بالا سے جو بسر اوقات الطاف حسین اوراس کی اولاد کی مقرر کی ہے اس کی تقسیم آئندہ کو اولاد مذکور الطاف حسین نسل کے بعد نسل فصل بہ فصل سال بہ سال بھر شرعی ہوتی رہے گی اور ہر وارث اپنے اپنے مورث کا حصہ پاتا رہے گا۔اور اولاد اناث بموجودگی اولاد ذکور مستحق اپنے ماں گون یا چھوچھک کے ہوگی خاص حصہ آمدنی پانے کی مستحق نہ ہوگی۔

(شرط ۹) میں لکھا کہ کوئی شخص یا اشخاص اولاد ذکور میں بوجہ موت ہوجانے سے اس کے باپ کے شرعا محروم ہوجائے تو اس کا وقف ہذا میں کچھ اثر نہ ہوگا۔وہ شخص یا اشخاص اس طور سے حصہ پاتے رہیں گے جیسا کہ اپنے باپ کی حیات میں پاتے

(شرط ۱۷) میں لکھا اگر کوئی شخص حصہ دار اپنا حصہ آمدنی وقف سے نہ ہوئے تو اس کا حصہ دیگر شرکا وقف پر تقسیم کردیا جائے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس وقت اولاد الطاف حسین میں صرف اس کا ایک لڑکا جس میں ارشاد حسین حیات ہے اس کے والد الطاف حسین کا انتقال ہوچکا ہے اوران کے دولڑکے سراج حسین اور منور حسین ان کی حیات ہی میں فوت ہوچکے ہیں اوران ہر دو کو بیک وقت پھانسی دی گئی ہے ۔اس میں منور حسین تو لاولد فوت ہوا اور سراج حسین کے تین لڑکے سعید الظفر ۔خورشید ۔واحد حسین اور ایک لڑکی مسماۃ سفدر بیگم موجود ہیں۔سوال یہ ہے کہ اس صورت میں ارشاد حسین اولاد سراج حسین کو محروم کردیگا یا نہیں؟ اگر محروم نہیں کرتا ہے تو اس جائداد موقوفہ کی آمدنی اور سکنائی مکانات کے منافع کل کتنے سہام پر تقسیم ہوں گے؟ اور ارشاد حسین کو کتنے سہام ملتے ہیں؟ اولاد سراج حسین کو کتنے کتنے سہام ملتے ہیں

؟۔بینواوتوجروا۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

وقف کی تقسیم کے وقت شرائط کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔

درمختار میں ہے:

" شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفھوم والدلالۃ ووجوب العمل بہ"

(از شامی مصری ص ۴۲۸ ج ۳)

واقف کی شرط مفہوم اور دلالت اور وجوب عمل میں شارع کی نص کی طرح ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

وجوب العمل بشرط الواقف فحیث شرط القسمۃ وجب العمل بما ارادہ "

(ردالمحتار ص ۴۳۶ ج ۳)

یعنی واقف کی شرط پر عمل کرنا واجب ہے تو اس نے جہاں تقسیم کو شرط کیا اس کی حسب مراد عمل واجب ہے تو واقفان نے شرط (نمبر ۸) میں اولاد اناث کو بموجودگی اولاد ذکور کے غیر حقدار قرار دیا ہے اور شرط (نمبر ۹) اپنے باپ کے فوت ہوجانے کے بعد سب اولاد ذکور کو بھی محروم نہیں کیا ہے اور شرط (نمبر ۸) ہی میں ہر وارث کو اپنے اپنے مورث کے حصہ کا حقدار ٹھہرایا اور شرط (نمبر ۱۷) میں اپنا حصہ نہ لینے والے وارث کے حصہ کو بقیہ شرکاء وقف کی طرف لوٹایا ہے تو ان شروط واقفان کی بناپر صورت مسئولہ میں اگرچہ سراج حسین اپنے والد الطاف حسین کی حیات ہی میں فوت ہوگئے لیکن واقفان کی شرط (نمبر ۹) بموجب سراج حسین کی اولاد ہرگز ہرگز محروم نہیں ہوسکتی ہے بلکہ یہ اپنے مورث سراج حسین کے حصہ کے حقدار ہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

"الحاصل انہ اذا رتب بین البطون لا یعطی لبطن الثانی ما لم ینقرض الاصل الا اذا شرط بعد ذلک من مات من ولد فیصیبہ لولدہ فیعطی لولدہ وان کان من البطن الثانی"

(از ردالمحتار مصری ص ۴۰۲ ج ۳)

حاصل کلام یہ ہے کہ واقف نے جب بطون میں ترتیب ملحوظ رکھی تو جب تک بطن اول بالکل ختم نہ

ہوجائے بطن ثانی کو نہیں دیا جائے گا۔ ہاں جب واقف ہی نے اس کے بعد یہ شرط کی کہ ان میں جو اولاد چھوڑ کر مر گیا تو اس کا حصہ اس کی اولاد کے لئے ہے تو مرنے والے کا حصہ اس کی اولاد کو دیا جائے گا اگرچہ اولاد بطن ثانی ہی میں ہو۔ اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ اولاد سراج حسین اپنے مورث کے حصہ کی مستحق ہے۔

اب اس امر کی تحقیق باقی رہی کہ سراج حسین کا حصہ کس قدر ہے تو اگر منور حسین کی موت سراج حسین کی موت سے ایک منٹ پہلے بھی ہوگئی ہے چاہے پھانسی کی رسی گلے میں ڈالنے کا وقت بالکل ایک ہی ہو۔ جب تو حصہ سراج حسین کے نصف منافع وقف ہونے میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور اگر منور حسین کی موت اور سراج حسین کی موت بہ یک وقت ہوئی ہے۔ یا فرض کر لیجئے کہ سراج حسین کی موت ہی اس سے پہلے واقع ہوئی ہے تو جب بھی اولاد سراج حسین نصف منافع وقف کی ہی مستحق ہے اس لئے کہ منور حسین لاولد فوت ہوا تو وہ بعد موت کے غیر حصہ دار وقف کا قرار پاتا ہے۔ اولاً تو خود ہی واقفان ہی کی شرط (نمبر ۱۷) کی رو سے ہی اس کا حصہ دیگر شرکاء وقف پر تقسیم ہونا چاہئے اور شرکاء وقف میں اس وقت یہی ارشاد حسین اور اولاد سراج حسین ہے تو بجائے تین سہام کے اوپر ہی دو سہام پر تقسیم کیا جائے گا اور منور حسین کا حصہ ہی اس وقف سے ساقط کر دیا جائے گا۔ لھذا ایک سہم ارشاد حسین کو اور ایک سہم اولاد سراج حسین کو دیا جائے گا۔ فتاوی عالم گیری میں اس کی نظیر موجود ہے۔ جس میں لاولد مرنے والے کو بوقت تقسیم ساقط کر دیا گیا ہے۔ اور سہام موجودین پر پہلے بطن کے اعتبار سے تقسیم کئے گئے ہیں۔

"ان كان عدد البطن الاعلى عشرة انفس فمات منهم اثنان ولم يتركا ولدا ولا ولد ولد ثم مات اثنان بعد ذلك وترك كل واحد منهما ولدا او ولد ولد ثم مات بعد هذين اثنان آخران ولم يتركا ولدا ولا ولد ولد فتنازعت الاربعة الباقون من البطن الاعلى و ولد الميتين قسمت الغلة يوم تاتي على هولاء الاربعة على الميتين الذين تركا اولادا كان على ستة اسهم فما اصاب الاربعة كان لهم وما اصاب الميتين للذين تركا اولادا كان ذلك لاولادهما وسقط سهام الاربعة الموتى الذين لم تركوا اولادا كذا في المحيط۔

(فتاوی عالمگیری۔ ج ۲۔ ص ۳۲۳)

اگر بطن اعلی میں مستحقین کی تعداد دس اشخاص ہیں پھر اس میں کے دو فوت ہو گئے اور انھوں نے نہ کوئی اولاد چھوڑی نہ اولاد کی اولاد پھر ان کے بعد دو اور فوت ہو گئے اور ان میں سے ایک نے اولاد یا

اولاد کی اولاد چھوڑی پھر ان کے بعد ان سے دو اور فوت ہو گئے اور انہوں نے نہ اولاد چھوڑی نہ اولاد کی اولاد۔ پس بطن اعلی کے چار زندوں نے اور ہر دو مرنے والوں کی اولاد نے جھگڑا کیا تو جس دن وقف کی آمدنی وصول ہو کر آئیگی تو ان چار زندوں پر اور ان دو مرنے والوں پر جنہوں نے اولاد چھوڑی ہے چھ سہام پر تقسیم کی جائے گی، چار سہام ان چاروں کو پہنچیں گے اور دو سہام ان مرنے والوں کو پہنچیں گے جنہوں نے اولاد چھوڑی ہے اور وہ دونوں سہام دونوں کی اولاد کو دئے جائیں گے۔ اور وہ چار مرنے والے جنہوں نے اولاد نہیں چھوڑی ہے ان کے سہام ہی ساقط ہو جائیں گے۔ اسی طرح محیط میں ہے۔

ثانیاً۔ اور اگر فرض کر لیجئے کہ واقفان نے شرط نمبر ۱۲۔ میں لاولد مرنے والوں کا ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ واقفان نے اس وقف نامہ میں لاولد مرنے والے کے حصہ کی کوئی شرط ہی نہیں لکھی ہے تو اس صورت کا حکم بھی وہی ہے کہ اس لاولد میت کا حصہ انہیں تمام مذکورین شرکا وقف پر حسب تقسیم متذکرہ بالا دس سہام پر منقسم ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے:

و كذا اذا بين نصيب من مات من غير ولد بان شرط عوده لاعلى طبقة او لمن في درجته وطبقته او لمن دونه اتبع شرطه فان لم يوجد ما شرطه عاد نصيب ذلك الميت لاصل العلة فقسم على الجميع۔ (ردالمحتار۔ ج ۳ ص ۴۵۳)

اور اس طرح جب واقف نے لاولد مرنے والے کا حصہ بیان کر دیا اور اس کے اوپر کی طبقے کے لئے یا ان کیلئے جو اس کے طبقے اور درجہ کے ہیں یا اس کے لئے جو اس کے درجہ سے نیچے ہیں ان میں سے جس کی طرف اس حصہ کا لوٹنا شرط کر دیا تو اس کی شرط کے موافق عمل کیا جائے گا اور اگر واقف نے کسی کے لئے خاص شرط نہیں کی ہے تو اس میت کا حصہ اصل آمدنی میں لوٹ جائے گا۔ اور پھر وہ سب پر تقسیم کیا جائے گا۔

حاصل جواب یہ ہے کہ زرعی وسکنائی تمام جائداد موقوفہ کے ہر قسم کے منافع چاہیں وہ آمدنی ہو یا منافع سکونت ہو موجودہ ورثہ میں چودہ سہام پر تقسیم کیا جائے، اس میں سے سات ارشاد حسین کے ہیں اور دو سہام سعید الظفر کے ہیں اور دو سہام ابو محمد خورشید کے ہیں اور دو سہام واحد حسین کے ہیں اور ایک سہم مسماۃ صفدری بیگم کا ہے کہ وقف نامہ میں یہ حصہ شرعی کی قید ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۹۲)

کیافرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع عظام اس مسئلہ میں کہ

پیرجی مرادشاہ مرحوم ساکن آنولہ نے عرصہ بعیدہ ہواایک باغ اور ایک مکان جامع مسجد کٹرہ پختہ آنولہ وقف کیا۔جس کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ مرحوم موصوف کے ورثاء میں سے کسی نے کسی کے حق میں رہن کر کے منتقل کردیا اور منتقل الیہ نے بذریعہ نالش ڈگری کرا کر نیلام کرادیا جس کو شیخ عبدالحکیم مرحوم نے خریدلیا اور بعد خریداری اپنا حصہ بقدر دس آنے دیگر مساجد کے نام اس باغ مذکور کو وقف کردیا جس کے متولی آمدنی باغ حاصل کرتے رہے۔اب متولی جامع مسجد مذکور نے معلوم ہونے پر باغ مذکور کو بہارانبہ فروخت کر کے روپیہ بحق مسجد موصوفہ حاصل کرلیا۔متولیان وقف نوشتۂ عبدالحکیم صاحب موصوف کو متولی جامع مسجد کا یہ فعل ناگوار ہے۔جس کے لئے آمادہ مقدمہ داری ہیں اور بعض مسلمان متولیان کو اس کے لئے مشتعل کررہے ہیں۔لہٰذا ہر دو متولیان و مشتعلین کیلئے کیا حکم ہے اور وقف اول صحیح ہے یا وقف دوم؟۔

بینواتوجروا

المستفتی رسول احمد قادری منزل آنولہ ضلع بریلی

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر یہ بات صحیح ہے کہ پیرجی مرادشاہ نے اپناوہ باغ اور مکان جامع مسجد کیلئے وقف کردیا ہے تو پھر ورثاء واقف کو ان موقوفہ چیزوں کا رہن کرنا باطل وناجائز ہے۔

درمختار میں ہے: فاذا تم و لزم لا یملك و لا یعار و لا یر ھن ۔

ردالمحتار میں ہے: لا یمکن تملیکه فلا یصح الر ھن به۔

اور جب ان کا رہن ہی باطل ہے تو پھر منتقل الیہ کا اسے نیلام کرانا اور شیخ عبدالحکیم کا اسکو خریدنا اور دیگر مساجد کے نام وقف کرنا اور ان کے متولیان کا اس سے آمدنی حاصل کر کے ان مساجد پر صرف کرنا سب نادرست وناجائز ہے۔لہٰذا شرعا وقف اول وقف ہے اور دوسرے کو وقف کہنا بلکہ سمجھنا بھی بے اصل اور بالکل غلط ہے۔اسی بناپر متولی جامع مسجد کا اس وقف پر تصرف جائز وصحیح اور دیگر مساجد کے متولیان کو اس پر کسی طرح کے تصرف کا حق حاصل نہیں تو ان متولیان کو متولی جامع مسجد کے مقابل کسی کاروائی کا شرعاً کوئی حق نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔۲۹ ر

ربیع الاول شریف ۱۳۷۳ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۹۳)

کیافرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع عظام اس مسئلہ میں کہ

کوئی آدمی بکری یا بھیڑ کا بچہ کسی کو ہبہ کردے تو وہ آدمی جس کو بچہ ہبہ کردیا گیا ہے وہ اس کو اچھی طرح پالکر موٹا تازہ کر کے قربانی کرنا چاہتا ہے تو کیا ہبہ کی ہوئی چیز کی بغیر قیمت ادا کئے ہوئے قربانی کرنا جائز ہوگا یا نہیں کیا ایسے جانور کی جو چھوٹی عمر میں ہبہ کردیا گا تھا قیمت ادا کرنا ضروری ہے۔

محمد شفیع مدرس مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد سادول پور ضلع چورو راجستھان

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

کسی چیز کے ہبہ کرنے سے موہوب لہ یعنی جس کو ہبہ کیا گیا ہے وہ اس چیز کا شرعا مالک ہوجاتا ہے اور جب وہ مالک ہوگیا۔تو وہ اس پر ہرطرح کا تصرف کرسکتا ہے لہذا ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۹۴)

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس مسئلہ ذیل میں۔

ایک مسمی عبدالصمد خاں نے اپنی جائیداد ومکان وقف علی الاولاد ۲۰ر مارچ ۱۹۳۳ء کو کیا ان کی دلی منشا اپنے بھتیجے مسمی سردار محمد خاں کو متولی بنانے کی تھی مگر تحریر وقف نامہ کے وقت کاتب کی غلطی سے سردار محمد خاں مذکور کا بڑا بھائی الیاس محمد خاں کا نام وقف نامہ میں بحیثیت متولی درج ہوگیا حالانکہ الیاس محمد خاں تحریر وقف نامہ سے تقریبا ۱۲ر سال پہلے فوت ہوچکا لہذا عبدالصمد خاں واقف نے ایک تتمہ سردار محمد خاں کے نام ۱۹۵۹ء کو تحریر کیا کہ میرے بعد میرا بھتیجا سردار محمد خاں متولی وقف مذکور کا رہے گا اور میری بیوی کا بھی انتقال ہوچکا ہے۔دریافت طلب یہ امر ہے کہ عبدالصمد خاں واقف کا سردار محمد خاں کو متولی

وقف بنانا شرعاً صحیح ہے یا نہیں۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جب تک واقف عبدالصمد خاں زندہ ہے اس کو تاحیات وقف میں تصرف کا حق حاصل ہے۔

شامی میں ہے۔

الولاية للواقف ثابتة مدة حياته۔

تو اگر فرض کر لیجئے کہ اس نے غلطی سے انیاس محمد خاں کو متولی بنادیا اور وہ اس سے برسوں پہلے فوت ہو چکا ہے تو واقف کا تصرف واختیار پھر باقی ہے تو اس کا تتمہ میں سردار محمد خاں کو متولی بنادینا صحیح ہوگیا اور اس کے اس قول سے پہلے قول کا منسوخ ہو جانا ثابت ہو چکا پہلے وقف نامہ کے غلط ہونے پر یہ چند امور شاہد ہیں۔

(۱) متولی ہمیشہ زندہ کو کیا جاتا ہے تاکہ وہ وقف کی محافظت کرے اور اس میں تصرف کرے اور ظاہر ہے کہ مردہ نہ محافظت وقف کا اہل ہے نہ صاحب تصرف ہے۔

(۲) اگر پہلے وقف نامہ میں یہ غلطی نہ ہوتی تو اس کو تتمہ کی حاجت پیش نہ آتی۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ اس وقف عبدالصمد خاں کا متولی سردار محمد خاں شرعاً وعقلاً قرار پایا اور الیاس محمد خاں کا متولی ہونا کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۶ رذی الحجہ ۱۳۷۹ھ

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل



﴿۷۸﴾

باب الشہادت

مسئلہ (۷۹۵)

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل مندرجہ ذیل میں کہ

اگر کوئی شخص لاؤڈ اسپیکر میں اپنی بی بی کو طلاق دے یا خرید وفروخت کرے تو اس کی طلاق کی بائع کی شہادت دینا جائز ہے یا نہیں؟۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صرف دور سے لاؤڈ اسپیکر کی آواز سنکر شہادت دینا جائز نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے: اذا علمت مثل الشمس فاشهدوالا فدع۔

(ہدایہ اخرین۔ص ۱۸۷)

ہدایہ میں ہے: ولو سمع من وراء الحجاب لايجوز له ان يشهد۔

(ہدایہ آخرین ص ۱۸۸)

عینی شرح کنز الدقائق میں ہے: ولو سمع من وراء الحجاب اراد شخص لايسعه ان يشهد لاحتمال ان يكون غيره اذا لنغمة تشبه النغمة ۔(عینی مصری ج ۲ ص ۷۹)

جوہرہ نیرہ شرح قدوری میں ہے: ولو سمعه من وراء الحجاب لايجوز ان يشهد ولو فسده الصوت للقاضي لايقبله لان النغمة تشبه النغمة ۔(جوہرہ نیرہ ج ۲ ص ۲۹۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۹۶)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ

تین اشخاص نے خصوصاً جن میں ایک حاجی صاحب بھی تھے اور بھی چند شخصوں نے ایک قاضی صاحب کے روبرو شہادت بحلف شرعی دی کہ مسماۃ زاہدہ بیگم عرف منی بنت شفاعت خاں عرف سفو خاں ساکن محلّہ نخاسہ بلدہ سنبھل کو اس کے خاوند فریاد حسین ولد کفایت اللہ ساکن محلّہ نخاسہ بلدہ سنبھل نے ہمارے روبرو طلاق دیدی ہے اور عدت گذر چکی ہے اور زاہدہ بیگم نے بھی بحلف یہی اقرار کیا کہ مجھ کو طلاق ہو چکی ہے اور عدت بھی گذر چکی ہے قاضی صاحب نے گواہوں کی حلفیہ گواہی اور چند شخصوں کی تائید پر اعتماد کرتے ہوئے زاہدہ بیگم کا نکاح پڑھا دیا کوئی ذاتی علم قاضی صاحب کو طلاق ہونے نہ ہونے کا نہ تھا بعد کو معلوم ہوا کہ زاہدہ بیگم کو اس کے خاوند نے طلاق نہیں دی ہے اور گواہوں نے جھوٹی گواہی حلفیہ دی تھی اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ قاضی صاحب نے گواہوں کی حلفیہ گواہی پر اعتماد کرتے ہوئے جو نکاح پڑھایا ہے شرعاً قاضی صاحب پر کوئی جرم ہے یا نہیں۔

المتلمس اشتیاق محمد خاں چودھری سرائے سنبھل

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اس مسماۃ زاہدہ بیگم کی طلاق سے اگر خود قاضی صاحب تو بالکل لاعلم اور بے خبر تھے اور ان کے سامنے شرعی شاہدوں نے اس مسماۃ کو اس کے شوہر فریاد کا اپنے روبرو طلاق دینا بیان کیا۔ قاضی صاحب نے اس شرعی شہادت کے گذر جانے کی بنا پر اس مسماۃ کا دوسرے شخص سے نکاح پڑھا دیا تو شرعا قاضی صاحب تو مجرم ثابت نہیں ہوئے اور اس طلاق کی جھوٹی شہادت کا گناہ عظیم۔ اور اس خلاف شرع نکاح ہونے کا شدید جرم اور اس پر مرتب ہونے والے حرام کا سارا وبال ان جھوٹے گواہوں اور خود اس مسماۃ مذکور اور اس کے ان اولیاء واقارب پر ہے جنھوں نے جان بوجھ کر ان امور میں سعی یا شرکت کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۱۸ صفر المظفر ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۹۷)

ہادی دین جامع العلوم جناب مفتی صاحب سلام مسنون کے بعد واضح ہو کہ آپ برائے مہربانی

مسائل ذیل کے جواب باقاعدہ معہ مہر کے تحریر فرمادیجئے گا۔

(۱) اگر کسی عدالت وقت میں کوئی مسلمان دعوی وبیان نکاح فاسد کرے اس کے حق میں شرع نے کیا حکم دیا ہے؟۔

(۲) اگر کسی کی عدالت میں بیان کیا جاوے نکاح ہوا اور قاضی کو نابینا اور مرا ہوا بیان کریں تو شرعا یہ بات مان لی جائیگی یا نہیں؟۔

(۳) وکیل گواہان خود جس سے نکاح ہونا بیان کریں اور وہ اپنے بیان میں بوقت ذکر اجازت نکاح یہ نہیں کہتے یہ اس مہر پر نکاح کی اجازت دی لہذا اس صورت میں نکاح جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟۔

المستفتی، مقصود احمد بہارجین مدین پور پرگنہ سنبھل

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(۱) جھوٹا دعویٰ کرنے والا اور کسی پر جھوٹ نکاح ثابت کرنے والا شرعاً سخت مجرم وگنہگار ومفتری وفاسق ہے۔

(۲) فقط ایک شخص کے یہ کہہ دینے سے کہ فلاں شخص کا فلاں سے نکاح ہوا شرعا ان کے مابین نکاح ثابت نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لئے غیر فاسق عادل گواہان کی شہادت شرعی ضروری ہے اور اسی طرح قاضی کا نابینا ہونا اور مرا ہوا ہونا محض اس کے بیان سے ثابت نہیں ہوسکتا۔ جبتک اس پر شہادت شرعی نہ گذرے۔

(۳) نکاح میں قبول اور ایجاب کا ہونا ضروری ہے اگر عورت کی طرف سے اجازت نہیں حاصل کی گئی تو ہرگز نکاح نہ ہوگا لیکن اس کی اجازت میں مہر کا ذکر کرنا ضروری نہیں کہ شرعا بلا ذکر مہر کے بھی نکاح ہو جاتا ہے مگر اس صورت میں شرعاً مہر مثل لازم ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۹۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین ومجتہدین دین ومفتیان شریعت اس سلسلہ میں کہ

ایک عورت قریب ایک سال ہوا بیوہ ہوئی۔ اس کے ایک سوتیلی لڑکی ہے لڑکی کے ورثاء نے یہ خیال اس کے کہ متوفی کی جائیداد اور صحرائی بیوہ کو نہ پہونچے بلکہ لڑکی سوتیلی کو پہونچ جاوے یہ امر ثابت کرنے کی کوشش کی کہ متوفی شوہر نے قریب زائد از چالیس سال ہوئے طلاق دے دی تھی اور زائد از چالیس سال ہوئے اس عورت نے ایک اور شخص سکنہ حال رام پور سے نکاح کر لیا تھا چنانچہ اس کی تائید میں رامپور کے اس شخص کو پیش کیا جس نے کہہ دیا کہ میرے ساتھ نکاح ہوا تھا پھر میرے گھر سے اسی زمانہ میں چلی آئی تھی میں نے کوئی پیچھا نہیں کیا اور ساتھ ہی ایک قاضی نکاح خواں کو پیش کیا کہ میں نے نکاح پڑھا ہے اور یہ رسید نکاح میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، اس کا کوئی گواہ وکیل پیش نہیں ہوا اور نہ اس رسید پر زوج، زوجہ، وکیل، گواہان کے دستخط ہیں۔ آیا ایسی صورت میں یہ رسید نکاح جائز مانی جاوے گی یا ناجائز اصل رجسٹر کے متعلق کہلا دیا کہ ۴۷ء کے مروس میں سوخت ہو چکا ہے مسئلہ سے مطلع فرمائیگا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اس عورت کے نکاح ثانی کے صحیح ہونے کے لئے سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ شوہر اول کا طلاق دیدینا ثابت ہو جائے اور ثبوت طلاق کے لئے شرعا دو شاہدان عدل کی شہادت شرعی کا پایا جانا ورنہ کم از کم اس عورت کا یہ اقرار کرنا ضروری ہے کہ مجھے شوہر اول طلاق دے چکا ہے اور بصورت عدم شہادت واقرار کہ اس عورت پر طلاق ثابت نہیں ہو سکتی اور جب اس عورت کا مطلقہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا تو یہ عورت شوہر والی عورت قرار پائی اور شوہر والی عورت کا دوسرا نکاح سرے سے باطل وحرام ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے ﴿والمحصنت من النساء﴾ یعنی تم پر شوہر والی عورتوں کا نکاح کرنا حرام کر دیا تو اس صورت میں اس نام کے شوہر ثانی کا شوہر اول کی موجودگی میں اس شوہر والی عورت سے نکاح ثانی کرنیکا اقرار شرعاً باطل وحرام ہے۔ اور بحکم قرآن ایسا نکاح حرام ثابت ہوا۔ لہذا اس شوہر ثانی کا یہ اقرار اور قاضی نکاح خوان کی شہادت صریح جھوٹ اور فریب قرار پائی اور وہ رسید نکاح غلط وباطل ٹھہری۔ اور بصورت ثبوت طلاق کے کہ دو شاہدان عدل کی شرعی شہادت اس امر پر موجود ہو کہ شوہر اول نے اس عورت کو طلاق ہمارے سامنے دے دی ہے ورنہ کم از کم وہ عورت یہ اقرار کرے کہ مجھے شوہر اول نے طلاق دیدی ہے۔ تو اس شخص ساکن رام پور کے ساتھ نکاح ثانی ثابت ہونے کے لئے بھی دو شاہدان غیر فاسق کی شہادت شرعی ہونا ضروری ہے۔ ہاں اگر شاہدان نکاح کا اس وقت وجود نہ ہو تو کم

از کم یہ عورت اقرار کرے کہ میرا اس شخص سے بعد گذر جانے عدت طلاق کے نکاح ثانی ہوا تھا جس کے فلاں فلاں شاہد تھے۔ لیکن سوال میں اس عورت کا نکاح ثانی کے لئے ایسا اقرار بھی مذکور نہیں ہے بلکہ اس سے یہ مترشح ہو رہا ہے کہ یہ عورت طلاق اور نکاح ثانی کی منکر ہے۔ اور نکاح ثانی کے شاہدان بھی فرضی معلوم ہوتے ہیں کہ رسید نکاح پر ان کے دستخط یا نشان انگوٹھا ثبت نہیں ہے تو بصورت انکار زوجہ وعدم شہادت نکاح کے صرف اس شخص کا اس عورت سے نکاح ثانی کا دعوی کرنا شرعا حجت نہیں۔ نہ ایسا بے ثبوت دعوی قابل قبول ہو سکتا ہے۔

اب باقی رہا اس شہادت میں قاضی نکاح خواں کا پیش کرنا اور اس قاضی کا اپنی شہادت کے ثبوت میں ایسی رسید کا پیش کرنا جس پر زوجین اور وکیل وگواہان کے دستخط ونشان انگوٹھ تک ثبت نہ ہوں۔ تو نہ صرف قاضی کی شہادت کافی نہ ایسی غیر معتبر رسید حجت شرعی۔ خصوصا جب قاضی یہ بھی کہتا ہے کہ اصل رجسٹر نکاح سوخت ہو چکا ہے تو اس رسید کے غیر معتبر ہونے کے لئے خود اس کا یہ قول مزید بین دلیل ہے۔ لہذا اس عورت، کے نکاح ثانی کے ثبوت کے لئے نہ صرف قاضی کا ایک بیان دلیل شرعی ہے نہ ایسی غیر معتبر رسید حجت قطعی ہے کہ فقہاء کرام کا مشہور قاعدہ ہے " الخط يشبه الخط "علاوہ بریں یہاں جائداد کا سوال ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے اس دور پر فتن میں کس قدر فریب کتنی جعلسازیاں کی جاتی ہیں۔ جھوٹے گواہان کو رقم دیکر کتنا صریح جھوٹ بلوایا جاتا ہے۔ حاکم کے روبرو طرح طرح کے انتہائی دجل وکذب۔ سے کام لیا جاتا ہے خصوصا ثبوت نکاح کے لئے قاضی کو کچھ رقم دیکر نکاح پڑھا دینے کا اقرار کرا دینا اور اس قاضی کا اپنے ثبوت میں پیش کرنے کے لئے جعلی رسید کا بنا دینا بلکہ خود رجسٹر نکاح میں تصرف کر ڈالنا یہ دن رات مشاہدات ہیں۔ لہذا ہمارے زمانہ میں کسی نکاح کے ثبوت کے لئے صرف ایک قاضی کی گواہی اور ایسی جعلی رسید ہرگز ہرگز کافی نہیں بلکہ یہ تو کبھی عدم نکاح کی دلیل بن جاتے ہیں۔ بالجملہ اس صورت میں ایسی رسید نکاح شرعا نہ حجت نہ صرف قاضی کا بیان دلیل شرعی ہے تو اس عورت کا اس رامپور کے شخص سے نکاح ثانی ثابت نہیں ہوا۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

۲۰ محرم الحرام ۱۳۷۸ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۷۹۹)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں

(۱) کیا فقط عورت کے بیان سے طلاق ثابت ہوسکتی ہے؟۔

(۲) کیا اگر عورت کی رشتہ دار دو عورتیں گواہی دیں تو ان کی گواہی سے طلاق ثابت ہوسکتی ہے؟

(۳) کیا طلاق دیدونگا کے لفظ سے طلاق واقع ہوجاتی ہے؟۔

(۴) کیا ایک طلاق صریح سے عورت نکاح سے باہر ہوجاتی ہے؟ ۔ اور مرد کو حق رجعت باقی نہیں رہتا ہے، اور طلاق رجعی کسے کہتے ہیں؟۔

(۶) کیا ایک ہی طلاق رجعی ہوتی ہے یا دو بھی رجعی ہوجاتی ہے؟۔

(۷) کیا طلاق رجعی کے بعد عورت مرد باہمی ارتباط کیساتھ ایک ہفتہ رہیں اور تعلقات زن وشوہر جاری رہیں تو یہ رجعت ہوگی یا نہیں؟۔ بینوا توجروا۔

المستفتی قاضی عرفان الحق محلہ شیخیا پورہ بہرائچ۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) اثبات طلاق میں نصاب شہادت کیلئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں شرط ہیں۔ فقہ کی مشہور کتاب فتاوی عالمگیری جلد سوم مطبوعہ مجیدی کانپور میں ہے:

ومنها الشهادة بغير الحدود والقصاص وما لا يطلع عليه الرجال وشرط فيها شهادة رجلين او رجل وامراتين سواء كان الحق مالا او غير مال كالنكاح والطلاق والعتاق والوكالة والوصايا ونحو ذلك ۔ (عالمگیری ص ۲۰۳ ج ۳۔)

اور شہادت کی وہ قسم جو حدود وقصاص اور جس پر مرد مطلع نہ ہوتے ہوں ان کے علاوہ امور کی اسمیں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں شہادت میں شرط ہیں اب حق از قسم مال ہو یا غیر مال جیسے نکاح۔ طلاق۔ وکالت وصایت اور انکی مثل۔

تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے:

ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا او غيره كنكاح و طلاق ووكالة ووصية واستهلال صبی ولو للارث رجلان اورجل وامراتين ملخصا۔

(ردالمحتار۔ ص ۳۸۷ ج ۴)

اور شہادت کی وہ قسم جو حدود وقصاص اور ان کے علاوہ حقوق کیلئے ہے وہ حق مال ہو یا غیر مال جیسے نکاح۔ طلاق۔ وکالت۔ وصیت۔ گریہ مولود بغرض میراث دو مرد ہیں یا ایک مرد اور دو عورتیں۔

ان عبارات سے ظاہر ہوگیا کہ فقط عورت کی گواہی سے طلاق ثابت نہیں ہوسکتی واللہ تعالی اعلم بالصوب۔

(۲) اثبات طلاق میں بغیر ایک مرد کے فقط عورتوں کی گواہی مقبول نہیں۔

فتاوی عالمگیری جلد سوم مطبوعہ مذکور کے ص ۲۰۶ میں ہے:

ولا تقبل شهادة النساء وحدهن الاشهادة القابلة على او لادة فی حق النسب دون الميراث هكذا فی قاضی خان ۔

فقط عورتوں کی شہادت مقبول نہیں مگر وقت پیدائش کی شہادت دایہ صرف حق نسب میں معتبر ہے نہ میراث کے ثابت ہونے کیلئے اسی طرح قاضی خاں میں ہے۔

(۳) لفظ طلاق دونگا کے کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:

لو قال هويت طلاقك او احب طلاقك او رضيت طلاقك او اردت طلاقك لا تطلق وان نوى۔ (عالمگیری ص ۵۲ ج ۲)

اگر کہا میں تیری طلاق چاہتا ہوں یا مجھے تیری طلاق محبوب ہے یا میں تیری طلاق سے راضی ہوا یا میں تیری طلاق کا ارادہ رکھتا ہوں تو ان الفاظ سے اسے طلاق نہ ہوگی اگرچہ مرد نے نیت کی ہو۔

لہذ جس طرح ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اس طرح لفظ طلاق دونگا سے طلاق واقع نہیں ہوتی کہ اس میں بھی یا عورت کو تنبیہ کرنا چاہتا ہے یا اس سے اپنا ارادہ ظاہر کرتا ہے یا وعدہ کرتا ہے لیکن اسوقت طلاق واقع نہیں کرتا۔ علاوہ بریں اس لفظ میں عورت کی طرف نسبت واضافت نہیں تو اس لفظ سے طلاق نہیں ہوئی واللہ تعا اعلم

(۴) ایک صریح سے عورت تا انقضائے عدت نکاح سے خارج نہیں ہوتی، مرد کو آخر عدت تک رجعت کا حق رہتا ہے۔

جامع العلوم میں ہے:

الطلاق الصريح كل لفظ موضوع للطلاق بين قوم لا يريدون به الا الطلاق فهو

صریح عربیا کا ن او فا رسیا او غیر ذالک والواقع بہ الطلاق الرجعی اذا کا نت مد خولۃ۔

(جامع العلوم ص۲۸۰ ج۲)

طلاق صریح کا ہر وہ لفظ ہے جو لوگوں میں طلاق کیلئے وضع کیا گیا ہو اور لوگ اس سے طلاق ہی کا ارادہ کرتے ہوں وہ صریح ہے اب وہ لفظ عربی کا ہو یا فارسی کا یا کسی اور زبان کا اور جب وہ عورت مدخولہ ہے تو اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

فتاوے عالمگیری میں ہے:

الطلاق الصریح وھو کانت طالق ومطلقۃ وطلقتك وتقع واحدۃ رجعیۃ۔

(عالمگیری ص۴۵ ج۲)

طلاق صریح جیسے تو طلاق والی ہے، یا طلاق دی ہوئی ہے، یا میں نے تجھے طلاق دی، تو ان الفاظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

لہذا ایک طلاق صریح سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور رجعی سے عورت نکاح سے باہر نہیں ہوتی اور مرد کو حق رجعت باقی رہتا ہے واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

(۵) طلاق رجعی کی تعریف فقہائے کرام نے یہ تحریر فرمائی ہے۔ جامع العلوم مطبوعہ دائرہ المعارف کے ص۳۸۱ ج۲ میں ہے:

الطلاق الرجعی ھو الطلاق الذی لا یحرم الوطی فی العدۃ ویکون النکاح باقیا علی ما کان عند مضی العدۃ تبین فیحرم الوطی ودواعیہ ویحتاج الی نکاح جدید.

طلاق رجعی وہ طلاق ہے جس سے عدت میں وطی حرام نہ ہو اور نکاح جیسا تھا ویسا ہی باقی رہتا ہے اور عدت گذرنے کے بعد وہ عورت بائنہ ہو جائے گی تو وطی اور دواعی حرم ہونگے اور نئے نکاح کی حاجت ہوگی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

الرجعی (فی الطلاق) ابقاء النکاح علی ما کان ما دامت فی العدۃ۔

(عالمگیری ص۱۰۹ ج۲)

طلاق کا رجعی ہونا نکاح جیسا تھا اسکا باقی رکھنا ہے جب تک وہ عورت عدت میں رہے۔

(۶) طلاق رجعی دو بھی ہوتی ہیں۔ چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولو قال انت طالق الطلاق وقال: عنیت بقولی طالق واحدۃ وبقولی الطلاق اخری فتقع رجعیتان ان کانت مدخولا بھا۔

(عالمگیری ص۳۴۹ ج۲)

اگر کہا تو طلاق سے طالق ہے اور کہا میں نے اپنے قول طالق سے ایک طلاق مراد لی اور اپنے قول طلاق سے دوسری طلاق۔ تو اگر وہ عورت مدخولہ ہے تو دو طلاق رجعی واقع ہوئیں۔

درمختار میں ہے:

وقعتا رجعیتا ن لو مدخولا بھا کقولہ انت طالق انت طالق۔

(ردالمحتار ص۳۴۳ ج۲)

اور دو طلاقیں رجعی واقع ہونگی اگر وہ مدخولہ ہو مثل اس کے قول سے کہ تو طلاق والی ہے، تو طلاق والی ہے۔

(۷) طلاق رجعی کے بعد جب مرد نے عورت کیساتھ ایک ہفتہ تک زن وشوہر کے تعلقات جاری رکھے اور پہلی مرتبہ ہی جب وطی کی یا اس کے دواعی بشہوت کیے تو بلاشک رجعت ہوگئی۔

فتاوے عالمگیری میں ہے:

و ان رجعھا بالفعل مثل ان یطأھا او یقبلھا بشھوۃ او ینظر الی فرجھا بشھوۃ فانہ یصیر مراجعا عندنا۔

(عالمگیری ص۱۰۹ ج۲)

ردالمحتار میں ہے: لو طلقھا وھو مقیم معھا یعاشر معاشرۃ الازواج لیس لھا التزوج۔

(ردالمحتار مصری ص۵۵۰ ج۲)

ان ہر دو عبارات کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ مرد نے اپنی عورت کو طلاق رجعی دی اور اس نے قول سے رجعت نہیں کی یعنی الفاظ رجعت زبان سے نہ کہے بلکہ صرف فعل سے اس طرح رجعت کی کہ وہ مرد اس عورت کیساتھ بالکل اسی طرح رہا جس طرح مرد عورت کے کیساتھ معاشرت کرتا ہے یہانتک کہ وطی اور دواعی بشہوت ہوئے تو عند الفقہا وہ مرد رجعت کرنیوالا قرار پائے گا اور اسکا یہ فعل رجعت ہوگا اور اس عورت کو کسی دوسرے سے نکاح کرنے کا حق حاصل نہیں۔ تو اب حاصل جواب یہ ہے کہ جب طلاق رجعی کے بعد مرد وعورت کے ہفتہ بھر تک تعلقات زن وشوہر سے رہے اور باہمی خوب ارتباط رہا تو بلاشک رجعت ہوگئی اور وہ عورت کسی اور سے اپنا دوسرا نکاح ہرگز ہرگز نہیں کر

سکتی۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

سوال بخدمت اقدس حضرت مولانا مولوی قاری مفتی اجمل شاہ صاحب دامت برکاتہم۔

التماس ہے کہ مندرجہ ذیل سوالوں کا شافی مفصل اور عام فہم جواب عطا فرما کر ممنون فرمائیں گے

مسئلہ (۸۰۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) زید نے اپنی دور کی رشتے کی خالہ سے زنا کیا۔ زید کی خالہ کے زید سے حمل رہ گیا یہاں کے مقامی مسلمانوں کی با اثر با عزت جماعت نے مذکورہ عورت سے اس ناجائز حمل کے بارے میں دریافت کیا تو عورت نے حلفیہ قسم کھا کر اور خدا کو حاضر وناظر جان کر تین بار زید کا نام لیا۔ جماعت نے جب زید کو طلب کیا تو اس نے آنے سے انکار کر دیا آخر جماعت نے زید کو آنے کے لئے مجبور کیا تو زید نہیں آیا۔ زید اتنا سرکش ونافرمان ہو گیا ہے کہ وہ اپنے دوستوں سے حلفیہ کہتا ہے میں تو بھونرا ہوں میرا کام پھولوں کا رس پینا ہے۔ مقامی جماعت نے زید کو اس گناہ پر توبہ کے بجائے یہ مذکورہ لفظ سنکر آپس میں یہ طے کر لیا ہے کہ زید کے گھرانے سے قطع تعلق کر لیا جائے۔

یہ فیصلہ ہونے کے بعد جماعت نے زید اور اس کے والد سے بول چال بیٹھنا اٹھنا کسی بھی تقریب میں اس کے یہاں آنا جانا اس کو بلانا قطعی بند کر دیا ہے۔

(۲) زید کے والدین یہاں کے مقامی مولوی صاحب کے پاس گئے اور انہیں اپنے خیال کے موافق بنالیا اور ان کے نزدیک اپنی کامیابی پر خوش ہو کر انہوں نے مولوی صاحب کے بمع چند احباب کے دعوت بھی کی اور مقامی مولوی صاحب معہ چند احباب کے زید کے یہاں دعوت طعام مین تشریف بھی لے گئے۔ اس جماعت نے زید کے گھرانے سے قطع تعلق کیا تھا وہ یہی مولوی صاحب سے عقیدت رکھتی ہے مگر ان کا یہ حال دیکھ کر بدظن ہو گئی ہے۔

آخر جماعت نے یہ طے کیا کہ چند لوگ مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر خود تمام حالات عرض کریں۔ آخر دوسرے دن قریبا جماعت کے آدمیوں میں سے پندرہ بیس اشخاص مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے طرز گفتگو بعینہ تحریر ہے؛

مولانا: آپ لوگ کیوں آئے ہیں؟

جماعت کا ایک شخص: حضور (زانی کا نام) معاملہ کو طے کرانا ہے۔

مولانا: (بہت غصہ میں) کیا شرعی نقطہ نظر سے جماعت نے انہیں بند کیا ہے۔؟

جماعت میں سے ایک شخص: جی ہاں حضور شرعی نقطہ نظر سے ہم نے قطع تعلق بند کیا ہے۔ نیز حضور کو ہی ایک زانی کے یہاں نہ جانا چاہئے نہ کھانا چاہئے۔

مولانا: میں تو جاؤں گا بھی اور کھاؤں گا بھی جب تک کسی عالم کا فتوی نہ ہو۔ (حالانکہ مولوی صاحب خود فتوی دیا کرتے ہیں)

جماعت کا ایک شخص: حضور جماعت کا فیصلہ تو حق پر ہے، مطابق اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اور جب ہم حق پر ہیں تو حضور کو بھی مطابق رسول کے جماعت کا ساتھ دینا چاہئے نہ کے زانی کا۔

مولانا: ثبوت؟

جماعت کا شخص: یا ایہا الذین آمنو کونو اقوامین ۔۔تا۔۔ واتقوا اللہ (سورۃ مائدۃ۔پ۶)

اے ایمان والو اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو اور کسی خاص قوموں کی عداوت تمہارا خیال نہ ہو کہ تم عدل نہ کرو بلکہ انصاف کیا کرو اس لئے کہ خدا انصاف کرنے والے لوگوں کے ساتھ ہے اور خدا سے ڈرو۔

دوسری جگہ: و ان حکمت فاحکم بینھم ۔۔۔ تا ۔۔ مقسطبین ،۔ جماعت کے شخص نے جب یہ آیتیں پڑھیں تو مولانا صاحب فرماتے ہیں: کون سے قرآن کی یہ آیتیں ہے؟

جماعت کا شخص،: حضور کیا قرآن بھی دو ہیں، قرآن تو ایک ہی ہے جو ہمارے پیشوا حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے جس میں ہمارا ایمان ہے، قرآن میں سے ہی مائدہ پ ۶ سے یاد کی ہیں۔

مولانا: ہونگی کسی قرآن کی (نعوذ با اللہ من ذلك) میں نہیں جانتا۔ نہ تمہاری جماعت کو کچھ سمجھتا ہوں)

جماعت ناکام واپس گھر آ گئی۔

محترم المقام صاحب مندرجہ بالا سوالات اور جواب سے سارا شہر پریشان ہے سب مولانا کی اس حرکت پر اور ملامت کرتا ہے، حتی کہ ان کے خاص خاص مریدین بھی ان کے اس مذموم جوابات سے

بدظن ہوگئے۔ حضور والا سے عرض ہے کہ مقامی مولانا کے لئے زید اور اسی کے والد کے لئے نیز جماعت کے حق میں شرعی فیصلہ جو ہو جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر واقعہ یہ ہے کہ عورت اقرار کرتی ہے کہ مجھ سے زنا کیا گیا ہے تو اس عورت کا زانیہ ہونا تو خود اس کے اپنے اقرار ہی سے ثابت ہوگیا کہ یہ اقرار اس کے حق میں تو حجت شرعیہ ہے۔

ردالمحتار میں ہے: و اقراره حجة على نفسه۔ (ردالمحتار۔ ج۴۔ ص۴۸۸)

باقی رہا عورت کا یہ قول کہ مجھ سے زید نے زنا کیا ہے اور اس کا یہ حمل ہے، تو اس عورت کا اقرار دوسرے کے لئے حجت شرعی نہیں۔ درمختار میں ہے: الا قرار حجة قاصرة على المقر و لا يتعدى الى غيره۔ (ردالمحتار۔ ج۴۔ ص۴۸۸)

تو زید کا زانی ہونا صرف اس عورت کے اقرار سے ثابت نہیں ہوتا، اور سوال میں زید کے زانی ہونے پر حجج شرعیہ میں سے نہ تو بینہ یعنی شہادت شرعیہ کا ذکر ہے نہ خود زید کا اقرار ہی مذکور ہے اور جن الفاظ میں تھا اس کو خود ہی سائل نے قلم زد کر دیا تو وہ قابل اعتبار نہیں۔ نہ نکول کا بیان ہے۔ اور حجج شرعیہ صرف یہی تین ہیں۔ فتاوے خیریہ میں ہے:۔ حجج الشرع الشريف ثلاث البينة والا قرار و النكول۔ (خیریہ ج۱ ص۲۰۴)

تو جب ان حجتوں سے کوئی حجت نہیں پائی گئی تو اس جماعت نے زید کا زانی ہونا کس دلیل شرعی سے ثابت کیا اور یہ اس کا عمل کس حجت شرعی سے مانا۔

اب باقی رہا زید کا جماعت کے طلب کرنے پر نہ آنا، تو اس میں نہ تو نکول کے معنی متحقق ہوئے نہ صراحۃ اقرار زنا پایا گیا۔ تو جماعت کے طلب کرنے پر زید کا نہ آنا اس کے زانی ہو جانے کے لئے کوئی دلیل شرعی نہیں ہے۔

اب باقی رہا زید کا یہ کلام: میں تو بھونرا ہوں میرا کام پھولوں کا رس پینا ہے۔ ان الفاظ میں بھی زنا کا صریح اقرار نہیں ہے۔ اور فتاوے عالمگیری میں ہے" ولا بد ان يكون الا قرار صريحا ان بقرر البالغ العاقل على نفسه بالزنا اربع مرات فى اربعة مجالس المقر كذا فى الهداية۔ توجب ان الفاظ میں بھی زنا کا صریح اقرار ہی نہیں تو تو زید کے زانی ہونے کا ثبوت کس دلیل شرعی سے ثابت

ہوا، بالجملہ اس مقامی جماعت نے کس حجت شرعی کی بنا پر زید کے لئے زانی ہونیکا قطعی حکم دیا اور اس کے گھرانے سے قطع تعلق کو طے کیا۔ یہ سوال اگر مطابق واقعہ ہے تو جماعت کا یہ فیصلہ خود خلاف شرع ہے جو قابل عمل نہیں۔

(۲) جب زید کا زانی ہونا کسی حجت شرعیہ سے ثابت نہ ہوسکا اور جماعت کا اس کو زانی قرار دینا بلا ثبوت شرعی کے ہے تو مقامی مولوی صاحب کا جماعت کے غلط فیصلے کو نہ ماننا اور زید کو زانی قرار نہ دینا، شرعاً نہ تو کوئی جرم ہے نہ اس کی دعوت کھانا قابل ملامت ہے، بلکہ ان مولوی صاحب کا یہ قول۔ (میں زید کے گھر جاؤں گا بھی اور کھاؤں گا بھی جب تک کسی عالم کا فتوی نہ ہو۔) مجھ پر کوئی الزام شرعی عائد نہیں ہوتا۔ الزام اس جماعت پر ہے، جس نے مندرجہ فی السوال امور پر زید کے حق میں بلا کسی مفتی کے فتوے کے محض اپنی لاعلمی سے خلاف شرع فیصلہ طے کر لینے کی جرأت کی، اور بلا دلیل کے اپنے فیصلہ کو حق جاننا اور مطابق خدا اور رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ماننا۔

باقی رہا ان مولوی صاحب کا آیات قرآنی کے جواب میں یہ الفاظ کہنا کون سے قرآن کی یہ آیتیں ہیں اور ہوں گی کسی قرآن کی میں نہیں جانتا۔ ان میں قرآن کریم کی تخفیف شان ہے، اور سوء ادبی ہے اور اگر یہ الفاظ فی الواقع ان مولوی صاحب سے صادر ہوئے ہوں تو ان پر توبہ اور استغفار لازم ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کریں تو پھر وہ قابل ملامت اور لائق نفرت ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل



﴿۷۹﴾

باب الغصب

مسئلہ (۸۰۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کے بیٹے کا کچھ مال جو زید سے بالکل خورد ونوش کا تعلق علیحدہ رکھتا ہے عمر کے بھائی کی طرف اور وہ بھی زید کو یہ نہیں معلوم کہ عمر کے بھائی کے کیا مطالبات زید کے بیٹے کی طرف ہیں یا نہیں اور اگر ہیں تو غالباً وہ مال بھی تعداد میں بہت کم ہے اس مال کے مقابلہ میں جو آگے اسی مسئلہ میں رکھا جائے گا۔ اگر ایسی حالت میں زید عمر کے مال کو جو اس بھائی سے بالکل کاروبار علیحدہ کرتا ہے اور وہ تعداد میں زید کے بیٹے کے مال سے بہت زیادہ ہے اسی کے خود دبانے یا کسی دوسرے شخص کے پاس جو اس کا زیر اثر ہو دبوانے کی کوشش کرے جس سے عمر کو سخت نقصان پہنچتا ہو تو اس صورت میں زید کے ذمہ شرع شریف کیا جرم قائم کرتی ہے۔ اور ایسی حالت میں زید کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟۔ فقط

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جب عمر اور عمر کا بھائی بالکل ایک دوسرے سے علیحدہ ہے اور اپنے اپنے کاروبار و دیگر معاملات میں ایک دوسرے سے تعلق نہیں رکھتا اور زید کا بیٹا بھی زید سے خورد ونوش تک میں علیحدہ ہے۔ اور زید کے بیٹے کا مال بھی جو عمر کے بھائی پر ہے عمر کے مال سے بہت کم ہے تو باوجود امور بالا کے زید کا عمر کے مال کو دبانا یا دبوانا سراسر ظلم ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الا لا تظلموا، الا لا يحل مال امرء الا بطيب نفس منه۔

یعنی خبردار ظلم نہ کرو، خبردار کسی شخص کا مال حلال نہیں مگر اس کی خوشی سے۔

اور بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

من اخذ (ای اموال الناس) يريد اتلافها اتلفه الله عليه۔

یعنی جو شخص آدمیوں کا مال لے، اور اس کے ضائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اس

کو ضائع کردے گا۔

اور ایک حدیث میں تو یہاں تک وارد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مطل الغني ظلم۔ یعنی مالدار کا ٹالنا اور ادائے حق نہ کرنا ظلم ہے۔

لہٰذا یہ زید عمر کے مال دبانے کی وجہ سے ظالم بلکہ غاصب ٹھہرا۔

ہدایہ میں ہے: ان الغصب اثبات اليد على مال الغير على وجه يزيل يد المالك۔

یعنی غیر کے مال پر مالک کا قبضہ زائل کرکے اپنا قبضہ ثابت کرنا غصب کہلاتا ہے۔

تو زید یقیناً فاسق ہوا۔ پھر زید کا یہ گناہ اس کے مقتدیوں پر اتنا ظاہر ہوگیا کہ وہ اس کی امامت سے کراہت کرنے لگے تو پھر ان کو زید کا امامت کے لئے بڑھانا گناہ ہے۔

چنانچہ علامہ محقق حلبی غنیۃ میں فرماتے ہیں:

لو قدموا فاسقا يا ثمون بناء على ان كراهة تقديمه كراهة تحريمه۔

یعنی اگر مسلمان کسی فاسق کو امامت کے لئے آگے کریں گے تو گنہگار ہوں گے اور اس کا مقدم کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

اور نیز شامی حاشیہ درمختار میں ہے: اما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بانه لا يهتم لامر دينه وبان في تقديمه للامامة تعظيمه وقد وجب عليهم اهانته شرعا۔

یعنی فاسق کے آگے کرنے میں جو کراہت ہے اس کی فقہاء نے ایک تو یہ علت بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنے دینی امور میں کوشش نہیں کرتا۔ دوسری یہ علت بیان فرمائی ہے کہ امامت کے لئے لوگوں کو آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ مسلمانوں پر شرعاً اس کی اہانت واجب ہے۔ اور نیز یہ حکم بھی جب تک ہے کہ اس میں کوئی بداعتقادی نہ ہو۔ اس کی اور اس کے تمام مقتدیوں کی نمازیں سب برباد۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۰۲)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل میں

(۱) حق موروثیت آراضی کی پیداوار اپنے تصرف میں لانا جائز ہے یا ناجائز؟۔ لگان بھی ادا کیا

جاتا ہے۔

(۲) اراضی موروثی جو وراثۃ پہونچی ہے۔اس کا رکھنا جائز ہے یا نا جائز؟۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(۱) آراضی کی موروثیت شرعی کوئی حق نہیں ہے بلکہ یہ کاشتکار کا زمیں دار کی ملک کو غصب کر لینا ہے۔جس کا شرعاً ظلم و جبر ہونا ظاہر ہے۔اس کی پیداوار میں سے یہ اتنی مقدار لے سکتا ہے جتنا اس میں خرچ کیا ہے اور جو اس کے تمام اخراجات نکال دینے کے بعد زائد بچا تو اس کو اپنے خرچ میں لانا ممنوع ہے بلکہ اس کو زمیں دار کو اور اس کے ورثہ کو دے۔اور اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو ان کی طرف سے محتاج وغرباء کو بلانیت ثواب دیدے۔کہ یہ مال خبیث ہے۔اور مال خبیث کا مصرف فقراء و مساکین ہیں لگان اسی کے اخراجات میں داخل ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جب یہ موروثی اراضی مال غصب ہے تو اس میں وراثت جاری ہو نہیں سکتی کہ وراثت ملک میت میں ہوئی اور مال مغصوب کا تو وہ خود ہی مالک نہ تھا تو اس میں وراثت کیسے ہو سکتی ہے اس آراضی کو مالک یا اس کی اولاد کو واپس کر دینا ضروری تھا۔اب بھی اس کو اپنے قبضہ میں رکھنا ظلم و گناہ عظیم ہے۔اگر مورث نے اس کو نہیں چھوڑا تھا تو اس کے ورثہ اس آراضی کو مالک کی طرف واپس کر دیں۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۰۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ

اگر کوئی شخص کسی کا مال بغیر اجازت ورضامندی مالک از راہ چالاکی و جبر غصب کر کے کسی کار خیر میں لادے تو وہ شرعاً جائز ہے یا نا جائز؟۔فقط

المستفتی محمد شفیع الدین خاں ساکن سرائے ترین مورخہ ا جون ۱۹۵۸ء

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جو مال بغیر مرضی مالک کے کسی طرح جبر و غصب سے حاصل کیا جاوے وہ حرام و خبیث مال ہوا اور حرام و خبیث مال نہ تو کار خیر کے لائق ہے نہ شرعاً غاصب کو اس کے صرف کرنے کا حق حاصل نہ بعد علم کے ایسے مال خبیث کا کار خیر میں لگانا جائز ہے بلکہ اس غاصب پر فرض ہے کہ وہ جلد از جلد اس مال مغصوب کو اگر مالک زندہ ہے تو اس کو سونپ دے اور اگر مالک موجود نہ ہو تو اس کے ورثاء کو سپرد کرے اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر مال اس کی طرف سے صدقہ کردے۔

۲۱ شوال المکرم ۷۷؍۱۳ھ

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

کتاب الصید والذبائح

﴿۸۰﴾

باب الذبح

مسئلہ (۸۰۴)

جناب مولوی صاحب دام فیضہم

گزارش خدمت عالی میں ہے کہ بتاریخ ۱۱ جون ۳۱ء کو بھولو ساکن موضع آدم پور کے حولدار صاحب کی کندوری تھی جس میں بستی کے پندرہ سولہ شخصوں کی دعوت تھی۔ بروقت کھانے کے کل آدمیوں نے انکار کر دیا کہ ہم اس گوشت کو نہیں کھائیں گے۔ یہ چھدا فقیر کا ذبح کیا ہوا ہے۔ ذبح کنندہ ایسا شخص ہے کہ نہ نماز پڑھتا ہے نہ روزہ رکھتا ہے اور ایسی قوم کا کھانا کھاتا ہے جو علانیہ سور کھاتی ہے۔ ابھی چندر روز کا واقعہ ہے لال سہائے باغباں کی شادی میں کل فقیروں نے چاول کھائے ہیں یہ چاول اس برتن میں پکے تھے جس میں خاک روبوں نے بھی شادی میں بھی سور پکایا تھا بھولو روغن گر نے چھدا فقیر کو گالی دی اور کہا کہ تو قوم باغباں اور کھائی کے کھانے سے باز آ اور عہد کر چھدا نے ڈانٹنے کے بموجب عہد کر لیا۔ ابراہیم رنگریز نے منع کر دیا کہ ہم گوشت ہذا کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے اس واسطے کے محض چھدا کے ذبح کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ گوشت مدار صاحب کے نام کا بولا ہوا ہے اس وجہ سے بھی ناجائز ہے بھولو روغن گر نے کہا کہ تو اے ابراہیم مجھ سے رنج رکھتے ہو اس لئے منع کرتے ہو اور میرا نقصان چاہتے ہو اور جھوٹی بات بتلاتے ہو ابراہیم نے کہا اگر میں غلط کہتا ہوں تو سنبھل جا کر مولویوں سے معلوم کر لو بھولے نے کہا ہم کیوں معلوم کریں ابراہیم نے کہا کہ بحیثیت مسلمان ہونے کے معلوم کرو گے بھولو نے کہا کہ ہم مسلمان ہی نہیں تم اٹھ جاؤ۔ یہ سب لوگ کھانا کھائینگے۔ ابراہیم چلا آیا تفصیل ذیل نے وہ گوشت کھایا۔

مداری، ظہورا پیرا، مولا بخش آہنگر، نجارا میرا، جمعہ آہنگر، چینو، وزیرا، جھنڈو،

روشن نبی، چھٹوا دھوبی، غریباء، بھولو روغنگر۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ اس موضع میں عرصہ پندرہ سال سے مسجد بن گئی ہے اور تعداد میں پچیس گھر مسلمانوں کے ہیں اور جمعہ کے روز پینٹھ بھی ہوتی ہے اور چار آدمی سنبھل کے بھی آجاتے ہیں بغرض خرید وفروخت کے۔ ایک پنساری پڑھے لکھے ہیں ناظرہ قرآن شریف بھی پڑھتے ہیں وہ ہی جمعہ کی نماز

بھی پڑھاتے ہیں اور جس جمعہ کو وہ نہیں آتے اس روز جمعہ نہیں ہوتا۔ یہ موضع جناب نواب حاجی محمد عاشق حسین صاحب کا ہے۔ پیشتر جناب نواب صاحب پھر آکر موضع میں قیام پذیر ہوتے تو جمعہ پڑھتے تھے اب عرصہ چار سال سے وہ اور ان کے کارندے صاحبان بھی نہیں پڑھتے ہیں اور گاؤں میں جمعہ درست نہیں بتلاتے جب کہ ظہر کے فرض سر سے نہیں اترتے تو جمعہ کیونکر ادا ہو شہر سنبھل جاکر جمعہ پڑھو اس مسجد میں کوئی امام ومؤذن مقرر نہیں ہے۔ ایک شخص ابراہیم نام یہاں کا ساکن ہے اگر وہ ہوتا ہے مسجد میں اذان بھی پڑھ دیتا ہے اور کوئی شخص کسی وقت کی نماز میں آجاتا ہے تو جماعت کی نماز بھی پڑھا دیتا ہے۔ اور اگر گاؤں میں نہیں ہوتا ہے تو نہ اذان ہوتی ہے اور نہ جماعت ہوتی ہے بعض اوقات مسجد میں روشنی بھی نہیں ہوتی ہے۔ بوجہ نہ ہونے پابندی نماز کے البتہ رمضان شریف کے مہینہ میں جمعہ کے روز باہر کے نمازی افراط سے آجاتے ہیں مسجد بھر جاتی ہے مسجد میں دو جماعت اندر اور چار جماعت باہر ہو جاتی ہے۔ اس مسجد میں جمعہ ہونا چاہئے یا نہیں جواب دیجئے؟

الجواب

نحمده ونصلي على رسول الكريم

جہاں جہاں اس فرقہ وہابیہ دیوبندیہ کا نجس قدم پہنچا ہے وہاں دن رات اس طرح کے جھگڑے شب وروز قصے قضیئے ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ آئے دن نت نئے فسادات کرنا کرانا اس فرقہ کا شعار ہو گیا ہے۔ مسلمانوں کو کافر ومشرک بنانا معمولی معمولی فعل پر محض اپنی بدگمانی کی بنا پر بیچارے کلمہ گویوں پر کفر شرک کا حکم دیدینا ان کا ایک نہایت سہل کام ہو گیا ہے۔ لہٰذا منجملہ ان کا ایک یہ سوال بھی ہے۔ باوجود کہ یہ مسئلہ قرآن مجید، تفاسیر، احادیث کتب فقہیہ میں متعدد جگہ نہایت صراحت کے ساتھ موجود ہے لیکن چونکہ اس مضمون میں چند رسائل طبع ہو چکے ہیں لہٰذا میں نہایت اختصار کے ساتھ چند کلمات تحریر کروں گا۔

اقول: بلاشک وشبہ جس مسلمان نے وقت ذبح بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر کسی حلال جانور کو ذبح کیا اور وقت ذبح بھی غیر خدا کا نام نہیں لیا تو وہ ذبیحہ یقیناً حلال ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ما لكم ان لا تاكلوا مما ذكر اسم الله عليه" یعنی تمہیں کیا ہوا کہ نہ کھاؤ اس جانور سے جس کے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔

اب اس پر یہ عذر پیش کر دینا کہ اس جانور کو غیر خدا کے نام سے مشہور کیا جاتا ہے مثلاً مدار

صاحب کا مرغ، چہل تن کی گائے، غوث پاک کا بکرا وغیرہا اگرچہ ان پر وقت ذبح تسمیہ بھی پڑھا جائے لیکن پہلے سے جو اس پر غیر خدا کا نام منسوب ہے لہٰذا یہ تمام جانور حرام ہیں اور مسلمان اس کا گوشت نہ کھائے۔ اسی فرقہ وہابیہ کی جہالت اور حماقت کا بین ثبوت ہے کہ اہل زباں دو چیزوں کے درمیان ادنیٰ علاقہ اور معمولی تعلق کی وجہ سے ایک کی دوسرے کی طرف اضافت اور نسبت کر دیتے ہیں اور وہ الفاظ نہ فقط عوام ہی کی زبان بلکہ خواص اور اہل علم کی محتاط زبانوں پر بھی جاری وساری ہیں بطور مثال کے چند محاورات پیش کرتا ہوں۔

(۱) ظہر کی نماز (۲) جنازہ کی نماز (۳) مسافر کی نماز (۴) امام کی نماز (۵) مقتدی کی نماز (۶) والدین کی نماز (۷) چاندی کی زکوۃ (۸) سونے کی زکاۃ (۹) رمضان کے روزے (۱۰) ایام بیض کے روزے (۱۱) داؤد علیہ السلام کا روزہ وغیرہ محاورات بلکہ خاص ذبح کے متعلق ہی سنئے کہ جن میں قبل ذبح اور بعد ذبح دوسرے اغراض ومقاصد کا نام لیکر ہی پکارا جاتا ہے۔

مثلاً (۱) ولیمہ کی گائے (۲) عقیقہ کا جانور (۳) قربانی کا دنبہ۔ بلکہ قصاب تو اپنے نفع کی ہی نیت سے جانور ذبح کرتا ہے۔ لہٰذا اب کیا کسی عاقل کا یہ کام ہے کہ محض اس نسبت الی الغیر ہونے کی وجہ سے ان تمام امور کو ممنوع وناجائز کہے اور ان کو عبادت ہونے سے خارج کر دے اور ان کو بوجہ غیر خدا کی طرف منسوب ہونے کے کفر وشرک قرار دے کر جن سے یہ افعال صادر ہوں ان کو کافر اور مشرک بنا دے العیاذ باللہ تعالیٰ

بلکہ فقہائے کرام یہاں تک تصریح کرتے ہیں کہ اگر کسی جانور کا مالک مسلمان بھی نہ ہو اور اللہ عزوجل کے لئے ذبح کی نیت بھی نہ رکھتا ہو اور وقت ذبح وہ تسمیہ بھی اپنی زبان سے نہ کہتا ہو لیکن اس جانور کا ذبح کرنے والا مسلمان ہے اور وہ اللہ عزوجل کے لئے بوقت ذبح بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر اس جانور کو ذبح کرے تو ذبیحہ حلال ہے اور مسلمان کو اس کا کھانا جائز ہے۔ اگرچہ ورع اور تقویٰ کے خلاف ہے۔

فتاوی عالمگیری فتاوی تاتارخانیہ وجامع الفتاوی میں ہے:

مسلم ذبح شاة المجوسی لبیت نارهم او الکافر لالهتهم توکل لانه سمی الله تعالیٰ۔

الحاصل ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے ذبح کرنے والے کا اعتبار ہے مالک کی نیت اس کے

فعل میں موثر نہیں بلکہ ذبح سے پہلے خود اس ذبح کرنے والے کا بھی اعتبار نہیں۔ چنانچہ شامی میں ہے

ان المدار علی القصد عند ابتداء الذبح۔

یعنی ذبح کے وقت کا جو مقصد ہے وہی معتبر ہے۔

اب باقی رہا چھدا فقیر کے ذبح کرنے حکم، لہٰذا وہ اگر چہ اپنے ان افعال کی وجہ سے فاسق ہے لیکن ان افعال کا فعل ذبح پر کچھ اثر نہیں، ۔شریعت میں ذبح کرنے والے کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے۔

چنانچہ تنویر الابصار میں ہے: شرط كون الذابح مسلما۔

اور یہ افعال اس کو اسلام سے خارج نہیں کرتے۔ لہٰذا اس کا ذبیحہ جائز ہے۔ اس کو حرام کہہ دینا دین سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے۔ ہاں بھولو کا یہ قول کہ ہم مسلمان ہی نہیں جو سوال میں نقل کیا ہے وہ اس کی جہالت کا ثبوت ہے اس کو چاہئے کہ وہ توبہ کرے اور کبھی آئندہ یہ جملہ اپنی زبان سے نہ نکالے کہ اس سے مسلمان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جواب سوال دوم

ایسے مواضعات جو ایسے شہر سے جس میں کم از کم تحصیل ہو متصل نہ ہو اور اس شہر کے آمد ورفت سے بھی بالکل بے علاقہ ہوں ان میں جمعہ کی نماز پڑھنے سے فرض وقت یعنی ظہر کے فرض ادا نہیں ہوتے شامی میں ہے۔

ثم ظاهر الرواية من اصحابنا لا تجب الا على من يسكن المصر او ما يتصل به ولا تجب على اهل السواد ولو تقريباً وهذا اصح ما قيل فيه وبه جزم في التجنيس۔

ہاں جن مواضعات میں پہلے سے جمعہ ہوتا چلا آرہا ہو اس کی جماعت کو بسبب مصالح دینی کے بند نہیں کیا جائے گا لیکن ان تمام پر فرض ظہر کی چار رکعتیں پڑھنی فرض ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۰۵)

بخدمت شریف شمس العلماء صاحبان اسلام حق وملت ودین تسلیم وتعظیم کے بعد معروض

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ

غیر مقلدین کے ہاتھ سے ذبیحہ جائز ہے یا ناجائز؟ اور نصرانی ویہودی کے ہاتھ سے کیا حکم ہے

تحریر مع حوالہ کتب نہایت جلدی روانہ کریں فی سبیل اللہ۔ کیونکہ یہاں پر ایک بڑا جھگڑا ہوا غیر مقلد اور اہلسنت والجماعت سے اور یہ تحریر ایک تار سمجھو یہاں پر تحریر اردو خواں نہیں خط میں زیادتی کمی معاف فرمائیے اور اسلام کی خدمت میں نہایت تعجیل فرمائیے۔ راقم عبداللہ، نور محمد جام جودھ پور

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

غیر مقلدین کم از کم تقلید ائمہ کو شرک اور گیارہ سو سال کے مقلدین تمام ائمہ دین اور علماء کاملین واولیاء عارفین کو مشرک کہتے ہیں اور ادنیٰ سی ادنیٰ بات ممنوع یا مکروہ بلکہ مباحات ومستحبات پر جابجا حکم شرک لگا دیتے ہیں اور وہ کبرائے وہابیہ جن سے عقائد کفریہ صادر ہوئے انہیں اپنا امام وپیشوا مانتے ہیں بلکہ ادنی سے ادنی درجہ یہ ہے کہ انہیں مسلمان مانتے ہیں، اور کتاب التوحید تقویۃ الایمان۔ صراط المستقیم۔ تنویر العین۔ وغیرہ جس میں مسلمانوں پر جابجا حکم کفر وشرک لگایا گیا ہے اور خدا ورسول اور انبیاء کرام وملائکہ کی اہانت ظاہر کرتے ہیں لہذا غیر مقلدین کے ان اقوال کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے ذبیحوں سے احتراز واجتناب لازم ہے۔

لانهم بمنزلة المرتدين فلا يحل ذبائحهم كماهو مصرح في كتب الفقه۔

اور یہود ونصاری کے ذبیحوں سے بلاضرورت بچنا ہی چاہئے خصوصا نصاری کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہوں یہ لوگ اگر باقاعدہ ذبح بھی کریں تو ایک جماعت علماء کے نزدیک جب بھی اس کا ذبیحہ حرام ہے۔

شامی میں ہے: والاولىٰ ان لا ياكل ذبيحتهم ولا تتزوج منهم الا عند الضرورة كماحققه الكمال بن همام۔

اور یہی علامہ شامی مبسوط سے ناقل ہیں:

يجب ان لا ياكل ذبائح اهل الكتاب ان اعتقدوا ان المسيح اله وان عزيزا اله۔

فتح القدیر میں ہے:

والنصاری فی زماننا یصدقون بالابنیته وعدم الضرورة متحقق والاحتیاط واجب لان فی اکل ذبیحتهم اختلاف العلماء کمابینا فالاخذ بجانب الحرمة اولیٰ عند عدم الضرورة ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۰۶)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
بعض مسلمان حضور غوث پاک وغیرہ اولیاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نذر کے لئے جانور پالتے ہیں اور انہیں ان حضرات کے نام سے مشہور کرتے ہیں لیکن بوقت ذبح اس جانور کو۔ بسم اللہ اللہ اکبر پڑھکر ذبح کرتے ہیں اور اس کا ثواب کسی ولی کو پہنچاتے ہیں دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ ذبیحہ حلال ہے یا نہیں؟ اور اس کا کھانا درست ہے یا نہیں وہابیہ اس جانور کو حرام کہتے ہیں۔ ''اور آیۃ مااھل لغیر اللہ '' کے تحت میں اس کو داخل کرتے ہیں تو اس آیہ کریمہ کا کیا مطلب ہے اور مفسرین کی اس کے متعلق کیا تصریحات ہیں عبارات مع حوالہ صفحات درج فرمائیں۔ بینوا توجروا۔
المستفتی از احسن المدارس متصل مارکیٹ شہر کانپور

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب
اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذبیحہ کی حلت وحرمت کا حکم نہایت واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔
آیت: فکلوا مماذکراسم اللہ ان کنتم بایته مومنین ومالکم الاتاکلو مما ذکر اسم اللہ علیه وقد فصل لکم ماحرم علیکم ۔ (سورہ انعام ع۱۴ ج۸)
تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو اور تمہیں کیا ہوا کہ اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا وہ تو تم سے مفصل بیان کر چکا جو کچھ تم پر حرام ہوا۔
تفسیر معالم التنزیل میں آیۃ ۔فکلوا مماذکراسم اللہ الایۃ ۔ کے تحت میں ہے۔
ای کلوا مماذبح علی اسم اللہ (چند سطر کے بعد ہے) ومایمنعکم من ان تاکلوا مماذکر اسم اللہ علیه من الذبائح۔ (ہامش خازن ج۲ ص۱۴۵)

تفسیر خازن میں اسی آیۃ کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:
قال اللہ تعالیٰ للمسلمین فکلوا انتم مماذکراسم اللہ بحله من الذبائح (چند سطر کے بعد ہے) مایمنعکم من ان تاکلوا مما ذکراسم اللہ علیه وھذا تاکید فی اباحة ماذبح علی اسم اللہ دون غیره ۔ (خازن مصری ج۲ ص۱۴۵)
اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تم کھاؤ ان ذبیحوں سے جن پر اللہ کا نام لیا گیا اور تمہیں کیا چیز مانع ہے اس کے کھانے سے رکو جس پر اللہ کا نام لیا گیا یہ آیت اس ذبیحہ کے مباح ہونے پر تاکید ہے جو اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا نہ غیر خدا کے نام پر۔
تفسیر احمدی میں اس آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:
فکلوا مماذکراسم اللہ علیه خاصة ولاتحرموا ولاتاکلوا ممالم یذکر اسم اللہ علیه ولاتحللوا ۔ (احمدی مطبوعہ دہلی ۲۲۷)
پس تم کھاؤ اس میں سے جس پر خاص اللہ کا نام لیا گیا اور اسے حرام نہ کرو اور نہ کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا اور اسے حلال نہ کرو۔
اس آیت اور اس کی تفاسیر سے نہایت صاف طور پر ثابت ہوگیا کہ جس ذبیحہ کو بسم اللہ اللہ اکبر کہکر ذبح کیا جائے وہ بلاشک حلال ہے اللہ تعالیٰ اس کے کھانے کا حکم فرماتا ہے اور اس کی اباحت کی تاکید فرماتا ہے اور اس کے نہ کھانے والوں کو تنبیہ فرماتا ہے لہذا جو جانور کسی ولی اور بزرگ کی نذر کا ہو اور اسے بوقت ذبح بسم اللہ اللہ اکبر کہکر ذبح کیا جائے وہ اس آئیہ کریمہ کے حکم سے حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔
چنانچہ حضرت ملا احمد تفسیر احمدی میں خاص اسی کا جزیہ لکھتے ہیں:
ان البقرة المنذورة للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانه لم یذکر اسم غیر اللہ علیها وقت الذبح وان کانوا ینذرونها له ۔ (تفسیر احمدی مطبوعہ دہلی ص۳۴)
بیشک وہ گائے جو اولیاء کے لئے نذر کی گئی جیسا کہ ہمارے زمانہ میں اس کی رسم ہے حلال طیب ہے کیونکہ بوقت ذبح اس پر غیر خدا کا نام نہیں لیا گیا اگر چہ انہوں نے اسے نذر مان لیا ہے۔
وہابی اس جانور کو ناجائز وحرام کہکر اس آیت کریمہ کا انکار کرتا ہے اور حکم الٰہی کی صریح مخالف
کرتا ہے اسی سورت میں دوسری آیت کریمہ اس کے بعد یہ ہے:

ولا تاکلوا ممالم یذکرا سم الله علیه وانه لفسق ۔ (انعام ع ۱۴ ج ۸)

اوراس کو نہ کھاؤ جس پر اللّٰہ کا نام نہ لیا گیا ہواور وہ بیشک حکم عدولی ہے۔

علامہ ابوالبرکات نسفی تفسیر مدارک میں اسی آیۃ کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

والفسق مجمل فبین بقوله اوفسقا اهل بغیر الله به فصار التقدیر ولا تاکلوا منه حال کونه مهلا لغیر الله به فیکون ماسواه حلالا ۔ (مدارک مصری ج ۲ ص ۲۴)

(آیت میں لفظ) فسق مجمل ہے تو اللّٰہ تعالیٰ نے اسے اپنے اس قول میں بیان فرمایا: او فسقا اهل لغیر الله ۔ یعنی فسق وہ جانور ہے جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا تو اسکے علاوہ جو جانور ہو وہ حلال ثابت ہوا۔

علامہ بغوی تفسیر معالم میں حضرت عطا کی تفسیر نقل کرتے ہیں:

قال عطا الآیة فی تحریم الذبائح اللتی کانوا یذبحونها علی اسم الاصنام ۔

(معالم ج ۲ ص ۱۴۶)

حضرت عطا نے فرمایا کہ یہ آیت ان ذبیحوں کی تحریم میں ہے جنھیں کفار بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔

تفسیر جمل وتفسیر خازن میں اس آیۃ کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

والفسق ذکراسم غیر الله فی الذبائح کما قال فی آخر السورة قل لا احد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الی قوله اوفسقا اهل لغیر الله به فصار هذا الفسق الذی اهل لغیر الله به مفسرا لقوله وانه لفسق واذا کان کذلك کان قوله ولا تاکلوا ممالم یذکراسم الله علیه وانه لفسق مخصوصا بما اهل لغیر الله به ۔

(خازن مصری ج ۲ ص ۱۴۷ وجمل ج ۲ ص ۸۳)

اورفسق ذبح میں غیر خدا کا نام لینا ہے جیسا کہ اسی سورت کے آخر میں یہ آیت ہے:

قل لا اجد الآیة۔ یعنی تم فرماؤ میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کسی کھانے والے پر کھانا حرام (الی قولہ) یافسق وہ جانور ہے جسکے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا جائے تو یہ آیت ۔ وانه لفسق ۔ کی تفسیر ہے اور جب اس آیت کا اس کی تفسیر ہونا ثابت ہوگیا تو آیت ۔ ولا تاکلوا ممالم یذکر اسم الله علیه وانه لفسق ۔ سے مراد مخصوص ۔ مااهل لغیر الله به ۔ ہے (یعنی آیت نمبر ۲ میں جس جانور کے

کھانے کی ممانعت ہے وہ وہی جانور ہے جس پر وقت ذبح غیر خدا کا نام لیا جائے تو یہ آیت اور ۔ ما اهل به لغیر الله ۔ مراد میں واحد ہے)

تفسیر جلالین میں اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(ولا تاکلوا ممالم یذکراسم الله علیه) بان مات او ذبح علی اسم غیره۔

(صاوی ج ۲ ص ۲۲۸)

اورتم نہ کھاؤ اس میں سے جس پر اللّٰہ کا نام نہ لیا گیا ہواب وہ یا تو بلا ذبح مرگیا ہو یا غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔

علامہ احمد تفسیر احمدی میں اس آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

ومن المعلوم ان الفسق الذی لم یذکراسم الله علیه هو الذی ذکراسم غیر الله علیه البتة۔ (احمدی ص ۲۲۸)

اور یہ معلوم ہے کہ فسق وہ ہے جس پر اللّٰہ کا نام نہ لیا گیا ہواور یہی وہ ہے جس پر غیر خدا کا نام لیا گیا۔

اس آیت کریمہ اوراس کی تفاسیر سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جس جانور پر وقت ذبح اللّٰہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے اور کسی غیر خدا کا نام لیا جائے جس طرح کفار وقت ذبح بتوں کا نام لیکر ذبح کرتے تھے تو ذبیحہ حرام ہے اوراس کا کھانا ممنوع وناجائز ہے۔

بالجملہ ان دونوں آیات میں سے پہلی آیت نے ذبیحہ کی حلت کا بیان کیا اور دوسری آیت نے اس کی حرمت کی صورت ظاہر کی ۔ اب قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت ممکن نہیں جو پہلی آیت کے خلاف ہو اور اس میں یہ حکم ہو کہ بعض ذبیحہ وہ ہیں جن پر وقت ذبح صرف اللّٰہ کا نام لیا گیا اور وہ حرام ہو جائے اسی طرح دوسری آیت کے خلاف کوئی ایسی آیت ہو جس میں ایسے ذبیحہ کا بیان ہو جس کے ذبح کرتے وقت بقصد عبادت وقربت کسی غیر خدا کا نام لیا جائے اور باوجود اس کے وہ ذبیحہ حلال رہے کیونکہ قرآن کریم کی آیات میں اگر ایسا اختلاف ہو جائے تو کلام الٰہی میں تناقض لازم آجائے اور کلام الٰہی میں تناقص ناممکن ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لو کان من عند غیر الله لوجدوا فیه اختلافا کثیرا۔ (سورہ نساء ع ۱۱ ج ۵)

اگر قرآن غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوگیا کہ آیات قرآن کریم میں کہیں تناقض اور اختلاف نہیں ہوسکتا لہذا قرآن کریم میں ذبیحہ کے متعلق جس قدر اور آیات ہیں یا تو وہ پہلی آیت کے موافق ہونگی یا دوسری آیت کے اب سائل کی پیش کردہ آیت۔ ماأهل به لغیر اللہ ۔ ظاہر ہے کہ آیت نمبر۲ کے حکم کے موافق ہے یعنی اس سے بھی وہی ذبیحہ مراد ہے جس پر بوقت ذبح غیر خدا کا نام لیا جائے چنانچہ سلف وخلف کی مشہور ومعتبر تفاسیر میں ۔ اس آیت کی یہی مراد ظاہر کی ہے اس وقت بلحاظ تلک عشرۃ کاملۃ اس کی دس تفاسیر پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) تفسیر جلالین شریف میں اس آیت کے تحت میں فرماتے ہیں۔

وما اهل به لغير الله ـ اى ذبح على اسم غيره والا هلال رفع الصوت وكانوا يرفعونه عند الذبائح لآلهتم ـ

معنی یہ ہیں وہ جانور جو غیر خدا کا نام لیکر ذبح کیا گیا اور اہلال کے معنی آواز بلند کرنا ہے اور کفار بوقت ذبح اپنے بتوں کا نام لیکر آواز بلند کرتے تھے۔

(۲) تفسیر بیضاوی شریف میں اسی آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

وما اهل به لغير الله ـ اى رفع به الصوت عند ذبيحه للصنم ـ

(تفسیر بیضاوی مطبوعہ دہلی۔۱۲۳)

مااہل بہ لغیر اللہ سے وہ جانور جس کے ذبح کے وقت بت کے لئے آواز بلند کی جائے۔

(۳) تفسیر مدارک التنزیل میں اسی آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

وما اهل به لغير الله اى ذبح للاصنام فذكر عليه غير اسم الله ـ

(مدارک مصری ج ۱ ص ۷۰)

وما اہل بہ لغیر اللہ سے وہ جانور مراد ہے جو بتوں کے لئے ذبح کیا جائے تو اس پر غیر خدا کا نام ذکر کیا جائے۔

(۴) تفسیر غریب القرآن میں فرماتے ہیں:

وما اهل به لغير الله ـ ذكر عند ذبحه اسم غير الله ـ

(تفسیر غریب القرآن مصری ج ۱ ص ۸۱)

وما اہل بہ لغیر اللہ سے مراد وہ جانور ہے جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے۔

(۵) تفسیر کشاف میں اس آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

اهل به لغير الله ـ اى رفع به الصوت للصنم وذلك قول اهل الجاهلية باسم اللات والعزى ـ

(کشاف مصری ج ۱ ص ۲۴۴)

اہل بہ لغیر اللہ یعنی وہ جانور جس پر بت کا نام لیکر آواز بلند کیا جائے اور یہ بات کفار کی تھی کہ وہ لات وعزی کا نام لیکر جانور ذبح کرتے۔

(۶) تفسیر جمل الفتوحات الالہیہ میں اسی آیت کے تحت میں فرماتے ہیں:

الباء (فى وما اهل به) بمعنى فى ولا بد من حذف مضاف اى فى ذبحه لان المعنى وما صيح فى ذبحه لغير الله ـ

(جمل ج ۱ ص ۱۳۸)

اہل بہ میں با، فی کے معنی میں ہے اور مضاف کا حذف ضروری ہے تو یہ فی ذبحہ کے معنی میں ہے تو وما اہل بہ لغیر اللہ کے یہ معنی ہوئے کہ وہ جانور جس کے ذبحہ کرنے میں غیر خدا کو پکارا جائے۔

(۷) تفسیر معالم التنزیل میں اسی آیۃ کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

وما اهل به لغير الله ـ اى ماذبح للاصنام والطواغيت ـ

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۱۹)

وما اہل بہ لغیر اللہ سے وہ جانور مراد ہے جو بتوں اور شیاطین کے لئے ذبح کیا گیا۔

(۸) تفسیر خازن میں اسی آیۃ کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

وما اهل به لغير الله ـ اى ذبح للاصنام والطواغيت واصل الاهلال رفع الصوت وذلك انهم كانوا يرفعون اصواتهم بذكر الهتهم اذ ذبحوا لها فجرى ذلك مجرى امرهم وحالهم حتى قيل لكل ذابح مهل وان لم يجهر بالتسمية ـ

(خازن مصری ج ۱ ص ۱۱۹)

وما اہل بہ لغیر اللہ سے مراد وہ جانور ہے جو بتوں اور شیاطین کی قربت کے لئے ذبح کیا جائے اور اہلال کی اصل آواز کا بلند کرنا ہے اور یہ اس لئے کہ کفار جب جانور کو ذبح کرتے تو اپنے بتوں کا نام لیکر اپنی آوازیں بلند کرتے تھے تو یہ اہلال ان کے حال اور عادت کی جگہ میں استعمال ہونے لگا یہاں تک کہ ذبح کرنے والے کو مہل کہنے لگے اگر چہ وہ باآواز بسم اللہ اللہ اکبر نہ کہے۔

(۹) تفسیر احمدی میں اسی آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

ومعنی مااھل ماذبح ۔ (احمدی مطبوعہ دہلی ص ۱۹۴)

اور ما اھل کے معنی وہ جانور جو ذبح کیا گیا یعنی اھل بمعنی ذبح ہے۔

اسی میں تحت مااھل بہ لغیر اللہ بقر نذر اولیا کی حلت کی تصریح ہے:

ومااھل بہ لغیر اللہ معناہ ذبح بہ لاسم غیر اللہ مثل لات وعزی واسماء الانبیاء وغیر ذلک فان افرد باسم غیر اللہ او ذکر مع اسم اللہ عطفا بان یقول باسم اللہ ومحمدرسول اللہ بالجر حرم الذبیحۃ وان ذکر معہ موصولا لامعطوفا بان یقول باسم اللہ محمدرسول اللہ کرہ ولا یحرم وان ذکر مفصولا بان یقول قبل التسمیۃ وقیل ان یضجع الذبیحۃ او بعدہ لاباس بہ ھذا فی الھدایۃ ومن ھھنا علم ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کماھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ لم یذکراسم غیر اللہ علیھا وقت الذبح ۔

(احمدی ص ۳۴)

ومااھل بہ لغیر اللہ کے معنی وہ جانور جو غیر خدا کے نام سے ذبح کیا گیا جیسے لات وعزی اور انبیاء وغیرہ کے نام پر تو اگر تنہا غیر خدا کا نام لیا یا اسے اللہ کے نام کے ساتھ بعطف کہا جیسے باسم اللہ ومحمدرسول اللہ اور لفظ محمد کو زیر پڑھا تو ذبیحہ حرام ہوگیا اور اگر بلا فصل وبغیر عطف اس طرح کہا: باسم اللہ محمد رسول اللہ تو ذبیحہ مکروہ تو ہوا حرام نہیں ہوا اور اگر غیر خدا کا نام اللہ کے نام سے ملا کر نہ لیا بلکہ جانور کے گرانے اور بسم اللہ اللہ اکبر کہنے سے پہلے یا اس کے بعد کہا تو کچھ حرج نہیں اسی طرح ہدایہ میں ہے، اور یہیں سے معلوم ہوا کہ بیشک وہ گائے جو اولیاء کے لئے نذر کی گئی جیسی ہمارے زمانہ میں رسم ہے حلال طیب ہے اس لئے کہ اس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام نہیں لیا جاتا ہے۔

تفسیر صاوی حاشیہ جلالین میں اسی آیت کے تحت میں فرماتے ہیں:

مااھل بہ لغیر اللہ ۔الاھلال رفع الصوت والاظھر ان اللام بمعنی الباء والباء بمعنی عند والمعنی وما رفع الصوت عند ذکاتہ بغیراللہ ای باسم غیراللہ کما اذا قال باسم اللات اوالعزی قال تعالیٰ ولاتاکلوا ممالم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق ۔

(صاوی مصری ج ۱ ص ۲۳۱)

مااھل لغیر اللہ بہ میں اھلال کے معنی آواز کا بلند کرنا اور یہ ظاہر ہے کہ لام بمعنی باکے اور با بمعنی عند کے ہے، آیت کے معنی یہ ہیں وہ جانور جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کے نام کے

ساتھ آواز بلند کی جائے جیسے باسم اللات والعزی کہا اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولاتاکلوا الآیۃ اور اسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا کہ وہ فسق ہے۔

اسی میں فرماتے ہیں:

فمحل الایۃ مااھل بہ لغیر اللہ فقط لانہ المفسر بہ الفسق فیما یاتی فی قولہ تعالیٰ وفسقا اھل لغیر اللہ بہ ۔ (صاوی مصری ج ۲ ص ۳۸)

آیت ۔لاتاکلوا ممالم یذکراسم اللہ علیہ وانہ لفسق کو فقط ومااھل بہ لغیر اللہ۔ پر حمل کیا اس لئے کہ دوسری آیت او فسقا اھل لغیراللہ بہ میں فسق کی تفسیر مااھل لغیر اللہ بہ ہے۔

بالجملہ: مااھل بہ لغیر اللہ کی ان تفاسیر سے یہ امور ثابت ہوئے جو محض عوام کے لئے چند نمبروں کی صورت میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) اہلال کے معنی مطلقا آواز کا بلند کرنا ہے لیکن اس آیۃ مااھل بہ میں اپنے اس مطلق معنی میں مستعمل نہیں بلکہ اس میں بوقت ذبح آواز کا بلند کرنا مراد ہے جس کی طرف ان تمام تفاسیر نے صراحۃ یا اشارۃ تنبیہ کی۔

(۲) اھل بہ میں با، بمعنی فی کے ہے اور ''ہ'' ضمیر مضاف الیہ ہے اس کا مضاف محذوف ہے لہذا تقدیر عبارت یہ ہے مااھل فی ذبیحۃ لغیر اللہ یعنی جس کے ذبح کرنے میں غیر اللہ کی آواز بلند کیجائے جیسا عبارت جمل میں مذکور ہے۔

(۳) آیہ کریمہ میں با بمعنی عند کے اور ''ہ'' ضمیر کا مضاف محذوف ہے اور لام بمعنی با کے ہے اور اس کے بعد لفظ اسم محذوف ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے مااھل عند ذکاتہ باسم غیراللہ یعنی جس کے ذبح کے وقت غیر اللہ کے نام کے ساتھ آواز بلند کیجائے جیسا عبارت صاوی سے ظاہر ہے۔

(۴) اہلال بوقت ذبح آواز بلند کرنے کے معنی میں محاورات عرب میں ایسا شائع ہوگیا کہ ہر ذابح کو مہل کہنے لگے اگر چہ وہ تسمیہ میں بھی جہر سے نہ کہے جیسا عبارت خازن میں گذرا۔

(۵) آیت کا مورد اگر چہ خاص ہے کہ کفار بوقت ذبح صرف بتوں کا نام لیکر جانور ذبح کرتے لیکن حکم عام ہے کہ غیر اللہ سے نہ صرف بت ہی مراد ہیں بلکہ ہر غیر خدا مراد ہے اب وہ حضرات انبیاء ہوں یا اولیاء کرام یا کچھ اور۔

(۶) اگر بوقت ذبح اللہ کے نام کے ساتھ غیر خدا کا نام معطوف بنا کر متصل کہا مثلا یہ کہا بسم اللہ و محمد رسول اللہ تو ذبیحہ حرام ہوگیا۔

(۷) اگر بوقت خدا کے نام کے ساتھ غیر خدا کا نام بلاعطف متصل کہا مثلا باسم اللہ محمد رسول اللہ تو ذبیحہ مکروہ تو ہوا لیکن حرام نہیں ہوا۔

(۸) اگر ذابح نے بوقت ذبح تو اللہ عزوجل کا نام ہی لیا اور جانور گرانے سے قبل یا تسمیہ سے پہلے یا ذبح کے بعد غیر خدا کا نام لیا تو اس میں کوئی حرج نہیں وہ ذبیحہ حلال ہے کہ وہ وقت ذبح صرف اللہ کے نام کے ساتھ ذبح ہوا۔

(۹) ہمارے زمانہ میں جو رسم ہے کہ جانور کو اولیاء کی نذر مانتے ہیں اور اس کو صرف اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کرتے ہیں اس پر بوقت ذبح کسی ولی کا نام نہیں لیا جاتا تو یہ ذبیحہ حلال طیب ہے۔

(۱۰) آیت نمبر۲۔یعنی "لاتاکلوا ممالم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق"۔ میں جس جانور کی تحریم مراد ہے وہ وہی جانور ہے جس کی تحریم مااہل بہ لغیر اللہ میں مراد ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں لفظ لفسق موجود ہے اور اس لفظ کی تفسیر خود دوسری آیت نے مااھل بہ لغیر اللہ کی ہے، لہذا آیت نمبر۲۔اور آیۃ مااھل بہ لغیر اللہ کی ایک مراد ثابت ہوئی۔

الحاصل آیت: مااھل بہ لغیر اللہ کی ان تمام تفاسیر بلکہ آیت نمبر۲۔ سے یہی مراد ثابت ہوئی کہ جس جانور پر بوقت ذبح اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ جانور حرام ہے اور اس ذبیحہ کو کھانا ممنوع ہے اور اسی آیۃ اھل بہ لغیر اللہ کی سب سے بہتر تفسیر سورۂ مائدہ کی یہ آیت کریمہ ہے۔

وما ذبح علی النصب ۔ سورۂ مائدہ

اور وہ جانور جو بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے۔

علامہ بغوی تفسیر معالم التنزیل میں اس آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں۔

معناہ ماذبح علی اسم النصب قال ابن زید وما ذبح علی النصب وما اھل لغیر اللہ بہ ھما واحد۔ (معالم مصری ج۲ص۷)

آیت کریمہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ جانور حرام ہے جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ابن زید نے کہا کہ ماذبح علی النصب اور آیہ مااھل بہ لغیر اللہ دونوں ایک ہیں۔

اس آیت اور اس کی تفسیر نے واضح کردیا کہ آیت مااھل بہ لغیر اللہ سے وہ جانور مراد ہیں جس

پر بوقت ذبح غیر خدا کا نام لیا جائے۔ اور مااھل بمعنی ماذبح ہے اور دونوں آیات کی مراد ایک ہے۔

بالجملہ آیت نمبر۲۔"لاتاکلوا ممالم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق"۔ اور آیت ماذبح علی النصب اور آیت فسقا اھل لغیر اللہ بہ اور آیت مااھل بہ لغیر اللہ ان سب آیات کی ایک مراد ہے اور یہ سب آیات نمبر۱۔یعنی فکلوا مماذکر اسم اللہ علیہ کے مقابل ہیں اور ان چاروں آیات نے اس ذبیحہ کی تحریم کی جس پر بوقت ذبح اللہ کا نام نہ لیا جائے بلکہ غیر خدا کا نام لیا جائے۔

وہابیہ نے اس آیت: مااھل بہ لغیر اللہ کی اصل مراد کو بدلا۔ اور اپنے فہم ناقص سے اس آیت کا نیا مضمون تراشا۔ اور سلف وخلف کی تفاسیر کی مخالفت کی اور دوسری صریح آیات سے انکار کیا۔ کلام الہی میں تناقص ثابت کیا۔ اور وہ جانور جو کسی ولی کی نذر کا ہو اور اس کو بوقت ذبح بسم اللہ اللہ اکبر کہکر ذبح کیا جائے اسے خلاف تصریح مفسرین اس آیت سے حرام ٹھہرایا باوجودیکہ تفسیر احمدی میں اس کی حلت کی تصریح موجود ہے اور اس جانور کے حلال جاننے والوں کو مشرک قرار دیا۔ لہذا اس ذبیحہ کو حلال جاننے والا تو مشرک ہو نہیں سکتا کہ یہ لوگ آیات اور اسکی تفاسیر پر صحیح طور پر عامل ہیں۔ البتہ وہابی اس حلال طیب کو حرام ٹھہرا کر ضرور مشرک ہوگیا۔

چنانچہ تفسیر صاوی میں آیت نمبر۲ کے تحت میں ہے:

من احل شیئا مما حرم اللہ او حرم شیئا مما احل اللہ فھو مشرک۔

(تفسیر صاوی مصری ج۲ص۳۸)

جس نے اللہ کی کسی حرام شئی کو حلال کیا یا اللہ کی کسی حلال کی ہوئی شئی کو حرام کیا تو وہ مشرک ہے۔

پھر آیہ مااھل بہ لغیر اللہ میں اگرچہ خاص کر زمانہ جاہلیت کے ان ذبیحوں کی حرمت کا بیان ہے جنہیں مشرکین بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اور وقت ذبح بجائے بسم اللہ اللہ اکبر کے باسم اللات والعزی کہتے اور اس فعل ذبح سے بتوں کی تعظیم اور قربت کی نیت کرتے جیسا کہ اس آیت کی تفاسیر میں یہ مضمون اشارۃً بلکہ صراحۃً گذرا۔

تفسیر احمدی میں اس کی صاف تصریح ہے:

النصب وھی احجار منصوبۃ حول البیت وقد کانت العرب یذبحون علیھا ویعظمونھا ویعدون ذلک قربۃ فحرم علیھم ماذبح علی ذلک ونھواعنہ لانہ بدعۃ اھل الجاھلیۃ۔

(احمدی ص۲۹۵)

نصب یعنی بت جو بیت اللہ کے گرداگرد پتھر کے گڑھے ہوئے تھے اور عرب ان کے نام پر بلحاظ تعظیم جانور ذبح کرتے اور اسے قربت شمار کرتے مسلمانوں پر ان بتوں کے نام کا ذبیحہ حرام کر دیا گیا اور انہیں اس سے منع کیا گیا اسلئے یہ اہل جاہلیت کا طریقہ ہے۔

لیکن آیہ ما اھل بہ لغیر اللہ کا حکم عام ہے یعنی اس کی حرمت ہر اس ذبیحہ کو شامل ہے جس پر وقت ذبح بجائے بسم اللہ اللہ اکبر کے علاوہ بتوں کے اور کسی غیر خدا کا نام لیا جائے، چنانچہ فقہائے کرام نے اس کی چند صورتیں لکھی ہیں جنہیں مفصل طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) جانور پر بوقت ذبح صرف غیر خدا کا ہی نام لیا گیا تو وہ ذبیحہ ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہو کر حرام ہو گیا چنانچہ۔

فتاوی سراجیہ میں ہے: الکتابی اذا ذبح باسم المسیح لایحل۔

(فتاوی سراجیہ کشوری۔ص ۸۸)

کتابی نے جب جانور حضرت مسیح کے نام پر ذبح کیا تو وہ ذبیحہ حلال نہیں۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے: وکذا ذبیحۃ الیہودی والنصرانی حلال وان کان الکتابی حربیا الا ان یسمع منہ انہ یسمی علیہ المسیح فاذا سمع منہ ذلک لایحل لانہ اھل بہ لغیر اللہ۔

(قاضی خاں کشوری ص ۷۵۸)

اسی طرح یہودی اور نصرانی کا ذبیحہ حلال ہے اگرچہ وہ کتابی حربی ہو ہاں جب وہ کتابی اس ذبیحہ پر حضرت مسیح کا نام لے اور یہ اس سے سن لیا جائے تو وہ ذبیحہ حرام ہو گیا کہ وہ اھل بہ لغیر اللہ ہو گیا۔

(۲) جانور پر بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی غیر خدا کا نام متصل بعطف لیا تو وہ حرام ہو گیا اور ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہو گیا۔

تفسیر احمدی کی عبارت تو گذر چکی۔

ہدایہ میں ہے: الثانیۃ ان یذکر موصولا علی وجہ العطف والشرکۃ بان یقول بسم اللہ واسم فلان اویقول بسم اللہ وفلان اوبسم اللہ ومحمد رسول اللہ بکسر الدال فتحرم الذبیحۃ لانہ اھل بہ لغیر اللہ۔ (ہدایہ اخرین ص ۴۳۴)

دوسری صورت یہ ہے کہ (بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر خدا کا نام) متصل بطریقہ عطف وشرکت نہ ذکر کیا مثلاً کہا: بسم اللہ واسم فلان یا بسم اللہ وفلان باسم اللہ ومحمد

رسول اللہ دال کے زیر کے ساتھ کہا تو ذبیحہ حرام ہو گیا کہ وہ اھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہو گیا۔

جوہرہ نیرہ میں: الثانی ان یذکرہ معطوفا مثل ان یقول بسم اللہ ومحمد رسول اللہ بکسر الدال فتحرم الذبیحۃ لانہ اھل بھا لغیر اللہ۔ (جوہرہ نیرہ ج۲ ص ۲۴۶)

دوسری صورت یہ ہے کہ غیر خدا کے نام کے ساتھ بعطف ذکر کیا جائے مثلاً بسم اللہ محمد رسول اللہ دال کے زیر کے ساتھ کہا تو ذبیحہ حرام ہو گیا کہ وہ اہل بہ لغیر اللہ ہو گیا۔

تنویر الابصار ودر مختار میں ہے: وان عطف حرمت نحو بسم اللہ واسم فلان او فلان لانہ اھل بہ لغیر اللہ۔ (درمختار ج۵ ص ۱۹۷)

اگر ذابح نے خدا کے نام کے ساتھ غیر خدا کا نام بعطف کہا تو وہ ذبیحہ حرام ہو گیا۔ جیسے بسم اللہ واسم فلان کہ یہ ما اھل بہ لغیر اللہ کے تحت میں داخل ہو گیا۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

ولو قال بسم اللہ واسم فلان قال ابراہیم بن یوسف تکون میتۃ وھو الصحیح۔

(فتاوی قاضی خاں ص ۷۵۸)

اگر ذابح نے بسم اللہ واسم فلان کہا تو امام ابراہیم بن یوسف نے فرمایا کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ ذبیحہ مردار ہو گیا۔

(۳) جانور پر بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ متصل بلا عطف کسی غیر خدا کا نام لیا لیکن قربت الٰہی کے ساتھ اس غیر خدا کی قربت کا بھی قصد کیا تو وہ ذبیحہ بھی حرام ہو گیا اور ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہو گیا۔ چنانچہ تفسیر صاوی میں ہے:

ذکر اسم الصنم علی ذلک المذبوح فان فعل ذلک مسلم لولی وقصد التقرب لہ کما یتقرب للہ فھو مرتد لاتوکل ذبیحتہ۔ (تفسیر صاوی ج۱ ص ۲۳۱)

ذبیحہ پر بت کا نام ذکر کیا تو اگر کسی مسلمان نے ایسا کسی ولی کے لئے کیا اور اس سے ایسے تقرب کا قصد کیا جیسا تقرب اللہ کے لئے کیا جاتا ہے تو وہ مرتد ہو گیا اور اس کا ذبیحہ نہ کھایا جائے۔

(۴) وقت ذبح خالص تعظیم خدا کی نیت نہیں کی اور بقصد تعظیم غیر خدا کسی جانور کو ذبح کیا تو وہ ذبیحہ بھی حرام ہو گیا اور ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہو گیا۔

تنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اھل بہ لغیر اللہ ولو ذکراسم اللہ تعالیٰ۔ (ردالمحتار ج۵ ص ۲۰۳)

ذابح نے حاکم یااس جیسے کسی اور معظم شخص کے آنے کے لئے ذبح کیا تو ذبیحہ حرام ہوگیا کہ وہ مااھل بہ لغیر اللہ کے تحت میں داخل ہوگیا اگرچہ اس نے اللہ تعالیٰ کا نام بھی ذکر کیا ہو۔

بالجملہ آیت مااھل بہ لغیر اللہ کے تحت میں کتب فقہ میں یہ چار صورتیں نظر سے گذریں جن میں فقہاء کی تصریحات سے ذبیحہ حرام ہوجاتا ہے اب رہی ایک یہ صورت کہ وقت ذبح اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ متصل بلاعطف کسی غیر خدا کا نام لیا اور اس غیر خدا کی نہ تعظیم مقصود ہے نہ اس کی قربت کی نیت ہے تو وہ۔

ویکرہ ان یذکرمع اسم اللہ تعالیٰ شیئا غیرہ وان یقول عند الذبح اللّٰھم تقبل من فلان وھذہ ثلث مسائل احد ھا ان یذکر موصولا لامعطوفا فیکرہ ولاتحرم الذبیحۃ وھو المراد بما قال ونظیرہ ان یقول بسم اللہ محمد رسول اللہ لان الشرکۃ لم توجد فلم یکن الذبح واقعا لہ الا انہ یکرہ لوجود القران صورۃ فیتصور بصورۃ المحرم۔ (ہدایہ اخرین ص ۴۳۴)

عینی شرح کنزالدقائق میں ہے:

ویکرہ ان یذکر مع اسم اللہ غیرہ ای غیر اسم اللہ موصولا من غیر عطف مثل ان یقول بسم اللہ محمد رسول اللہ بالرفع لانہ غیر مذکور علی سبیل العطف فیکون مبتدئاً لکن یکرہ لوجود الوصل صورۃ۔ (عینی ج۲ ص ۲۰۰)

خدا کے نام کے ساتھ غیر خدا کا نام متصل بغیر عطف ذکر کرنا مکروہ ہے مثلا بسم اللہ محمد رسول اللہ پیش کے ساتھ کہنا کیونکہ وہ غیر بطریق عطف مذکور نہیں تو گویا ذابح اس کی ابتدا کرنے والا قرار پایا لیکن وصل کی صورت کی وجہ سے مکروہ ہے۔

جوہرہ نیرہ شرح قدوری میں ہے:

ولاینبغی ان یذکر مع اسم اللہ تعالیٰ شیئا غیرہ مثل ان یقول بسم اللہ محمد رسول اللہ والکلام فیہ علی ثلثۃ اوجہ احدھا ان یذکرہ موصولا بہ لا معطوفا مثل ان یقول ماذکرنا فھذا یکرہ ولاتحرم الذبیحۃ۔ (جوہرنیرہ ج۲ ص ۲۴۲)

اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر خدا کا نام ذکر کرنا مناسب نہیں مثلا بسم اللہ محمد رسول اللہ کہنا اور اس مسئلہ میں تین طریق پر کلام ہے پہلا طریقہ یہ ہے کہ خدا کے نام کے ساتھ غیر خدا کا نام متصل بلاعطف ذکر کیا جیسے یہی الفاظ کہے جو ہم نے ذکر کئے تو یہ ذبیحہ مکروہ تو ہوا حرام نہیں ہوا۔

تنویرالابصار ودرمختار میں ہے:

وان ذکر مع اسمہ تعالیٰ (غیرہ فان وصل) بلاعطف (کرہ لقولہ بسم اللہ اللّٰھم تقبل من فلان) او منی ومنہ بسم اللہ محمد رسول اللہ بالرفع لعدم العطف ویکون مبتدئا لکن یکرہ للوصل صورۃ۔ (ردالمحتار ج۵ ص ۱۵۷)

اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر خدا کا نام ذکر کیا اگر بغیر عطف کے متصل کیا تو ذبیحہ مکروہ ہوا مثلا یہ کہا بسم اللہ اللّٰھم تقبل من فلان یامنی او بسم اللہ محمدرسول اللہ رفع کے ساتھ بسبب عطف نہ ہونے کے تو ذابح کلام کا شروع کرنے والا ٹھہرا لیکن وصل ظاہری کے سبب سے مکروہ ہے۔

اب باقی رہتی ہے صرف ایک یہ صورت کہ ذابح نے بہ نیت قربت تعظیم خدا فقط بسم اللہ اللہ اکبر کہکر جانور ذبح کیا اور وقت ذبح کسی غیر خدا کا نام عطف و بلاعطف کسی طرح نہیں لیا البتہ وقت ذبح سے قبل یا بعد کسی غیر خدا کا ذکر کیا تو وہ ذبیحہ نہ مااہل بہ لغیر اللہ کے تحت میں داخل نہ اس کی حرمت کا کوئی قائل نہ اسے حکم کراہت شامل بلکہ وہ حلال طیب ہے۔

تفسیر احمدی کی عبارت تو گذر گئی۔

ہدایہ میں ہے:

والثالثۃ ان یقول مفصولا عنہ صورۃ ومعنی بان یقول قبل التسمیۃ وقبل ان یضجع الذبیحۃ او بعدہ وھذا لاباس بہ۔ (ہدایہ اخرین ص ۴۳۴)

تیسری صورت یہ ہے کہ غیر خدا کا نام خدا کے نام سے صورۃ ومعنی علیحدہ کہا اس طرح کہ تسمیہ سے پہلے اور ذبیحہ کے گرانے سے قبل یا بعد میں تو اس ذبیحہ میں کوئی حرج نہیں۔

جوہرہ نیرہ شرح قدوری میں ہے:

والثالث ان یقول مفصولا عنہ صورۃ ومعنی بان یقول قبل التسمیۃ او بعد ھا وقبل ان یضجع الذبیحۃ فانہ لاباس۔ (جوہرہ نیرہ ج۲ ص ۲۴۶)

تیسری شکل یہ ہے کہ غیر خدا کا نام خدا کے نام سے صورۃ ومعنی علیحدہ کہا جیسے تسمیہ سے پہلے یا بعد

میں یا ذبیحہ کے گرانے سے پہلے کہا تو اس ذبیحہ میں کچھ مضائقہ نہیں۔

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

فان فصل صورة ومعنى كالدعاء قبل الاضطجاع والدعاء (قبل التسمية اوبعد الذبح لاباس به) لعدم القران اصلا۔ (ردالمحتار ج۵ ص۱۵۷)

اگر غیر خدا کا نام خدا کے نام سے صورۃ ومعنی جدا کیا جیسے ذبیحہ کے گرانے اور بسم اللہ اللہ اکبر کہنے سے پہلے دعا کرنا یا بعد ذبح دعا کرنا تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ اس میں غیر خدا کا اصلا اتصال نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عام طور پر جو جانور اولیاء کرام کے لئے نذر کئے جاتے ہیں اور ذبح سے قبل ان اولیائے کے نام سے مشہور ہو جاتے ہیں اور انہیں ذابح بوقت ذبح بسم اللہ اللہ اکبر کہکر ذبح کرتا ہے اور بعد ذبح اس عمل کا ثواب ان کی ارواح طیبہ کو پہنچایا جاتا ہے تو یہ ذبیحہ بلا شک حلال طیب ہے اور فقہاء کی اس آخری صورت میں داخل ہے۔

چنانچہ تفسیر احمدی میں اسی آخری صورت کو ذکر فرما کر لکھتے ہیں:

ومن ههنا علم ان البقرة المنذورة للاولياء كماهو الرسم فى زماننا حلال طيب لانه لم يذكر اسم غيرالله عليها وقت الذبح وان كانوا ينذرونهاله۔

(تفسیر احمدی ص۳۴)

اور اسی مقام سے جان لیا گیا کہ بیشک وہ گائے جو اولیاء کے لئے نذر کی گئی جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رسم ہے حلال طیب ہے کیونکہ بوقت ذبح اس پر غیر خدا کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ انہوں نے اسے ان کی نذر مانا۔

تفسیر صاوی میں ہے: اما ان قصد ان الذبح لله وثوابه للولى فلاباس بذلك۔

(صاوی ج۲ ص۲۳۱)

لیکن اگر یہ قصد کیا کہ ذبح تو اللہ کے لئے ہے اور اس کا ثواب ولی کے لئے ہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

ان عبارات میں نہایت صاف صریح الفاظ میں یہ جزئیہ موجود ہے جس کے بعد کسی منصف مزاج کو تو جائے سخن ومجال دمزدن نہیں مگر وہابی اس حلال طیب ذبیحہ کو آیہ ما اهل به لغيرالله میں داخل

مانکر حرام قرار دیتا ہے اور آیت قرانی میں تحریف کرتا ہے۔ اور سلف وخلف کی تفاسیر کی مخالفت کرتا ہے۔ کتب فقہ کی تصریحات سے انکار کرتا ہے احکام شرع میں تصرف کرتا ہے اور آیت کی تفسیر محض اپنی رائے ناقص سے کرتا ہے اور بلا وجہ مسلمانوں کو مشرک بناتا ہے۔ ـ ـ ـ ـ

یہاں یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں وہابیہ کی چند جہالات کو اور ظاہر کر دیا جائے تا کہ عوام پر بھی ان کی جہالت روشن ہو جائے۔

جہالت اولیٰ ـ جانور کا کسی ولی کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہو جانا پھر اسے ان بزرگ کے نام سے پکارنا مثلا حضرت مدار کا مرغ حضرت احمد کبیر کی گائے۔ حضور غوث پاک کا بکرا۔ اگر یہ غیر ذابح کا فعل ہے تو اسکا ذابح پر کیا اثر کہ حلت وحرمت ذبیحہ کے لئے ذابح کا قول معتبر ہے۔

درمختار میں ہے: وتشترط التسمية من الذابح۔ (ج۵ ص۱۵۸)

ردالمحتار میں من الذابح کے تحت میں فرماتے ہیں:

واحترز به عمالو سمى له غيره فلاتحل۔ (ردالمحتار ج۵ ص۱۹۸)

لہذا جب ذابح نے اسے بسم اللہ اللہ اکبر کہکر ذبح کیا تو کسی غیر ذابح کا ذبح سے قبل یا بعد بلکہ ذبح کے وقت بھی کسی غیر خدا کا نام پکارنا کیا مضر ہے۔ اب وہابی کا ذابح کے قول وفعل کو چھوڑ کر غیر ذابح کے قول وفعل کی بنا پر کسی ذبیحہ کا حرام کر دینا اور ما اهل به لغيرالله میں داخل کر دینا جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔

جہالت ثانیہ ـ اگر ذابح ان بزرگوں کی طرف نسبت کرتا تھا لیکن اسنے بوقت ذبح اس جانور کو صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہکر ذبح کیا تو وہ ذبیحہ حلال ہے کہ اعتبار وقت ذبح کا ہے۔

ردالمحتار میں ہے: اعلم ان المدار على القصد عند ابتداء الذبح۔

(ردالمحتار ج۵ ص۲۰۳)

لیکن وہابی کا وقت ذبح کو معتبر نہ کرنا اور پہلے کلام کا حجت بنالینا جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔

جہالت ثالثہ ـ جانور کی بزرگوں کی طرف نسبت ایک اونے علاقہ کی بنا پر ہے جیسے فجر کی نماز۔ ظہر کی نماز۔ عصر کی نماز۔ مغرب کی نماز۔ عشاء کی نماز۔ اشراق کی نماز۔ چاشت کی نماز تہجد کی نماز۔ عید کی نماز۔ جمعہ کی نماز۔ مسافر کی نماز۔ بیمار کی نماز۔ امام کی نماز۔ مقتدی کی نماز۔ رمضان کا روزہ۔ کفارہ کا روزہ۔ محرم کا روزہ۔ دوشنبہ کا روزہ۔ چاندی زکوۃ سونے کی زکوۃ ان تمام امور کو ان نسبتوں کی بنا پر

عبادت کے معنی سے خارج کرے۔ اوران پر حکم وکفر وشرک کے فتوے لگائے۔

بلکہ خود جانور کی طرف نسبت کرنے کی مثالیں سنئے۔ عقیقہ کی بکری۔ قربانی کا بکرا۔ شادی کی گائے۔ ولیمہ کا بچھڑا۔ اس سے زائد یہ کہ ایام قربانی میں عوام کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہیں۔ میری گائے آج ذبح ہوگی۔ تیری گائے کل ذبح ہوگی۔ عبداللہ کی گائے موٹی ہے۔ عبدالرحمٰن کی گائے دبلی ہے۔ اللہ بخش کی گائے سرخ ہے۔ مولیٰ بخش کی کالی ہے۔ اوراسی طرح بہت سی نسبتیں غیر خدا کی طرف کی جاتی ہیں۔ خود وہابیہ بھی ذبح سے قبل ایسی نسبتیں کرتے ہیں مگران نسبتوں کی بنا پر کبھی اس جانور کو حرام نہیں کہتے اوراسے مااھل به لغیر الله کے تحت میں داخل نہیں کرتے۔ لہذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ بزرگوں کی طرف جانور کی جونسبت کیجاتی ہے وہ بقصد عبادت نہیں ہے یعنی اس لئے نہیں ہے کہ اس جانور کی جان دیکر فلاں بزرگ کی عبادت مقصود ہے۔ پھر بھی اگر کوئی جاہل اس معنی عبادت کی غرض سے جانور کی کسی بزرگ کی طرف نسبت کرے تو وہ ذبیحہ حرام اوراس کا ذابح کافر ہے۔

تفسیر صاوی میں ہے: اما المسلم ان جمع بینهما علی وجه التشریك فی العبودية فهو مرتد لاتوکل ذبیحته۔ (صاوی ج۲ ص۳۸)

لیکن مسلمان نے اگر خدا اور غیر خدا کو بطریقہ شریک کرنے کے بندگی میں جمع کیا تو وہ مرتد ہوگیا اوراس کا ذبیحہ نہیں کھایا جاسکتا۔

بالجملہ مسلمان کو اس کا مذہب اس غرض کی بنا پر کبھی کسی بزرگ کی طرف نسبت کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

درمختار میں ہے: لانسیء الظن بالمسلم انه یتقرب الی الآدمی۔

شامی میں یتقرب الی الادمی کے تحت میں فرماتے ہیں:

ای علی وجه العبادة لانه المکفر وهذا بعید من حال المسلم۔

اوراسی میں اسی صفحہ پر ہے: لایفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامه او فعله علی محمل حسن۔ (ردالمحتار ج۵ ص۲۰۳)

تو مسلمان کی ایسی نسبت کرنے کا علاقہ صرف اس قدر ہوتا ہے کہ اس جانور کے ذبح کرنے کا ثواب فلاں بزرگ کو پہنچایا جائے گا۔ لہذا وہ اس اونے علاقہ کی بنا پر اس جانور کی نسبت فلاں بزرگ کی طرف کردیتا ہے۔ اورایسی نسبت کی اصل خود حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور سید عالم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انکی والدہ ام سعد کے ایصال ثواب کے لئے پانی کے تصدق کا حکم فرمایا حضرت سعد نے کنواں کھدوایا۔

فقال هذه لام سعد۔ (مشکوۃ شریف ص ۱۶۹)

حضور نے فرمایا یہ کنواں ام سعد کا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوگیا کہ جس چیز سے ایصال ثواب کیا جائے اس کی نسبت اس کی طرف کرسکتے ہیں جس کو اس کا ثواب پہنچایا جاتا ہے۔ اب وہابی کا اس نسبت کے علاقہ کو نہ سمجھنا جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔

جہالت رابعہ۔ ذبیحہ میں غیر خدا کی نیت نہ مطلقا کفر نہ حرام چنانچہ روزانہ قصاب ذبیحہ کو بخیال تجارت وبہ نیت نفع ذبح کرتا ہے یا عام طور پر مہمان کی دعوت کے قصد اور شادی میں برات کے کھانے کی نیت سے جانور ذبح کیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ ان ذبیحوں میں غیر خدا کی نیت مقصود ہوتی ہے۔ اب وہابی ان ذبیحوں کو حرام قرار دے۔ اوران پر آیۃ مااھل به لغیر الله کا حکم چسپاں کرے مگر مشکل تو یہ ہے کہ ان وہابیہ کی کافی گوشمالی صاحب درمختار نے کی۔

چنانچہ درمختار میں ہے: ولو ذبح للضیف لایحرم لانه سنة الخلیل واکرام الضیف اکرام الله۔ (ردالمحتار ج۵ ص۲۰۳)

اگر مہمان کے لئے ذبح کیا تو ذبیحہ حرام نہیں ہوتا کہ یہ حضرت خلیل اللہ کی سنت ہے اور مہمان کا اکرام اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے۔

پھر علامہ شامی نے اس کے تحت میں وہابیہ کے سارے اوہام اور بدگمانیوں ہی کا خاتمہ کردیا اور انہیں مخالف قران وحدیث اور سخت جاہل بنایا فرماتے ہیں:

ومن ظن انه لایحل لانه ذبح لاکرام ابن آدم فیکون اهل به لغیر الله تعالیٰ فقد خالف القرآن والحدیث والعقل فانه لاریب ان القصاب یذبح للربح ولو علم انه نجس لایذبح فیلزم هذا الجاهل ان لایاکل ماذبحه القصاب وما ذبح للولائم والاعراس والعقیقة۔ (ردالمحتار ج۵ ص۲۰۳)

اور جس نے یہ گمان کیا کہ مہمان کے لئے ذبح کرنا حلال نہیں اس لئے کہ یہ ذبح تکریم ابن آدم کے لئے ہے تو یہ اھل به لغیر الله ہوگیا۔ پس اس نے قران وحدیث اور عقل کی مخالفت کی کیونکہ اس میں شک نہیں کہ قصاب نفع کے لئے ذبح کرتا ہے اگر وہ نقصان جانتا تو ذبح ہی نہ کرے۔ تو اس جاہل پر لازم

ہے کہ قصاب کے ذبیحہ کو نہ کھائے اور وہ جو ولیمہ اور شادی اور عقیقہ میں ذبح ہوتا ہے نہ کھائے۔

ان عبارات سے نہایت واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ مطلقا نیت ونسبت غیر خدا کو حرام جاننے والا اور ماا ھل بہ لغیر اللہ میں داخل کرنے والا القران وحدیث کا مخالف اور عقل وفہم کا دشمن ہے اور سخت جاہل ومجنون ہے۔ وہابی ان عبارات کو پڑھ کر اپنی غلطی کا اعتراف کرے اور سوچے کہ جب اکرام مہمان میں اکرام خدا ہے تو کیا اکرام اولیاء بدرجہ اولیٰ اکرام خدا نہ ہوگا۔ اور جب دنیوی نفع کی نیت حلت ذبیحہ میں مخل نہیں ہوتو فاتحہ وایصال ثواب کی نیت کس طرح ذبیحہ کو حرام کردے گی۔

بالجملہ یہاں وہابیہ کی صرف ان چار جہالتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن پر وہ بہت نازاں ہیں ورنہ اگر خاص اسی آیہ کریمہ کے متعلق ان کی تمام جہالتوں کو شمار کرانے کا التزام کیا جائے تو کافی نمبر ہو جائیں اور نہایت مبسوط رسالہ بن جائے۔ مولیٰ تعالیٰ انہیں ہدایت کی توفیق دے اور انہیں ایسی فہم عطا فرمائے کہ جس سے یہ لوگ نصوص وکتب اسلامیہ سے غلط نتیجے نہ نکال سکیں۔ واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۰۷)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں

ایک نابالغ لڑکا جسکا بدن اور کپڑے بھی ناپاک ہیں اس نے بکرا ذبح کیا اور وہ ذبح کرنا جانتا ہے اسے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کردیا وہ ذبیحہ درست ہے یا نہیں یہاں اس کا جواب دہلی والے مفتی مظہر اللہ صاحب مسجد فتحپوری نے یوں دیا ہے کہ وہ ذبیحہ درست ہے مگر اس پر چند لوگ معترض ہیں لہٰذا آپ جواب دیں کہ وہ لڑکا روزانہ ذبح کرتا ہے جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جب یہ نابالغ لڑکا ذبح کرنا جانتا ہے اور اسپر قدرت بھی رکھتا ہے اور اس نے تسمیہ پڑھ کر ذبح کیا ہے تو بلاشک یہ ذبیحہ درست ہے اور اس کو کھایا جائے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: انکان الصبی یعقل الذبح ویقدر علیہ تو کل ذبیحتہ"

(عالمگیری جلد۲ صفحہ ۷۳)

لہٰذا مفتی دہلی کا جواب صحیح ہے جو لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں وہ مسئلہ سے بے خبر ہیں پھر جب یہ لڑکا روزانہ ہی ذبح کرتا ہے تو اس کی تاکید کی جائے کہ وہ اپنے بدن اور کپڑوں کو پاک رکھے اور صاف ستھرا رہا کرے۔ لیکن اس کا ذبیحہ بہر صورت جائز ودرست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۰۸)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں

اگر کوئی شخص روزانہ تیتر کبوتر فاختہ طاؤس مرغابی ماہی کا شکار کرکے کھاتا اور بیچتا ہے تو اس پر کسی قسم کا گناہ ہے یا نہیں؟۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

ان جانوروں کے کھانے یا بیچنے کی نیت سے شکار کرنے میں شکاری پر کسی قسم کا گناہ نہیں ہے

ردالمحتار میں ہے: ان طلب من الصید مایحتاج الیہ من بیع او ادام او حاجۃ اخری فلا باس بہ"

(ردالمحتار جلد۵ صفحہ ۳۰۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۰۹)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں

گوشت کھانا حلال جانوروں کا کب سے جائز ہوا اور گوشت کھانے کا حکم قرآن کریم کی آیۃ سے ثابت کریں؟۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

حلال جانوروں کے گوشت کا کھانا امم سابقہ سے لیکر ہی ہماری شریعت مطہرہ تک برابر جاری رہا۔ اس شریعت نے اس جواز کو منسوخ نہیں کیا بلکہ اس کے جواز کو باقی رکھا حضرت سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی غذا تو شکار کا گوشت ہی تھا۔قرآن شریف میں اس کے جواز میں کثیر آیات وارد ہیں:

﴿احلت لكم بهيمة الانعام الا مايتلى عليكم﴾ سورۃ المائدۃ

یعنی تمہارے لئے چوپائے مویشی حلال ہوئے مگر وہ جن کی حرمت آگے بیان ہوگی آیۃ

﴿ومن الانعام حمولة وفرشا كلو مما رزقكم الله﴾

یعنی اور مویشیوں میں سے کچھ بوجھ اٹھانے والے پڑے اور کچھ زمیں پر بچھے ہوئے تو کھاؤ ان میں سے جو اللہ نے تمہیں روزی دی۔لہذا ان آیات سے گوشت کھانے کا حکم ثابت ہورہا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۱۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں
خنزیر کا گوشت کیوں حرام ہوا اصل سبب بتائیں کرم واحسان ہوگا فقط

المستفتی، سید ایوب علی جادو

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

خنزیر میں کیونکہ بہت زیادہ حرص وشہوت اور بے حیائی وبے غیرتی ہے اور وہ نجاستیں زیادہ کھاتا ہے اور خاص کر انسان کی نجاست تو اس کی غذا ہے تو اس کا گوشت بھی انہیں نجاستوں سے حاصل ہوگا۔ نیز اس کے مذموم اخلاق کے اثرات اس کے گوشت میں ہونگے تو اس کے گوشت کا کھانا گویا نجاست کا کھانا قرار پاتا ہے اور اسکے گوشت کے کھانے والے پر اس کے مذموم اخلاق کے اثرات ہونگے لہذا ان نقائص کی بنا پر اس کا گوشت حرام ہونا چاہئے۔اور جب اس کا گوشت نجس العین قرار دیا تو پھر اس کی حلت ہونی ہی نہیں چاہئے۔کہ شریعت تو پاک اور بہتر اخلاق پیدا کرنے والی چیز کی اجازت دیتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿احل لكم الطيبات﴾

یعنی تمہارے لئے پاک اور خوش طبع چیزیں حلال کی گئیں۔لہذا اس کا متولد عن النجاست گوشت جو اخلاق ذمیمہ کا بھی سبب قرار پاتا ہو ہرگز حلال نہیں ہونا چاہئے بالجملہ خنزیر کے گوشت کے حرام ہونے کا یہ سبب بھی ہوسکتا ہے جو مذکور ہوا۔لیکن اس کی حرمت کے حقیقی سبب کو یا تو خالق تبارک وتعالیٰ جانتا ہے کہ اس نے کس سبب کی بنا پر اس کو حرام کیا یا اسکے وہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانیں جن پر اس کی حرمت نازل ہوئی۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۱۱)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں یہاں ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ پیشہ ور کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام ہے عرض یہ ہے کہ ذبیحہ کے پیشہ ور قصاب وبز قصاب مسلمان ہوتے ہیں اگر یہ لوگ اپنے ہاتھ سے با قاعدہ ذبح کر کے گوشت فروخت کریں تو وہ گوشت حلال ہے یا حرام اگر حلال ہے تو حلال کو حرام کہنے والا شریعت مطہرہ کی رو سے کیسا ہے استدعا ہے کہ جواب فتوی حضور مدلل تحریر فرمادیں ورنہ یہاں کے لوگ نہیں مانیں گے۔

المستفتی محمد عبد اللہ رضوی کھیری محلہ ڈیہہ پور ۳ جنوری ۱۹۵۸ء

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

ذبح سے جانور کے حلال ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا اہل کتاب سے یہود ونصاری ہو لیکن وہ اللہ کا نام لیکر ذبح کیا کرتا ہے۔

بدایہ اور اس کی شرح ہدایہ میں ہے "ذبيحة المسلم والكتابي حلال"
یعنی مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ حلال ہے۔

کنز الدقائق اور اس کی شرح عینی میں ہے۔" وحل ذبيحة مسلم و كتابي "یعنی مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ حلال ہوا۔

تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے " شرط كون الذابح مسلما او كتابيا فتحل ذبيحتهما" (ملخصا از شامی جلد ۵ صفحہ ۱۹۷)

ملتقی الابحر اور اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے " وتحل ذبیحه مسلم و کتابی "

جوہرہ نیرہ شرح قدوری میں ہے " ومن شرطه ان یکون الذابح صاحب ملة التوحید کالمسلم او دعویٰ کالکتابی "

فتاوی عالمگیری میں ہے " ومنها ان یکون مسلما او کتابیا "

ان عبارات سے ثابت ہوگیا کہ ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا کتابی ہو پھر اب چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو بالغ مکلف ہو یا عاقل نابالغ ہو یہاں تک کہ چھوٹا بچہ ذبح کو سمجھتا ہو اور اس پر قدرت رکھتا ہو تو اس کا ذبیحہ بھی حلال ہے،

درمختار میں ہے "فتحل ذبیحتهما ولو الذابح مجنون او امراة او صبیا یعقل التسمیه والذبح ویقدر او اقلف او اخرس "

لہذا قصاب پیشہ ور بھی تو مسلمان ہی ہے تو اس کا ذبیحہ بھی بلا شبہ حلال ہے اور قصاب کے ذبیحہ کے لئے تو کتب فقہ میں ان کے نام سے یہاں تک تصریح موجود ہے۔

ردالمحتار میں ہے " لا ریب ان القصاب یذبح للربح ولو علم انه بخس لا یذبح فیلزم الجاهل ان لا یاکل ما ذبحه القصاب " (ردالمحتار مصری جلد ۵ صفحہ ۲۰۳)

اس میں کچھ شک نہیں کہ قصاب تو نفع ہی کے لئے ذبح کرتا ہے اور اگر اسے گھاٹے اور نقصان کا یقین ہو جائے تو وہ ذبح نہ کریگا تو اس جاہل پر لازم ہے کہ وہ قصاب کے ذبح کئے ہوئے کو نہ کھائے۔

اس عبارت سے ثابت ہوگیا کہ قصاب تو جانور کو محض اپنے نفع کی خاطر ذبح کرتا ہے تو اس کے ذبیحہ کو تمام اہل اسلام حلال جانتے ہیں اور اس کا گوشت حلال سمجھ کر کھاتے ہیں تو فقہاء نے اس شخص کو جو قصاب کے ذبیحہ کو جائز نہ جانے جاہل قرار دیا تو اس سوال میں جس شخص کے متعلق دریافت کیا گیا ہے کہ وہ قصاب کے ذبیحہ کو حرام کہتا ہے اس کا نادان و جاہل ہونا تو اس عبارت سے ثابت ہوگیا پھر اس کی دلیری ملاحظہ ہو کہ وہ مذہب کی اس قدر معتبر کتابوں کی مخالفت کرتا ہے اور شریعت کے حلال کئے ہوئے کو حرام ٹھہرا کر دین کے حکم کو بدلتا ہے اور محض اپنی غلط رائے اور ناقص عقل سے مسائل بیان کرتا ہے لہذا اس پر توبہ واجب ولازم ہے کہ اس نے اپنی کج فہمی سے حلال کو حرام قرار دیدیا۔ مولیٰ تعالیٰ اس کو توفیق دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۱۵؍رجب المرجب ۱۳۷۷ھ۔

کتبه : الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

مسئلہ (۸۱۲)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں

اگر جانور مسلمان نے ذبح کیا اور ہندو اس کو اٹھا کر بیچنے کی جگہ لے جاتا ہو جہاں سے وہ لایا اور جہاں لے گیا اس درمیان میں کوئی نہ کوئی مسلمان ضرور اس کو راستے میں ملتا رہا اس صورت میں یہ گوشت مسلمان کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق بھی ذرا واضح طور پر تحریر فرمایا جائے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جب جانور کو مسلمان نے ذبح کیا ہے اور کوئی نہ کوئی مسلمان وقت ذبح سے خریداری کے وقت تک اسے برابر دیکھتا رہا ہو یعنی کسی وقت مسلمان کی نگاہ سے وہ غائب نہ ہوا ہو یہانتک کہ اس بات پر یقین حاصل ہو کہ یہ وہی جانور ہے جو مسلمان نے ذبح کیا تھا تو اس سب گوشت کا خریدنا اور کھانا درست وجائز ہے اور صرف ہندو کافر کا یہ کہنا کہ یہ وہی جانور ہے جس کو مسلمان نے ذبح کیا تھا معتبر نہیں۔ اذ لا اعتبار لقول الکافر فی الدیانات۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبه : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۱۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

جھینگا مچھلی یعنی آنراہندی چنگڑی کو یند کھانا ناجائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب جواب مرحمت ہو۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

کتب لغت وطب کی تصریحات سے ظاہر ہے کہ جھینگا مچھلی کے اقسام میں داخل ہے۔

منتہی الارب میں ہے: از بیان نوع از ماہی است کہ آنرا ہندی جھینگا می گویند۔

مخزن میں ہے: او بیان دار بیان نیز آمدہ بفارسی ماہی او بیان ماہی میک وبہندی جھینگا مچھلی نامند

جب اس کا مچھلی ہونا ثابت ہوگیا اس کے کھانے کے جواز میں کیا یہ شبہ باقی رہ گیا حتی کہ شامی

میں یہ عبارت منقول ہے:

و فی السمک الصغار اللتی تقلی من غیر ان یشق جوفه فقال اصحاب الشافعی لا یحل اکله لان رجیعه نجس و عند سائر الائمة یحل ۔

لیکن جواہر اخلاطی میں یہ تصریح بھی موجود ہے:

السمک الصغار کلها مکروهة کراهة التحریم هو الاصح ۔

کہ چھوٹی مچھلیاں مکروہ تحریمی ہیں لہذا جھینگا کو نہ کھایا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل



﴿۸۱﴾

باب الاضحیۃ

مسئلہ (۸۱۴)

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) عورت پیشہ آوارگی اختیار کئے ہوئے ہے اور اس کا باپ اسی عورت کے لئے تخمیناً ۱۵، ۲۰ ماہواری باہر سے روانہ کرتا ہے۔ عیدالاضحیٰ کے موقع پر اس کی چرم قربانی کو مسجد کے مدرسہ اسلامیہ میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے مطلق حرام ہے۔

(۲) زید مذکور کا تعلق ایک سود خور سے ہے جب کہ زید بکر نے سود خور کی خورد ونوش کا اور اسکے چرم قربانی کا اور چندہ مسجد ومدرسہ وغیر کے لئے کہا تو زید نے جواب دیا کہ جائز ہے آیا دراصل جائز ہے یا نہیں؟۔

(۳) زید مذکور جواب دیتا ہے کہ جائز ہے جیسے کہ ایک شخص کی آمدنی پینیٹھ دوکان وغیرہا تخمیناً بارہ آنے ہیں تو اس صورت پر چار آنے رقم سود بھی شامل ہوکر جائز ہوگئی مثال دیتا ہے کہ مثلاً ایک روپیہ سکہ رائج الوقت میں بارہ آنے یا چودہ آنے چاندی ہے اور دو آنہ دیگر اقسام کی دھات ملکر ایک روپیہ چاندی ہوجاتا ہے اسی طرح پر چار آنے سود بھی روپیہ کے ساتھ جائز ہے بہر حال قول زید سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک روپیہ چار آنے سود کا جائز ہے؟۔ جواب مفصل بحوالہ کتب

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) ایسی زانیہ کی قربانی اگر بیقین معلوم ہو کہ بلا کسی حیلہ شرعی کے اسی کسب حرام سے ہے تو اس چرم کو صرف مدرسہ کے غریب طلبہ یا فقرا مساکین کو بہ نیت تصدق بلا قصد حصول ثواب دیا جاسکتا ہے۔ مدرسہ اور مصارف میں اس کا صرف کرنا جائز نہیں۔

شامی میں ہے: لان سبیل الکسب الخبیث التصدق۔

اوراس کا کسب حرام سے ہونا معلوم ہو یا حرام وحلال کے خلط محض شک ہی ہو اور حرمت کا کوئی علم یقینی نہ ہو تو اس چرم کا مدرسہ کے اور مصارف میں صرف کرنا بھی جائز ہے۔

شامی میں ہے: الشك والاحتمال لايوجب الحكم واليقين لايزول بالشك۔

اور جب پاس حلال کا بھی ذریعہ ہے کہ اس کو ماہوار دیتے ہیں تو حسن ظن حاکم ہے کہ اس نے یہ فعل قربت اس پاک مال سے کیا ہوگا جب تک اس کے خلاف دلیل قائم نہ ہو۔ لہذا زید کا اس کو مطلق حرام کہنا دین پر افترا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) ایسا سود خور جس کا ذریعہ آمدنی سود کے سوائے اور کوئی حلال طریقہ نہ ہو اس کا مال حلال کو اس سودی مال میں ملانا معلوم تو یہ مال خبیث ہوئے تو بعینہ اس کا کھانا یا اس کو مسجد یا مدرسہ میں لگانا جائز نہیں۔ شامی میں ہے:

لوانفق فی ذلك مالا خبيثا ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره لان الله تعالى لايقبل الا الطيب فيكره تلويث بيته بمالايقبله كذا فی الهندية وغيرها۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۳) قول زید سراسر غلط ہے اور مذہب میں اپنی رائے ناقص کا دخل ہے اگر اس طرح کوئی چیز جائز ہوجایا کرے تو کنویں میں پیشاب کا ایک قطرہ شامل ہو کر بھی کنواں ناپاک نہ ہو۔ لہذا قول زید قابل التفات نہیں، ایک روپیہ پر چار آنے کا اضافہ تو بڑی چیز ہے ایک پائی کا اضافہ بھی بلاکسی عوض کے سود ہے۔ کماهو مصرح فی سائر كتب الفقه۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۱۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

قربانی کی کھال امام مسجد کو دیدیتے ہیں۔ امام صاحب اس کو فروخت کر دیتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟۔ قربانی میں کوئی نقص تو نہیں ہوتا اور ثواب میں تو کوئی کمی نہیں ہوتی؟۔

خلیل احمد نیوریا

الجواب

اللھم ھدایة الحق والصواب

چرم قربانی امام مسجد کو دے سکتے ہیں اور وہ امام اس کو فروخت بھی کر سکتے ہیں۔ پھر اس میں نہ قربانی میں کوئی نقص ہو نہ ثواب میں کوئی کمی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۱۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱) قربانی کا گوشت یہود ونصاری اور ہندوؤں کو دینا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) قربانی کے جانور کی ہڈی وآلایش وغیرہ کتوں کو دیدینا چاہئے یا دفن کردینا بہتر ہے۔

الجواب

الھم ھدایة الحق والصواب

(۱) قربانی کا گوشت کسی کافر کو نہ دینا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ بالصواب

(۲) قربانی کے جانور کی ہڈی اور آلائش کا دفن کردینا ضروری نہیں انہیں کتوں کو بھی دے سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب،

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۱۷)

جناب مولوی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک شخص قربانی ہمیشہ کرتا آیا ہے۔ درمیان سال صاحب نصاب تھا۔ لیکن اب نہیں ہے۔ قربانی کرسکتا ہے۔ یا تو قرض لیکر یا ضروری خرچ بند کر کے۔ اس میں کون سی صورت بہتر ہوگی؟۔

احقر نورالدین رضا حسین چودھری سرائے سنبھل

الجواب

الھم ھدایة الحق والصواب

دسویں تاریخ کو جو صاحب نصاب ہے اس پر قربانی واجب ہوتی ہے اور جو اس دن مالک

نصاب نہ ہو اس پر قربانی فرض نہ ہوگی۔ اگر نفل کرنا چاہے تو ادا ہوسکتی ہے فقط۔

محمد دانش علی زیدی مولوی عالم دبیر کامل مالک دواخانہ قرانی محلہ نالہ
سنبھل ضلع مرادآباد ۱۶ جون ۱۹۵۸ء

جواب صحیح ہے۔ اور شرعا چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے تو جو چاندی سونے کی ان مقداروں یا ان مقداروں کی قیمت کا مالک ہو اس کو شرع مالک نصاب کہتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب محمد اجمل غفرلہ اللہ عزوجل مفتی مدرسہ اجمل العلوم سنبھل

مسئلہ (۸۱۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ
قربانی کے جانور کو ذبح کرتے وقت تمام شرکا کے نام لینا کیا ضروری ہے؟۔

الجواب

اللھم ھدایة الحق والصواب

قربانی کا جانور خریدتے وقت شرکت کی نیت کرنا ضروری اور ذبح سے پہلے شرکاء کو متعین کرلینا بھی ضروری ہے۔ لیکن ذبح سے پہلے ان سب شرکاء کے نام لیکر ذبح کرنا نہ ضروری نہ سنت نہ مستحب بلکہ اس وقت ان کے نام نہ لئے جائیں۔ ہاں بعد ذبح کے دعا میں ان کے نام لینا مستحب ہے۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۱۹)

جس پر قربانی واجب ہے اگر وہ قربانی نہ کرے اور جو قیمت قربانی کے جانور کی ہو وہ قیمت ہی صدقہ کردے تو یہ جائز ہے؟۔ یا قربانی ہی کرے؟۔ اور اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ قربانی سے بری ہو جائے گا یا نہیں؟۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اللھم ھدایة الحق والصواب

جس پر قربانی واجب ہو اور اس نے نہیں کی یہاں تک کہ ایام گزر گئے اور اس نے جانور بھی نہیں

خریدا تھا تو اس پر ایک بکری کی قیمت کا صدقہ واجب ہے۔

ردالمختار میں ہے: ولو اعسر بعد خروج الوقت صار قیمة شاة صالحة للاضحیه دینا فی ذمة (و فیه ابضا) وجوب الصدقة بالقیمة مقید بما اذا لم یشتر۔

(ردالمختار ص ۲۰۸ ج ۵۔)

اگر ایام قربانی کے نکلنے کے بعد نادار ہوگیا تو اس کے ذمہ اسی ایک بکری کی قیمت واجب ہوگی جو قربانی کے لائق ہو۔ قیمت کے صدقہ کرنیکا وجوب اس صورت میں ہے جب جانور نہ خرید کیا ہو۔ اور اگر جانور خرید چکا تھا اور قربانی نہیں کہ تو وہ بلا ذبح کے بعینہ اس زندہ جانور کا صدقہ کرے۔

اسی ردالمختار میں ہے:

الصحیح ان الشاة مشتراة للاضحیة اذا لم یضح بها حتی مضی الوقت یتصدق الموسر بعینه حیة کالفقیر بلا خلاف بین اصحابنا۔

صحیح مذہب یہ ہے کہ جب قربانی کے لئے بکری لائی گئی اور اس کی قربانی نہیں کی یہاں تک کہ ایام قربانی گذر گئے تو مالدار بھی فقیر کی طرح بعینہ زندہ جانور کا صدقہ کرے۔ اس میں ہمارے اصحاب میں کوئی اختلاف نہیں: اور بعد گزر جانے ایام قربانی کے قربانی نہیں کی جائیگی۔

اسی ردالمختار میں ہے:

وان لم یشتر مثلها حتی مضت ایامها تصدق بقمیتها لان الاراقة انما عرف قربة فی زمان مخصوص۔

اور اگر ان ایام میں نہیں خریدی یہاں تک کہ ایام قربانی گذر گئے تو اس کی قیمت کا صدقہ کرے اس لئے کہ خون بہانے کا قرب ہونا مخصوص زمانہ میں شرعا معلوم ہوا۔

اور اگر قربانی کر کے جانور ذبح کر دیا تو اسکا گوشت خود نہ کھائے بلکہ سب گوشت صدقہ کرے۔ اور بری الذمہ ہونیکی امید ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۲۰)

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم۔

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام ادام فیضھم المولے العلام ان مسائل میں کہ

(۱) گائے قربانی کیلئے خریدی گئی لیکن ہندوؤں کے ظلم یا فساد یا اور کسی خاص وجہ کر قربانی نہیں کی گئی۔ کیا وہ گائے فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟۔ اگر فروخت نہیں کرتے ہیں تو روزانہ ایک روپیہ اس کے ذمہ خرچ ہے۔ سال میں سیکڑوں روپیہ خرچ پڑیگا پھر آیندہ سال کوئی امید نہیں کہ گائے کی قربانی کی جاسکتی ہے۔ ان مجبوریوں سے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔

(۲) گائے قربانی کیلئے خریدی گئی لیکن کسی خاص وجہ سے قربانی نہیں ہوئی اور گائے فروخت کردی گئی۔ اب گائے کی قیمت حصہ دار کو واپس کر دیا اور وہ اپنے حصہ کا رقم ذاتی مصرف میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟۔ اگر ذاتی مصرف میں خرچ نہیں کر سکتے ہیں کسی نیک کام میں مثلاً جلسہ وعظ یا مسجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟۔

(۳) زید اہل نصاب ہے اور قربانی کرنا چاہتا ہے لیکن اپنے نام سے نہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام سے یا اپنے مردہ ماں باپ کے نام سے کرے تو جائز ہے یا نہیں؟۔

(۴) ایک خصی ہے جو ایک سال میں پندرہ یا بیس دن کم ہے لیکن بظاہر ایک سال یا ایک سال سے زیادہ کا معلوم ہوتا ہے ایسی صورت میں اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟۔

محمد شفیع کچہری روڈ جگدل۔ ۲۴ پرگنہ۔ ۲۱ اکتوبر ۴۸ء۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(۱) جو قربانی کا جانور بہ نیت قربانی خریدا گیا اور قربانی کے ایام یعنی ایام نحر گذر گئے اور وہ قربانی نہ کرسکا تو اس جانور کو بعینہ زندہ ہی صدقہ کر دیا جائے۔

شامی میں ہے: الصحیح ان الشاۃ المشتراۃ للاضحیۃ اذا لم یضح بها حتی مضی الوقت یتصدق الموسر بعینها حیۃ کالفقیر بلا خلاف بین اصحابنا فان محمدا قال وھذا قول ابی حنیفہ وابی یوسف وقولنا۔ (شامی مصری ص ۲۱۱ ج ۵)

تو جب وہ گائے زندہ موجود ہے تو اسے زندہ ہی صدقہ کر دیا جائے۔ اسکو فروخت کرنے کی حاجت نہیں اور اسکا سال بھر تک روکنا بالکل بیکار ہے کہ اسے سال آئندہ کے ایام قربانی میں بہ نیت قضا ذبح نہیں کرسکتا بلکہ پھر زندہ ہی کو صدقہ کرنا ہوگا۔

عالمگیری میں ہے: فان لم یفعل ذلک حتی جاء ایام النحر من العام القابل فضحی بها عن العام الماضی لم یجز۔ (عالمگیری ص ۹۷ ج ۴) واللہ تعالی اعلم بالصواب

(۲) جب وہ گائے قربانی کے لئے خریدی تھی اور اس کی ایام نحر میں قربانی نہیں ہوسکی یہانتک کہ اب اس کو بیچ دیا گیا تو اس کی قیمت کو صدقہ کیا جائیگا اور قیمت کے کسی جز کو اپنے صرف میں نہیں لاسکتا۔

عالمگیری میں ہے" ولا یجوز الاکل منها فان باعها تصدق بثمنها۔

اور جب اسکا صدقہ ضروری ہے تو اسے جلسہ وعظ یا مسجد میں نہیں دینا چاہیے۔ بلکہ فقراء و مساکین پر خرچ کریں۔ "لان فی الخانیۃ فی بعض الصور وقال یتصدق قیمتها علی الفقراء فیمکن ان یکون التصدق علی الفقراء مرادا فی التصدق مطلقا واللہ تعالی اعلم بالصواب

(۳) زید جب مسلمان۔ آزاد۔ مقیم۔ صاحب نصاب ہے تو خود اس کو اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے۔ تو پہلے اپنے فریضہ کو ادا کرلے۔ اس کے علاوہ اگر اسوقت ماں باپ وغیرہ کی طرف سے قربانی کرے تو جائز ہے اور یہ اسکا تبرع واحسان ہے اسکا ثواب اس میت کو پہنچتا ہے۔

شامی میں اور فتاوی قاضی خاں میں ہے۔ "اذا ضحی رجل عن ابویہ بغیر امرهما وتصدق بہ جاز لان اللحم ملکہ وانما للمیت ثواب الذبح الصدقۃ"

اسی طرح اگر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنا بلاشبہ جائز ہے:

لان علیا رضی اللہ عنہ فعل عنہ وضحی کبشاعنہ وحقہ علیہ السلام فوق حقوق ابویہ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

(۴) ایک سال سے کم کا دنبہ یا بھیڑ چاہے ششماہی ہو۔ اب وہ خصی ہو یا نہ ہو جب وہ ایک سال والے کی برابر معلوم ہوتا ہے تو بلاشبہ اس کی قربانی جائز ودرست ہے۔ بکری بکرے کا یہ حکم نہیں۔

درمختار میں ہے: "صح الجذع ذوستۃ اشهر کالضان ان کان بحیث لو خلط بالثنایا لا یمکن التمیز من بعد۔" (شامی مصری ص ۲۱۱ ج ۵)

صورت مسئلہ میں اگر وہ خصی بھیڑ یا دنبہ ہے تو اس کی قربانی درست ہے اگر وہ بکرا ہے تو نادرست ہے واللہ تعالی اعلم بالصواب۔ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۶۸ھ۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (٨٢١)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

جس طرح قربانی کے جانور میں سات آدمی شریک ہوتے ہیں اسی طرح عقیقہ کے جانور میں بھی سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں یا نہیں؟۔ للہ رحم فرماکر مفصل جوب عنایت فرمائیں اس پر مہر ہونا ضروری ہے۔

المستفتی عظمت خان نور خان بمقام شیوالا پوسٹ ولی نگروایا میار گجرات

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جن جانوروں میں سات آدمی شریک ہوسکتے ان میں سات عقیقے بھی ہوسکتے ہیں۔ ہاں اولے یہ ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو حصے اور لڑکی کی طرف سے ایک حصہ لیا جائے۔ اور اگر لڑکے لڑکی ہر ایک کی طرف سے ایک ایک حصہ کیا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ بصورت شرکت سب بچوں کے نام مع ولدیت کے دعائے عقیقہ میں لینے چاہیں۔ فقط واللہ تعالی اعلم بالصوب ١٠ رشوال المکرم ١٣٧١

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (٨٢٢)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ہر دو مسئلہ میں کہ

(١) اگر کوئی شخص عقیقہ کی نیت سے بجائے خصی اور بکری کے گائے ذبح کرے تو عقیقہ درست ہوگا یا نہیں؟۔

(٢) اگر کسی مسجد کا متولی تمام شہر کے مسلمانوں کا فطرہ یا مال زکوۃ وصول کر کے شہر کے اندر کوئی اسکول یا مدرسہ تعمیر کرے اگر چہ اس میں دینی اور مذہبی اور اسلامی تعلیم ہوگی تو ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟۔ اگر متولی نے ایسا کیا تو شریعت کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم معہ حوالہ جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی روزن میاں وظفر الدین

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(١) عقیقہ میں گائے کے ذبح کرنے میں گویا سات بکریوں کا ذبح کرنا پایا گیا۔ تو یہ ایک خصی بکری کے ذبح کرنے سے سات گنا زائد قرار پایا۔ تو اسکے نہ فقط درست ہونے بلکہ افضل وبہتر ہونے میں کوئی کلام نہیں کرسکتا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: لو اشتری بقرۃ یرید ان یضح بھائم اشترک فیھا ستۃ یجزیھم لانہ بمنزلۃ سبع شیاہ حکما ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(٢) فطرہ وزکوۃ کے مال میں تملیک ضروری ہے۔ لہذا متولی کا فقیر کو بلا تملیک کئے ہوئے اس فطرہ وزکوۃ کے مال کا تعمیر مدرسہ میں لگانا ہرگز ہرگز درست نہیں۔ لا نعدام التملیک وھو الرکن کما فی الھدایۃ و غیرھا ۔ اور متولی نے ایسا کیا تو اس پر اتنی کا ضمان ادا کرنا واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (٨٢٣)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

قربانی مالک نصاب خود اپنے نام کی بجائے گھر بھر میں کسی فرد کی جانب سے کردے تو اس کی قربانی ادا ہوگی یا نہیں؟ مثلا زید نے بجائے خود اپنے بچوں کے یا بیوی یا بہن یا ماں یا کسی عزیز قریب کے طرف سے کردے اور اپنے نام سے نہ کرے تو کیا حکم ہے؟۔ بینوا توجروا۔

المستفتی نور محمد میاں ٹیٹا گڈھ

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

مالک نصاب پر صرف اپنی طرف سے قربانی واجب ہے۔

درمختار میں ہے: فتجب التضحیۃ علی کل مسلم و مقیم و مو سر عن نفسہ لا عن طفلہ ۔ تو جب اس نے اپنی طرف اور اپنے نام ہی سے سے قربانی کی تو اس کی قربانی ادا ہوگئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ٢ رذی القعدہ ١٣٧٤ھ

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

کتاب الایمان والنذور

﴿۸۲﴾

باب الحلف والیمین

مسئلہ (۸۲۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ

ایک شخص کو چند برادروں نے قوم کا سرپنچ بنانا چاہا اس شخص نے انکار کیا تو اس کو اس بات پر براروں نے مجبور کیا اور یہ قول واقرار کیا کہ ہم سب تمہارے خلاف نہ ہونگے اگر کسی وقت بھی تم کو چھوڑ یں تو خدا ورسول کو چھوڑیں اور خدا اور رسول سے پھریں اب چند آدمی عہد کر کے پھر گئے اور خلاف ہیں جو حکم شرعی ان لوگوں کا ہو ارشاد فرمایا جائے۔ نشانی انگوٹھ عبداللہ کمہار چمن سرائے سنبھل

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر فی الواقع ان لوگوں نے اس قدر زبردست عہد کیا تھا اور اس عہد کو اتنے اہم حلف کے ساتھ مؤکد کیا تھا اور پھر باوجود ایسے مؤکد عہد وحلف کے خود ہی ان لوگوں نے عہد شکنی کی اور حلف کے خلاف کیا تو ایسے لوگ شرعا توبہ واستغفار کریں اور تین روزے رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۲۵)

کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین نسبت مسائل کے حوالہ جات قرآن واحادیث سے جواب عنایت فرمایا جائے

زید ایک معزز شخص سمجھا جاتا ہے بکر ایک مسجد کا متولی ہے جس مسجد کے مرمت وغیرہ کا قرضہ ادا کرنا ہے وہ زید کو کہتا ہے کہ کسی شہر سے چندہ کر کے لاؤ تاکہ جو قرضہ مسجد کے ذمہ ہے وہ ادا کردیا جائے۔

زید باہر جاتا ہے کچھ چندہ کر کے لاتا ہے اس کی یاداشت بکر کو دیدیتا ہے۔ مسجد کے حساب کی کتاب میں یہ رقم کسی جگہ جمع نہیں ہوتی ہے۔ بکر متولی فوت ہو جاتا ہے۔ عمر جو متولی بکر کے بعد مقرر ہوتا ہے اس فہرست چندہ کو دیکھتا ہے۔ حساب مسجد میں یہ رقم کسی جگہ جمع نہیں پاتا۔ نہ اس کو اس رقم کا حساب مسجد یا قرضہ مسجد میں دیا جانا حساب مسجد سے پتہ چلتا ہے۔ وہ زید سے اس کے متعلق دریافت کرتا ہے۔ زید عمرو چند مسلمانان کے رقم بذریعہ چندہ وصول کرنا قول کرتا ہے۔ مگر کہتا ہے کہ وہ یہ رقم سابق متولی بکر کو ادا کر چکا اور اس کی تائید میں قسم کھاتا ہے کہ میں ایمان سے کہتا ہوں کہ میں یہ رقم بکر متولی کو دے چکا ہے۔ کیا ایسی قسم سے زید بری الذمہ ہوجاتا ہے؟۔ ایسی رقم کا ذمہ دار زید ہے یا ورثاء بکر۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

زید جب شرعی طور پر قسم کھا کر یہ کہتا ہے کہ میں جو چندہ بیرونجات سے وصول کر کے لایا تھا وہ میں نے کل متولی سابق بکر کو دیدیا تو زید اس حلف کی بنا پر بری الذمہ ہوگیا کہ حدیث میں ہے " البينة على المدعي واليمين على من انكر" اب یہ رقم مسجد متولی بکر کے ترکہ سے وصول کی جائے اور اگر اس نے ترکہ اس قدر نہیں چھوڑا تو یہ رقم ورثہ کے ذمہ پر واجب تو نہیں۔ ہاں وہ اگر میت کی طرف سے بطور احسان کے ادا کریں تو اس کے حق میں زیادہ بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ، المتوسل بالنبی المرسل العبد الارذل محمد اول بن المفتی مولینا الحاج محمد اجمل
نائب مفتی اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل یکم جمادی الاخرہ ۱۳۷۷ھ

هذ االجوب صحيح محمد اجمل غفرالله عز وجل ، بلده سنبهل



﴿۸۳﴾

باب النذر والهدية

مسئلہ (۸۲۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت ومفتیان احناف مندرجہ ذیل مسائل میں

(۱) کسی درگاہ میں صاحب مزار کے لئے جو نذر پیش کی جاتی ہے شرعا اس کا مستحق کون ہے؟

(۲) نذر برائے صاحب مزار اور عطیہ برائے درگاہ دونوں کا مفہوم ایک ہے یا مختلف؟ بر تقدیر ثانی دونوں کے مصارف کیا ہیں؟

(۳) عرف عام میں بطور استمداد حصول مراد کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے وہ صاحب مزار کے لئے ہوتی یا درگاہ کے لئے؟

(۴) کسی بھی درگاہ کمیٹی کو کیا یہ حق پہنچتا ہے کہ نذر صاحب مزار کی آمدنی کے استحقاق سے خدام مزار کو محروم ٹھہرا کر ان کی بجائے وہ آمدنی خود حاصل کر لے؟

(۵) نذر صاحب مزار کی رقم اگر درگاہ کمیٹی کے حوالہ کر دی گئی اور اس نے خدام پر صرف کرنے کے بجائے دوسری مد میں اسے صرف کیا تو نذر ادا ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی، فداء الملک عرشی اجمیری عفی عنہ مالک کلیمی پریس دلالیر اخبار کلیم
وسکریٹری ال انڈیا سنی جمیعۃ العلماء شاخ اجمیر شریف

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) جب نذر کے شرعی وفقہی معنی عبادت کے لئے جائیں تو پھر یہ نذر ہی صاحب مزار کے لئے ناجائز وحرام ہے۔ ردالمحتار میں ہے " والنذر للمخلوق لا يجوز لانه عبادة والعبادة لا تكون لمخلوق " (ردالمحتار مصری جلد۲ صفحہ ۱۳۱)

اس عبارت سے ثابت ہوگیا کہ نذر بھی عبادت کی طرح صاحب مزار کے لئے جائز نہیں۔ پھر جب اجلۂ علماء کرام واولیاء عظام سے معتبر کتب میں نذر کرنے اور قبول کرنے کے کثیر واقعات مروی ہیں

تو ان حضرات کو نہ آنکھیں بند کر کے اس سے ناواقف وجاہل قرار دیا جاسکتا ہے نہ ان کے افعال کو بے تکلف ناجائز وحرام ٹہرایا جاسکتا ہے لہذا ان کی نذر لاولیاء بھی شرعی وفقہی کے نہیں بلکہ یہ عرفی ہے جو بمعنیٰ ہدیہ اور پیش کش کے عرف عام میں مستعمل ہے۔ جیسے محاورہ عام میں کہتے ہیں کہ بادشاہ نے دربار کیا اسے نذریں گذاریں۔ تو یہ نذر ہدیہ وپیشکش کے ہی معنی میں ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی رسالۂ نذور میں فرماتے ہیں ''نذر ایں جا مستعمل میشور نہ بر معنی شرعی ست چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگان می برند نذر و نیاز میگویند'' اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ بزرگان دین واولیاء کاملین کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے وہ نذر شرعی وفقہی نہیں ہے بلکہ نذر عرفی ہے تو اس نذر کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ حتی کہ مانعین کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی نے اس کو درست لکھا ہے فتاوی رشیدیہ میں ہے ''جو اموات اولیاء کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے'' (از فتاوی رشیدیہ حصہ اول صفحہ ۱۲)

بالجملہ جب نذر اولیاء کا شرعا جائز اور درست ہونا ثابت ہو چکا تو اس نذر کے حقدار ومستحق صاحب مزار کے اقارب وخدام ہیں چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب ردالمحتار میں ہے:

''ان قال یا اللہ انی نذرت لك ان شفیت مریضی او رددت غائبی او قضیت حاجتی ان لهم الفقراء الذین بباب السیدة نفیسة او الامام اللیث اوا شتری حصیراً لمساجد هم او زیتا لو قودهم او دراهم لمن یقوم بشعائر ها الی غیر ذلك مما یكون فیه نفع للفقراء والنذر للہ عز وجل وذكر الشیخ انما هو محل لصرف النذر لمستحقیه القاطنین بر باطه او مسجده فیجوز بهذا الاعتبار'' (ردالمحتار مصری جلد ۲ صفحہ ۱۳۱، ۱۳۲)

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی فتاوی عزیزیہ میں فرماتے ہیں:

''حقیقت ایں آنست کہ اہدائے ثواب طعام وانفاق وبذل مال بروح میت کہ امریست مسنون از روئے احادیث صحیحہ ثابت است مثل ما ورد فی الصحیحین من حال ام سعد وغیرہ ایں نذر مستلزم میشود۔ پس حال ایں نذر آنست کہ آں نسبت مثلاً اہداء ثواب ہذا القدر رائے روح فلاں وذکر ولی برائے تعین عمل منذور است نہ برائے مصرف مصرف ایں نذر نزد ایشاں متوسلاں آں ولی میباشند از اقارب وخدمہ وہم طریقاں وامثال ذلک وہمیں ست مقصود نذر کنندگاں بلاشبہ وحکمہ انہ صحیح یجب الوفاء اے انہ قربۃ معتبرۃ فی الشرع'' (فتاوی عزیزیہ صفحہ ۱۲۸)

ان عبارات سے ثابت ہوگیا کہ اولیاء کرام کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے اس کے مالک یا صاحب مزار کے اقارب وخدام اور متوسلین ومنتسبین ہیں اور جو اس کے خلاف دعویٰ کرتا ہے وہ غلط وباطل ہے اور اسپر وہ کوئی دلیل شرعی پیش نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) نذر برائے صاحب مزار اور عطیہ برائے درگاہ ان دونوں کا ایک مفہوم نہیں ہوسکتا کہ نذر صاحب مزار سے غرض اس صاحب مزار کی روح کو ثواب پہنچانا ہے جیسا کہ ابھی فتاوی عزیزیہ کی عبارت میں مذکور ہوا تو اس نذر کے مستحق اس صاحب مزار کے اقارب وخدام قرار پائے۔ اور عطیہ برائے درگاہ اس کا مقصد صرف صاحب مزار کی روح کو ایصال ثواب کرنا نہیں ہے بلکہ درگاہ کے متعلقہ امور۔ اور تعمیری شعبے اور زائرین کے منافع کے صیغے۔ اور ملازمین وخدام کے مشاہرے ووظیفے وغیرہا سب اس میں داخل ہیں تو یہ عطیہ برائے درگاہ باعتبار نذر ہائے صاحب مزار کے عام ہے کہ اس کے مصارف یہ سب امور ہیں جن میں اقارب وخدام صاحب مزار کے وظائف بھی داخل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۳) عرف عام میں بطور استمداد حصول مراد جو نذر مانی جاتی ہے کبھی تو وہ صرف صاحب مزار کے ایصال ثوب کے لئے ہوتی ہے اور کبھی اس سے متعلقہ درگاہ کے شعبہائے مختلفہ میں سے کسی شعبہ خاص کے لئے ہوتی ہے۔ اور کبھی وہ ان شعبوں میں سے کسی شعبہ خاص کے لئے نہیں ہوتی تو نذر کا ماننے والا اس کو جس شعبہ خاص میں صرف کرنے کے لئے کہے۔ تو اسی شعبہ خاص میں صرف کیا جائے۔ پھر اگر وہ کسی خاص شعبہ کو متعین نہ کرے اور متولی یا منتظم کو اختیار تام دے۔ تو وہ اس کو ایسے شعبہ میں خرچ کرے جس میں زائد اہمیت اور حاجت ہو پھر اگر ناذر کی نیت کا ہی علم نہ ہو تو اس صورت میں فقہا کے بیان کردہ نذر کے مصرف یعنی صاحب مزار کے اقارب وخدام ہی پر صرف کردیا جائے۔

(۴) جب نذر صاحب مزار کا مصرف شرعا اقارب وخدام متعین ہوچکے تو پھر کسی کمیٹی کو یہ اختیار نہیں کہ تصریحات فقہاء کے خلاف اس میں کسی طرح کا تصرف کرے۔ اور فقہائے کرام کے بیان کردہ مصرف کو محروم کر کے اپنی خودرائی سے کوئی نیا مصرف مقرر کرے۔ پھر اگر کمیٹی ایسا تصرف کرے تو وہ یقیناً مداخلت فی الدین ہے جو شرعا وقانونا کسی طرح روا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۵) جب فقہاء نے یہ تصریح کردی کہ اس نذر کے مصارف صاحب مزار کے اقارب وخدام ہیں تو نذر والے کے نزدیک بھی نذر کے یہی مصرف ہوئے چنانچہ شاہ صاحب کے فتوے میں مذکور ہوا'' نذر نزد ایشاں متوسلاں آں ولی می باشند از اقارب وخدمہ وہم طریقاں وامثال ذلک وہمیں است مقصود

کنندگان بلاشبہ الخ'' تو اب اس درگاہ کمیٹی کا بجائے ان خدام واقارب کے کسی دوسری مد میں صرف کرنا یقیناً اس کے مقصود اور غرض کے خلاف ہے جو نذر ادانہ ہونے کو مستلزم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل ، الفقیر الی اللہ عزوجل ،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول ، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

کتاب الحظر والاباحۃ

﴿۸۴﴾

باب الاباحۃ

مسئلہ (۸۲۷) از سنبھل محلہ نالہ منجانب جمعیۃ القریش

سہرا باندھنا جائز ہے یا نہیں؟۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اقول و باللہ التوفیق: اس مسئلہ میں جواب سے پہلے یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ چند شریعت کے ضروری امور جو مثل مقدمات ہیں ہدیہ ناظرین کروں تاکہ اس مسئلہ کے سمجھنے میں آسانی ہو جائے اور اسی کے لئے ہی نہیں بلکہ دیگر مسائل کے لئے بھی یہ اصول انشاء اللہ کارآمد ثابت ہونگے۔

(۱) شریعت میں بعضے احکام بالصراحت قرآن وحدیث میں ذکر کئے گئے ہیں۔ کہ جن سے بعض کا حلال بعض کا حرام ہونا معلوم ہوگیا مثلاً گائے کی حلت اور خنزیر کی حرمت اور دوسری قسم میں وہ احکام ہیں کہ جن کا نہ ظاہراً حلال ہونا معلوم ہو نہ ان کا صراحتاً حرام ہونا ثابت ہو۔ یعنی شریعت نے ان کی حلت وحرمت جواز اور عدم جواز میں سکوت فرمایا ہے ان کے کرنے نہ کرنے کی بحث ہی نہیں کی۔ لہذا پہلے تو اس امر کا ثبوت پیش کرنا ضروری ہے۔ کہ آیا شریعت میں واقعی کچھ ایسے امور ہیں جن کے لئے سکوت اختیار کیا گیا۔ ظاہراً ان کا کوئی حکم نہیں فرمایا تو اس مضمون کے لئے ایک دو حدیث نہیں بلکہ متعدد احادیث ایسی ملتی ہیں جن سے فقہائے کرام نے قواعد کا استنباط کیا۔ چنانچہ ترمذی شریف میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ۔

یعنی حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام بتایا۔ اور جس کا ذکر نہ فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف ہے۔ یعنی اس کے فعل پر کچھ مواخذہ نہیں اس کا کرنا ہمارے لئے باعث عذاب نہیں۔ بلکہ اسی مضمون کی تصدیق آیت قرآنی میں موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یا ایھا الذین امنو لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسئو کم وان تسئلو اعنھا حین ینزل القرآن تبدلکم عفا اللہ عنھا واللہ غفور رحیم۔

اے ایمان والو! وہ باتیں نہ پوچھو کہ اگر تم پر کھول دی جائیں تو تمہیں برا لگے اور اگر قرآن اترتے وقت پوچھو گے تو تم پر ظاہر کردی جائیں گی، اللہ نے اول سے معاف فرمائی ہیں۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

دارقطنی ابوثعلبہ خشنی سے روایت کرتے ہیں کہ: حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ فرض فرائض فلا تضیعو ھا وحرم حرمات فلا تنتھکو ھا وحد حدود افلا تعتدو ھا وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے کچھ باتیں فرض کیں انھیں ہاتھ سے نہ دو۔ اور کچھ حرام فرمائیں ان کی حرمت نہ توڑو اور کچھ حدیں باندھیں ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ چیزوں سے بے بھولے سکوت فرمایا ان میں کاوش نہ کرو۔

لہذا ان سے ثابت ہوا کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ اگر ان کا حکم دیتے تو لازم ہو جاتیں۔ اور بہت سی ایسی کہ منع فرماتے تو ممنوع ہو جاتیں، پھر بندہ انھیں چھوڑتا، یا کرتا گناہ میں پڑتا۔ اس مالک مہربان نے اپنے احکام میں ان کا ذکر نہ فرمایا اور یہ کچھ بھول کر نہیں کہ وہ بھول اور عیب سے پاک ہے بلکہ ہم پر مہربانی کے لئے کہ یہ مشقت میں پڑیں یہاں تک کہ آیت مذکورہ میں فرماتا ہے کہ تم بھی اس کی چھیڑ نہ کرو کہ پوچھو گے تو حکم مناسب دیا جائیگا اور تمہیں کو دقت و دشواری ہوگی۔ تو اس آیت اور دونوں حدیثوں سے آفتاب کی طرح روشن ہوگیا کہ بعض وہ چیزیں ہیں کہ جن کے لئے شریعت میں سکوت اختیار فرمایا گیا ہے۔

(۲) اب یہ امر غور طلب ہے کہ جن چیزوں کے لئے شریعت نے سکوت اختیار فرمایا ہے وہ جائز ہیں یا ناجائز، تو ان کا حکم ضمناً اس آیت وحدیث میں معلوم ہو چکا ہے کہ ان کا کرنا معافی کا حکم رکھتا ہے اور ہم ان میں سے کسی کو کریں تو ہم پر کوئی مواخذہ نہیں لہذا یہ صراحتاً ثابت ہوا کہ اصل چیزوں میں مباح ہونا ہے چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوۃ میں پہلی حدیث کے متعلق افادہ فرماتے ہیں۔

فیہ ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اصل سب چیزوں میں مباح ہوتا ہے۔

اور نیز شیخ عبدالحق محقق اسی مشکوۃ کی شرح اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

این دلیل است برآنکہ اصل دراشیاء اباحت است۔

یعنی یہ حدیث دلیل اس کی ہے کہ اصل چیزوں میں مباح ہونا ہے۔ بالجملہ قرآن وحدیث سے جس کی بھلائی یا برائی ثابت ہو وہ بھلی یا بری ہے اور جس چیز کی نسبت کچھ بھلائی برائی کا ثبوت نہ ہو وہ معاف، جائز، مباح، روا ہے۔ اس کے کرنے پر ثواب نہیں اور نہ کرنے پر عذاب نہیں ہوتا، ہم کو اختیار ہے اگر چاہیں تو کر سکتے ہیں اور اگر نہ کریں تو کوئی حرج بھی نہیں۔ اس کا فعل نہ ہمارے ذمہ ضروری۔ اور اس کا ترک نہ ہمارے لئے حتمی ولازمی۔

(۳) شریعت میں کسی چیز کے جائز ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابہ کرام یا تابعین عظام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین خود کریں یا کسی کو حکم دیں جب ہی وہ چیز جائز ہوگی ورنہ ناجائز بدعت شرک ہے۔ امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں:

الفعل یدل علی الجواز وعدم الفعل لا یدل علی المنع۔

یعنی کسی چیز کا کرنا تو اس کے جائز ہونے کی دلیل ہے اور اس کا نہ کرنا ممانعت کی دلیل نہیں۔ نیز شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم ومغفور تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں:

نہ کردن چیزے دیگر است ومنع فرمودن چیزے دیگر

یعنی نہ کرنا دوسری چیز ہے اور منع کرنا دوسری چیز۔

لہٰذا اگر کوئی چیز قرون ثلثہ میں کسی نے نہیں کی تو وہ ناجائز نہیں ہوگی اور اس کا نہ کرنا دو وجہ سے ہو سکتا ہے۔ یا ان کے پاک مشاغل ضروریات کی ہی تکمیل کے لئے ہوں، مباحات سے احتیاطاً پرہیز کیا ہو۔ یا یہ فعل مباح اس زمانے میں موجود ہی نہ ہو ان کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہو۔ تو اب اس پر کیا دلیل ہے کہ انھوں نے اس فعل کو ناجائز ہونے کی وجہ سے نہیں کیا۔

حاصل کلام کا ان تینوں امور پر تامل کرنے کے بعد ہر ناظر کو بغیر کسی پوشیدگی اور خفا کے معلوم ہو جائیگا کہ یہ سہرا جائز ہے کہ قرآن وحدیث میں نہ اس کا صراحتاً حکم ہے نہ صراحتاً ممانعت، بلکہ شرع نے اس کے بارے میں سکوت فرمایا ہے۔ تو یہ دوسرے نمبر کے اعتبار سے مباح، جائز، روا ہوا۔ جیسے کسی حاجت

کے لئے بخاری شریف کا ختم کرانا، نہایت لذیذ لذیذ طرح طرح کی غذائیں پلاؤ بریانی خشکہ گیلانی وغیرہ کھانا، بہت عمدہ لباس نئی نئی وضع کے پہننا، کپڑے کے لئے نئی تراش اچکنیں اور صدریئیں اور قمیص زیب تن کرنا، دولھا کو جامہ پہنانا، دولھن کو پالکی میں بیٹھانا۔ اور اس کے علاوہ ولایت وغیرہ کی بنی ہوئی چیزوں کا استعمال کرنا، کیا منع کرنے والوں کی زبان کا نام شریعت ہے۔ اگر اپنے قول کے سچے اور بات کے پکے ہیں تو بتائیں کہ ان چیزوں کا جو استعمال رات دن کرتے دیکھتے ہیں اور خود بھی کرتے ہیں تو کیا یہ جائز بدعت نہیں۔ کیا ان کا جائز ہونا کسی آیت وحدیث سے ثابت ہے کیا ان کے لئے کوئی نص وارد ہوئی ہے کہ ان کو مثل فرض وواجب کے سمجھ کر کیا کرو؟ اگر نہیں ہے تو سب پر بدعت وگمراہی کا حکم کیوں نہیں دیتے؟

واہ رے دلیری۔ اللہ تعالیٰ تو ان کو ہمارے لئے مباح فرمائے اور تم بدعت وشرک کا حکم لگا کر اللہ تعالیٰ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تہمت اور افترا باندھو۔ ذرا خدا سے ڈرو۔ خود اللہ تعالیٰ مفتریوں کا کس طرح ذکر فرماتا ہے۔

لا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا علی الله الکذب ،ان اللذین یفترون علی الله الکذب لا یفلحون ۔

علاوہ بریں شریعت کا یہ قاعدہ ہے کہ کسی چیز کے جائز ہونے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ ہاں ناجائز ہونے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں۔

لیس الاحتیاط فی الافتراء علی الله تعالیٰ باثبات الحرمة او الکراهة الذین لا بد لهما من دلیل بل فی الاباحة التی هی الاصل ۔

یہ کچھ احتیاط نہیں کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر خدا پر افتراء کرو، کہ حرمت وکراہت کے لئے دلیل درکار ہے۔ بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اباحت مانی جائے کہ اصل وہی ہے۔

نیز اس مضمون کے موافق ملا علی قاری رسالہ ابتداء بالمخالف میں فرماتے ہیں۔

اور اس میں بہت ہی صراحت سے اس بحث کا خاتمہ کر دیا۔

من المعلوم ان الاصل فی کل مسئلة هو الصحة واما القول بالفساد والکراهة فیحتاج الی حجة من الکتاب او السنة او اجماع الامة ۔

یقینی بات ہے کہ اصل ہر مسئلہ میں صحت ہے۔ اور فساد یا کراہت ماننا یہ محتاج اس کا ہے کہ قرآن شریف یا حدیث یا اجماع امت سے اس پر دلیل قائم کی جائے۔

لہٰذا ان اقوال سے ثابت ہو گیا کہ جائز کہنے والے کو دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں، ناجائز کہنے والے پر دلیل کا پیش کرنا لازمی وضروری ہے۔ لہٰذا اگر تم سہرا باندھنا ناجائز کہتے ہو تو قرآن وحدیث سے ثابت کرو کہ سہرا باندھنا ناجائز ہے۔ اور کونسی آیت وحدیث میں صراحۃ سہرا باندھنے والے کو گنہگار اور سہرے کو بدعات سے گنایا ہے۔ واللہ تم ہرگز ہرگز نہ دکھا سکو گے تو مسلمانوں میں کیوں فساد پیدا کرتے ہو

اب رہا سہرے کا ہنود کے سہرے سے مشابہ ہونا تو اس امر کا سمجھنا ضروری ہے کہ کونسا تشبہ کفار کے ساتھ ممنوع ہے۔ درمختار میں بحرالرائق سے منقول ہے۔" التشبه بهم لا يكره في كل شئى بل في المذموم وفي ما يقصد به التشبه "۔

کفار سے تشبہ ہر چیز میں مکروہ نہیں بلکہ بری بات میں اور وہاں کہ اس میں مشابہت کا قصد کیا جائے۔ لہٰذا نہ کسی کے سہرا باندھتے وقت یہ نیت ہوتی ہے کہ اس میں کفار سے مشابہت کی جارہی ہے، نہ خود سہرا ممنوع ہے، بلکہ اس کا مباح ہونا ثابت ہو چکا۔ تو پھر خواہ مخواہ کہاں سے تشبہ بالہنود ہو گیا۔ علاوہ بریں ان کے سہرے اور مسلمانوں کے سہرے میں زمین آسمان کا فرق ہے، کہ ان کے سہرے میں پنی نکلی، گوٹہ وغیرہ ہوتا ہے اور مسلمانوں کے یہاں صرف پھولوں کو لیکر ایک ڈورے میں پرو لیا جاتا ہے۔ تو ذرا انصاف سے خدا کو سمیع وبصیر سمجھ کر کہنا کہ آیا اب بھی مسلمانوں کے سہرے کو ہندوؤں کے سہرے سے مشابہت ہو گئی۔ اور اگر پھر آپ تشبہ ثابت کریں تو آپ کے انگرکھے، اچکن، صدری وغیرہ تمام کفار کے مشابہ ہو گئے۔ تو ان تمام کو بھی ناجائز کہئے۔ خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ پھولوں کا سہرہ بغیر پنی، نکلی، گوٹہ۔ نہ شرعا ممنوع نہ شرعا واجب یا مستحب بلکہ جائز ومباح وروا ہے۔ اگر کسی نے باندھا تو اس کو ثواب نہیں ملتا اور کسی نے نہیں باندھا تو اس میں عذاب نہیں۔ جو کوئی اسے حرام، گناہ، بدعت، ضلالت بتائے وہ سخت جھوٹا بر سر باطل۔ اور جو اسے ضروری ولازم اور ترک کو شرعا موجب تشنیع جانے وہ نرا جاہل۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

(نوٹ) اس کتاب میں جو سہرے کا فتوی دیا گیا تھا۔ ہلدی سرائے کے مولوی سعید احمد صاحب

نے اس کا جواب لکھا۔ اس پر یہ جواب الجواب لکھا گیا۔

جواب الجواب

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

بتاریخ ۱۸ ربیع الآخر کو ایک فتوے سہرے کے بدعت وناجائز ہونے کے متعلق میری نظر سے گزرا جس میں میرے فتوے کا رد مجیب نے اپنے خیال میں ایسا کیا ہے کہ خود بھی اس میں چند جگہ اپنی تعریف بھی کی ہے اور ناخواندوں کے لئے یہ چال چلی کہ اس کو ایسا طویل کیا جس سے بے چارے عوام یہ خیال کریں کہ اتنا لمبا فتوی سہرے کو بدعت وناجائز ہی بنادے گا اور واقعی یہ پہلے فتوے کا زبردست جواب ہے۔ لیکن اس کے جواب کی پوری کیفیت اس حکایت میں موجود ہے کہ ایک خان صاحب کسی موضع میں مقیم تھے، انھوں نے اپنی چالاکی سے اہل قریہ کو اپنا مطیع بنا رکھا تھا، اتفاق سے ایک کابلی خان ان خان صاحب کے یہاں مقیم ہوئے، اہل قریہ ان کابلی خان کے پاس جمع تھے کہ یہ خان صاحب ان کے لئے کھانا لائے جس میں ارد اور چٹنی بھی تھی۔ کابلی خان نے چٹنی کو دیکھ کر کہا "این چہ چیز است" یہ خاں صاحب چونکہ تعلیم یافتہ نہ تھے اس وجہ سے کچھ نہ سمجھے اور یہ سوچنے لگے اگر جواب نہیں دیتا ہوں تو بڑی سبکی ہے۔ یہ لوگ یہ سمجھ جائیں گے کہ خاں صاحب ان سے گفتگو کرنے کے قابل نہیں۔ لہٰذا جبراً قہراً جواب دیتے ہیں "سل پیس است" کابلی خان نے یہ جواب سنا تو کہا "خاموش مردک" اس کلام کو سن کر اول خاں صاحب نے خیال کیا کہ پہلے تو عزت بن گئی تھی کہ کہنے کو جواب تو ہو گیا تھا اب کی مرتبہ اس نے ایسی بات کہی کہ ہماری سمجھ میں ہی نہیں آئی۔ لیکن ان لوگوں کی تسکین خاطر کے لئے پھر کچھ جواب دینا چاہئے کیونکہ کیسا ہی ہو جواب تو کہلائے گا۔ لہٰذا یہ سوچ سمجھ کر کہتے ہیں "یہ ہیں ارد ک"۔ الحاصل ہر ذی عقل جانتا ہے کہ "این چیز ست" کا جواب کیا "سل پیس است" نہ کہلایا جائے گا؟ اور "خاموش مردک" کا کیا "یہ ہیں ارد ک" کہنے کو جواب نہیں ہو گیا؟ کیونکہ اس سے تو بحث نہیں کہ کیا سوال تھا اور کیا جواب ہے۔ کچھ سوال سہی مگر جب بھی ہے جواب تو ہے۔ اب چاہے جواب سوال کے موافق ہو یا مخالف۔

افسوس صد افسوس آپ کے نزدیک کیا قوم قصابان میں کوئی ذی عقل ہی نہیں ہے یہ بیچارے ایسے سیدھے سادے ہیں کہ اس کی لمبائی کو دیکھ کر بے سوچے سمجھے یہ تسلیم کرلیں گے اور یہ نہیں دیکھیں گے کہ نہ کسی آیت سے نہ کسی حدیث سے سہرے کا ممنوع ہونا ثابت کیا بلکہ بیان کیا اور مولوی اسحاق کا قول نقل کیا جو آپ ہی کے گروہ میں شامل مانے جاتے ہیں۔ اور پھر اول میں جو آپ نے حدیثیں نقل کی ہیں جن سے

ہرنئی چیز کا بدعت ہونا ثابت ہوا تو ایسی حدیثوں کی باگ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ جس کو آپ چاہیں بدعت قرار دیدیں اور جس کو آپ چاہیں کہ بدعت نہ ہو تو اس کو کسی طرح سے بدعت نہ ہونے دیں۔ چنانچہ انہیں جیسی حدیثوں سے میلاد شریف، قیام، گیارہویں، تیجہ، دسواں وغیرہ عرس، فاتحہ، عشرہ کی نیاز، شربت، شب برأت کا حلوہ، سب بدعت و ناجائز ٹھہر جائیں اور آپ کے اس ہیئت کذائی کے مدرسے، اور اتنے زیب و زینت کے جلسے، اور میت کے لئے دوجے، اور بخاری شریف کے ختم، اور اس وقت جو لباس رائج ہیں مع ہیئت کذائی یہ سب اور ان کے علاوہ بہت سے افعال ہیں کہ آپ کرتے ہیں۔ انھیں حدیثوں کی وجہ سے بدعت نہ ہوں بلکہ جائز رہیں، اگر چہ نہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کئے نہ صحابہ نے کبھی خود کئے اور ہیئت کذائی کے ساتھ نئے ہیں مگر چونکہ آپ کے ہاتھ میں شریعت کی باگ ہے ہرگز ہرگز بدعت نہیں ہوسکتے۔ اور تشبہ کا تو یہ حال ہے کہ میلاد شریف کنہیا کے جنم کے مشابہ اور قیام بھی فعل ہنود سے مشابہ، اور فاتحہ بھی فعل ہنود کے مشابہ، اور تیجہ بھی فعل ہنود کے مشابہ، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شفیع ٹھہرانا بھی بت پرستوں کے مشابہ ہیں۔ اگر اسی تشبہ کی مثالیں انہیں کی کتابوں سے نقل کروں تو آپ حضرات کو حیرت ہوجائے کہ سہرا ہی کیا بلکہ بہت سی چیزیں کفار کے مشابہ ہوگئیں۔

پیارے مسلمانو! سمجھنے کے لئے ایک میلاد شریف کے تشبہ کی حقیقت ہی بہت کافی ہے کہ باوجودیکہ یہ میلاد شریف مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، مصر، حلب، جدہ، حدیدہ، شام، روم، افغانستان، بلوچستان، افریقہ حتی کے ولایت وغیرہ وغیرہ کے بیشمار ملکوں اور شہروں میں ہوتا ہے مگر کہیں ہو، وہ ان کے مذہب میں کنہیا کے جنم کے ہی مشابہ، حالانکہ اگر کنہیا کے جنم کے مشابہ ہوتا تو صرف ہندوستان میں ہوتا دوسرے ملکوں کا میلاد شریف کس طرح کنہیا کے جنم کے مشابہ ہوگیا؟ تو کیا صرف مولوی صاحب کے فرمادینے سے؟ تو شریعت مولوی صاحب کے فرمادینے کا نام ہوا؟ جس کو انھوں نے مشابہ کہہ دیا وہ ضرور بالضرور مشابہ ہوگیا۔ اور پھر مولوی صاحب کا فرمادینا ہی شریعت میں سب سے بڑی دلیل ہے اور اس کے ہوتے ہوئے اور کسی دلیل شرعی کی کیا حاجت۔ پھر مولوی صاحب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کیا حکم لگائیں گے، کہ آپ نے یہود سے دریافت فرمایا کہ تم دسویں محرم کا روزہ کس لئے رکھتے ہو؟ تو یہود نے اس میں کیا جواب دیا۔ اور پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا فرمایا۔ اور ہمیشہ آپ نے دسویں محرم کو روزہ رکھا تو اس میں ان سے مشابہت ہوئی کہ حضور بھی اسی روز روزہ رکھتے تھے اور یہود بھی اسی

روز۔ بلکہ مولوی صاحب خود جو فعل کریں چاہے اس کو کفار سے ہی سیکھا ہو مگر چونکہ وہ خود کرتے ہیں لہٰذا کفار سے مشابہت ہرگز نہیں ہوسکتی۔ مثلاً یہی مولوی سعید احمد صاحب پچھلے مہینہ کی تیرھویں تاریخ دیپا سرائے کے ایک جلسہ میں صدر تھے، تو مولانا موصوف کرسی پر جلوہ افروز تھے اور پھر سامنے میز تھی اور پھر اس پر گلدستے رکھے ہوئے تھے تو خیال فرمائیے کہ میز و کرسی سے جلسہ کو زینت دینا کیا فعل نصاریٰ کے مشابہ نہیں؟، اور کیونکر ہوسکتا ہے کہ مولوی صاحب خود جو اس فعل کو پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا اس میں تشبہ نہیں ہوسکتا۔ اور اسی طرح پہلے یا دوسرے دن میت کے لئے جو خود جمع ہوکر قرآن خوانی کرتے ہیں یہ بھی فعل ہنود کے مشابہ نہیں لیکن ہم اگر تیجہ کریں تو وہ ضرور فعل ہنود کے مشابہ ہے۔ بلکہ اپنے آپ کیسے ہی جلسے کرلیں وہ ہرگز فعل ہنود کے مشابہ نہیں اور ہم اگر میلاد شریف کریں تو فعل ہنود کے مشابہ ہوجائے گا۔

الحاصل یہ جو تشبہ پر بہت زیادہ اچھلتے کودتے تھے میں نے آپ کو اسی کی تھوڑی سی جھلک دکھائی ہے جس سے آپ خوب ان کے مذہب کا اندازہ کرسکتے ہیں۔ خیر اب ان سے بڑے مولوی اشرفعلی تھانوی صاحب ''بہشتی زیور'' کے حصہ اول میں سہرے کو کفر و شرک سے گناتے ہیں۔ تو مولوی سعید احمد صاحب کی ساری محنت ہی بے سود قرار پاتی ہے کہ وہ تو بدعت اور حرام کی کوشش میں زور لگا رہے تھے لو یہاں تو کفر و شرک تک سہرے کا باندھنا پہونچ گیا۔ چونکہ یہ فتویٰ مولوی سعید احمد صاحب کا ہے تو مولوی صاحب نے اپنے قلم سے " الکاتب واحد من المدرسة السراج العلوم "لکھ کر اسی قلم و روشنائی سے اپنے دستخط کئے، دوسرے مولوی صاحب نے باوجود ذمہ دار ہستی ہونے کے اس کی تصحیح و تصدیق کی۔ تو اس فتوے کی ساری ذمہ داریاں انھوں نے اپنے سر لے لیں۔ خیر میں اس کا خیال تو نہیں کرتا کہ آپ نے میرے لئے جو سب و شتم کا انداز اختیار کیا لیکن اس کا ضرور افسوس ہے کہ میرے فتوے کے سوالات کو آپ نے چھوا تک نہیں۔ اب میں اپنے فتوی کے سوالات اور آپ کے فتوے پر اعتراضات پیش کرتا ہوں، آپ اب سہرے کو ناجائز یا بدعت یا ہنود سے مشابہ جب کہہ سکتے ہیں کہ میرے ان (۳۱) اعتراضات کے جوابات عنایت فرمائیں اور پھر جوابات بھی بحوالہ معتبر مستند معتمد کتب شرعیہ سے اور پھر ہر ہر نمبر ہر ہر شق کو ملحوظ رکھتے ہوئے خوب سوچ سمجھ کر اپنے اکابر کو دکھا کر ہر اعتبار سے اطمینان کرکے اپنے قیاس کی باگ روکتے ہوئے عنایت ہوں۔

(۱) کیا شریعت نے بعض امور کے جواز اور عدم جواز میں سکوت اختیار کیا ہے یا نہیں؟ اگر کیا ہے تو اس کا معیار کیا ہے اور اگر نہیں تو اس کا کیا ثبوت ہے۔

(۲) کیا امور مسکوتہ کے لئے معافی کا حکم منصوص ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو عام ہے یا خاص، مطلق ہے یا مقید، اور پھر دلیل تقیید وتخصیص کیا ہے؟ اگر نہیں تو کسی آیت یا حدیث سے انکار ہے یا نہیں؟

(۳) اس حکم منصوص کی تغییر کے لئے دلائل شرعیہ سے کوئی دلیل صریح درکار ہے یا نہیں؟

(۴) اصل اشیاء میں اباحت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو معیار کیا ہے؟ اور اگر نہیں تو جو اکابر اس کے قائل ہیں ان کا کیا حکم ہے؟۔

(۵) کیا قرون ثلٰثہ کا عمل ہر شئی کے جائز ہونے کی دلیل ہے؟۔

(۶) قرون ثلٰثہ کا کسی فعل کو نہ کرنا اس کو ناجائز کر دے گا یا نہیں؟ برتقدیر اول دلیل شرعی کیا ہے اس کو پیش کیجئے؟ برتقدیر ثانی مابہ الامتیاز کیا ہے؟۔

(۷) جو فعل اس زمانہ کے بعد وجود میں آیا تو کیا وہ اسی دلیل سے ناجائز مانا جائے گا یا کسی دوسری دلیل سے؟ برتقدیر ثانی وہ دلیل کیا ہے؟۔

(۸) کیا نہ کرنا اور منع کرنا ایک چیز ہے؟ بصورت تسلیم کس نے لکھا ہے؟۔

(۹) ہر فعل کے مباح ہونے کی اصل قرون ثلٰثہ کا ہی عمل ہے یا کچھ اور؟۔

(۱۰) کیا سہرے کے متعلق قرآن وحدیث میں جواز یا عدم جواز کا صراحت سے کوئی حکم آیا ہے؟ برتقدیر اول صریح آیت یا حدیث پیش کیجئے؟ برتقدیر ثانی اس کے ناجائز ہونے کا کہاں سے حکم لگایا گیا؟۔

(۱۱) بخاری شریف جو قرون ثلٰثہ کے بعد تیار ہوئی اس کا کسی حاجت کے لئے ختم کرنا بدعت ہے یا نہیں؟ برتقدیر ثانی وجہ ارشاد ہو۔

(۱۲) اس ہیئت کذائی کے لباس جو مردوں اور عورتوں میں پہنے جاتے ہیں زمانہ نبوی یا قرون ثلٰثہ میں تھے یا نہیں؟ اگر تھے تو ثبوت اور نہ تھے تو بدعت وحرام ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو تعریف بدعت کیوں ان پر صادق نہیں آتی ہے؟۔

(۱۳) جواز کے لئے تحت حرمت داخل نہ ہونا کافی یا اسی شئی کا بالخصوص صراحت سے شریعت میں آنا درکار ہے؟۔

(۱۴) کسی شئی کے منع ہونے کے لئے بالخصوص اس شئی کی ممانعت کی صراحت ضروری یا صرف تحت حرمت داخل ہونا کافی ہے؟۔

(۱۵) ولایت کی اشیاء کا کیا حکم ہے؟۔

(۱۶) سہرے کا بدعت ہونا یا باندھنے والے کا گنہگار ہونا کون سی آیت یا حدیث میں صاف طریقہ سے موجود ہے؟۔

(۱۷) کیا کفار کے ساتھ ہر تشبہ ممنوع ہے؟۔

(۱۸) پتی تلکی وغیرہ کا ہندوؤں کے سہرے میں ہونا اور مسلمانوں کے یہاں نہ ہونا کیا آپ کے نزدیک یہ فرق تشبہ سے بچنے کے ئے کافی نہیں ہے؟۔

یہ سوالات تو میرے فتوے میں موجود تھے اب تیرہ اعتراضات جناب کے فتوے پر پیش کیئے جاتے ہیں۔

صفحہ:-۲۷''

(۱۹) بدعت کی جامع مانع کیا تعریف ہے اور کہاں سے ثابت ہے؟۔

(۲۰) بدعت کی دو قسمیں اور تین یا پانچ قسمیں آپ کو مسلم ہیں یا نہیں؟ اور جو ائمہ اور اکابر اس کی تقسیم فرما گئے ہیں وہ حق پر تھے یا باطل پر؟۔

(۲۱) کیا حدیث میں فرمادیا کہ نئی باتیں جو قرون ثلٰثہ والے نکالیں وہ حسن ہیں باقی قبیح؟ اگر فرمادیا ہو تو پیش کیجئے اور نہ فرمایا ہو تو یہ حکم کہاں سے نکالا گیا؟ صرف مدح وذم سے حالانکہ وجوہ تفرقہ خود حدیث میں بیان ہو چکیں تو اتمام تقریب کیا ہے؟۔

(۲۲) حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے قول "نعمت البدعت هذه" کے کیا معنی ہیں؟ اس سے تقسیم بدعت ثابت ہے یا نہیں؟ اور جو ارشاد فاروقی نقل کر کے کہے، عمر نے خود بدعت کہا۔ رہا اچھا کہنا سو بدعت کوئی اچھی چیز نہیں ہر بدعت گمراہی ہے۔ اس نے صراحۃ حضرت امیر المومنین کو گمراہ کہا یا نہیں؟۔

(۲۳) جو امر چند وجوہ کا احتمال رکھتا ہے اور باختلاف نیت مختلف الحکم ہوتا ہے اس پر نیت فاسدہ متعین کر کے حکم فساد لگا دینا مسلمانوں پر بدگمانی اور ظلم اور اپنے وہم پر حکم اور شرعاً حرام وجرم ہے یا نہیں؟۔

(۲۴) کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا کسی فعل کو نہ کرنا اس کی ممانعت کی حجت تامہ ہے؟۔

(۲۵) آپ کے صحابہ کا نہ کرنا بھی ممانعت کے لئے کافی تھا، آپ کا یہ قول کس کتاب کا ترجمہ ہے؟۔

(۲۶) سہرے پر آپ کا یہ پیش کردہ ثبوت کہ یہ سہرا کفار سے حاصل کیا گیا ہے صرف حجت شرعی ہے؟۔

(۲۷) کوئی فعل مباح اگر ایک جگہ ہو اور کسی دوسرے مقام پر نہ ہو تو کیا دوسرے مقام کا نہ ہونا اس کی نفس اباحت کو باطل کردے گا؟ اس کا کافی ثبوت پیش کیجئے۔

(۲۸) کیا میز و کرسی کا جلسوں میں بچھانا بدعت نہیں؟ اور کیا آپ نے نصارے سے نہیں سیکھا؟ اور کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یا آپ کے کسی صحابی یا تابعی نے یا ائمہ میں سے کسی نے میز کو سامنے بچھا کر جلوس فرمایا ہے؟ اگر نہیں تو اب ''من تشبه بقوم الحديث'' کس پر صادق آتی ہے؟۔

(۲۹) مسلمانوں اور ہندوؤں کے سہرے میں جو فرق بیان کیا گیا تھا آپ نے اس کے غلط ہونے پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں فرمائی؟۔

(۳۰) کیا آپ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نیز شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو مانتے ہیں جو شاہ اسحاق صاحب کے ہی استاذ نہیں بلکہ تمام ہندوستان کے علماء کے استاذ ہیں؟۔

(۳۱) مشابہت کفار مطلقا ممنوع ہے یا بالخصوص؟ اگر بلا خصوص ہے تو اس کا معیار کیا ہے؟ پھر خصوصیت بھی کسی کے صرف کہہ دینے سے ہو جائے گی یا اس کے لئے کوئی دلیل درکار ہے؟ اگر ہے تو کس نوعیت و حیثیت کی؟۔

فی الحال یہ سوالات حاضر ہیں آپ اگر بغیر جواب دیئے سہرے کو بدعت ہی کہتے رہیں گے تو اس پر ہر تھوڑی عقل والا بھی نتیجہ نکال لے گا۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۲۸) از سنبھل محلہ ٹھیر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

دولھا کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز دولھا کے والد یا کسی اور عزیز کو روپے پیسے وغیرہ کی نچھاور کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

خوشبو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہاں تک محبوب تھی کہ بخاری شریف و ترمذی وغیرہ میں ہے ''ان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان لا يرد الطيب'' یعنی بیشک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوشبو کی چیز رد نہیں فرماتے تھے۔

بلکہ مسلم شریف میں ہے ''من عرض عليه ريحان فلا يرده فانه خفيف المحمل طيب الريح'' یعنی جس کے سامنے خوشبو پھول وغیرہ پیش کئے جائیں تو اسے رد نہ کرے کہ اس کا بوجھ ہلکا اور بو اچھی ہے۔ گلے کے پہننے میں پھولوں کو ایک ڈورہ ہی میں تو پرولیا جاتا ہے تو جو اسے ناجائز کہتا ہے وہ شریعت پر افترا کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے قول میں سچا ہے تو بتائے کہ اللہ تعالیٰ نے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے کہاں منع فرمایا ہے۔ اور جب منع نہیں فرمایا تو دوسرا اپنی طرف سے منع کرنے والا کون ہے۔

اگر نچھاور کرنا بنیت تصدق اور بقصد اظہار نعمت ہے تو یہ شرعی اعتبار سے جائز ہے۔ اور اگر بارادہ فخر و مباہات ہے تو مسلمان کو ریا کے تمام افعال سے منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا مسلمان کوئی کام کرے تو اس نیت سے نہ کرے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "انما الاعمال بالنيات" یعنی اعمال نیتوں پر موقوف ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۲۹)

ذکر میلاد میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بطور راگنی کہ پڑھنا جیسے فی زمانہ آٹھ سات آدمی مل کر راگنی بناتے ہیں، بے شرع نہ نمازیں پڑھیں اور شریعت کے خلاف لباس وغیرہ رکھیں۔ ان سے میلاد پڑھوانا جائز ہے یا نہیں؟۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

ذکر میلاد شریف میں اشعار کا خوش آوازی اور حسن صوت کے ساتھ پڑھنا بلاشک جائز و مستحسن ہے۔ مشکوۃ شریف میں حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حسنوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حسنا ۔

یعنی قرآن شریف کو اپنی اچھی آوازوں سے پڑھا کرو کہ خوش آوازی قرآن پاک میں اور زیادہ حسن پیدا کردیتی ہے۔

لہذا قرآن مجید کی تلاوت باوجودیکہ نہایت فوائد تنزیل اور بہت سی احتیاطوں پر مشتمل ہے مگر اس کو بھی خوش آوازی اور حسن صوت کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور میلاد شریف میں نہ کسی قاری کا لحاظ ہے نہ کسی احتیاط کا مثل ترتیل کے اعتبار ہے، تو اس میں کس طرح خوش آوازی ممنوع ہوسکتی ہے بلکہ جہاں تک ممکن ہو نہایت خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔ ہاں قواعد موسیقی سے احتراز ضروری ہے۔ اب رہا میلاد شریف پڑھنے والے کا بے شرع ہونا لہذا یہ وجہ حتیٰ الامکان قابل لحاظ ہے۔ بہتر واولیٰ یہی ہے کہ میلاد خواں صحیح العقیدہ سنی متبع شریعت صوم وصلوۃ ودیگر فرائض کا پابند ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۳۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلوں میں

(۱) چند روز پیشتر اخبار الفقیہ امرتسر میں وظیفہ یا عبدالقادر شیئا للہ کے متعلق چند سوالات لکھے ہوئے تھے جس کا مختصر یہ ہے کہ درمختار میں اس کے پڑھنے والے پر کفر کا فتوی دیا گیا ہے، اور ردالمحتار میں لکھا ہے کہ توبہ کرنی چاہئے اور تجدید نکاح لازم ہے۔ مگر ہم نے بہت سے معتبر سنی علماء سے اس وظیفہ کو پڑھنا کار خیر وبرکت سنا ہے تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ وظیفہ جائز ہے یا نہیں اور درمختار وردالمحتار کی یہ عبارت صحیح ہیں یا نہیں اگر جائز ہے تو قرآن مجید اور احادیث اور کتب فقہ میں اس کے جواز کی کون سی دلیل ہے۔

(۲) حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا نام مبارک لیکر جیسا کہ یا محمد کہہ کر پکارنا یا ندا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حوالہ کتب واحادیث سے تحریر فرمائیں۔

(۳) شجرہ کو قبر میں میت کے ساتھ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب تحریر فرمائیں،

(۴) رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاص اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے لکھا جاتا ہے یا تمام بزرگان دین علماء کرام کے لئے بھی بحوالہ قرآن مجید واحادیث وکتب تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

المستفتی ابراہیم حاجی داداشریف قادری برکاتی گونڈل۔ کاٹھیاواڑ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

بلاشک "یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ" کا وظیفہ نہ فقط جائز بلکہ مشائخ کا معمول بہ ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب "انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں قضائے حاجت کے لئے ایک ختم کی ترکیب یوں نقل فرماتے ہیں۔

اول دو رکعت نفل بعد ازاں یک صد ویازدہ بار درود وبعد ازاں یک صد ویازدہ بار کلمہ تمجید ویک صد ویازدہ بار شیئا للہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی۔ (انوار الانتباہ ص ۲۹)

پہلے دو رکعت نماز پڑھے اس کے بعد ایک سو گیارہ بار درود شریف اس کے بعد ایک سو گیارہ بار کلمہ تمجید اور ایکسو گیارہ بار شیئا للہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی پڑھے۔

اب وہابیہ کو چاہئے کہ حضرت شاہ صاحب موصوف پر یہ حکم لگائیں کہ وہ درمختار کی عبارت کو نہیں سمجھتے تھے، اور ردالمحتار کے منقولہ حکم سے بے خبر تھے، اور شاہ صاحب نے اس وظیفہ کی ترغیب دیکر کفر کی تعلیم دی۔

وہابیو! اگر تمہارے اندر ذرہ بھر حمیت وغیرت، شمہ بھر سچائی وصداقت ہے تو شاہ صاحب موصوف کو نہ فقط کافر بلکہ کافر گر کہو اور اپنی سندوں سے ان کا نام خارج کرو، بلکہ ان سے سخت بیزاری اور نفرت کا اشتہار دو، والعیاذ باللہ۔

اب باقی رہی یہ بات کہ درمختار اور ردالمحتار نے کیا لکھا ہے، لہذا اس فریب کاری بہتان طرازی کا بھی اظہار کر دیا جاتا ہے۔

اولاً: درمختار اور ردالمحتار کی کسی عبارت میں یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ کے وظیفہ پڑھنے والے پر کفر کا فتوی اور توبہ کا حکم اور تجدید نکاح کا لزوم نہیں ہے۔

ثانیاً: وہابی اس وظیفہ کو اس لئے منع کرتے ہیں کہ اس میں ندا اور استمداد اور سرکار غوثیت کے لئے علم غیب وتصرف کا اثبات ہے جیسا کہ سرگروہ وہابیہ مولوی رشید احمد گنگوہی نے فتاویٰ رشیدیہ میں اس

وظیفہ کی ممانعت کی یہ وجوہ لکھی ہیں، اور خود علامہ شامی نے اسی ردالمحتار میں ایک ایسے عمل ہی اجازت دی ۔ چنانچہ ردالمحتار میں حاشیۂ داؤدی سے فرماتے ہیں:

ان الانسان اذا ضاع له شئ واراد ان يرده الله تعالىٰ سبحانه عليه فليقف على مكان عال مستقبل القبلة ويقرأ الفاتحة ويهدى ثوابها للنبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ثم يهدى ثواب ذلك لسيدى احمد بن علوان ويقول ياسيدى احمد بن احمد ابن علوان ان لم ترد على ضالتى والا نزعتك من ديوان الاولياء فان الله تعالىٰ يرد على من قال ذلك ضالته ببركته اجهورى مع زيادة كذا فى حاشية شرح المنهيج للداؤدى۔

(ردالمحتار ج۳ ص۳۳۴)

جب آدمی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ چاہے کہ خدا اس کو واپس کر دے تو ایک بلند جگہ پر قبلہ رو کھڑے ہو کر سورۂ فاتحہ پڑھے اور اس کا ثواب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہدیہ کر کے سید احمد بن علوان رضی اللہ تعالیٰ کو پہنچائے اور کہے کہ اے سید احمد بن علوان اگر میری گمی ہوئی چیز تم نے دلوادی تو خیر ورنہ میں تمہارا نام دفتر اولیاء سے کٹوا دونگا اس عمل سے ببرکت ان ولی کی اللہ گمی چیز واپس دلا دیے گا۔

اس عبارت میں ندا کی بھی تصریح ہے "یاسیدی احمد ابن علوان" یہ صاف الفاظ ہیں پھر اس میں استمداد بھی ہے اور ان بزرگ کے لئے علم غیب وتصرف بھی ثابت ہورہا ہے لہذا اگر علامہ شامی ان وجوہ کی بنا پر یاشیخ عبدالقادر کے عمل پر کفر اور توبہ اور تجدید نکاح کا حکم دیتے تو یاشیخ سیدی احمد ابن علوان کے عمل کو اپنی کتاب میں نہ لکھتے اور اگر لکھتے تو اس پر بھی کفر وتوبہ وتجدید نکاح کا حکم دیتے۔

ثالثاً: وہابی نے غالبًا اپنے جہل ونادانی سے درمختار کی اس عبارت۔

كذا قول شئ لله قيل بكفره۔

اور ردالمحتار کی اس عبارت۔

وقد مران مافيه خلاف يومر بالتوبة والاستغفار وتجديد النكاح۔

(ردالمحتار باب المرتد ج۳ ص۳۱۷)

کو اپنی سند بنایا ہے اور ان ہر دو عبارات میں وظیفہ یاشیخ عبدالقادر جیلانی کا مبحث ہی نہیں کہ نہ اس میں نہ اس سے قبل وبعد کہیں اس وظیفہ کا تذکرہ نہیں تو وہابی کو یہ عبارات کیا مفید ہیں۔

رابعاً: اور اگر بالفرض درمختار کی ان عبارات میں مسئلہ کا ادنیٰ تعلق تسلیم بھی کر لیا جائے تو قائل

"شیأ للہ" پر عدم تکفیر کا قول راجح ہے۔

چنانچہ ردالمحتار میں فرماتے ہیں: وينبغى ان يرجح عدم التكفير۔

بلکہ خود وہابیہ کے پیشوا مولوی خرم علی نے درمختار کی اس عبارت کے متعلق غایۃ الاوطار ترجمہ اردو درمختار میں لکھا ہے۔

اور لائق یوں ہے کہ اس قول (شیأ للہ) میں عدم تکفیر کو ترجیح دیجئے، اس لئے کہ اس کی تاویل یوں ہوسکتی ہے کہ قائل کہے کہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں شئ کو طلب کروں اللہ تعالیٰ کے اکرام کے لئے۔

(غایۃ الاوطار ج۲ ص۵۲۹)

لہذا وہابی کی بے دینی ظاہر ہونے کے لئے یہی بات بہت کافی ہے کہ اس نے قول راجح کو چھوڑا اور قول مرجوح کو اپنی سند بنایا۔

خامساً: صاحب ردالمحتار نے "شیأ للہ" کے کفری معنی یہ بیان کئے ہیں:

لعل وجهه انه طلب شيئا لله تعالىٰ والله تعالىٰ غنى عن كل شئ والكل مفتقر ومحتاج اليه۔ (ردالمحتار ج۳ ص۳۱۷)

اور غایۃ الاوطار میں یہ کہا اور "شیأ للہ" کے کفر ہونے کی شاید یہ وجہ ہے کہ قائل نے چیز اللہ تعالیٰ کے لئے مانگی حالانکہ حق تعالیٰ ہر چیز سے غنی ہے سب خلق اس کے محتاج ہیں۔

(غایۃ الاوطار ج۲ ص۵۲۹)

لہذا وہابی اس کفری معنی کو اہل اسلام کے لئے کس دلیل سے متعین کرتا ہے اور صحیح معنی کیوں نہیں لیتا۔

سادساً: وہابی کا یہ افترا وبہتان ہے کہ صاحب ردالمحتار قائل "شیأ للہ" پر توبہ کرنا اور تجدید نکاح کرنا لازم کہتے ہیں بلکہ صاحب ردالمحتار قائل "شیأ للہ" کے متعلق لکھتے ہیں:

اما ان قصد المعنى الصحيح فالظاهر انه لاباس به۔ (ردالمحتار ج۳ ص۳۱۷)

یعنی اگر "شیأ للہ" کا کہنے والا صحیح معنی کا قصد کرتا ہے تو ظاہر بات یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اب وہابی کو خود توبہ کرنی چاہئے کہ ایسے فاضل جلیل پر ایسا صریح افترا کرتا ہے۔

سابعاً: وہابی نے ردالمحتار کی جس عبارت کی طرف اشارہ کیا ہے اس میں قطع وبرید ہے، ردالمحتار کی پوری عبارت یہ ہے۔

وقـدمران مافيه خلاف يومر بالتوبة والاستغفار او تجديد النكاح لكن هذا ان كان لايدرى مايقول اما ان قصد المعنى الصحيح فالظاهر انه لاباس به ۔(ردالمحتار ج ۳ ص ۳۱۷)

اس عبارت کا خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ توبہ استغفار کا حکم اور تجدید نکاح کا امر جب ہے کہ قائل اپنے کلام کے کوئی معنی مراد نہیں لیتا یا معنی صحیح کا قصد نہ کرتا ہو اور اگر معنی صحیح کا قصد کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لہذا صاحب ردالمحتار کے نزدیک بھی ''شیأ للہ'' کو جب صحیح معنی قصد کر کے کہے تو اس میں کچھ حرج نہیں، نہ اس میں توبہ واستغفار ضروری نہ تجدید نکاح لازم۔

ثامنا: وہابی کو خود اپنے گھر کی بھی خبر نہیں انہیں کے پیشوا مولوی خرم علی نے ''غایۃ الاوطار ترجمہ اردو درمختار'' میں لکھا۔ بعضے لوگ بطور وظیفہ یوں کہا کرتے ہیں 'یاعبدالقادر شیأ للہ'' اس میں راجح عدم تکفیر ہے۔ (غایۃ الاوطار ج ۲ ص ۵۲۹)

اب وہابی بتائے کہ کیا ان کے مترجم کو بھی درمختار وردالمحتار کا ترجمہ کرتے ہوئے یہ پتہ نہ چلا کہ اس وظیفہ پڑھنے والے پر درمختار نے کفر کا فتوی دیا ہے، اور ردالمحتار نے اس پر توبہ اور تجدید نکاح لازم کی ہے تو کیا یہ مترجم ان عبارات کا صحیح مطلب نہ سمجھا یا اس نے بقصد غلط حکم دیا ہے۔

تاسعاً۔ اگر درمختار اور ردالمحتار میں یہ مسئلہ ہوتا اور ان میں کفر اور توبہ اور تجدید نکاح کا حکم ہوتا تو مجدد نجدیت وکعبہ وہابیت وقبلۂ دیوبندیت مولوی رشید احمد گنگوہی اپنے فتاوی میں اس وظیفہ پر اتنے نرم الفاظ اور ایسے دبے ہوئے کلمات نہ لکھتے۔

الجواب:-

اس (یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ) کا ورد کرنا بندہ جائز نہیں جانتا اگرچہ شرک نہیں مشابہ بشرک ہے اور بعض فعل مشابہ بشرک ہوتے ہیں اور صغیرہ ہوتے ہیں۔ (فتاوی رشیدیہ ج ا ص ۲۹)

گنگوہی جی نے اس میں وظیفہ مذکورہ کو گناہ صغیرہ قرار دیا بلکہ ان کے نزدیک یہ وظیفہ اس حد تک بھی نہیں پہنچا ہے۔

چنانچہ اسی فتاوی میں ہے۔

وظیفہ'' یاشیخ عبدالقادر'' کا بندہ اچھا نہیں جانتا۔ (فتاوی رشیدیہ ج ا ص ۳۰۰)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ گنگوہی جی کے نزدیک یہ وظیفہ صرف خلاف اولی ہے ورنہ یہ مشرک وکافر گر ایسی باتوں پر شرک وکفر کا فتوی جڑ دیتا ہے جن کا کسی کتاب میں ذرہ بھر ثبوت نہیں ہوتا

۔لہذا اگر درمختار وردالمحتار میں اہل وظیفہ پر کفر وتوبہ اور تجدید نکاح کا حکم ہوتا تو یہ گنگوہی جی اس پر کفر وشرک کا حکم دینے سے باز نہ رہتے اور اتنے دبے ہوئے الفاظ میں جواب نہ لکھتے۔

کہ بندہ اسے اچھا نہیں جانتا یہ وظیفہ شرک نہیں۔

عاشراً: اگر وہابی ان تمام باتوں سے قطع نظر کرے اور درمختار وردالمحتار کے مذعومہ حوالہ کو سند بنائے تو پھر وہ حضرت شیخ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علامہ ابن عابدین صاحب ردالمحتار اپنے پیشوا مولوی خرم علی اور اپنے بانی مذہب مولوی رشید احمد گنگوہی پر فتوی دے کہ انہوں نے اس وظیفہ پر کفر وتوبہ کا حکم اور تجدید نکاح کو لازم نہیں کیا اور انہوں نے بزعم وہابی درمختار وردالمحتار کی عبارات کو حق نہ جانا، بالجملہ درمختار وردالمحتار کے حوالوں کی یہ حقیقت ہے وہابیہ ان کتابوں کا نام لیکر ناواقفوں کو فریب دیتے ہیں لہذا مسلمان ان مفتریوں کی بات پر کان نہ رکھیں اور وقت حاجت اس وظیفہ کا ورد کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جواب سوال دوم

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام اقدس کے ساتھ ندا کرنا اس حدیث شریف سے ثابت ہے جس کو ترمذی ونسائی وابن ماجہ وحاکم بیہقی وغیرہم نے روایت کی۔ علامہ قاضی عیاض شفا شریف میں بروایت نسائی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

ان اعمیٰ قال یارسول اللہ ادع اللہ ان یکشف لی عن بصری قال انطلق فتوضا ثم صل رکعتین ثم قل اللّٰھم انی اسئلك واتوجه الیك بنبیك محمد نبی الرحمة یامحمد انی اتوجه بك الی ربك ان یکشف لی عن بصری اللّٰھم شفعه فی قال فرجع وقد کشف اللہ عن بصرہ۔ (شرح شفا مصری ج ا ص ۶۵۳)

ایک نابینا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ بارگاہ الہی میں دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری آنکھیں کھول دے، فرمایا: جاؤ اور وضو کرو پھر دو رکعت پڑھو، پھر یہ دعا کرو، الہی! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں بوسیلہ تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جو نبی رحمت ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، میں حضور کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ میری آنکھیں کھل جائیں، اے اللہ میرے حق میں ان کی شفاعت قبول کر۔ راوی نے کہا کہ نابینا لوٹا اور اللہ تعالیٰ نے اسے آنکھیں واپس دیں۔

اس حدیث شریف میں نام اقدس کے ساتھ ندا یعنی یا محمد کہنا خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے تعلیم فرمایا: اب اس سے زائد کیا سند ہوسکتی ہے پھر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے زمانہ میں نام اقدس کے ساتھ اپنے حوائج ومشکلات میں ندا کی چنانچہ۔

حضرت قاضی عیاض شفا شریف میں نقل کرتے ہیں:

ان عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما خدرت رجله فقیل له اذكر احب الناس اليك يزل عنك فصاح يامحمداه فانتشرت ۔ (شرح شفاج ۱ص ۴۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پائے مبارک سوگیا تو کسی نے کہا کہ آپ اپنے سب سے زیادہ پیارے کا نام لیجئے تو یہ بات دور ہوجائے گی تو انہوں نے ایک نعرہ (یا محمداہ) کا مارا فوراً ہی اچھا ہوگیا۔

بلکہ زمانہ صحابہ سے ہر قرن وہر زمانہ میں ہر مسلمان نمازی مرد عورت چوبیس گھنٹہ میں کم از کم پانچ وقت ہر دو رکعت پر قعود میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام صفاتی کے ساتھ ندا کرتا ہے اور یوں عرض کرتا ہے السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبركاته یعنی تم پر سلام ہواے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں لہذا اگر ندا کرنا ناجائز وشرک ہوتا جیسے کہ وہابیہ کا عقیدہ ہے تو معاذ اللہ اس پر لازم آتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرک کی تعلیم دی۔ صحابہ کرام نے شرک کیا، ساری امت مرحومہ نے شرک کیا، بلکہ آج بھی تمام مسلمین اس شرک میں گرفتار ہیں کہ عین نماز میں حضور کے نام اقدس کے ساتھ ندا کرتے ہیں۔ اب وہابیہ سے پوچھو کہ تم خود بھی اس شرک سے نہیں بچ سکتے کہ التحیات میں تمہیں بھی ''السلام علیك ایها النبی'' کہنا پڑتا ہے جس میں غیر اللہ سے صریح ندا ہے۔

بالجملہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام اقدس کے ساتھ اپنے حوائج ومشکلات میں ندا کرنا نہ فقط جائز بلکہ صحابہ کرام کی سنت اور سلف وخلف کا طریقہ ہے۔ اس کے اثبات میں بکثرت احادیث اور اقوال پیش کئے جاسکتے ہیں لیکن بخوف طوالت اس پر اقتصار کیا۔ ایک یہ امر اور قابل لحاظ ہے کہ نام اقدس لیکر یا محمد یا احمد کہہ کر ندا نہ کی جائے بلکہ یا نبی اللہ یا رسول اللہ وغیرہ اوصاف کے ساتھ ندا کی جائے چنانچہ شرح شفا شریف میں حضرت قتادہ اور حضرت مجاہد کا قول منقول ہے:

فلاتقولوا یامحمد یااحمد بل قولوا یانبی اللہ یارسول اللہ ۔

(شرح شفاج ۲ص ۶۲۰)

علامہ قاضی عیاض شفا شریف میں اور علامہ علی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں۔

ولا تنادوه باسمه ای العلم نداء كمناداة (بعضكم بعضا) ای باسمه الذی سماه به ابواه (ولكن عظموه) ای باطنا ووقروه (ای ظاهراً) ونادوه باشرف مایعجب (ای مایعجبه) ان ینادی به ای من وصف رسالة او نعت نبوة بان تقولوا یارسول اللہ یانبی اللہ ای وامثالهما من نحو یاحبیب اللہ یا خلیل اللہ وهذا فی حیاته وكذا بعد وفاته فی جمیع مخاطباته ۔ (شرح شفاج ۲ص ۶۴)

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے نام کے ساتھ اس طرح نہ پکارو جیسے تم میں ایک دوسرے کو اس کا نام لیکر پکارتے ہو جس کو اس کے ماں باپ نے رکھا لیکن تم حضور کی ظاہری وباطنی طور پر تعظیم وتوقیر کرو اور ان کے اوصاف رسالت ونبوت کے پسندیدہ خطابوں میں سے بہتر خطاب کے ساتھ پکارو اور یوں کہو یارسول اللہ یا نبی اللہ اور اسی طرح یا حبیب اللہ یا خلیل اللہ اور یہ حکم حضور کی ظاہری حیات میں ہے اور اسی طرح ان کے اس عالم سے پردہ فرماجانے کے بعد تمام خطابات میں ہے۔

ان عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ تمام مخاطبات میں جب ندا کی جائے تو اوصاف کریمہ کے ساتھ ہو نام اقدس لیکر نہ پکارا جائے کہ کمال عظمت اور حسن ادب کا یہی مقتضا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جواب سوال سوم: قبر میں میت کے لئے بزرگوں کے لباس سے تبرک حاصل کرنا خود حدیث شریف سے ثابت ہے۔

بخاری شریف ومسلم شریف میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ہم حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دے رہی تھیں حضور نے طریقہ غسل تعلیم کرکے فرمایا جب تم غسل دے چکو تو مجھے اطلاع دینا ہم نے بعد فراغت اطلاع دی۔

فالقی الینا حقوه فقال اشعرنها ایاه ۔ (مشکوۃ شریف ج ۲ص ۱۴۳)

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا تہبند مبارک ہماری طرف ڈالا اور فرمایا: اس کو کفن کے نیچے بدن کے متصل رکھو۔

حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی لمعات میں اس حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں:

هذا الحدیث اصل فی التبرك باثار الصالحین ولباسهم كمایفعله بعض مریدی المشائخ من لبس اقمصتهم فی القبر۔

(حاشیہ مشکوۃ شریف ص ۱۴۳)

یہ حدیث آثار ولباس صالحین کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کی اصل ہے جیسے مریدین اپنے مشائخ کی قمیصیں قبر میں پہنا کرتے ہیں۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ میت کے لئے قبر میں صالحین کے لباس وآثار سے تبرک حاصل کیا جائے اس کی تعلیم خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی۔ سلف وخلف کے مشائخ نے اس طریقہ مرضیہ پر عمل کیا اور میت کے لئے اتنے توسل کو مفید جانا۔ شجرہ شریف میں بھی اسمائے صالحین اوران کے ساتھ اتصال سے تبرک حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ لہذا جس طرح لباس صالحین سے تبرک حاصل کرنا حدیث شریف سے ثابت ہوا اسی طرح اسمائے صالحین کے ساتھ تبرک حاصل کرنا بھی اسی کے ضمن میں داخل ہوا اسی بنا پر بزرگوں نے قبر میں شجرہ رکھنا شروع کیا۔ چنانچہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگانست۔

وہابی اس کا انکار کر کے طریقہ صالحین بلکہ حدیث شریف کی مخالفت کرتا ہے اور محض اپنی ناقص رائے سے دین میں مداخلت کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جواب سوال چہارم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ تابعین وتبع تابعین، ائمہ مجتہدین، فقہاومحدثین، اولیائے کرام، علمائے اعلام کے لئے بھی جائز ہے بلکہ مشائخ کا معمول ہے۔ تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

ویستحب الترضی للصحابة والترحم للتابعین ومن بعدهم من العلماء والعباد وسائر الاخیار وکذایجوز عکسه وهو الترحم للصحابة والترضی للتابعین ومن بعدهم علی الراجح۔

(شامی ج۵ص ۴۹۷)

صحابہ کے لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا اور تابعین اوران کے بعد کے علماء اور تمام صالحین کے لئے رحمۃ اللہ علیہم مستحب ہے اور اسی طرح اس کا عکس بھی جائز ہے یعنی صحابہ کیلئے رحمہم اللہ اور تابعین اوران کے بعد والوں کے لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا بر قول راجح کے۔

بلکہ خود وہابیہ کے پیشوا مولوی خرم علی غایۃ الاوطار ترجمہ اردو درمختار میں لکھتے ہیں۔

جائز ہے، یعنی ترحم صحابہ کے لئے اور رضی اللہ تعالیٰ عنہم تابعین اوران کے بعد کے صالحین کے

واسطے بنا بر قول راجح کے، ایسا ذکر کیا ہے کرمانی نے، ولہذا اکتب فقہ میں امام کے نام پر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دونوں لفظ مذکور ہیں۔ (غایۃ الاوطار ج۴ص ۴۶۶)

لہذا اب اس میں بحث اور انکار کرنا سخت غلطی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۳۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

فاتحہ مروجہ یعنی کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر سورۂ فاتحہ اور درود شریف پڑھنا اصول شرع یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور اجماع امت یا کسی امام یعنی مجتہدین مشہورہ مذاہب اربعہ میں سے کسی میں اس کام کو مسلمانوں کے کرنے کو کہا گیا ہو تو ضرور تحریر فرمادیجئے گا فی سبیل اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔

الجواب

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم۔

اس دور جدید میں ایک نیا فرقہ پیدا ہو گیا ہے جو عرف میں وہابی ودیوبندی کے نام سے موسوم ہے۔ یہ فرقہ اپنے ایسے عقائد ومسائل رکھتا ہے جن پر کوئی آیت وحدیث پیش نہیں کرسکتا۔ نہ ان پر امت کا اجماع واتفاق ثابت کرسکتا ہے۔ نہ ان کی تائید خلف وسلف کی تصریحات سے کرسکتا ہے۔ یہ فرقہ کبھی عوام کو مغالطہ میں ڈالنے میں غیر متعلق آیات واحادیث کو پیش کر دیتا ہے۔ اور اس کے ترجمہ اور مطلب میں تصرف کرتا ہے۔ اور مفسرین ومحدثین کی تصریحات کے خلاف اس آیت وحدیث سے استدلال کرتا ہے کبھی ناواقفون میں اپنے بے دلیل مسائل کی حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کرتا ہے کہ اہلسنت سے ان کے مسائل پر دلیل کا مطالبہ کرتا ہے باوجودیکہ دلیل کا مطالبہ خود اس فرقہ پر ہے کیونکہ وہابی فرقہ فاتحہ کو ناجائز وبدعت سیئہ کہتا ہے تو فاتحہ کے عدم جواز پر دلیل خاص کا پیش کرنا وہابی فرقہ کے ذمہ پر ہے۔ اور اہلسنت فاتحہ کو جائز ومباح کہتے ہیں اور اباحت ہی تمام اشیاء میں اصل ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ماحرم اللہ فی کتابہ وماسکت عنہ فھو مما عفی عنہ۔ (ترمذی شریف مطبوعہ علیمی دہلی ص ۲۰۶)

حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمایا وہ اللہ کی طرف سے معاف ہے۔ یعنی وہ مباح ہے۔

حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں اس حدیث شریف کے تحت میں فرماتے ہیں:

ایں دلیل ست برآنکہ اصل دراشیاء اباحت است۔

(اشعۃ اللمعات ص ۵۰۶ کشوری ج ۳ ص ۵۴۰)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اصل سب چیزوں میں مباح ہونا ہے۔

حدیث: عن ابن عباس بعث اللہ نبیہ وانزل کتابہ واحل حلالہ وحرم حرامہ فما احل فھو حلال وما حرم فھو حرام وما سکت عنہ فھو عفو۔

(مشکوۃ شریف ص ۳۶۲)

اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کے تحت میں ہے۔

ازینجا معلوم میشود کہ اصل دراشیاء اباحت ست۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۷۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کچھ چیزیں کھاتے اور کچھ چیزیں ناپاک سمجھ کر چھوڑ دیتے تھے۔

پھر یہ حکم کہ (سب چیزوں میں اباحت ہے) صرف حدیث شریف ہی سے ثابت نہیں بلکہ چند آیات قرآنی اس کو ثابت کرتی ہیں چنانچہ علامہ ناصر السنۃ علی بن محمد تفسیر خازن میں آیت کریمہ۔

کلوا واشربوا ولاتسرفوا۔

کے تحت فرماتے ہیں۔

وفی الآیۃ دلیل علی ان جمیع المطعومات والمشروبات حلال الا ماخصہ الشرع بدلیل فی التحریم لان الاصل فی جمیع الاشیاء الاباحۃ الا ماحظرھا الشارع وثبت تحریمہ بدلیل منفصل۔ (تفسیر خازن مصری ج ۲ ص ۱۸۴)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ تمام کھانے اور پینے کی چیزیں حلال ہیں مگر جسے شریعت نے دلیل

حرمت کیساتھ خاص کر دیا کیونکہ اصل تمام چیزوں میں مباح ہونا ہے، ہاں جس چیز کو شارع حرام قرار دے اور اس کی حرمت پر علیحدہ دلیل قائم کرے (تو وہ حد اباحت سے خارج ہو کر حرام ہو جائے گی)

تفسیر احمدی میں تفسیر زاہدی سے ناقل ہیں کہ آیت کریمہ۔

یاایھا الذین آمنوا کلوا من طیبات مارزقناکم۔

کے تحت میں ہے۔

یتمسک بمثل ھذہ الآیات علی ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ مالم یقم دلیل الحرمۃ وذلک ظاھر۔ (تفسیر احمدی مطبوعہ ص ۳۴)

ان جیسی آیات سے ثابت ہوا کہ اصل تمام چیزوں میں مباح ہونا ہے جب تک دلیل حرمت قائم نہ ہو اور یہ بات ظاہر ہے (یعنی جب تک کسی چیز پر دلیل حرمت قائم نہ ہو وہ مباح ہے) ان تفاسیر سے یہ ثابت ہوا کہ آیات اس امر کی دلیل ہیں کہ اصل تمام اشیاء میں مباح ہونا ہے البتہ وہ اباحت کے حکم سے اس وقت خارج ہوگی جب شارع خاص طور پر اس کی حرمت وکراہت پر علیحدہ کوئی دلیل قائم کرے لہذا جب تک کوئی دلیل حرمت وکراہت قائم نہ ہوگی تو وہ اپنی اصل کے اعتبار سے مباح رہے گی اب چاہے اسکے جواز کا خاص ذکر قرآن وحدیث میں آیا ہو یا اس کا کچھ ذکر نہ آیا ہو تو جو شخص ایسی مباح الاصل چیز کو ناجائز وحرام کہے اس کو اپنے دعوے پر دلیل قائم کرنا ضروری ہے اور بلا دلیل قائم کئے ہوئے وہ ایسی مباح چیز کو ناجائز وحرام یا مکروہ وبدعت کہنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ اسی لئے حضرت عارف صمدانی قطب ربانی سیدی عبدالوہاب شعرانی میزان کبریٰ میں فرماتے ہیں:

وجمیع ماسکت الشرع عنہ ولم یتعرض فیہ لامر ولانھی فھو عافیۃ وتوسعۃ علی الاباحۃ فلیس لاحد ان یھجرہ علیھم۔ (میزان کبری مطبوعہ حجازی قاہرہ ج ۱ ص ۶۸)

شریعت نے جن تمام چیزوں کے متعلق کچھ ذکر نہ کیا اور ان میں کسی امرونہی کا اظہار نہیں کیا تو وہ معاف ہیں۔ اور امت کو اس کے کرنے کی گنجائش ہے، پس کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ امت کو اس سے روکے (یعنی اس مباح کو ممنوع کہے) اور امور مسکوتہ کے جائز ومباح کہنے والے کو ہرگز کسی دلیل جواز کے قائم کرنے کی حاجت نہیں، کہ اسکی ممانعت پر کسی دلیل شرعی کا نہ ہونا ہی اس کے جواز کی کافی دلیل ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فاتحہ کے جواز واباحت پر اہلسنت کو کسی دلیل کے قائم کرنے کی حاجت نہیں

کہ آیت وحدیث سے یہ ثابت ہو چکا کہ اصل سب چیزوں کی مباح ہے۔لہذا فاتحہ بھی جائز ومباح ہے تو اہلسنت سے فاتحہ کے جواز کی دلیل طلب کرنا مکر وکید ہے اور الٹا مطالبہ ہے فرقہ وہابیہ فاتحہ کو ناجائز وممنوع کہتا ہے۔اور اوپر کی عبارت سے معلوم ہوگیا کہ ناجائز کہنے والے کے ذمہ پر دلیل کا قائم کرنا ضروری ہے کہ وہ خلاف اصل کا دعوی کر رہا ہے۔تو فرقہ وہابی کتاب اللہ یا احادیث یا اقوال مجتہدین سے فاتحہ مروجہ کے ناجائز وممنوع ہونے پر دلیل قائم کرے۔ہمارا یہ دعوی ہے کہ نہ فقط یہاں بلکہ نجد تک کے وہابی بھی آکر انتہائی کوشش بھی کریں تو عدم جواز فاتحہ پر کوئی دلیل ہرگز ہرگز قائم نہیں کر سکتے ،یہ ایسا مطالبہ ہے جس کا جواب تا قیامت ممکن نہیں ،لیکن عوام اہلسنت کو مغالطے میں ڈالنے اور اپنی جماعت پر اپنا اقتدار باقی رکھنے کے لئے محض دفع الوقتی کے واسطے وہابی ایک یہ پرفریب چال چلا کرتے ہیں کہ اگر فاتحہ مروجہ جائز ہوتی تو اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرتے یا صحابہ کرام یا تابعین عظام کرتے یا ائمہ وفقہائے اعلام کرتے اور جب انہی میں سے کسی نے فاتحہ نہیں دی تو اس کو ناجائز ہی جان کر نہیں کیا۔یہ بات ہر وہابی کو یاد ہوتی ہے اور اس کو اپنی سب سے بڑی دلیل جانکر پیش کیا کرتا ہے،اور ہمارے ناواقف اہلسنت کو مرعوب کر لیتا ہے حالانکہ یہ بھی اس کا فریب ہے اور سلف وخلف کی تصریحات کے خلاف ہے۔چنانچہ علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں:

ان الفعل یدل علی الجواز وعدم الفعل لایدل علی المنع۔

(مواہب لدنیہ مصری ج ۲ ص ۱۶۶)

کرنے سے تو جواز سمجھا جاتا ہے اور نہ کرنے سے ممانعت نہیں سمجھی جاتی۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ شارع علیہ السلام اور صحابہ وفقہاء عظام کا کوئی کام کرنا تو اس فعل کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔اور کسی بات کا نہ کرنا اسکے ناجائز ہونے کی دلیل نہیں۔اب بقول وہابی فاتحہ ان حضرات نے نہ دی تو ان حضرات کا فاتحہ نہ دینا فاتحہ کے عدم جواز کی تو دلیل نہیں۔لہذا فاتحہ کے ناجائز ہونے کے لئے ان حضرات کے عدم فعل کو دلیل بنانا وہابیہ کی جہالت ونادانی ہے اور عوام اہلسنت کو فریب دہی ہے۔

اب باقی رہا وہابیہ کا فاتحہ مروجہ کو بدعت سیئہ کہنا یہ بھی گمراہی ہے اگر فاتحہ بدعت ہوتی تو امام الوہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی اس کو خوب اور بہتر اور افضل نہ کہتے اور نہایت صاف طور پر اپنی کتاب صراط مستقیم میں یہ نہ لکھتے:

نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست چہ این معنی بہتر وافضل۔

یہ نہ سمجھیں کہ مردے کے لئے فاتحہ خوانی سے نفع پہنچانا اچھا نہیں بلکہ یہ بہتر وافضل ہے۔

اور یہی امام الوہابیہ منکرین فاتحہ مروجہ کو اس میں شبہ وشک کرنے سے نہ روکتے اور اس کی خوبی کے مانعین کو ایسی تنبیہ نہ کرتے۔چنانچہ اسی صراط مستقیم میں ہے:

پس درخوبی ایں قدر امر از امور مرسومہ فاتحہ واعراس ونذر ونیاز شبہ نیست۔

امر مرسومہ کے اچھے ہونے میں کوئی شبہ وشک ہی نہیں۔

نیز اگر فاتحہ مروجہ ناجائز ہی ہوتی تو یہی امام الوہابیہ اس کا اہتمام نہ کرتے اور اس کے کرنے کی اس قدر تاکید نہ کرتے۔چنانچہ اسی صراط مستقیم میں ہے:

ہرگاہ ایصال نفع بمیت منظور دارد موقوف بر اطعام نگذارد کہ اگر میسر باشد بہتر است والا صرف ثواب سورۂ فاتحہ واخلاص بہترین ثوابہا است (صراط مستقیم ص ۲۵)

جب مردے کو نفع پہنچانا منظور ہو تو کھانے ہی پر موقوف نہ رکھیں، اگر کھانا میسر ہو تو بہتر ہے ورنہ صرف سورہ فاتحہ وقل شریف کا ثواب بہت بہتر ہے۔

نیز اگر بقول وہابیہ فاتحہ مروجہ بدعت ہوتی تو حضرت خاتم المحدثین سند المحققین شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی فاتحہ کے کھانے کو متبرک نہ لکھتے اور اس کا کھانا خوب نہ بتاتے۔

طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند برآں فاتحہ وقل ودرود خوانند تبرک میشود خوردن او بسیار خوب است۔ (فتاوی عزیزیہ ص ۷۵)

وہ نیاز کا کھانا جس کا ثواب حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پیش کریں وہ فاتحہ وقل ودرود پڑھنے سے تبرک ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت خوب ہے۔پھر اگر فاتحہ مروجہ ایسی بدعت سیئہ ہوتی جس کا کرنا گناہ ہوتا تو شرعا شاہ صاحب موصوف گناہ گار مسلمان کی امداد کے لئے فاتحہ مروجہ کو لازم نہ فرماتے۔

بعد از مردن اورا بآئین مسلماناں غسل باید داد ونماز باید خواند در مقابر مسلمیں دفن باید کرد ولعنت برو وتبرا ازو وبغض او از جہت دین حرام است بلکہ امداد او باستغفار وفاتحہ ودرود وصدقات وخیرات لازم باید شمرد۔ (تفسیر عزیزی مطبوعہ حیدری بمبئی ص ۱۸۲)

(فاسق کو) مرنے کے بعد مسلمانوں کے طریقہ پر غسل دینا چاہیئے اور نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے

اور مسلمانوں کے قبرستان میں اسے دفن کرنا چاہیئے اور اس پر لعنت اور تبرا اور اس سے دین کی وجہ سے دشمنی حرام ہے بلکہ اس کی امداد کے لئے استغفار وفاتحہ اور درود وصدقات اور خیرات لازم شمار کرنا چاہیئے اور حقیقۃ الامر یہ ہے کہ اگر فاتحہ مروجہ ناجائز وبدعت ہوتی اور سلف وخلف اس کو محدث اور نو ایجاد ہونے کی بنا پر ناجائز جانتے تو اسے اپنا معمول نہ بتاتے اور تمام امت میں یہ طریقہ رائج نہ ہوتا یہی حضرت شاہ صاحب موصوف اپنی کتاب تحفہ اثناعشریہ میں فاتحہ مروجہ کو معمول امت لکھتے ہیں عبارت یہ ہے۔

حضرت امیر وذریت طاہرہ او را تمام امت برمثال پیراں ومرشدان می پرستند وامور تکوینیہ را باایشاں وابستہ میدانند وفاتحہ درود وصدقات ونذر ومنت بنام ایشاں رائج ومعمول گردیدہ چنانچہ بااولیاء اللہ ہمیں معاملہ است۔ (تحفہ اثناعشریہ مطبوعہ مطابع ص ۲۲۸)

تمام امت حضرت مولیٰ علی اور ان کی اولاد کرام کی پیروں اور مرشدوں کی طرح تعظیم کرتی ہے اور عالم کے کاروبار کو ان سے وابستہ جانتی ہے اور فاتحہ ودرود وصدقات اور نذر ومنت ان کے نام کی معمول ورائج ہیں جیسے کہ تمام اولیاء اللہ کیساتھ یہی معاملہ ہے۔ اس عبارت سے نہایت واضح طور پر ثابت ہوگیا کہ تمام امت نے فاتحہ مروجہ اور نذر ومنت کو رائج کیا اور ان کو اپنا معمول بنایا اور انہیں اچھا سمجھا لہذا جب فاتحہ مروجہ مسلمانوں کے نزدیک اچھی چیز ثابت ہوئی تو اللہ کے نزدیک بھی اچھی چیز ہوتی مرقات المفاتیح میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے۔

ماراٰہ المسلمون حسنافھو عنداللہ حسن۔ (حاشیہ مشکوۃ شریف ص ۲۷)

مسلمان جس چیز کو اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

اب وہابیہ کا فاتحہ مروجہ کو ناجائز وبدعت کہنا اور اس کے قائلین جواز کو بدعتی اور گمراہ لکھنا کیسی دلیری وجرأت ہے اور محض اپنی رائے سے دین میں مداخلت ہے اگر ان کے اس دعوے میں کچھ قوت اور ان کی اس بات میں کچھ صداقت ہے تو سب سے پہلے اپنے قبلہ اور امام مولوی اسمٰعیل صاحب کو گمراہ وبدعتی کہیں، پھر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی پر بدعتی ہونے کا فتوی لگائیں، اور جب فاتحہ مروجہ بقول شاہ صاحب عام امت کا معمول ہے تو پھر وہابیہ ساری امت کو بدعتی ٹھہرائیں۔ لیکن تمام امت بدعتی وگمراہ ہو نہیں سکتی کہ ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ۔کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ لایجمع امتی او قال امۃ محمد علی ضلالۃ ویداللہ علی الجماعۃ ومن شذ

شذ فی النار۔ (مشکوۃ شریف ص ۳۰ مطبع مجتبائی دہلی)

بیشک اللہ تعالیٰ میری امت یا فرمایا امت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گمراہی پر جمع نہ فرمائے گا ۔اللہ تعالیٰ کا دست رحمت جماعت پر ہے۔ اور جو جماعت سے جدا ہوا جہنمی بنا۔

لہذا امت کا بدعتی وگمراہ ٹھہرانے والا خود بدعتی وگمراہ ہے، تو یہ فرقہ وہابیہ ہی بدعتی وگمراہ ثابت ہوا۔ کہ یہ معمول امت یعنی فاتحہ مروجہ کو گمراہی وبدعت کہتا ہے اور عمل مسلمیں کی مخالفت کرتا ہے تو یہ اپنا حکم اس آیت کریمہ میں تلاش کرے کہ عمل مسلمیں کے مخالفوں کا کیا انجام ہوگا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ماتولیٰ ونصلہ جھنم وساء ت مصیرا۔ (سورہ نساء ع ۱۷ جز ۵)

ترجمہ:- اور جو رسول کا خلاف کرے اسکے بعد کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دینگے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور وہ کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی ہے۔

شیخ احمد ملاجیون تفسیر احمدی میں اس آیت کریمہ کے معنی تحریر فرماتے ہیں۔

ومعناھا "ومن یشاقق الرسول" ای یخالفہ "ویتبع غیر سبیل المومنین" من عمل "او اعتقاد نولہ ماتولیٰ" ای نسلط علی ما احبہ من الردۃ والکفر والضلال "ونصلہ جھنم" ای ندخلہ فیھا "وسائت" الجھنم "مصیرا" لہ۔ (تفسیر احمدی مطبوعہ ص ۱۸۳)

آیت کریمہ کے یہ معنی ہیں کہ جو رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے اعتقاد وعمل کے خلاف کسی بات کو قابل اتباع سمجھے تو ہم اسے اس کے پسندیدہ کفر وارتداد اور گمراہی وضلال پر مسلط کردیں گے اور اس کو دوزخ میں داخل کریں گے اور اس کے لئے دوزخ بری پلٹنے کی جگہ ہے۔

بالجملہ وہابیہ کا فاتحہ مروجہ کو بدعت وناجائز کہنا اپنے پیروں اور استادوں کی تصریحات کے بھی خلاف ہے اور طریق مسلمیں ومعمول امت کے بھی خلاف ہے۔ تو اب انہیں فاتحہ مروجہ کے جواز کا اقرار کرنا چاہیئے اور امت کے خلاف فتوی دینے سے باز رہنا چاہیئے اور مسائل دین میں اپنی ناقص رائے پر اعتماد نہ کرنا چاہیئے۔ علاوہ بریں اگر فاتحہ مروجہ کی ہیئت کذائی کو بدعت کہتے ہیں تو اس پر کوئی ایسی بات ہے جو قرآن واحادیث سے ثابت نہیں ہے۔ میں بلحاظ اختصار چند حوالے نقل کرتا ہوں ورنہ اگر احادیث

ہ جمع کرنے کی کوشش کی جائے تو بہت مبسوط رسالہ تیار ہو جائے۔

سورہ فاتحہ یعنی الحمد شریف پڑھنا تو اس سورۃ شریف کے فضائل بکثرت احادیث سے ثابت ہیں ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لابی بن کعب کیف تقرأ فی الصلوۃ فقرأ ام القران فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ ما انزلت فی التورٰۃ ولا فی الانجیل ولا فی الزبور ولا فی الفرقان مثلھا وانھا سبع من المثانی والقرآن العظیم الذی اعطیتہ۔ (مشکوۃ شریف مجتبائی دہلی ص ۱۸۷)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب سے فرمایا: تو نماز میں کیسی قرأت کرتا ہے؟ حضرت ابی ابن کعب نے بالترتیل الحمد پڑھی، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے توراۃ میں نہ انجیل میں نہ زبور میں نہ قران میں کوئی سورہ سورۃ فاتحہ کے مثل نازل ہوئی اور وہ سبع مثانی ہے اور اس قرآن عظیم سے ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔

دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

فاتحۃ الکتاب تجزی مالا تجزی شئ من القرآن ولو ان فاتحۃ الکتاب جعلت فی کفۃ المیزان وجعل القران فی الکفۃ الاخری لفضلت فاتحۃ الکتاب علی القرآن سبع مرات۔ (کنز العمال ج۱ ص ۳۹)

ترجمہ:- سورۂ فاتحہ کفایت کرتی ہے کہ قرآن کریم کی کوئی شئ ایسی کفایت نہیں کرتی، اور اگر سورہ فاتحہ میزان کے ایک پلہ میں رکھی جائے اور باقی قرآن دوسرے پلہ میں تو سورہ فاتحہ باقی قرآن سے سات گنی زائد ہو۔ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں نقل کیا کہ ابن نجار نے اپنی تاریخ میں روایت کی کہ حضرت مالک ابن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:-

دخلت المقبرۃ لیلۃ الجمعۃ فاذا انا بنور مشرق فیھا فقلت لا الہ الا اللہ نری ان اللہ عزوجل قد غفر لاھل المقابر فاذا انا بھاتف من البعد وھو یقول یامالک بن دینار ھذہ ھدیۃ المومنین الی اخوانھم من اھل المقابر قلت: والذی انطقک الا اخبرتنی ما ھو قال رجل من المومنین قام فی ھذہ اللیلۃ فاسبغ الوضوء وصلی رکعتین وقرأ فیھا فاتحۃ الکتاب وقل

یاایھا الکفرون وقل ھو اللہ احد وقال اللھم انی قد وھبت ثوابھا لاھل المقابر من المومنین فادخل اللہ علینا الضیاء والفصحۃ والسرور فی المشرق والمغرب قال مالک فلم ازل اقرأھما فی کل لیلۃ جمعۃ فرأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی منامی یقول لی یامالک بن دینار قد غفر اللہ لک بعد النور الذی اھدیتہ الی امتی ولک ثواب ذلک ثم قال لی وبنی اللہ لک بیتا فی الجنۃ فی قصر۔ (شرح الصدور مصری ص ۱۲۸)

میں جمعہ کی رات میں قبرستان گیا تو میں نے دیکھا کہ اس میں بہت زیادہ نور پھیلا ہوا ہے، میں "لا الہ الا اللہ" پڑھ کر یہ گمان کرنے لگا کہ اللہ عزوجل نے اہل قبور کو بخش دیا کہ اتنے میں ہاتف کی دور سے آواز آئی کہ وہ یہ کہتا ہے کہ اے مالک بن دینار! یہ مسلمانوں کی جانب سے اپنے بھائی اہل قبور کے لئے ہدیہ ہے میں نے کہا کیا تجھے اس ذات کی قسم جس نے تجھے یہ خبر دینے کی گویائی دی کہ یہ کیسا ہدیہ ہے ہاتف نے کہا مسلمانوں میں سے ایک شخص نے اس رات میں کامل وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ اور "قل یاایھا لکفرون" اور" قل ھو اللہ احد " پڑھی، اور پھر اس نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! میں نے اس کا ثواب مومنین اہل قبور کو ہدیہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ضیاو نور اور فرحت وسرور مشرق ومغرب میں پہنچایا مالک بن دینار نے کہا تو میں ہمیشہ ہر جمعہ کی رات میں ایسی دو رکعتیں پڑھتا رہا تو میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور مجھ سے فرماتے ہیں اے مالک بن دینار اللہ نے تیری مغفرت فرمائی بمقدار اس نور کے جسے تو نے میری امت کی طرف ہدیہ کیا اور تیرے لئے بھی اس کا ثواب ہے پھر حضور نے مجھ سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے جنت میں ایک محل بنایا۔

یہاں بخیال اختصار تین حوالے نقل کئے ان سے علاوہ فضیلت سورۃ فاتحہ کے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر اس سورہ شریفہ کو اموات کے ایصال ثواب کی غرض سے پڑھا جائے تو اموات کو ثواب بھی ملے اور پڑھنے والے کو بھی زیادہ سہولت ہے اسی لئے سلف نے اس کو ایصال ثواب کے لئے منتخب کیا اور فاتحہ مروجہ کا اسی سورہ فاتحہ پڑھنے کی بنا پر سورہ فاتحہ نام رکھا۔

سورۂ اخلاص یعنی قل ہو اللہ شریف کا پڑھنا، تو اس سورۂ شریف کے فضائل میں بھی بکثرت احادیث وارد ہیں بلحاظ اختصار چند پیش ہونگی بخاری شریف میں حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور مسلم شریف میں حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایعجز احدکم ان یقرأ فی لیلۃ ثلث القرآن قالوا و کیف یقرأ ثلث القرآن قال قل ھو اللہ احد یعدل ثلث القرآن۔ (مشکوۃ شریف ص ۱۸۵)

کیا تم میں کوئی شخص رات میں تہائی قرآن شریف پڑھنے سے عاجز ہے، صحابہ نے عرض کیا ہمیشہ تہائی قرآن کس طرح پڑھا جائے؟ حضور نے فرمایا: قل ہو اللہ فضل میں تہائی کی برابر ہے۔

ترمذی شریف ودارمی شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قرأ کل یوم مائتی مرۃ قل ھو اللہ احد محی عنہ ذنوب خمسین سنۃ الا ان یکون علیہ دین۔ (مشکوۃ شریف ص ۱۸۸)

جس نے ہر روز دوسو مرتبہ قل ہو اللہ احد پڑھی اس کے نامۂ اعمال میں سے پچاس برس کے گناہ مٹ جائینگے مگر جبکہ اس پر فرض ہو۔

دارمی شریف میں حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قرأ قل ھو اللہ احد عشر مرات بنلی لہ قصر فی الجنۃ، ومن قرأ عشرین مرۃ بنی لہ ثلثۃ قصور فی الجنۃ، فقال عمربن الخطاب: واللہ یارسول اللہ لنکثرن قصورنا، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اللہ اوسع من ذلک۔ (مشکوۃ شریف ص ۱۹۰)

جس نے ''قل ھو اللہ احد'' دس بار پڑھی تو اس کے لئے اس کے بدلے میں جنت میں ایک محل بنایا جائے گا، اور جس نے بیس بار پڑھی تو اسکے لئے جنت میں دو محل بنائے جائینگے اور جس نے تیس مرتبہ پڑھا تو اس کے لئے جنت میں تین محل بنائے جائیں گے حضرت عمر فاروق اعظم نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ بات ہے (کہ دس بار کے بدلے میں ایک محل ہے) تو ہم اس سورت کی کثرت سے اپنے محل زیادہ کریں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا فضل بہت زیادہ وسیع ہے۔

حضرت قاضی ابوبکر بن عبدالباقی نے اپنی مشیخت میں حضرت سلمہ ابن عبید سے نقل کیا کہ حضرت حماد مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔

خرجت لیلۃ الی مقابر مکۃ فوضعت راسی علی قبر فنمت فرأیت اھل المقابر حلقۃ حلقۃ فقلت قامت القیامۃ قالوا لا ولکن رجل من اخواننا قرأ قل ھو اللہ احد وجعل

ثوابھا لنا نحن نقتسمہ منذ منذ۔ (شرح الصدور مصری ص ۱۳۰)

میں ایک مکہ کے قبرستان کی طرف گیا تو ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا میں نے خواب میں دیکھا کہ اہل قبور حلقہ حلقہ بنائے ہوئے ہیں میں نے کہا کیا قیامت قائم ہوگئی انہوں نے جواب دیا نہیں لیکن ہمارے بھائیوں میں سے ایک نے ''قل ھو اللہ'' شریف کو پڑھا اور اس کا ثواب ہمیں بخشا تو ہم اتنے سال سے تقسیم کررہے ہیں۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ ''قل ھو اللہ'' شریف کا ثواب تہائی قرآن شریف کی برابر ہے اس سے گناہ محو ہوتے ہیں، اس کے اجر میں جنت میں محل بنائے جاتے ہیں اور مردوں کو انہیں چیزوں کی حاجت ہی ہے۔ لہذا اموات کے ایصال ثواب میں اس سورۃ شریف کا پڑھنا بہت ہی بہتر ہے اسی لئے بزرگوں نے اس سورۃ کو فاتحہ میں شامل کیا کہ وقت کم لگے اور ثواب زائد ملے۔

سورہ کافرون:- یعنی ''قل یا ایھا الکفرون'' پڑھنا اس سورۃ شریف کے فضائل بھی بکثرت احادیث سے ثابت ہیں یہاں بخوف طوالت صرف ایک حدیث نقل کی جاتی ہے ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

قل یا ایھا الکافرون تعدل ربع القرآن۔ (مشکوۃ شریف ص ۱۸۸)

''قل یا ایھا الکافرون'' کا ثواب چوتھائی قرآن کی برابر ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس سورۃ شریفہ کا ثوب چوتھائی قرآن کے برابر ہے اس کثرت ثواب کی وجہ سے علمائے کرام نے اس سورۃ کو بھی فاتحہ میں شامل کیا۔

معوذتین:- یعنی قل ''اعوذ برب الفلق'' اور قل اعوذ برب الناس پڑھنا انکے فضائل بھی بکثرت احادیث میں وارد ہیں لیکن یہاں صرف دو احادیث نقل کی جاتی ہیں۔

مسلم شریف میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

الم تر الی آیات انزلت اللیلۃ لم یرہ مثلھن قط قل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس۔ (مشکوۃ شریف ص ۱۸۶)

کیا تجھے ان آیات کا علم نہیں جو آج رات نازل ہوئیں جن کا مثل ہرگز نہ دیکھا گیا، وہ قل اعوذ

برب الفلق اورقل اعوذ برب الناس ہیں۔

ابوداؤدشریف میں انہیں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ حجفہ اورابواء کے درمیان حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ سفرتھا"اذ غشیتنا ریح وظلمة فجعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم یتعوذباعوذ برب الفلق واعوذ برب الناس ویقول یاعقبة تعوذبهما فماتعوذ متعوذ بمثلهما ۔

(مشکوۃ شریف ص ۱۸۸)

کہ اتفاقاًہم تیز ہوااورسخت تاریکی میں گھر گئے تورسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس" کیساتھ تعوذ فرمانے لگے اورحضورنے فرمایاان دونوں کے ساتھ تعوذ کرکہ کوئی تعوذ کرنے والاان کی مثل سے تعوذ نہ کرسکا ان دونوں احادیث سے ثابت ہوا کہ یہ دونوں سورتیں تعوذ میں بے مثلی ہیں اوردفع ظلمت وعذاب کے لئے بے نظیرعمل ہیں مردوں کوبھی ظلمت قبرواہوال حشر وعذاب سقر سے تعوذ کی شدید حاجت ہوتی ہے اسی بات کوملحوظ فرما کر ہمارے اکابرملت نے ان دونوں سورتوں کوفاتحہ میں داخل کیا۔

الحاصل ان پانچوں سورکوان کے فضائل مخصوصہ اورکثرت ثواب کی وجہ سے اموات کے ایصال ثواب کے لئے منتخب کیااوریہ انتخاب بھی بارہویں یاتیرہویں صدی کے علمائے کرام کانہیں ہے جس پر منکرکی زبان طعن کھل سکے بلکہ یہ انتخاب بھی احادیث اوراقوال ائمہ کرام سے ثابت ہے چنانچہ حضرت ابو القاسم سعد بن علی زنجانی اپنے فوائد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

من دخل المقابر ثم قرأ فاتحة الکتاب وقل هو اللّٰه والهکم التکاثر ثم قال اللّٰهم انی قد جعلت ثواب ماقراء ت من کلامك لاهل المقابر من المومنین والمومنات کانوا شفعاء له علی اللّٰه تعالیٰ ۔ (شرح الصدورص ۱۳۰)

جوشخص قبرستان میں جائے پھرسورہ فاتحہ وقل ہواللہ شریف اورالھکم التکاثر پڑھے پھر کہے یا الٰہی میں نے تیرا کلام پڑھااس کا ثواب مقبرہ والے مسلمان مردوں اورمسلمان عورتوں کوبخشا تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے شفیع ہوں گے۔

دارقطنی میں حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے فرمایا:

من مر علی المقابر فقرأقل هو اللّٰه احد احدی عشرة مرة ثم وهب اجرها الی الاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات ۔ (مراقی الفلاح حاشیہ طحطاوی ص ۳۶۳)

جوشخص قبرستان میں گذرے اورگیارہ بارقل هو اللّٰه احد پڑھے پھراس کاثواب مردوں کوبخشے تو اسے ان مردوں کی برابرثواب ملے۔

حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احیاء العلوم میں نقل کیا کہ حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ قول مروی ہے۔

قال اذا دخلتم المقابر فاقرؤا الفاتحة الکتاب والمعوذتین وقل هو اللّٰه احد واجعلوا ذلك لاهل المقابر فانه یصل الیهم ۔ (شرح الصدورمصری ۱۳۰)

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایاجب تم قبرستان میں جاؤتو سورۂ فاتحہ اور معوذتین اور قل هو اللّٰه احد پڑھواوراس کاثواب ان اہل قبورکوپہنچاؤ بیشک وہ ثواب ان تک پہنچتا ہے

ان دونوں احادیث اوراس قول سے اموات کے ایصال ثواب کے لئے سورۂ فاتحہ سورۂ اخلاص اورمعوذتین کاپڑھنا ثابت اورسورۂ کافرون کاثبوت ابھی تاریخ ابن نجار کے حوالہ میں گذرا۔لہذا جب ایصال ثواب میں ان پانچوں سورتوں کاپڑھنا ثابت ہواتو فاتحہ مروجہ سے بھی ایصال ثواب ہی مقصود ہوتا ہے پس فاتحہ مروجہ میں بھی ان پانچوں سورتوں کاپڑھناانہیں احادیث واقوال سے ثابت ہوااب اگر وہابی اس کاانکارکرے تواحادیث واقوال ائمہ کامنکر ہے۔

درودشریف پڑھنا:۔درودشریف کے بکثرت فضائل احادیث میں وارد ہیں منجملہ ان کے ایک یہ فضیلت بھی ہے،ترمذی شریف میں حضرت عمرفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

ان الدعاء موقوف بین السماء والارض لایصعد منها شئ حتی تصلی علی نبیك ۔ (مشکوۃ شریف ص ۸۷)

بیشک دعا آسمان وزمین کے درمیان میں رکی ہوئی رہتی ہے اس سے کچھ بھی اوپر بلندنہیں ہوتا جبتک کہ تونبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پردرودنہ بھیجے۔

بیہقی شریف میں حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مروی ہے۔

کل دعاءٍ محجوب حتی یصلی علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔

کنز العمال ج ۱ ص ۱۲۳)

ہر دعا قبول ہونے سے روک لی جاتی ہے جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھی جائے۔

ان احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ جب تک دعا کے ساتھ درود شریف شامل نہ ہو وہ آسمان اور زمین کے درمیان میں معلق رہتی ہے اور قبول ہونے سے روکی جاتی ہے۔

فاتحہ میں چونکہ دعائے مغفرت اور ایصال ثواب ہوتا ہے تو اس دعا کی اجابت اور قبول کی غرض سے درود شریف کو فاتحہ مروجہ میں داخل کیا گیا لہذا اس کا انکار احادیث کا انکار ہے۔ کھانا یا شیرینی

کھانے یا شیرینی سے صدقات مالی مراد ہیں، میت کے اعزاء اقرباء دوست احباب بغرض ایصال ثواب صدقات مالی کرتے ہیں اور حسب توفیق سہل الحصول چیزیں تصدق کرتے ہیں، اب کوئی کھانے میں سہولت سمجھتا ہے، کوئی شیرینی میں آسانی جانتا ہے، ہر نوع سے مقصود صدقات مالی ہوتے ہیں، اور اموات کے لئے صدقات کرنے کی احادیث میں بہت تاکیدیں فرمائی گئی ہیں۔ بخیال اختصار چند احادیث پیش کرتا ہوں۔

ان رجلا قال یارسول اللّٰہ ان امی افتلتت نفسها ولم توص واظنها لو تکلمت تصدقت افلها اجراًان تصدقت فیها قال نعم ۔ (شرح الصدور مصری ص ۱۲۵)

ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ میری والدہ اچانک فوت ہوگئی اور اس نے صدقے کی وصیت نہیں کی میں گمان کرتا ہوں کہ اگر کلام کرتی تو صدقے کا حکم دیتی پس اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کا بھلا ہوگا حضور نے فرمایا ہاں ہوگا۔

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے ان کے پیچھے وفات پائی وہ سرکار رسالت میں حاضر ہوئے۔

فقال یارسول اللّٰہ ان امی ماتت وانا غائب هل ینفعها ان تصدقت عنهاقال نعم قال فانی اشهدك ان حائطی صدقة عنها ۔ (شرح الصدور مصری ص ۱۲۸)

عرض کیا: یارسول اللہ! میری والدہ کا انتقال ہوگیا اور میں موجود نہ تھا، پس اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کو نفع پہنچے گا؟ حضور نے فرمایا: ہاں پہنچے گا۔ سعد نے کہا تو میں حضور کو گواہ بناتا

ہوں کہ میرا باغ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔

طبرانی میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الصدقة لتطفی عن اهلها حر القبور ۔ (شرح الصدور مصری ص ۱۲۸)

بیشک صدقہ مردوں سے قبر کی حرارت کو دور کر دیتا ہے۔

طبرانی نے اوسط میں حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔

یارسول اللّٰہ توفیت امی ولم توص ولم تصدق هل ینفعها ان تصدقت عنها قال نعم ولو بکراع شاة محرقة۔ (شرح الصدور مصری ص ۱۲۹)

یارسول اللہ میری والدہ وفات پاگئیں اور انہوں نے نہ صدقہ کی وصیت کی نہ خود صدقہ دیا تو اگر میں ان کی جانب سے صدقہ دوں پس کیا ان کو نفع دیگا فرمایا ہاں نفع دیگا اگر چہ بکری کے جلے ہوئے پائے ہی دیں۔

ابو داؤد شریف وترمذی شریف میں حضرت جنش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا:

رأیت علیا یضحی بکبشین فقلت له ماهذا فقال ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنه فانا اضحی عنه ۔ (مشکوۃ شریف ص ۱۲۸)

کہ میں نے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ دو بکریوں کی قربانی کی، میں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کیسی ہیں حضرت علی نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ میں آپ کی جانب سے قربانی کروں تو میں وہی قربانی کرتا ہوں۔

ابو داؤد ونسائی شریف میں حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سرکار رسالت میں عرض کیا۔

یارسول اللّٰہ ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل قال الماء فحفر بیرا فقال هذه لام سعد ۔ (مشکوۃ شریف ص ۱۶۹)

یارسول اللہ ام سعد کا انتقال ہوا تو کونسا صدقہ افضل ہے حضور نے فرمایا پانی تو ان کے لئے کنواں

کھودا گیا اور کہا کہ یہ ام سعد کا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت عطاء اور حضرت زید ابن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی انہوں نے فرمایا: کہ ایک شخص نے خدمت اقدس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کیا۔

یارسول اللہ اعتق عن ابی وقد مات فقال نعم ۔ (شرح الصدور ص ۱۲۹)

یارسول اللہ کیا میں اپنے والد کی جانب سے غلام آزاد کروں اور ان کا انتقال ہو چکا ہے فرمایا ضرور۔

طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

مامن اھل میت یموت منھم میت فتصدقوا عنه بعد موته اھداھا له جبریل علی طبق من نور ثم یقف علی شفیر القبر فیقول یاصاحب القبر العمیق ھذه ھدیة اھداھا الیك اھلك فاقبل ھا فتدخل علیه فیفرج بھا ویستبشر وتحزن جیرانه الذین لایھدی الیھم شئ۔

(شرح الصدور ص ۱۲۹)

اہل میت کے شخص اپنی میت کی جانب سے اس کے مرنے کے بعد صدقہ کریں تو جبریل امیں نور کے طبق میں وہ ہدیہ لیجاتے ہیں اور اس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرماتے ہیں کہ اے گہرے گڑھے والے، یہ ہدیہ جسے تیرے اہل نے تیری طرف بھیجا ہے تو اس کو قبول کر، اور وہ اس پر داخل ہوگا، پس وہ اسی وجہ سے خوش ہوتا ہے اور بشارت حاصل کرتا ہے اور اس کے وہ پڑوسی جن کی طرف کوئی چیز نہیں بھیجی گئی رنجیدہ ہوتے ہیں۔

ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مردوں کے لئے ایصال ثواب صدقات کے ساتھ کرنے کی بہت تاکید ہے، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ صدقات ہی کی خاص جنس اور نوع کو اموات کے ایصال ثواب میں مقرر نہیں کیا گیا بلکہ مختلف اقسام کی چیزوں کا ذکر فرما کر اس طرف اشارہ فرمادیا کہ جس کو جو چیز آسان اور سہل ہو اس کے ساتھ تصدق کرے اس لئے بعض احادیث میں صدقہ کو مطلق فرمایا۔ چنانچہ بیہقی اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی انہوں نے کہا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اذا تصدق احدکم بصدقة تطوعا فلیجعلھا عن ابویه فیکون لھما اجرھا فلاینقص

من اجره شئ ۔ (طحطاوی شرح مراقی الفلاح مصری ص ۳۶۳)

جب تم میں کوئی شخص نفلی طور پر صدقہ دے تو اس میں اپنے ماں باپ کو بھی نیت میں شامل کرے کہ اس کا ثواب انہیں بھی ملے گا اور اس کے اجر میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

لہذا کھانا اور شیرینی بھی صدقات میں داخل ہیں تو یہ بھی حکم حدیث کے تحت میں مندرج ہوئے دن پر اعتراض کرنا کج فہمی وجہالت ہے اور دین کے ساتھ استہزاء وتمسخر ہے۔

رفع یدین:۔ یعنی بوقت فاتحہ ہاتھوں کا اٹھانا یہ خود ایک عبادت ہے چنانچہ علامہ علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔

ان المحققین اتفقوا ان رفع الایدی الی السماء فی حال الدعاء تعبدی محض۔

(شرح فقہ اکبر مصری ص ۱۰۴)

بیشک محققین نے اتفاق کیا کہ بوقت دعا ہاتھوں کا آسمان کی طرف اٹھانا عبادت ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ رفع یدین خود ایک عبادت ہے تو فاتحہ میں اس کی وجہ سے ایک اور عبادت کا اضافہ ہوا۔

علاوہ بریں فاتحہ کا مقصود اعظم اموات کے لئے دعاء مغفرت ہوتی ہے اور رفع یدین دعا کی سنت ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت ہے۔

چنانچہ بیہقی نے دعوات کبیر میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی:

ان النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم کان اذا دعا فرفع یدیه مسح وجھه بیدیه ۔

(مشکوۃ شریف ص ۱۹۶)

بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دعا فرماتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے اور اپنے چہرہ مبارک پر پھیر لیتے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ وقت دعا ہاتھوں کا اٹھانا اور چہرہ پر پھیر لینا سنت ہے۔ بلکہ ہاتھوں کا بوقت دعا اٹھانا اجابت وحصول مقصد کا سبب ہے۔ بیہقی شریف وابوداؤد شریف وترمذی شریف میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان ربکم حی کریم یستحی من عبده اذ رفع یدیه الیه ان یردھما صفرا ۔

(مشکوۃ شریف ص ۱۹۵)

بیشک تمہارا پروردگار حیا والا کرم فرمانے والا ہے، جب بندہ اس کی طرف اپنے ہاتھ اٹھاتا ہے تو خالی ہاتھ پھیر دینے سے حیا فرماتا ہے۔

ان احادیث کے باوجود فاتحہ میں ہاتھوں کے اٹھانے پر اعتراض کرنا اپنی نادانی وناواقفیت کا اقرار ہے اور صریح طور پر سنت کا انکار ہے۔

کھانا روبرو ہونا:— کھانے کو سامنے رکھ کر دعا کرنا خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے۔

بخاری شریف ومسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

یہ حدیث طویل ہے، خلاصہ مضمون یہ ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلیم کو یہ علم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھانا تناول نہیں فرمایا ہے، انہوں نے اپنی اوڑھنی میں چند جو کی روٹیاں لپیٹ کر مجھے خدمت اقدس میں بھیجا۔ میں نے مسجد شریف میں حاضر ہوکر سلام عرض کیا، حضور نے فرمایا: کہ تجھے ام سلیم کے شوہر ابوطلحہ نے کھانا لیکر بھیجا ہے میں نے عرض کیا: ہاں۔ حضور مع صحابہ کرام ام سلیم کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ میں نے آگے بڑھکر حضور کی تشریف آوری کی اطلاع دی۔ ابو طلحہ اس خبر کو سنکر گھبرائے۔ ام سلیم نے کہا: اللہ ورسول اپنی مصلحت کو خوب جانتے ہیں۔ اتنے میں حضور تشریف لائے اور صحابہ کرام حضور کے ہمراہ ہیں اور حضرت ام سلیم سے یہ فرماتے ہیں:

هلمى ياام سليم ماعندك فاتت بذلك الخبز فامربه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ففت وعصرت ام سليم عكة. فادمته ثم قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فيه ماشاء الله ان يقول ثم قال ائذن لعشرة فاذن لهم فاكلوا حتى شبعوا ثم خرجوا ثم قال ائذن لعشرة ثم لعشرة فاكل القوم كلهم وشبعوا والقوم سبعون او ثمانون رجلا۔

(مشکوۃ شریف ص ۵۳۷)

اے ام سلیم! جو کچھ تیرے پاس ہے حاضر کر۔ ام سلیم نے وہی روٹیاں حاضر کیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے توڑنے کا حکم فرمایا، انہیں توڑ دیا گیا۔ ام سلیم نے برتن سے اس میں گھی ٹپکا کر سب کو ملادیا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے الفاظ اسماء ثناء سے اس پر جو چاہا پڑھا، پھر فرمایا کہ دس آدمیوں کو اجازت دو، حضرت ابوطلحہ نے دس کو اجازت دی، انہوں نے سیر ہوکر کھایا اور یہ نکل گئے، پھر فرمایا دس کو پھر اجازت دو، یہاں تک کہ ساری قوم نے سیر ہوکر کھایا اور قوم کے ستر (۷۰) یا

اسی (۸۰) شخص تھے۔

اسی طرح بخاری شریف ومسلم شریف میں انہیں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عقد فرمایا، تو میری والدہ ام سلیم نے ایک برتن میں کھجور گھی دہی کا مرکب کیا ہوا کھانا مجھے لیکر بھیجا، جب میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضور نے تقریباً تین سو (۳۰۰) صحابہ جمع فرمائے۔

وضع النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يده على الطعام ودعافيه وقال ماشاء الله ان يقول فاكلوا حتى شبعوا اكلهم فقال لى ارفع فما ادرى اذا وضعت كانت اكثر ام حين رفعت۔ (شفا شریف از شرح شفا مصری ص ۶۱۴)

اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس کھانے پر رکھا اور اس پر دعا کی اور جو چاہا انواع ثنا اور اسماء سے پڑھا، تو سب نے کھانا شروع کیا یہاں تک کہ سیر ہوگئے، پھر حضور نے مجھ سے فرمایا: کہ اٹھالے، میں نے اسے جب اٹھایا تو میں نہیں جانتا کہ وہ کھانا رکھتے وقت زاید تھا یا اب زاید ہے۔

ان احادیث سے نہایت روشن طور پر ثابت ہوگیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھانا سامنے رکھ کر دعا کی اور اس پر حمد وثنا واسماء سے کچھ پڑھا، اب وہابیہ کا ان احادیث میں محض اپنی رائے ناقص سے یہ تاویل کرنا کہ ان میں برکت کا ذکر ہے، بالکل بے دلیل ہے۔ اور اگر بالفرض یہ تاویل تسلیم بھی کرلی جائے تو دعائے برکت کے لئے کھانا سامنے ہونا کب ضروری ہے۔ وہابیہ اس پر دلیل قائم کریں۔ اب باقی رہا براہین قاطعہ میں یہ کہنا کہ بوقت دعائے برکت کھانے کا روبرو ہونا مناسب ہے، تو یہ دعوی بلادلیل ہے۔ علاوہ بریں خود براہین کے قبلہ وکعبہ پیر ومرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اپنے رسالہ 'ہفت مسئلہ' میں اسی فاتحہ مروجہ کی بحث میں بوقت فاتحہ کھانا روبرو ہونے کا مناسبت سے ذکر فرماتے ہیں

''اگر یہاں (فاتحہ میں) زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہونچ جاوے تو بہتر ہے، پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ اس کا مشار الیہ اگر روبرو موجود ہوتو زیادہ استحضار قلب ہوتا روبرو لانے لگے'' (از رسالہ ہفت مطبوعہ مرادآباد)

لہذا جس طرح دعائے برکت میں کھانا روبرو رکھنے میں ایک مناسبت ہے اسی طرح فاتحہ میں بھی کھانا روبرو رکھنے میں ایک مناسبت ہے۔

استغفار:- اموات کے لئے طلب رحمت اور استغفار کرنا بھی نہ فقط احادیث بلکہ آیات سے بھی ثابت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:-

قل رب ارحمهما كما ربياني صغيرا۔ (بنی اسرائیل ع ۳)

عرض کر کہ میرے رب تو دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے چھٹپن میں پالا۔

علامہ محی السنۃ علاء الدین علی بن محمد تفسیر خازن میں اس آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں۔

ای ادع الله لهما ان يرحمهما برحمة الباقيه۔ (خازن شریف ص ۱۲۶ ج ۲)

یعنی اللہ تعالیٰ سے ماں باپ کے لئے دعا کرے کہ وہ اپنی رحمت باقیہ کے ساتھ ان دونوں پر رحم کرے۔

علامہ ابوالبرکات عبداللہ نسفی تفسیر مدارک میں اس آیۃ کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں۔

ای لاتكتف برحمتك عليهما التي لابقاء لها وادع الله بان يرحمهما برحمة الباقية واجعله ذلك جزاء لرحمتهما عليك في صغرك وتربيتهما لك والمراد غيره عليه السلام۔

(مدارک مصری ج ۲ ص ۲۴)

تو ماں باپ پر اپنی اس رحمت کے ساتھ اکتفا نہ کر جس کے لئے بقا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کر کہ وہ اپنی رحمت باقیہ کے ساتھ ان دونوں پر رحم کرے اور انہوں نے تجھ پر تیرے چھٹپنے میں جو رحم کیا اور تجھے پالا اس کی اس دعا کو جزا بنا، اور آیت میں خطاب غیر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے۔

آیت۔ والذين جآؤا من بعدهم يقولون ربنا اغفرلنا ولاخوننا الذين سبقونا بالايمان۔ (سورہ حشر ۱۳)

اور وہ جو انکے بعد آئے عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔

علامہ اسمٰعیل حقی تفسیر روح البیان میں اس آیت کریمہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

وفي الآية دليل على ان الترحم والاستغفار واجب على المومنين الاخرين للسابقين منهم لاسيما لابائهم ومعلميهم امور الدين۔ (تفسیر روح البیان مصری ج ۲ ص ۲۱۰)

اور آیت میں اس امر پر دلیل ہے کہ گذشتہ مسلمانوں کے لئے رحمت کی دعا کرنا اور مغفرت چاہنا پچھلے مسلمانوں پر واجب ہے خصوصاً اپنے آباء واجداد اور دینی علوم کے استادوں کے لئے۔

ان آیات سے یہ ثابت ہو گیا کہ بعد والے مسلمانوں پر پہلے مسلمانوں کے لئے طلب رحمت اور استغفار کرنا ضروری ہے، اور ماں باپ، اجداد، اساتذہ پر اور تمام علمائے دین سلف صالحین کے لئے بدرجہ اولیٰ ثابت ہوئی، اب اسی کی مؤید چند احادیث بھی پیش کر دی جائیں۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ما الميت في القبر الا كالغريق المتغوث ينتظر دعوة تلحقه من اب وام واخ وصديق فاذالحقه كان احب اليه من الدنيا ومافيها وان الله تعالیٰ ليدخل على اهل القبور من دعاء اهل الارض امثال الجبال وان هدية الاحياء الى الاموات استغفار لهم۔

(مشکوۃ شریف ص ۲۰۶)

قبر میں وہ ایسا ہے جیسا ڈوبنے والا طالب مدد کہ وہ باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی دعا پہنچنے کا منتظر رہتا ہے، تو جب اسے وہ دعا پہنچتی ہے تو اس کو وہ دنیا ومافیہا سے بڑھ کر محبوب ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اہل قبور پر اہل زمین کی دعا پہاڑ جیسی کر کے داخل کرتا ہے اور بیشک مردوں کے لئے زندوں کا تحفہ ان کے لئے مغفرت طلب کرنا ہے۔

حضرت امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ان الله عزوجل ليرفع الدرجات للعبد الصالح في الجنة فيقول يارب انیٰ لی هذه فيقول باستغفار ولدك لك۔ (مشکوۃ شریف ص ۲۰۶)

بیشک اللہ عزوجل نیک بندے کا جنت میں درجہ بلند فرماتا ہے، تو وہ بندہ عرض کرتا ہے: اے رب یہ مجھے کہاں سے ملا؟ فرماتا ہے: تیرے لئے تیرے بچے کے استغفار کے سبب سے۔

طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

امتی امة مرحومة تدخل قبورها بذنوبها وتخرج من قبورها لاذنوب عليها تمحص عنها باستغفار المومنين لها۔ (شرح الصدور ص ۱۲۸)

میری امت مرحومہ امت ہے، اپنی قبروں میں گناہوں کے ساتھ داخل ہوگی اور ان سے بغیر

گناہوں کے اٹھے گی، مسلمانوں کی مغفرت طلب کرنا انہیں گناہوں سے خلاصی دے گا۔

ان احادیث سے ثابت ہوگیا کہ مردہ اپنے اعزہ واحباب کی دعاؤں کا بے چینی کے ساتھ انتظار کرتا ہے کہ ان کی دعا استغفار اس کے لئے مغفرت کا باعث اور رفع درجات کا سبب ہے۔ لہذا مومنین اقارب ہوں یا اجنبی سب کے سب اموات کے لئے دعائے استغفار کریں اور انہیں ایسا ہدیہ پہنچاتے رہیں۔

بالجملہ فاتحہ مروجہ کی تفصیلی حقیقت یہ ہے جسکی ہر بات احادیث سے ثابت ہے۔ اب ان سب امور کا اجتماع جس کو فاتحہ مروجہ کہتے ہیں کیسے بدعت ہوسکتا ہے۔ منصف کے لئے تو یہ تفصیل بہت کافی وافی ہے مگر منکر کے لئے فاتحہ مروجہ کی ہیئت کذائی پر کوئی ثبوت پیش کردیا جائے۔

فاتحہ کی ہیئت کذائی

فاتحہ مروجہ سے اموات کے لئے طلب رحمت ومغفرت وایصال ثواب مقصود ہوتا ہے جس کا حکم بکثرت احادیث سے ثابت ہوچکا، اور اسی وصول ثواب وطلب مغفرت کے لئے فاتحہ مروجہ میں دعا کی جاتی ہے اور جب فاتحہ میں دعا کا وجود پایا گیا تو اس میں دعا کی قبولیت واجابت کے آداب واسباب کا لحاظ بھی ضروری ہوا۔ منجملہ انہیں آداب اجابت دعا کے داعی کا تلاوت قرآن کے بعد اس کے توسل سے دعا کرنا ہے۔

چنانچہ ترمذی شریف میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قرأ القرآن فليسال الله به ۔ (مشکوۃ شریف ص ۱۹۲)

جس نے قرآن پڑھا تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے توسل سے سوال کرے۔

اسی فاتحہ مروجہ میں قرآن مجید کی چند افضل سورتوں کو پڑھ کر دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔

منجملہ انہیں آداب اجابت دعا کے درود شریف کا پڑھنا ہے جیسا کہ اوپر حدیث شریف میں گذرا اسی لئے درود شریف کو فاتحہ میں داخل کیا گیا۔

منجملہ انہیں آداب اجابت دعا کے کچھ صدقہ دینا ہے اسی لئے فاتحہ میں کھانا یا شیرینی کو بغرض تصدق لایا جاتا ہے۔

منجملہ انہیں آداب اجابت دعا کے قلب کا حاضر کرنا ہے کہ قلب غافل کی دعا قبول نہیں ہوتی چنانچہ ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعلموا ان الله لا يستحب دعاءً من قلب غافل لاه ۔ (مشکوۃ شریف ص ۱۹۵)

جانو کہ اللہ تعالیٰ غافل دل والے کی دعا قبول نہیں فرماتا۔

اسی غرض سے فاتحہ میں کھانے شیرینی وغیرہ کو سامنے رکھا گیا چنانچہ حضرت حاجی امداداللہ صاحب کی عبارت اوپر منقول ہوئی کہ فاتحہ میں کھانے کا روبرو ہونا استحضار قلب کی زیادتی کے لئے ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فاتحہ مروجہ کا مقصد اعظم اموات کے لئے دعائے مغفرت ووصول ثواب ہے اور یہ تمام باتیں آداب اجابت دعا ہونے کی غرض سے فاتحہ میں شامل ہوئیں۔ لہذا فاتحہ مروجہ کی یہ ہیئت کذائی اس لئے ہوئی۔ اس پر اعتراض گویا احادیث پر اعتراض ہے، اس کو بدعت کہنا گویا احادیث کے احکام کو بدعت ٹھہرانا ہے۔ باوجود اس کے وہابی دھرم کے لئے ان کے سب سے بڑے پیشوا کا ایسا قاعدہ پیش کردوں جس کے بعد کسی وہابی کو جائے سخن ومجال دم زدن باقی نہ رہے۔ چنانچہ مولوی رشید احمد گنگوہی اپنے فتاوی رشیدیہ میں چند سوالات کے جواب لکھتے ہیں:

سوال پچیسواں:

صوفیائے کرام کے یہاں جو اکثر اشغال اور اذکار مثل رگ کیماس کا پکڑنا اور ذکرارہ کرنا اور حلقہ بر قبور نہیں بلکہ ویسے ہی، اور حبس دم وغیرہ جو قرون ثلثہ سے ثابت نہیں بدعت ہے یا نہیں۔

الجواب:

اشغال صوفیہ بطور معالجہ کے ہیں، سب کی اصل نصوص سے ثابت ہے جیسے اصل علاج ہے مگر شربت بنفشہ صریح سے ثابت نہیں ایسے ہی سب اذکار کی اصل ثابت ہے جیسے توپ بندوق کی اصل ثابت ہے اگرچہ اس وقت میں نہ تھی سو یہ بدعت نہیں۔ (فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰)

سوال تیسواں:

کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرانا قرون ثلثہ سے ثابت ہے یا نہیں؟۔

الجواب:

قرون ثلثہ میں بخاری شریف تالیف نہیں ہوئی تھی مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، اس کی اصل شرع سے ثابت ہے بدعت نہیں۔ (فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص ۱۱)

سوال اکتیسواں:

بعض بعض صوفی قبور اولیاء پر چشم بند بیٹھتے ہیں اور سورہ الم نشرح پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا سینہ کھلتا ہے اور ہم کو بزرگوں سے فیض ہوتا ہے اس بات کی کچھ اصل بھی ہے یا نہیں؟۔

الجواب:

اس کی بھی اصل ہے اس میں کوئی حرج نہیں اگر بہ نیت خیر ہے فقط۔ (فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص ۱۱)

گنگوہی صاحب نے ان عبارات میں اشغال واذکار صوفیہ ذکرارہ حبس دم، شربت بنفشہ، توپ، بندوق، ختم بخاری شریف، مراقبہ قبر وغیرہ سب کی ہیئت کذائی کو درست وجائز قرار دیا اور ان کی اصل نصوص سے ثابت مانکر ان کو بدعت سیئہ نہیں ٹھہرایا، اگرچہ یہ تمام چیزیں قرون ثلثہ کے بعد وجود میں آئیں۔ تو ان عبارات سے قاعدہ کلیہ یہ نکلا کہ جس چیز کی اصل ہیئت نصوص سے ثابت ہو اور وہ بایں ہیئت کذائی قرون ثلثہ میں نہ ہو لیکن وہ بہ نیت خیر ہے اور اس میں ذکر خیر ہے تو ایسی ہیئت کذائی درست وجائز ہے یہ بدعت سیہ نہیں ہوسکتی۔

اب وہابی بہ نظر انصاف دیکھے کہ فاتحہ مروجہ کی اصل ہیئت یعنی ایصال ثواب واستغفار نصوص سے ثابت ہے پھر اس قدر بات کا انکار تو کوئی وہابی بھی نہیں کرسکتا۔ خود یہی گنگوہی صاحب براہین قاطعہ کے ص ۸۷ میں لکھتے ہیں۔ کوئی مفتی ایصال ثواب کا منکر نہیں لہذا فاتحہ کی اصل ایصال ثواب پر ہر وہابی کو اتفاق ہے۔ اب باقی رہی فاتحہ مروجہ کی ہیئت کذائی وہ اگرچہ قرون ثلثہ کے بعد وجود میں آئی لیکن فاتحہ کو بہ نیت خیر کیا جاتا ہے اور اس میں ذکر خیر بھی ہے، تلاوت قران کے بعد دعا کی جاتی ہے، تو یہ فاتحہ مروجہ خود پیشوائے وہابیہ کے قاعدہ کے بموجب بھی جائز ودرست ہے بدعت سیہ نہیں۔ حاصل جواب یہ ہے کہ تمام آیات واحادیث اور اقوال صحابہ کرام وائمہ عظام سے آفتاب کی طرح روشن ہوگیا کہ مردوں کے لئے ایصال ثواب وطلب رحمت ومغفرت کرنا بلاشبہ جائز ودرست ہے اسی کا نام ہمارے عرف ورواج میں فاتحہ ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فاتحہ کو تمام امت کا معمول اور طریق مسلمیں کہتے ہیں اور اسے گنہگار مسلمان کے لئے لازم قرار دیتے ہیں۔ اور پیشوایان وہابیہ اس کو بدعت وناجائز قرار نہیں دے سکتے۔

آج اگر چند وہابی اپنی جہالت ونادانی کم علمی وکم فہمی سے فاتحہ کو بدعت سیئہ وناجائز کہیں تو وہابی آیات واحادیث کے بھی منکر ہوئے معمول امت وطریق مسلمیں کے بھی مخالف ٹھہرے۔ خود اپنے پیشواؤں کی تصریحات کو ٹھکرانے والے قرار پائے۔ اور دین میں اپنی ناقص رائے کی مداخلت کرنے والے۔ بحمدہ تعالی ہمارا یہ مختصر جواب انشاء اللہ تعالی وہابیہ کے سارے حوصلے پست کردیگا۔ ان کے سب دعاوی کو خاک میں ملادے گا۔ ہمیشہ کے لئے ان کے منوھ پر مہر سکوت لگادے گا۔

اب کسی میں جواب دینے کا حوصلہ پیدا ہو تو وہ کم از کم کسی ایک ہی صحیح حدیث کو صراحت سے خاص فاتحہ مروجہ کا بدعت وناجائز ہونا ثابت کرے اور اقوال صحابہ وائمہ اربعہ سے فاتحہ مروجہ کے عدم جواز وممانعت پر کوئی تصریح نقل کرے اور ہمارے تمام دلائل کا معتبر ومعتمد حوالوں سے مفصل طور پر رد کرے مگر انشاء اللہ کوئی وہابی تا قیامت کبھی ایسی جرأت نہ کرسکے گا۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۳۲)

کسی قریہ میں ہیضہ یا وبا پھیل جائے اور اہل قریہ گلی کوچہ میں نعرہ تکبیر (اللہ اکبر) درود شریف باواز بلند نعرہ غوثیہ پڑھتے ہوئے گشت کریں اور دعائے شفا سفید کپڑے میں لکھ کر جگہ جگہ لٹکادیں اور یہ الفاظ عربی یا غیر عربی میں کہیں۔

اللّٰھم دافع البلیات ادفع عن عبادك الآفات والبلیات۔ برحمتك وکرمك وبطفیل حبیبك ونبیك سیدنا ومولانا محمد المصطفی علیه افضل الصلوة والسلام وبتوسل عبدك الصالح شیخنا المحترم سیدنا محی الدین عبد القادر جیلانی رحمة اللّٰه تعالیٰ علیه۔

اس کو بعض منع کرتے ہیں تو آیا ایسا کرنا اور یہ چیزیں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جوابات کسی معتبر کتاب کے حوالے سے ہونا چاہیئے۔ بینوا توجروا

الجواب

اللھم ہدایۃ الحق والصواب

دفع وبا وغیرہ کے بکثرت اعمال منقول ہیں، احادیث میں بھی بعض طریقے موجود ہیں، گشت کرنے کے بھی چند طریقے بزرگوں کے معمول ہیں، یہ طریقہ عمل میری نظر سے تو گزرا نہیں لیکن اس میں

کوئی بات خلاف شرع نہیں۔

نعرہ تکبیر: اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت محبوب چیز ہے۔ مسلم شریف میں حضرت سمرہ ابن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

احب الکلام الی اللہ اربع لا الہ الااللہ واللہ اکبرو سبحان اللہ والحمد للہ۔

(تفسیر خازن ج ۴ ص ۱۵۵)

اللہ کو چار کلام بہت محبوب ہیں "لا الہ الا اللہ" "اللہ اکبر" "سبحان اللہ" اور "الحمد للہ"۔

اسی طرح درود شریف دفع حزن وکرب وحصول حاجات کے لئے بہترین عمل ہے حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اللہ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من عسرت علیہ حاجۃ فلیکثر بالصلوۃ علی فانہا تکشف الہموم والغموم والکروب وتکثر الارزاق وتقضی الحوائج ۔(دلائل الخیرات شریف)

جس پر کوئی حاجت دشوار ہو اس کو چاہئے کہ مجھ پر درود شریف کی کثرت کرے۔ کیونکہ درود شریف غموں فکروں اور کربتوں کو دور کرتا ہے وروزی زیادہ کرتا ہے اور حاجت روا کرتا ہے۔

نعرہ غوثیہ: بھی دفع خوف وبلا وحصول امن کے لئے عمدہ عمل ہے، خود حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قصیدے میں فرماتے ہیں:

مریدی اذ دعانی بشرق   اوبغرب اونازل بحرطام

(ہامش بہجۃ الاسرار مصری ص ۲۳۴)

میرا مرید جب مجھے مشرق میں   یا مغرب میں یا پُر دریا کے نیچے پکارے

فاغثتہ لو کان فوق ہواء   اناسیف القضا لکل خصام

(ہامش بہجۃ الاسرار مصری ص ۲۳۴)

اگر چہ وہ ہوا پر ہو تو میں اس کی فریادرسی کروں ، میں ہر جنگ وجدال کرنے والوں کیلئے شمشیر قضا ہوں

توسل بنافی کل ہول وشدۃ   اغیثک فی الاشیاء طرابہمتی

(ہامش بہجۃ الاسرار مصری ص ۲۲۸)

ہمارے ساتھ توسل کر ہر خوف اور شدت میں میں تیری تمام چیزوں میں اپنی ہمت سے فریادرسی کروں گا

انا لمریدی حافظ مایخافہ   واحرسہ من کل شر وفتنۃ

میں اپنے مرید کے لئے جس سے وہ ڈرتا ہے حفاظت کرنے والا ہوں اور میں ہر شر وفتنہ سے اس کی حفاظت کرتا ہوں۔

وفی البحر لونادی باسمی حوتہ   اجبت وانی للمناجین سامع

اگر دریا میں مچھلی میرا نام لیکر پکارے تو میں اجابت کروں اور میں مناجات کرنے والوں کی سننے والا ہوں

وخلف نعابی قاف لویسغیث الی   مغاث فانی ثم للضرر دافع

(ہامش بہجۃ الاسرار مصری ص ۲۱۲)

کوہ قاف کی بلندی کے پیچھے اگر کوئی مجھ سے فریادرسی چاہے تو میں وہیں سختی اور نقصان کا دفع کرنے والا ہوں،

بالجملہ نعرہ غوثیہ کی اصل خود حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام سے ثابت ہوگئی۔ لہذا ذکر اللہ اور ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سبب دفع بلیات وآفات وباعث رحمت وبرکات ہونے میں تو کوئی مسلمان شبہ وشک نہیں کرسکتا، اسی لئے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام پاک لیکر ان سے استمداد واستعانت کرنا بھی اہل اسلام کے لئے قابل انکار چیز نہیں ہے حدیث شریف میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

الابدال یکونون بالشام وہم اربعون رجلا کلمامات رجل ابدل اللہ مکانہ رجلا یسقی بہم الغیث وینتصر بہم علی الاعداء ویصرف عن اہل الشام بہم العذاب۔

(مشکوۃ شریف ۵۸۳)

ابدال شام میں رہتے ہیں، یہ چالیس مرد ہیں، جب ان میں سے کسی کا وصال ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ دوسرے کو اس کا بدل اور قائم مقام کردیتا ہے، ان ابدال کی برکت سے ابر کو سیرابی دی جاتی ہے اور دشمنوں پر انہیں کی مدد سے غلبہ حاصل ہوتا ہے اور انہیں کی برکت سے اہل شام سے عذاب دفع کیا جاتا ہے۔

حضرت محقق مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کی شرح فرماتے ہیں:

وتخصیص باہل شام بجہت قرب وجوار ومزید ارتباط ایشاں خواہد بود والا برکت ونصرت ایشاں عالم راشامل است خصوصا کسیکہ استنصار واستعانت کند بایشاں۔ (اشعۃ اللمعات کشوری ج ۴ ص ۵۵۷)

اہل شام کی خصوصیت قرب وجوار اوران کے ساتھ زیادتی ارتباط کی وجہ سے ہے ورنہ ان کی برکت ومدد عالم کوشامل ہے خاص کرجوان سے استعانت وطلب مدد کرے۔

مرقات شرح مشکوۃ میں بروایت ابن عساکر انہیں اولیائے کرام کے متعلق ایک طویل حدیث مروی ہے جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں۔

بہم یدفع البلاء عن ہذہ الامۃ۔ (حاشیہ مشکوۃ شریف ص ۵۸۳)

انہیں اولیا کی برکت سے اس امت سے بلائیں دفع کی جاتی ہیں۔

بلکہ نیک مسلمان کے سبب دفع بلا ہونے کے ثبوت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ فقط حدیث کی روایت کی بلکہ انہوں نے آیت کریمہ سے اس کا استشہاد کیا۔

چنانچہ علامہ بغوی تفسیر معالم میں انہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ عزوجل لیدفع بالمسلم الصالح عن مأۃ اھل بیت من جیرانہ البلاء ثم قراء ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ولو لادفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض لکن اللہ ذو فضل علی العالمین۔ (تفسیر معالم ج ۱ ص ۲۲۳)

بیشک اللہ عزوجل نیک مسلمان کے سبب اس کے ہمسایہ میں سو (۱۰۰) گھر والوں سے بلا دفع کرتا ہے۔ پھر حضرت ابن عمر نے یہ آیت ولولا دفع اللہ الناس ۔ الایہ تلاوت کی یعنی اگر اللہ لوگوں میں بعض سے بعض کودفع نہ کرے توضرور اہل زمیں تباہ ہوجاتے مگر اللہ سارے جہاں پر فضل کرنے والا ہے۔

ایک حدیث شریف میں ذکر صالحین کے وقت نزول رحمت کی بشارت وارد ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ ۔ (موضوعات کبیر ص ۴۹)

صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔

ان احادیث اور آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ بارش کا ہونا، دشمنوں کا مغلوب ہونا، عذاب کا

موقوف ہونا، بلاؤں کا دفع ہونا، یہ سب ابدال کرام کی برکت اولیاء عظام کی وساطت سے ہے، ان کا ذکر باعث نزول رحمت ہے، جب ابدال وصالحین کا ذکر سبب دفع بلیات اور باعث نزول رحمت وبرکات ہے توقطب الاقطاب غوث الاغواث سید الابدال امام الصالحین سیدنا محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر پاک تو اورزیادہ موجب دفع بلا وسبب نزول رحمت خدا ہے۔ لہذا ایسی بلیات اورآفات کے وقت نعرۂ غوثیہ واستمداد سرکار قطبیت آیت کے موافق اور احادیث کے بالکل مطابق ہے، جو اس کے خلاف کہے وہ بدعتی منکر آیت واحادیث ہے۔

گشت: گلی کوچوں میں اسلئے ہوتی ہے کہ جہاں جہاں اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور امام الصالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہوگا اس ذکر کی برکت سے وبانہ آئے گی، اورآتی ہوئی دفع ہوجائے گی۔ کہ ان کا ذکر سبب نزول رحمت اور باعث دفع بلیات ہے، دعائے شفاوغیرہ ادعیہ وباء کا جگہ جگہ لٹکانا یا مکانات پر چسپاں کرنا سلف صالحین سے منقول ہے، اس میں کوئی ممنوع شرعی لازم نہیں آتا۔

اب باقی رہا دعائے مندرجہ فی السوال کا جواز اس میں کسی صحیح العقیدہ مسلمان کوتو کلام ہو نہیں سکتا کہ اس میں اللہ عزوجل کی جناب میں التجا ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور غیر نبی یعنی غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ توسل ہے اور ایسے مصائب وآفات کے دفع کرنے کے لئے نبی اور غیر نبی کے ساتھ توسل کرنے کا ثبوت خود حدیث شریف میں ہے صحابہ کرام خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت ہے۔

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان اذاقحطوا استسقی بالعباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال اللّٰھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا فیسقون ۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۳۷)

جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہ توسل حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پانی طلب کرتے اور یہ فرماتے اے اللہ ہم تیری جناب میں اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توسل کرتے پس تو ہمیں سیراب کرتا اوراب ہم تیری جناب میں اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کا توسل کرتے ہیں پس تو ہمیں سیراب کرتو وہ لوگ سیراب ہوتے۔

حدیث میں وارد ہے کہ خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع صحابہ

کے روبرو قحط اور طلب باران کے لئے دعا کی اور اس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور غیر نبی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کے ساتھ توسل کیا پھر اس پر کسی صحابی سے کسی طرح کا انکار ثابت نہیں ہوا اور کسی کا انکار کس طرح ثابت ہوسکتا ہے کہ ایک طویل حدیث میں ہے جس کو ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ احمد نے روایت کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوابہا وعضوا علیہا بالنواجذ الخ ۔ (مشکوۃ شریف ص۳۰)

تم میری سنت اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑو اور اس کے ساتھ تمسک کرو اور کچلیوں کے ساتھ اس کی گرفت کرو۔

جو ایسے توسل کا انکار کرے وہ احادیث کی مخالفت کرتا ہے عمل صحابہ کرام کو باطل قرار دیتا ہے مولیٰ تعالیٰ منکرین کو قبول حق کی توفیق دے اور خیالات باطلہ سے رجوع کرنے کی ہمت دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۳۳)

عمارات مقدسہ ومزارات مقدسہ کے نقشے خواہ تصویر کی صورت میں ہوں، ان کا ادب واحترام جائز ہے کہ نہیں؟۔

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

ظاہر ہے کہ مزارات متبرکہ ومقامات وعمارات مقدسہ کے نقشے کسی ذی روح کی تصویر نہیں اور جب وہ کسی ذی روح کی تصویر نہیں تو ان کے جواز میں کلام نہیں ہوسکتا۔ پھر جب وہ معظم چیز کی تصویر ہیں تو ان کے اداب واحترام میں بھی کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا ہے، مثلا کون نہیں جانتا ہے کہ کعبہ معظمہ وروضۂ طاہرہ کا ادب واحترام مسلمان کے لئے ضروری ہے، اور جب ان کا فوٹو لیا جائے یا دستی تصویر کھینچ لی جائے تو اب وہ نقشہ کعبہ معظمہ ونقشہ روضۂ طاہرہ کہلائیں گے۔

لہٰذا اب اس نسبت کی بنا پر ان کا ادب واحترام حقیقۃ کعبہ معظمہ وروضۂ طاہرہ کا ادب واحترام

ہے اور ان کی توہین وحقارت حقیقۃ ان کی عمارات مقدسہ کی توہین وحقارت ہے، تو ان نقشوں کا ادب واحترام نہ فقط جائز ثابت ہوا بلکہ محبت ایمانی کی بنا پر ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۳۴)

مکرمی ---------------------- السلام علیکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

کہ زید کہتا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر میں میلاد پڑھنا اس وجہ سے ناجائز ہے کہ حضور کا اسم گرامی محفل میلاد میں اکثر جگہ پر پڑھا جاتا ہے اور رات کے وقت کوئی شخص پاخانہ میں، کوئی حقہ میں مشغول، اور کوئی شخص ناپاک ہے، حضور کا نام سنکر درود شریف پڑھنا واجب ہوجاتا ہے، اس حالت میں اگر آدمی پڑھے تو گنہگار ہے۔ لہٰذا محفل میلاد میں لاؤڈ اسپیکر نہ ہونا چاہئے۔ اور بکر کہتا ہے لاؤڈ اسپیکر ضرور ہونا چاہئے۔ قول زید ٹھیک ہے یا قول بکر؟۔ بینوا توجروا

المستفتی منشی عبدالرحمٰن لال باغ بتھنی سڑک حسن پور

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

میلاد شریف یا محافل وعظ میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال میں کوئی محظور شرع لازم نہیں آتا، تو اس بکر کی اتنی بات تو صحیح ہے کہ میلاد شریف میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز ہے اور زید کا اس کو ناجائز کہنا غلط بلا دلیل ہے۔ اور اس نے جو وجہ وعلت اس کی ذکر کی ہے وہ غلط ہے کہ اختلاف مجلس کی بنا پر احکام بدل جاتے ہیں، ورنہ جس وقت اذان کی آواز آتی ہو اور وہ اس وقت پاخانہ میں ہو، یا ناپاک ہو، یا حقہ پینے میں مشغول ہو، تو کیا اس میں حضور علیہ السلام کا نام نہیں ہے؟ تو زید کی بیان کردہ وجہ کی بنا پر اذان ونیز وعظ وخطبہ وغیرہ امور سب ناجائز قرار دیئے جائیں۔ لہٰذا اتنی تفصیل ہی سے زید کے قول کا بطلان اور غلط ہونا ظاہر ہوگیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

مسئلہ (۸۳۵)

اگر واعظ کرسی یا چوکی پر رونق افروز ہوں تو سامعین جو نیچے بیٹھے ہوں قرآن پاک یا درود شریف کی تلاوت کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

قرآن شریف یا درود شریف باآواز تو سامعین کو نہیں پڑھنا چاہئے اور آہستہ پڑھنے میں کوئی حرج بھی نہیں معلوم ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۴؍شوال المکرم ۱۳۷۶ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۳۶)

کیا فرماتے ہیں علمای کرام اس باب میں

کہ بتاریخ ۲۰؍اپریل (جو بحساب شمسی بقول مولینا شبلی نعمانی سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت ہے، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرۃ مبارکہ کا بیان ذکر میلاد شریف، نعتیہ مشاعرہ، سلام خوانی وفاتحہ خوانی درست ہے یا کیا؟ اوران امور کی ممانعت کرنے والا خاطی ہے یا کیا؟

المستفتی، گل افشان نواب پورہ مراد آباد

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

قمری حساب سے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت بنابر قول مشہور کے ۱۲؍ربیع الاول شریف ہے، ممکن ہے کہ شمسی حساب سے ۲۰؍اپریل ہو۔ اب باقی رہا آپ کی تاریخ ولادت میں ذکر میلاد اور بیان سیرت پاک کرنا اور نعتیہ مشاعرہ قائم کرنا اور سلام وفاتحہ خوانی کرنا اور صدقات وغیرہ اور کار خیر تو یہ ہمیشہ سے سلف وخلف صالحین بلکہ تمام امت کا معمول رہا اور اب تک بھی ہے، اسکا استحسان نہ فقط عمل مسلمین سے ثابت بلکہ دلائل شرع قرآن وحدیث واجماع مسلمین وقیاس سے بھی ثابت ہے جسکا کافی ذکر میرے مطبوعہ "رسالہ عطر الکلام فی استحسان المولود والقیام" میں ہے۔

اب جو اس کی مخالفت کرتا ہے اور اس کو ممنوع کہتا ہے وہ بلاشبہ قرآن وحدیث کی مخالفت کرتا

ہے اور اجماع وقیاس کا منکر بنتا ہے، بلکہ وہ طریق ومعمول مسلمین وصراط مستقیم سے کتراتا ہے۔ لہٰذا اس کے خاطی وگمراہ ہونے اور بے دین وجہنمی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ مولیٰ تعالیٰ اس کو قبول حق کی توفیق عطا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۸ شوال المکرم ۱۳۷۶ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۳۷)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں

کہ ریڈیو لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ نیز ٹیپ ریکارڈ جس میں تقریر ریکارڈ کی جاتی ہے اور بجلی یا بیٹری سے مشین چلتی ہے مثلا، ریڈیو کہ اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جائز ہے، ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے، ریڈیو لاؤڈ اسپیکر ہندوستان میں کئی سال سے جاری ہے اس پر اب تک کوئی انکار نہ ہوا، ٹیپ ریکارڈ ابھی عام نہیں ہوا ہے، یہ بھی ریڈیو کے قبیل سے ہے، ریڈیو لاؤڈ اسپیکر خبر رسانی کے لئے ہے اور ٹیپ ریکارڈ اس لئے کہ متکلم کے کلام کو محفوظ کرکے بار بار سنا جائے سنا گیا ہے کہ اس کی وضع یورپ میں ہوئی۔ کونسل کے ممبران کی تقریروں کو ضبط کرنے کے لئے او کچہریوں میں گواہوں کی گواہیاں اور جج کے فیصلہ کو ضبط کرنے کے لئے۔ ہندوستان کے بعض محکمو میں بھی یہ مشین اس لئے رکھی گئی ہے کہ آفیسر کے حضور بعض ملازمین کوئی بات کہہ کر انکار نہ کرجائیں۔ بالجملہ یہ آلہ لہو نہیں ہے (اور شاید کہ سوال کا یہی منشا ہے) لہٰذا یہ جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

محمد افضل حسین مفتی دار العلوم منظر اسلام بریلی۔ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ دار الافتاء بریلی

تصدیق:۔ مجھے ابھی تک اس ٹیپ ریکارڈ کی کوئی خاص طور پر تحقیق حاصل نہیں ہے تو اگر فی الواقع یہ آلہ لہو نہیں ہے اور اس سے دینی منافع حاصل کئے جاتے ہیں تو اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں، لہٰذا مفتی صاحب کا جواب صحیح ہے۔

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

مسئلہ (۸۳۸)

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں

(۱) حقہ پینا جائز ہے یانہیں اور جو اسے جائز کہتے ہیں ان کے حق میں کیا حکم ہے؟ فقط والسلام

(۲) گردن کا مسح کرنا جائز ہے یانہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بدعت ہے کیاان کے پاس کوئی دلیل ہے یانہیں۔اور جو اسے بدعت قرار دیتے ان کے حق میں کیا ہے؟ فقط والسلام۔

المستفتی، منیر احمد نور ٹیالوی

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(۱) جوحقہ نشہ پیدا کرے اس کا پینا تو حرام ہے،اور جوحقہ جلد تازہ نہ کیا جاتا ہو یہاں تک کہ اس سے بوآنے لگے تو اس کا پینا مکروہ ہے۔اور جس حقہ کو جلد تازہ کیا جاتا ہو اور اس سے بو پیدا نہ ہو تو اس کے پینے کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ،کما صرح فی الشامی، تو جو اس آخری تیسری صورت کو جائز کہتے ہیں وہ شریعت کے موافق کہتے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۲) وضو میں گردن کا مسح کرنا نہ فقط جائز بلکہ مستحب ہے۔علامہ طحطاوی فتح القدیر سے ناقل ہیں "یستحب مسح الرقبۃ بظھر الیدین" اور بعض کے نزدیک تو گردن کا مسح کرنا سنت ہے،حدیث شریف سے ثابت ہے۔

چنانچہ مراقی الفلاح میں ہے۔

یسن مسح الرقبۃ لانہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم توضأ و او ما بیدیہ عن مقدم الراس حتی بلغ بھما اسفل عنقہ من قبل قفاہ

تو جو اس کو بدعت کہتا ہے وہ قول اول کی بنا پر مستحب کو بدعت کہتا ہے اور قول ثانی کی بنا پر سنت کو بدعت کہتا ہے اور مخالفت حدیث کرتا ہے،حدیث شریف کے مقابلہ میں وہ کیا دلیل پیش کرسکتا ہے،ایسے دلیر وجری شخص پر توبہ کا حکم ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۳۹)

مکرمی ---------- السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) ایک مسلمان جو اہل سنت والجماعت کا ہو تاجدار مدنی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر جی جان کھوتا ہو گھر میں حسب معمول میلا د شریف منعقد کرتا ہو۔بڑے پیر رضی اللہ عنہ کا معتقد بھی ہو اور کل بزرگان دین کا ادب و تعظیم کرتا ہو،حضور سیدنا غوث کے سلسلہ میں بیعت ایک بزرگ پیر صاحب جو سید زادے ہیں اور سنی عالم ہیں ان کے ہاتھ سے لیا ہو، کیا ایسا شخص وہابی ہوسکتا ہے،ایسے کہنے والوں کے لئے از روئے شریعت کیا حکم ہے۔

آپکا خادم محمد الیاس صدیقہ از بھدرک

(۲) کیافرماتے ہیں علمائے اہل سنت مسئلہ ذیل میں کہ

ایک شخص زید جو صحیح العقیدہ سنی ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے، کھلم کھلا سود لیتا ہے اور اسی سود کے پیسہ سے اکثر محفل میلا پاک منعقد کراتا ہے کہ جو پیسہ سود کی شکل میں غریب لوگوں سے زبردستی وصول کرتا ہے، جواب طلب امر یہ ہے کہ ایسا شخص کیا واقعۃ میلا پاک کی محفل فاتحہ نذر و نیاز کر کے ثواب کا مستحق ہوسکتا ہے؟ جب کہ اکثر روایت سے سنا گیا ہے کہ ایسے کام حلال کمائی کے پیسہ سے ہونے چاہئیں اس کے علاوہ ایسے شخص کے یہاں مسلمانوں کو باہمی میل جول رکھنا بیاہ شادی میں شرکت کرنا اس کے ساتھ کسی کام میں شریک ہونا کیسا ہے؟ برائے کرم جواب مفصل از روئے شریعت جلد دیجئے۔والسلام

المستفتی، حافظ محمد شفیع خاں قادری رضوی حنفی ساکن حسن پور ضلع مراد آباد محلہ لال باغ

(۳) قبلہ محترم جناب مولینا صاحب ---------- السلام علیکم

تحقیق طلب بات یہ ہے کہ محرم الحرام کی نویں دسویں یا دسویں گیارہویں کو حضرات ائمہ اہل بیت اطہار علی آبائہم واجداھم وعلیھم الصلوۃ والسلام نے روزہ رکھا ہے، اگر روزہ رکھا ہے تو اس سے آگاہ فرمائیں۔امید کرتا ہوں کہ جناب تکلیف تحقیق گوارا فرما کر مجھے اس سے اطلاع فرمائیں گے۔آثار صحابہ وتابعین یا سلاسل صوفیائے کرام سے ثبوت مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

فقط والسلام مع الاکرام محمد مسکین عفی عنہ

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(۱) یہ امور اگرچہ سنیت کی علامات سے ہیں لیکن کبھی وہابی بھی ان باتوں کو بغرض تالیف قلوب

اپنے عقیدہ اور ضمیر کے خلاف کرجاتا ہے، تو پھر اس کی معرفت اس طرح کی جاتی ہے کہ اگر تصنیفات وہابیہ سے ذوق رکھتا ہو اور ان کی توہین آمیز عبارات پر مطلع ہو کر بھی ان کے مصنفین کو اچھا اور مسلمان جانتا ہو تو وہ در پردہ وہابی ہی ہوتا ہے۔ لہذا شخص مذکور باوجود ان افعال کے بھی اگر اکابر وہابیہ کی تصنیفات اور ان کی توہین آمیز عبارات پر مطلع ہونے کے بعد بھی انہیں پیشوائے مذہب یا عالم دین یا کم از کم انہیں مسلمان جانتا ہو تو وہابی ہے اور اس کا ان امور کو اپنے خلاف عقیدہ وضمیر کرنا محض تالیف قلوب یا فریب کی بناپر ہے فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۲) لاشک محفل میلاد وفاتحہ ونذر، نیاز باعث اجر وثواب ہیں جب حلال مال سے ہوں۔ اور اگر حرام مال سود وغیرہ سے ہوں تو انکا کرنے والا مستحق ثواب نہیں ہوسکتا۔ اور جب یہ علم ہوجائے کہ اس شادی کا کھانا یا مٹھائی وغیرہ اسی سودی روپیہ سے ہے تو اس کے لینے اور کھانے سے احتیاط کرنی چاہئے باقی رہا اس کے میل جول سے بچنا اور اس کی تقریبات میں شرکت نہ کرنا اور ترک معاملات کرنا اگر اس سے اس کی اصلاح مقصود ہو اور اس کے درست ہوجانے کی قوی امید ہو تو کرسکتے ہیں ورنہ اس پرآشوب دور میں مسلمان سے صرف معاصی کی بنا پر ترک معاملات کرنا بجائے اصلاح کے کبھی مزید سرکشی کا باعث ہوجاتا ہے تو ایسی صورت میں ترک معاملات کی سزا دینے سے احتیاط کرنا ہی اس کے حق میں زیادہ مناسب ومفید ثابت ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۳) نویں دسویں محرم کے روزوں کا ثبوت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی احادیث سے ہے جو حضرات اہل بیت ہی میں داخل۔

چنانچہ بخاری ومسلم شریف میں ہے:

عن ابن عباس ما رأيت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يتحرى صيام يوم فضله على غيره الا ذا اليوم يو م عاشوراء وهذاا لشهر يعني شهر رمضان۔

(مشکوۃ شریف صفحہ ۱۷۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی دن کے روزے کو اس کے غیر پر فضیلت تلاش کرتے ہوئے نہ دیکھا مگر اس عاشوراء دسویں محرم کو اور اس ماہ رمضان کو (یعنی ان کو سب پر فضیلت دیتے۔

مسلم شریف میں انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی:

قال حين صام رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يوم عاشورا و امر بصيامه قالو ايا رسول صلى الله تعالى عليه وسلم انه يوم يعظمه اليهود والنصارىٰ فقال رسول الله و لئن بقيت الى قابل لا صومن التاسع

(مشکوۃ شریف صفحہ ۱۷۹)

انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود دسویں محرم کا روزہ رکھا اور اس روزے کا حکم دیا، لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس دن کی یہود ونصاریٰ تعظیم کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں آئندہ سال تک باقی رہا تو نویں محرم کو ضرور روزہ رکھوں نگا۔

بخاری ومسلم شریف میں انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی؛

ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قدم المدينة فوجد اليهود صياماً يوم عاشوراء فقال لهم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ما هذا اليوم الذى تصومونه فقالوا هذا اليوم عظيم نجىٰ الله فيه موسىٰ وقومه وغرق فرعون وقومه فصام موسىٰ شكراً فنحن نصومه فقال رسول الله فنحن احق واولىٰ بموسىٰ منكم فصامه رسول الله وامر بصيامه۔

(مشکوۃ شریف صفحہ ۱۸۰)

بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ میں ہجرت کرکے آئے تو آپ نے یہود کو دسویں محرم کو روزہ دار پایا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم اس روز کس بنا پر روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: کہ یہ ایسا عظمت والا دن ہے کہ اللہ نے اس میں حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا، تو اس دن حضرت موسیٰ نے شکریہ کا روزہ رکھا، تو ہم بھی اس کا روز رکھتے ہیں، تو حضور نے فرمایا: ہم بہ نسبت حضرت موسیٰ کے تم سے زیادہ حق دار اور بہتر ہیں، تو حضور ن اس دن کا خود روزہ رکھا اور اس روزہ کا حکم دیا۔

رزین حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے راوی:

قال سمعت ابن عباس رضى الله عنهما يقول صوموا التاسع والعاشر وخالفو اليهود۔

(ماثبت بالسنۃ صفحہ ۱۱)

انہوں نے کہا میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کہتے ہوئے سنا کہ نویں اور دسویں محرم ک

روزے رکھو اور یہود کی مخالفت کرو (کہ وہ تو فقط دسویں کو روزہ رکھتے ہیں)

حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی:

قالت كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم امر بصيام يوم عاشوراء۔

(ماثبت بالسنۃ صفحہ ۲)

انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دسویں محرم کے روزہ رکھنے کا حکم فرماتے تھے۔

نسائی میں حضرت ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی۔

قالت اربع لم يكن يدعهن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم صيام عاشوراء والعشر وثلثة ايام من كل شهر وركعتان قبل الفجر ۔ (ماثبت بالسنۃ صفحہ ۱۱)

انہوں نے کہا چار چیزیں ہیں جنھیں حضور ترک نہیں کرتے تھے (۱) دسویں محرم کا روزہ (۲) عشرہ ذی الحجہ کے نو روزے (۳) ہر ماہ کے تین روزے (۴) فجر کی دو رکعت سنتیں۔

ترمذی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے:

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ان كنت صائما بعد شهر رمضان فصم المحرم فانه شهر الله تعالىٰ فيه يوم تاب فيه على قوم ويتوب فيه على اخرين ۔

(ماثبت بالسنۃ صفحہ ۱۴)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو بعد ماہ رمضان کے روزے رکھے تو محرم میں روزے رکھ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے، اس میں ایک دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول کی اور اس میں اوروں کی توبہ قبول کریگا۔

ان اہل بیت کرام کی روایت کردہ احادیث سے یہ ثابت ہوگیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دسویں محرم کا خود بھی روزہ رکھا اور اس کو کبھی ترک نہیں فرمایا، اور نویں محرم کے روزے کا بھی ارادہ فرمایا جس کے سنت ثابت ہونے کے لئے اتنی بات کافی ہے، اور پھر حضور نے اپنی امت کو ان روزوں کا حکم فرمایا۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس نے نہ صرف ان کی روایت کی بلکہ ان کے لئے حکم بھی کیا۔ تو ظاہر ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس قدر تاکیدی حکم کے موجود ہوتے ہوئے حضرات اہل بیت کرام نے ان مسنون روزوں کو ہرگز ترک نہ کیا ہوگا کہ یہ حضرات تو قول وفعل

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بڑی سختی سے عامل تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۵ ربیع الآخر ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۴۰)

کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین نسبت مسائل کے، حوالہ جات قرآن واحادیث سے جواب عنایت فرمایا جائے۔

۱۰ محرم پر عام طور پر سبیل کی جاتی ہے اور اس کا ایصال ثواب حسین علیہ السلام کو پہنچایا جاتا ہے ایسا ایصال ثواب علاوہ سبیل دوسرے طریقہ سے پہنچایا جا سکتا ہے کیا سبیل کے ذریعہ ایصال ثواب پہنچتا ہے؟

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

ایصال ثواب جائز طریقہ سے جس چیز پر بھی کیا جائے یقیناً پہونچتا ہے، چاہے کھانے پر ہو چاہے پانی پر، مگر پانی کا ایصال ثواب تو زیادہ بہتر ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

عن سعد بن عبادة انه قال يا رسول الله! ان امی ماتت فای الصدقه افضل ؟قال الماء فحفر بيرا وقال هذه لام سعد ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

مروی ہے سعد ابن عبادہ سے انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، میری ماں مر گئی پس کونسا صدقہ بہتر ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی۔ پس کنواں کھدوایا، اور فرمایا: یہ سعد کی ماں کے واسطے ہے۔

تو حضور نے پانی کا صدقہ کرنے کو افضل وبہتر فرمایا اور اس کنوئیں کا نام بھی بیر ام سعد رکھ دیا، تو اس حدیث کی بنا پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی روح کو ایصال ثواب سبیل کے ذریعہ کرنا افضل واولیٰ قرار پایا، نیز اور دیگر چیزوں پر اور دیگر طریقوں سے بھی ایصال ثواب ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ المتوسل بالنبی المرسل العبد الارذل محمد اول بن المفتی مولینا الحاج محمد اجمل نائب مفتی اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل یکم جمادی الاخرہ ۱۳۷۷ھ

هذه الاجوبة كلها صحيحة محمد اجمل غفرالله عز وجل فی بلده سنبهل

مسئلہ (۸۴۱)

ایک شخص عقیدہ حنفی رکھتا ہے اور پیش امام مسجد بھی ہے اگر کوئی شخص میلاد شریف کرتا ہے اور پیش امام صاحب سے پڑھنے کو کہتا ہے کہ آپ ذکر رسول اللہ کر دیجئے جملہ حال بیان کر دیتا ہے، ذکر پیدائش کے وقت قیام وسلام پڑھنے سے گریز کرتا ہے، اس سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ حاجی لوگ مدینہ شریف مزار پاک آقائے نامدار تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر سلام پڑھتے ہیں یا نہیں؟ جواب دیتا ہے کہ وہاں پڑھتے ہیں، تو سائل کہتا ہے کہ پھر آپ کو تامل کیوں ہے؟ کیوں نہیں پڑھتے ہو، اس کے جواب میں یہ کہتا ہے کی میں صرف مزار پاک پر پڑھونگا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حیات النبی ہیں، علاوہ مدینہ پاک کے ضروری نہیں کہ دوسری جگہ پر پڑھا جاوے۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ ذکر میلاد میں پیدائش کا پڑھنا اور سلام کا پڑھنا ضروری نہیں ہے، اگر تم لوگ ضروری سمجھتے ہو تو قول صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اور قول امام اعظم علیہ الرحمۃ سے ثابت کرو، یا اگر کہیں قرآن پاک یا حدیث میں ہو تو ثابت کرو، یا دوسری کتاب مستند سے ثابت کرو۔ غرضیکہ سلام وقیام کے خلاف ہے، ہم لوگ حنفی عقائد رکھتے ہیں، کہیں سے اگر آپ حضرات کے علم میں یہ ثابت ہے تو مع حوالہ کتاب وقول صحابہ کرام وقول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ وقرآن پاک وحدیث کا حوالہ دیکر مع آیات کے درج کر کے مطلع فرمایئے۔ اب ہم لوگ آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری نماز ایسے عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے ہوسکتی ہے یا نہیں؟ ہم لوگوں کو جنکا عقیدہ حنفی ہے اقتدا ایسے امام کی کرنا چاہئے یا نہیں؟

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم مناظرے کیلئے تیار ہیں۔ اب اگر تم لوگ ضد کر کے سلام وقیام پڑھواتے ہو تو ہم نہیں پڑھیں گے۔ براہ کرم جواب سے مطلع فرمایئے اور جو کچھ آپ کے علم میں ہو اس کے متعلق تحریر کیجئے۔

فقط امام علی تمباکو فروش قصبہ ڈاکخانہ خاص ضلع کھیری لکھیم پور

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

بلا شبہ میلاد شریف کا پڑھنا اور اس میں بوقت قیام سلام پڑھنا نہ فقط جائز بلکہ مستحب ہے، اور قرآن وحدیث اور اجماع وقیاس اور اقوال سلف وخلف سے اور عمل امت سے ثابت ہے، اس میں میرا مدلل مکمل رسالہ عطر الکلام فی استحسان المولو د والقیام" مطبوعہ موجود ہے، اور نہایت بسوط کتاب "انوار ساطعہ در بیان مولود فاتحہ" چھپی ہوئی موجود ہے۔ ان میں نہایت کافی دلائل جواز مع

حوالجات مرقوم ہیں۔

نیز اس زمانہ میں میلاد وقیام کا کرنا اہل سنت کی علامت قرار پا چکا ہے، اور انکا انکار وہابیت دیوبندیت کی علامت بن گیا ہے۔ لہذا شخص مذکور فی السوال جب میلاد وقیام سے گریز کرتا ہے بلکہ اس سے صاف انکار کرتا ہے تو اغلب یہ ہے کہ وہ وہابی دیوبندی ہوگا، اور جب وہ ایسا ہے تو اکابر وہابیہ کو وہ اپنا پیشوا اور عالم مانتا ہوگا اور ان کی کفری عبارات کو صحیح جانتا ہوگا۔ تو ایسے بدعقیدہ وہابی امام کے پیچھے کسی اہل سنت صحیح العقیدہ حنفی لوگوں کی نماز ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہوسکتی، کبھی دیوبندی جماعت ہم اہل سنت سے ہرگز مناظرہ نہیں کر سکتی۔ اور اگر وہ حقیقۃ تیار ہیں۔ تو چیلنج مناظرہ اپنے کسی ذمہ دار مناظر کی طرف سے ہمارے پاس روانہ کریں اور باقاعدہ مناظرہ طے کرلیں تو ساری قلعی کھل جائیگی۔ اور حق وباطل کا فرق ظاہر ہو جائیگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۳/ ذی قعدہ ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۴۲)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دامت برکاتھم العالیہ مسائل ھذا میں

(۱) لڑکیوں کو گڑیوں سے کھیلنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سنت ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

(۲) نماز میں تصور شیخ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید جب نماز پڑھتا ہے تو اکثر ایسا موقع ہوتا ہے کہ اس کی نظر کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار اقدس کا تصور بندھ جاتا ہے اس سے نماز میں کوئی کراہت واقع ہوگی یا نہیں شرعا کیا حکم ہے؟

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(۱) لڑکیوں کے لئے گڑیوں سے کھیلنے کی اجازت ہے اور یہ صحیح ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گڑیاں تھیں جن کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ان کے پاس دیکھا، جو بخاری ومسلم وابوداؤد وغیرہ میں مذکور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) نماز میں بالقصد تصور شیخ تو نہ کیا جائے۔ اور بلاقصد نماز میں تصور شیخ (یعنی شیخ کی صحبت کا تصور آجانا اور زیادہ تقرب کا وسیلہ ہوسکتا ہے۔

(۳) اگر نماز میں نظر کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے مزار اقدس کا تصور بندھ جائے تو اس سے نماز میں کسی طرح کی کراہت واقع نہ ہوگی کہ تشہد میں بوقت السلام علیک حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا تصور قصدا کیا جاتا ہے۔ تو مزار اور اس کا تصور کس دلیل سے شرعا ممنوع ہوسکتا ہے۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۴۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ تلشی پور ضلع گونڈہ میں ایک مدرسہ عربیہ تقریبا ۱۰ سال سے قائم ہے جس کے محرک وبانی حضرت علامہ الحاج عتیق الرحمان خان صاحب قبلہ مدظلہ العالی ہیں، مدرسہ کا نام مولانا موصوف نے انوار العلوم رکھا تھا، اب تک مولینا اس کے ناظم کی حیثیت سے کام بھی کرتے ہیں، کچھ مدرسہ کے طلباء وغیرہ نے مدرسہ کے نام کے آگے دار العلوم عتیقیہ انوار العلوم اضافہ کر دیا، رسید پر بھی نام چھپوالیا اور عمارت پر بھی نام کندہ کر دیا۔ آج تقریبا ایک ماہ سے معاونین کے درمیان سخت تصادم ہے جس سے مدرسہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، حامیوں کی تعداد پچھتر فیصدی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں اکثر مدارس کے ناموں میں بانی کا نام شامل ہے، جیسے جامعہ نعیمیہ، جامعہ نظامیہ، اشرفیہ، اجمل العلوم وغیرہ، اسی طرح یہاں بھی یادگار کے لئے شامل رہیگا۔ بعض معاونین کہتے ہیں اگر کرنا تھا تو پہلے کرتے، آج کیا ضرورت لاحق ہوئی وغیرہ۔ لہٰذا اس کا تسلی بخش جواب مرحمت فرمایا جاوے اور یہ واضح کیا جاوے کہ مدرسہ کے ناموں میں کیوں نام شامل کیئے جاتے ہیں تاکہ نزاع ختم ہو۔

المستفتی، شیر بہادر خان متوطن لوکھوا پہلی مہول علاقہ ملشی پور ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۸ء

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صدیوں سے امت کا یہی معمول رہا ہے کہ مدارس عربیہ کو بانی کے مذہب یا نام کی طرف منسوب کر دیا کرتے تھے، چنانچہ ۵۸۰ھ کے بعد مصر وقدس وبغداد وغیرہ مقامات پر مدارس قائم ہوئے، تو وہ

مدرسہ حنفیہ، مدرسہ شافعیہ، مدرسہ مالکیہ، مدرسہ حنبلیہ کے ناموں سے مشہور ہوئے۔ یہ تو مذاہب کی بنا پر مدارس کے نام رکھے گئے۔ اور بانیوں کے نام سے اس طرح مشہور ہوئے مثلا ۴۵۸ء میں وزیر نظام الملک نے بغداد میں مدرسہ قائم کیا اس کا نام مدرسہ نظامیہ رکھا گیا جس میں حضرت حجۃ الاسلام امام محمد غزالی جیسے اکابر نے درس دیا۔ نیز ۵۰۵ھ میں انہیں حجۃ الاسلام امام محمد غزالی نے طوس میں مدرسہ قائم کیا جس کا نام مدرسہ غزالیہ مشہور ہوا۔ اس طرح سلطان عزیز نے دمشق میں ۵۸۹ھ میں مدرسہ قائم کیا جسکا نام مدرسہ عزیزیہ رکھا۔ اسی طرح بلاد اسلامیہ میں ہر قرن وہر صدی میں بکثرت مدارس عربیہ ان کے بانیوں کے نام سے مشہور ہوتے چلے آرہے ہیں۔ ہمیشہ یہی معمول امت رہا لیکن مدارس کے بانیوں کی طرف منسوب ہونے پر نہ کسی نے انکار کیا نہ کسی طرح کا کوئی اعتراض کیا۔ علاوہ بریں بانی کا نام مدرسہ کے نام میں داخل کرنے میں چند مقاصد ہوا کرتے ہیں۔

(۱) یہ مدرسہ دوسرے مدارس سے ممتاز ہو جائے۔

(۲) بانی نے اس مدرسہ کی تعمیر میں جن مصائب اور تکالیف کا مقابلہ کیا ہے، تو اس نام کی بنا پر اس کو آئندہ فراموش نہ کیا جا سکے۔

(۳) مدرسہ کے نام میں بانی کے نام کا باقی رکھنا گویا اس کی خدمات کا شکریہ ادا کرنا ہے جسکا حکم حدیث شریف سے مستفاد ہے " من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ " یعنی جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے خدا کا شکریہ ادا نہ کیا۔

لہٰذا بانی مدرسہ کی خدمات کا فراموش کر دینا یہانتک کہ اس کے نام کو مدرسہ کے نام میں داخل کرنے سے انکار کرنا بلاشبہ اس کی خدمات کا شکریہ ادا نہ کرنا ہے اور یہ مسلمان کی شان سے بعید ہے۔

(۴) اس پرفتن دور میں جب اہل سنت کے مذاہب پر بد مذہب رات دن حملے کر رہے ہیں تو مدرسہ کے نام میں بانی کا نام اس مدرسہ کو مذہبی اعتبار سے ممتاز کر دیگا اور اس کو بد مذہبوں کے اقتدار وقبضہ سے بھی محفوظ رکھے گا۔

(۵) مستقبل میں آئندہ نسلوں کے لئے یہ بانی کا نام بہترین سند بن جائیگا، چنانچہ میرا مدرسہ اجمل العلوم دروازہ پر اس نام کے کندہ ہونے کی بنا پر وہابیہ کے سخت حملہ سے محفوظ رہا۔ بلکہ اسی نام ہی کی بنا پر مقدمہ میں زبردست کامیابی ہوئی۔

لہٰذا ان وجوہ کی بنا پر مدرسہ کے نام میں سنی بانی کا نام ہونا ضروری قرار پایا۔ حاصل جواب یہ ہے

کہ جب حضرت مولانا الحاج عتیق الرحمن صاحب مدرسہ انوار العلوم تلشی پور کے ناظم وبانی ہیں تو اس مدرسہ کو دارالعلوم عتیقیہ کہنا معمول امت کے موافق ہوا۔ اور اس نام میں ان کی خدمات کی شکر گذاری بھی حاصل ہوئی اور اس مدرسہ کے مدرسہ اہل سنت ہونے کی بین نشانی بھی ظاہر ہوگئی۔ اس نام سے آئندہ اہل سنت کے لئے سند بھی ہوجائیگا کہ اس مدرسہ کا حقدار وہ فرقہ ہے جو حضرت مولانا مذکور کا ہم مذہب وہم مسلک ہو، تو ان اہم مقاصد کو مدنظر رکھ کر اب کسی معاون مدرسہ کو اس نام میں ہرگز ہرگز مخالفت نہیں کرنی چاہئے اور بغیر کسی وجہ شرعی کے معمول امت کے خلاف نہ کرنا چاہئے۔ مولی تعالی قبول حق کی توفیق دے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

۴ ربیع الآخر ۱۳۷۸ھ

بجواب اشتہار وہابیہ چراغاں کے متعلق

مساجد میں چراغاں کرنا سنت ہے؛ اہل اسلام میں اختلاف کی بنیاد قائم کرنا۔ جنگ وجدال کا بیج بونا۔ فتنہ وفساد کی نئی نئی راہیں ایجاد کرنا وہابیہ کی ایسی عادت ہے۔ جس پر ان کے باطل مذہب کا دارومدار ہے۔ مسلمانوں کو ان کے بعض افعال کی بنا پر بلا ان کی نیت اور قصد کے دریافت کئے ہوئے محض اپنے زعم سے کافر ومشرک۔ بدعتی وگنہگار بنادینا وہابیت کی اصل بنیاد ہے۔ جس پر دین وہابیہ کی ساری تعمیر ہے، دنیائے اسلام ان کے شرکی فتوے سے مشرک، عامۃ المسلمین ان کے مذہبی حکم سے بدعتی وگمراہ۔ ائمہ ثقات کے اعتقادیات ان کے مذہبی رد سے شرکیات وکفریات قرار پائے، سنن ومستحبات ان کے اصول سے بدعات ومحرمات بن گئے، ظالموں نے امور خیر میں ہزارہا نقص پیدا کردیئے، بیدینوں نے مشروعات میں صدہا احتمالات گڑھ دیئے، پھر اس پر اہل سنت وجماعت وحنفی المذھب ہونے کا دعوی باقی ہے۔

اب بھی مساجد میں ۱۲ ربیع الاول، ۲۷ رجب المرجب، ۲۶ رمضان المبارک، ۱۴ شعبان المعظم، ۱۱ ربیع الاخر کی شبوں میں چراغاں کرنا معمول ہے۔ ان کو وہابیہ نے بدعت وحرام قرار دیا، اور اس کی حرمت پر قرآن وحدیث سے کوئی دلیل خاص قائم نہ کرسکے، باوجودیکہ حرمت کے قائل کو دلیل خاص پیش کرنا ضروری ہے کہ شرعی قاعدہ یہی ہے۔

چنانچہ تفسیر خازن ص ۱۸۴۔ میں ہے۔ یہ عبارت اسی آیت کی تفسیر میں ہے جسے اس نے پیش کیا: الاصل فی جمیع الاشیاء الاباحۃ الا ما حظرہ الشارع ثبت تحریمہ بدلیل منفصل "اور جب کوئی بدلیل صریح خاص سے ان کی حرمت ثابت نہ ہوسکی تو یہ خاص راتوں میں چراغاں کرنا مباح

ثابت ہوا؛

اب وہابیہ کا اس چراغاں کو محض اپنی رائے سے حرام وبدعت کہنا بقول خود شریعت کا مقابلہ اور دین میں ترمیم وتبدیل نہیں تو اور کیا ہے، بلکہ اصل بدعت یہی ہے کہ کسی شرعی مباح چیز کو محض اپنی عقل سے حرام کردیا جائے۔ لہذا وہابی چراغاں کو حرام کہہ کر موجب بدعت ہوا اور شریعت کا مقابلہ کرنے والا ٹھرا اور اللہ عزوجل ورسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر بڑا الزام لگانے والا قرار پایا کہ اللہ ورسول ان خاص راتوں میں چراغاں کے متعلق بدعت وحرمت کی تصریح کرنا بھول گئے اور تیرہ سو برس کے بعد وہابی ملعون نے اس کمی کو پورا کیا، العیاذ باللہ۔

بالجملہ اس چراغاں کی حرمت پر وہابیہ نے قرآن وحدیث سے نہ کوئی صریح دلیل پیش کی، نہ اب پیش کرسکتے ہیں، نہ کبھی آئندہ جرأت کرسکتے ہیں، لیکن عوام کی فریب کاری کے لئے جو اشتہار میں چند بے ربط باتیں ہیں ان کا انکشاف کردیا جائے اور وہابیہ کے فریب کا راز افشا کردیا جائے۔ چنانچہ یہ اشتہار وہابی کہتا ہے:

یہ چراغاں ایک ایسا عام مسئلہ ہے کہ اس میں عوام وخواص سب مبتلا ہیں

تو ظاہر ہے کہ اس عبارت میں خواص علمائے دین ومفتیان شرع مراد ہیں تو گویا چراغاں کرنا اس کے نزدیک بھی علماء دین ومفتیان شرع کا عمل ہے، پہلے تو بے سوچے سمجھے لکھ گیا، اب جو دیکھا کہ لوگ فعل علماء کو سند بتالیں گے تو بے حواس ہوکر یہ خوبصورت تاویل کی۔

علماء میں سے کسی نے آج تک کسی کمزوری یا کسی مصلحت کی وجہ سے اس صریح اسراف وناجائز فعل سے منع نہیں کیا۔

تو اس نے علماء کو شیطان بنایا کہ حدیث میں ایسوں کو شیطان فرمایا گیا ہے۔ لہذا علماء کو تو پایہ اعتبار سے یوں گرایا، اب مسلمان اہل حرمین کے فعل کو حجت جانتے ہیں، چنانچہ فقہ کی معتمد کتاب ہدایہ میں بکثرت اہل حرمین کے عمل کو حجت بنایا گیا، اس کو یہ مدعی حقیقت آنکھ بند کرکے صاف طور پر انکار کرتا ہے اور مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے لوگوں کا کوئی قول وفعل حجت شرعیہ نہیں۔ لیجئے دعوی تو یہ کرتا ہے۔ حجت شرعیہ صرف یہ ہیں۔ قرآن وحدیث اور فقہ حنفی۔ اور عمل یہ کہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب یہ کہتی ہے کہ اہل حرمین کا فعل حجت ہے، آپ کہتے ہیں کہ حجت نہیں تو اس اشتہار وہابی کے نزدیک نہ فعل علماء سند، نہ قول وفعل حرمین حجت، نہ فقہ حنفی کا حکم واجب القبول پھر دعوی یہ کہ

میں حنفی المذہب اور فقہ کا ماننے والا ہوں

اب آگے دیکھئے قرآن ماننے کا حال۔ آپ چراغاں ثابت کرنے کے لئے قرآن سے یہ آیات پیش کرتے ہیں۔

(۱) ولا تسرفوا ان الله لا یحب المسرفین

(۲) ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین

تو یہ اشتہاری صاحب آیات سے استدلال تو فرمانے لگے لیکن جناب کو اسراف وتبذیر کے معنی تک معلوم نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنھما سے مروی ہے تفسیر معالم میں اسی آیت دوم کے تحت میں ہے:

سئل ابن مسعود عن التبذیر فقال انفاق المال فی غیر حقه۔

(معالم۔ ج ٤ ص ١٢٨)

حضرت مجاہد کا اس میں قول منقول ہے۔

لو انفق الانسان ماله کله فی الحق ما کان تبذیرا ولو انفق مدا فی باطل کان تبذیرا۔ (ج ۴ ص ۱۲۸)

تفسیر صاوی میں اسی آیت کے تحت میں ہے

ورد من فعل السلف الذین خرجوا عن اموالهم فی محبة الله ورسوله وصاروا فقراء۔ (ج ۲ ص ۲۹۵)

تفسیر مدارک میں پہلی آیت کے تحت میں ہے 'قد انفق بعضهم نفقة فی خیر کثیر فقال صاحبه لا خیر فی السرف فقال لا سرف فی الخیر۔ (ج ۲ ص ۲۴۱)

اور تفسیر خازن میں ہے پہلی آیت کے تحت میں پہلے قاعدۂ شرعی والی عبارت لکھی۔

بالجملہ ان ہر دو آیات کی تفاسیر سے یہ چند امور ثابت ہوئے۔

(۱) تبذیر و اسراف کے معنی مال کا غیر حق میں خرچ کرنا۔

(۲) حق میں اگر کل مال بھی خرچ کر دیا جائے تو اسراف نہیں۔

(۳) اللہ ورسول کی محبت میں اگر سب مال خرچ کر کے فقیر ہو جائے تو اس میں اسراف نہیں

(۴) امور خیر میں جس قدر زائد خرچ کریں اسراف نہیں۔

(۵) اصل تمام اشیاء میں اباحت ہے۔

(۶) ناجائز وہ ہے جس کی شارع سے ممانعت وارد ہو اور اس کی حرمت دلیل صریح خاص مستقل سے ثابت ہو،

اب اشتہاری صاحب نے نہ تو اسراف کے معنی بیان کئے، نہ محل صرف کی تعیین کی۔ پھر دو الفاظ تو لکھ دیئے۔ ضرورت سے زائد اور زاید از حاجت۔ لیکن ضرورت وحاجت کا کوئی معیار نہیں بتایا۔ ضرورت وحاجت ایک سدرمق کے لئے ایک پیسہ کے چنے چبا لینے اور ستر عورت کے لئے زیر ناف سے گھٹنے تک ٹاٹ لپیٹ لینے اور دھوپ وبارش سے بچنے کے لئے چھپر کے نیچے سکونت کر لینے سے کیا حاجت پوری نہیں ہو جاتی۔ تو پھر انواع واقسام کے لذیذ ونفیس کھانے اور سوتی واونی وریشمی طرح طرح نئی وضع کے لباس اور اینٹ اور پتھر، چونے اور سیمنٹ کے پختہ اور عالیشان متعدد مکان کیا ضرورت وحاجت سے زائد ہیں یا نہیں۔ تو ضرورت وحاجت کا معیار کیا ہے اور اگر ہیں تو ساری دنیائے اسلام کے فرزند کیا آپ کے نزدیک شیاطین کے بھائی ہیں۔ جب صحابۂ کرام وتبع تابعین کے قول وفعل سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ نیک کاموں اور اللہ ورسول کی محبت میں کل مال کا خرچ کر دینا بھی اسراف میں داخل نہیں اور یہ اشتہاری صاحب ان سب کو اسراف میں داخل کرتے ہیں تو گویا اس کے نزدیک ان سب حضرات نے اسراف کے معنی کو ہی نہیں سمجھا۔ ظالم نے ان کے فرمان لاسرف فی الخیر کا صاف انکار کر دیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ اور ان جیسے ان صحابۂ کرام کو جنہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی محبت میں سارا مال خرچ کر دیا اور فقر کو اختیار کیا اور وہ صلحائے امت جنہوں نے نیک کاموں میں کل مال صرف کیا سب کو مسرف اور فضول خرچ قرار دیکر معاذ اللہ شیاطین کا بھائی بنا دیا۔ تو کیا اس کے نزدیک محبت خدا اور رسول اور تعظیم شعائر اللہ اور اظہار شکر ونعمت کی نیت سے تجمل وتلذذ فضول کام ہے۔ یہ شخص کون کون سی حاجت اور ضرورت اور کس کس نفع وفائدہ میں خرچ کرنے کو اسراف نہیں جانتا اور کون کونسی ضرورت وحاجت ہے جس سے زائد کو اسراف کہتا ہے۔ دیوبند سے نجد تک کے تمام اکابر واصاغر سے مشورہ لیکر اسکا صحیح معیار بتائے۔

اب یہی مسئلہ چراغاں کو لیجئے۔ یہ بھی اسی آیت "لا تسرفوا ان الله لا یحب المسرفین" کی اس تفسیر سے جسے تفسیر خازن نے نقل کیا مباح الاصل ہے کہ چراغاں کی حرمت پر شارع سے کوئی دلیل

صریح خاص مستقل وارد نہیں ہوئی تو جب یہ مباح ہوا تو امر خیر ہوا اور جب امر خیر ہوا تو لاسرف فی الخیر کے قاعدہ سے اس کو کون خارج کرے گا اور کس دلیل سے اس کو اسراف قرار دیا جائے گا۔ اگر وہابیہ میں جرأت ہے تو اس کی حرمت پر کوئی دلیل مستقل خاص صریح پیش کرے اور انشاء اللہ ایسی کوئی دلیل وہابی سے تو ممکن نہیں کہ وہ محض اپنی رائے اور گمان فاسد سے اس کو حرام کہتا ہے۔ لہذا ان تفاسیر نے یہ ثابت کر دیا کہ ان مبارک شبوں میں بہ نیت تعظیم شعائر اللہ چراغاں کرنا نہ حرام ہے اور نہ اسراف میں داخل۔ تو وہابی اس آیت کی مخالفت کرتا ہے کہ اس نے اس چیز کو حرام کیا جسے اللہ نے حرام نہیں کیا اسی کی ممانعت "لا تسرفوا" میں تھی بلکہ اسی آیت "لا تسرفوا ان اللہ لا یحب المسرفین" کے بعد یہ آیت ہے۔ قل من حرم زينة الله اللتى اخرج لعباده. (الآيہ) تفسیر مدارک میں ہے" قل من حرم زينة الله(من الثياب و كل ما يتجمل به) اللتى اخرج لعباده۔ (ص ۳۹ ج ۲)

تفسیر جمل میں ہے

"ان جميع انواع الزينة فيدخل فيه جميع انواع الملبوس ويدخل فيه تنظيف البدن من جميع الوجوه وهذا ناظر الى عموم اللفظ لا الى خصوص السبب۔

(۱۳۶ ج ۴)

تفسیر خازن میں ہے

ذكر الامام فخر الدين الرازى انه يتناول جميع انواع الزينة فيدخل تحته جميع انواع الملبوس والحلى ولولا ان النص ورد تحريم الاستعمال الذهب والحرير على الرجال لدخل فى هذا العموم۔ (ص ۱۸۵ ج ۲)

اس آیت اور اس کی تفاسیر سے یہ ثابت ہو گیا کہ سارے لباس اور سب کھانے کی چیزیں اور تمام اقسام زینت جائز اور اس آیت کے عموم میں داخل جب تک اس کی حرمت پر کوئی دلیل مستقل خاص وارد نہ ہو۔ لہذا چراغان کرنا بھی اقسام زینت میں بلاشبہ داخل، تو یہ اس آیت سے جائز۔ اب وہابی اسے ممنوع کہتا ہے تو وہ اس آیت کی مخالفت کرتا ہے اور اپنی رائے کو دین میں داخل کرتا ہے اور اسی کا نام بدعت ضلالہ ہے۔ لہذا وہابی بدعتی گمراہ ہوا اور اپنی پیش کردہ آیت کے مخالف ہو کر اللہ کی حد بندی سے آگے بڑھ گیا کہ مباح کو حرام بتانے لگا تو بہ فرمان آیت ظالم ہوا۔

اب باقی رہا اس کا حدیث سعد میں وضو کے اسراف سے استدلال، یہ اس کی جہالت ہے، اگر

اس کی شرح بھی دیکھ لیتا تو یہ غلط نتیجہ نہ نکالتا۔

اشعۃ اللمعات' میں اسی حدیث کی شرح فرماتے ہیں:

مراد باسراف دریں حدیث اثم ست یعنی اگر چہ در کنار آب در نہر جاری اسراف و تضیع آب نیست ولیکن در تجاوز از تقدیر شرعی اثمے ہست۔ (ص ۲۲۸ ج ۱)

اسی طرح مسئلہ زکوۃ سے استدلال وہ اس کی انتہائی جہل کی دلیل ہے کہ اس میں اسراف علت کراہیت نہیں۔ بالجملہ چراغاں کو مطلقا اسراف میں داخل کرنا اس کی جہالت ہے۔

پھر برائے فریب کاری یہ لکھتا ہے:

اب خاص راتوں کی چراغاں کی حرمت حدیث سے سنو۔

دعوی تو اس قدر بلند اور اس میں کوئی ایک ایسی حدیث پیش نہیں کی جس میں بصراحت چراغاں کی حرمت وارد ہو۔ اور جو احادیث اس نے پیش کیں ان سے مراد وہ بدعتی ثابت ہوا کہ اس نے محض اپنی رائے سے دین میں چراغاں کی حرمت کی نئی بات نکالی پھر اس کے آگے اپنی شان استدلال کی اور شان ظاہر کرتا ہے۔

یہ خاص راتیں۔ حضور۔ صحابہ۔ تابعین۔ تبع تابعین اور تمام خاصان خدا کے زمانہ میں بھی آئیں مگر ہرگز ہرگز کہیں یہ ثابت نہیں کہ ان میں مساجد میں چراغان ضرورت سے زائد اور اسراف کے درجہ میں کی گئی ہو۔

بصورت تسلیم یہ راتیں آئیں اور انہوں نے نہیں کیا لیکن یہ نہ کرنا اس کو حرام جان کر تھا، اس پر کیا دلیل ہے اور نہ کرنے میں دلیل حرمت قرار دینا آپکی تینوں پیش کردہ حجت شرعیہ میں سے کس چیز سے ثابت ہے؟ اگر سچے ہو تو پیش کرو ورنہ اپنی غلطی کا اقرار کرو، باوجودیکہ قاعدہ یہ ہے۔ علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

الفعل يدل على الجواز وعم الفعل لا يدل على المنع (۱۶۶)

پھر لطف یہ ہے کہ چراغاں کرنیکی اصل کا خود ہی فعل صحابی سے اقرار ہے کہ حضرت تمیم داری نے روشنی کی، اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق نے رمضان میں تراویح میں روشنی بہ نسبت حضرت تمیم داری کے کچھ زیادہ کی، اگر چہ اس کی تاویل میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر بات نہ بنی، اسلئے کہ ہم آپکی خاطر سے اگر تسلیم بھی کرلیں کہ حضرت تمیم داری کی روشنی بقدر ضرورت تھی، تو بقول آپ ہی کے حضرت عمر نے بہ

نسبت اس کے کچھ روشنی زیادہ کی۔ لہذا آپ کے اعتبار سے یہی تو اسراف ہوا کہ حضرت عمر والی روشنی ضرورت سے زائد اور زائد از حاجت ہی تو ہوئی تو آپ کے حکم سے حضرت عمر نے قرآن کی آیات کی مخالفت کی احادیث کی مخالفت کی، آپ کے قول کے مطابق وہ مسرف ہوئے، فضول خرچ ہوئے، بدعتی وگمراہ ہوئے، معاذ اللہ شیاطین کے بھائی ہوئے، پھر آپکا یہ جرنیلی حکم صرف انہیں پر نہیں لگا بلکہ ان کی اس روشنی کرنے پر نہ اور صحابہ نے اعتراض کیا، نہ تابعین نے انکار کیا، نہ تبع تابعین نے اس کی مخالفت کی، نہ تمام امت نے ان کے اس فعل کو بری نظر سے دیکھا، تو اب صحابہ سے لیکر تیرہ سو برس کی تمام امت بدعتی وگمراہ اور قرآن وحدیث کے مخالف اور برادران شیطان ہوئے۔ العیاذ باللہ۔

مسلمانو! یہ ہے ان چند ملایان دیوبند کے اہلسنت و جماعت وحنفی المذہب ہونیکی حقیقت کہ اپنے سوا ساری امت کو گمرہ وبدعتی کہتے ہیں، انہیں مخالفت قرآن واحادیث جانتے ہیں۔

بالجملہ کسی خاص شب میں کسی سرور دینی کی بنا پر مساجد میں روشنی کرنیکی اصل بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی کا فعل ہے جو صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا، تو یہ فعل حضرت عمر فاروق کی سنت ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

علیم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔

لہذا جب تراویح میں ختم قرآن کی خوشی میں مساجد میں چراغان کرنا سنت ہے، تو ۱۲ ربیع الاول کی شب میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشی میں اور ۲۷ ر رجب کی شب میں فضل معراج کی خوشی میں، اور ۲۷ ر رمضان کی شب میں لیلۃ القدر کی خوشی میں، اور ۱۵ ر شعبان کی شب فضل شب برات کی خوشی میں اور ۱۱ ر ربیع الاخر کی شب میں گیارہویں کی خوشی میں مساجد میں چراغان کرنا اسی اصل کے تحت میں داخل ہوا، اور جب اس کی اصل صحابہ سے ثابت ہوئی تو اس کو بدعت کون کہہ سکتا ہے اور ضرورت اور حاجت سے زائد قرار دیکر کون ناجائز وحرام کہہ سکتا ہے۔ اور اگر وہابیہ سچے ہیں تو کسی فقہ کی کتاب میں ان مبارک شبوں میں بنیت اظہار فرحت وسرور اور بقصد تعظیم واجلال چراغان کرنیکی بدعت وحرام ہونیکی تصریح دکھائیں۔

اب باقی رہیں حموی اور ماثبت بالسنۃ کی عبارتیں جو اشتہاری صاحب نے کیں ہیں ان میں ان چراغان کی ممانعت نہیں بلکہ شب برات کی اس روشنی کی ممانعت ہے جس میں کوئی نیت خیر نہ ہو اور بغرض تفاخر وغیرہ مفاسد کے اس زمانہ میں رائج ہو اور اپنے مکانات اور دیواں پر اس کی رسم ہو۔

چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق اسی ماثبت بالسنۃ میں فرماتے ہیں:

ومن البدع الشنیعۃ ما تعارف الناس فی اکثر بلاد الهند من ایقاد السراج ووضعها علی البیوت والجدران وتفاخرهم بذلك واجتماعهم للهو واللعب بالنار واحراق الکبریت۔

تو ایسی روشنی جس میں ایسے مفاسد ہوں اور نیت خیر نہ وہ ضرور ناجائز وحرام ہے۔ اسی طرح مال وصیت یا وقف سے مسجد کی ضروری روشنی سے زائد چراغ جلانے واقعی ممنوع ہیں، تو ان سے تراویح کے ختم میں چراغان نہیں کر سکتے۔ تو وہابیہ کی یہ جہالت ہے کہ انہوں نے اس سے یہ غلط نتیجہ اخذ کرلیا کہ تراویح کے ختم میں چراغاں ہی ناجائز ثابت ہوا، بلکہ ان مسائل کی حقیقت یہ ہے کہ وصیت ووقف میں مال دینے والے کی نیت کا لحاظ ضروری ہوتا ہے اور انہوں نے چراغاں کی نیت سے نہیں دیا، لہذا ان کا مال اس مصرف میں خرچ نہیں ہو سکتا، مسلمانو! دیکھو کہ وہابیہ نے ہمارے عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے یہ عبارتیں پیش کردی ہیں، ورنہ ان عبارت میں اس چراغان کی بحث ہی نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب ان مبارک شبوں میں چراغاں کرنیکی ممانعت نہ قرآن کریم سے ثابت، نہ حدیث شریف سے ثابت، نہ فقہ حنفی سے ثابت، تو اس کو محض اپنی ناقص رائے سے حرام کہہ دینا دین میں دخل دینا ہے، اسی کا نام بدعت ہے۔ لہذا وہابی بدعتی گمراہ ہوئے، تو اب اس اشتہار میں جس قدر بدعت اور بدعتی کے متعلق احادیث لکھی ہیں ان سب کا محمل وہابی اور یہ اراکین انجمن اصلاح المسلمین ہوئے۔

لہذا یہ لوگ بہت جلد تائب ہوں ورنہ ان کا روزہ مقبول نہ نماز، نہ کوئی عمل صالح۔ مولی تعالی انہیں ہدایت کی توفیق دے آمین وما علینا الا البلاغ المبین۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۴۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں
کہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کرنے کو زید بدعت وحرام وناجائز بتلاتا ہے اسی طرح عیدین وجمعہ میں یہی مصافحہ کو حرام وناجائز قرار دیتا ہے۔ زید نے مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی سے فتوی لیا ہے اسی کو وہ لو

گوں کو دکھلاتا ہے کہ دیکھو مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور مسجدوں میں جو نمازی مسجد کے بعد نماز کے مصافحہ کیا کرتے ہیں انکو بھی روکا جارہا ہے۔ زید نے درمختار اردو ترجمہ مترجمہ مولوی خرم علی کا حوالہ بھی دیا ہے کہ اس کے صفحہ ۳۸۵۔ میں یہی عبارت ہے اور محیط میں ہے کہ مصافحہ کرنا بعد نماز عید کے ہر حال میں مکروہ ہے، کیونکہ صحابہ نے اس کو نہیں کیا ہے، یہ طریقہ رافضیوں کا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معانقہ جو عیدین میں کیا جاتا ہے ہندوستان میں رائج ہے وہ بھی بے اصل و مکروہ ہے۔ یہاں پر کتب فقہ واقوال ائمہ دستیاب نہونے سے سخت پریشانی لاحق تھی۔ لہذا آپ حضرات کو تکلیف دی جاتی ہے کہ اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ اقوال ائمہ وغیرہ کتب معتبرہ سے مع حوالہ کتاب وبقید صفحہ اگر فتوی مرحمت فرمایا جائے تو عین نوازش اور اہلسنت والجماعت کی رہبری ہوگی۔ اور ایک بڑے فتنہ سے نجات بھی ملجائے گی۔

المستفتی سید عبدالرزاق کان اللہ لہ از اورنگ آباد دکن۔

الجواب

اللھم ہدایۃ الحق والصواب

بلاشک مسلمان سے مصافحہ اور معانقہ کرنا سنت ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔

ابوداؤ شریف میں یہ حدیث مروی ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ سے دریافت کیا گیا۔

ھل کان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یصافحکم اذا لقیتموہ قال: ما لقیتہ قط الاصافحنی وبعث ذات یوم ولم اکن فی اھلی ھو جئت اخبرت فاتیتہ وھو علی سریر فالتزمنی فکانت تلک اجود واجود۔

کیا تم رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے جب ملاقات کرتے تو حضور تم سے مصافحہ فرماتے تھے؟ ابوذر نے فرمایا: میں حضور سے جب ملاقات کرتا تو ہر مرتبہ مجھ سے مصافحہ کرتے، ایک دن حضور نے مجھے طلب فرمایا میں گھر میں نہ تھا، جب میں آیا تو مجھے بتایا گیا، میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا، حضور تخت پر جلوہ افروز تھے، تو حضور نے مجھ سے معانقہ فرمایا تو یہ اور بہتر اور نفیس طریقہ ہے۔

اس حدیث شریف سے مصافحہ اور معانقہ کا سنت ہونا ثابت ہوگیا، اسی طرح کتب فقہ میں ہے

طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے:

المصافحۃ سنۃ فی سائر الاوقات۔ (طحطاوی ص ۱۸۶ ج ۳)

ہدایہ میں ہے:

قالوا الخلاف فی المعانقۃ فی ازار واحد، اما اذا کان علیہ قمیص او جبۃ فلا باس بہا بالاجماع وھو الصحیح۔ (ہدایہ ص ۴۶۶)

یعنی مصافحہ تمام اوقات میں سنت ہے، اور فقہا نے اس معانقہ میں اختلاف کیا ہے جس میں صرف ایک تہبند باندھا ہوا ہو، لیکن جب اس پر قمیص یا جبہ بھی ہو تو ایسے معانقہ میں باجماع کوئی حرج نہیں، یہی مفتی بہ مذہب ہے۔

اب اس حدیث اور کتب فقہ سے جب یہ ثابت ہو چکا کہ مصافحہ اور معانقہ نہ فقط جائز بلکہ سنت ہے تو اس کو ناجائز و بدعت اور مکروہ وحرام کوئی مسلمان تو کہہ نہیں سکتا، اب مخالفین کہ یہ کہدینا کہ ہم (اس مصافحہ اور معانقہ کو ناجائز وبدعت اور مکروہ وحرام کہتے ہیں جو نماز پنج گانہ اور خاص کر نماز صبح وعصر کے بعد اور جمعہ وعیدیں میں کئے جاتے ہیں) دین میں اپنی رائے ناقص سے دخل دینا ہے اور حلال کو حرام ٹھہرانا ہے اور سنت کو بدعت قرار دینا ہے۔ مخالف آنکھیں کھول کر دیکھے کہ احادیث میں انکا حکم عام ہے تو تمام اوقات کو شامل ہے۔ اسی بناپر علامہ طحطاوی نے صاف طور پر فرمادیا (مصافحہ تمام اوقات میں سنت ہے) پھر اس حکم عام میں ان اوقات مخصوص کے شامل ہونے کی تصریحات بھی موجود ہیں، بخیال اختصار صرف علامہ محمد طاہر کا حکم مجمع البحار سے نقل کیا جاتا ہے۔

ھی (المصافحۃ) سنۃ مستحبۃ عند کل لقاء وما اعتادوہ بعد صلوۃ الصبح والعصر لا اصل لہ فی الشرع ولکن لا باس بہ وکونھم حافظین علیھا فی بعض الاحوال مفرطین فیھا فی کثیر منھا لا یخرج ذالک البعض عن کونہ مماورد الشرع باصلھا وھی من البدع المباحۃ۔ (مجمع البحار کشوری ص ۲۵۰ ج ۲)

یعنی مصافحہ ہر ملاقات کے وقت سنت ومستحب ہے، اور یہ جو لوگوں نے نماز فجر وعصر کے بعد عادت مقرر کرلی ہے اس کی شرع میں کوئی اصل نہیں، لیکن اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں۔ اور انکا بعض اوقات میں مصافحہ کی پابندی کرنا اور کثیر احوال میں کوتاہی کرجانا ان بعض اوقات کو اس بات سے خارج نہیں کردیتا جنکی اصل کیساتھ شرع وارد ہوئی اور یہ عادت (یعنی نماز فجر وعصر کے بعد پابندی سے مصافحہ کرنا بدعات مباحہ میں سے ہے۔ (یعنی ناجائز وحرام نہیں)

اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ مصافحہ ہر ملاقات کے وقت سنت ہے خواہ وہ ملاقات شوال میں ہو یا ذی الحجہ میں۔ یا ہر ماہ میں ہو یا ہر ہفتہ میں۔ دن میں ہو یا رات میں۔ صبح کو ہو یا شام کو۔ عید کو ہو یا شب

برات کو۔ جمعہ کو یا پیر کو۔ فجر کے وقت ہو یا عصر کے وقت۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب بھی بوقت ملاقات مصافحہ کیا جائے گا وہ مصافحہ سنت ہی قرار دیا جائیگا۔ کوئی ماہ، کوئی دن، کوئی وقت، اس کو سنت سے خارج نہ کر سکے گا، لہذا نماز پنج گانہ کے بعد کی پابندی، یا جمعہ وعیدین کا تعین، مصافحہ کو سنت سے خارج نہیں کرتا اور نماز فجر وعصر کے بعد مصافحہ کی عادت داخل سنت ہے۔ اب باقی رہا زید کا درمختار اور اس کے ترجمہ اردو مترجمہ مولوی خرم علی کا حوالہ، اس میں زید نے کذب وافترا کیا ہے۔ پہلے ہم ان کی اصل عبارت بعینہ نقل کئے دیتے ہیں۔

واطلاق المصنف تبعا للدرر والكنز والوقاية والنقاية والمجمع والملتقى وغيرها يفيد جوازها مطلقا ولو بعد العصر وقولهم انه بدعة اى مباحة حسنة كما افاده النووى فى اذكاره وغيره فى غيره۔ (ردالمحتار مصری ص۲۵۲ ج۵)

اور مصنف کا اطلاق یعنی بلا قید مصافحہ کا جواز رکھنا درر، اور کنز، اور وقایہ، اور نقایہ، اور مجمع، اور ملتقی وغیرہا کا تابع ہو کر مفید ہے جواز مصافحہ کا ہر وقت اگرچہ مصافحہ بعد عصر کے ہو۔ اور علماء کا یہ کہنا کہ ''مصافحہ عصر کے بعد بدعت ہے'' یعنی مباح اور بدعت حسنہ ہے۔ چنانچہ نووی شافعی نے اس کو اپنی کتاب اذکار میں بیان کیا ہے، اور نووی کے سوا اور علماء نے بھی اور کتابوں میں مذکور کیا ہے

(از غایۃ الاوطار ترجمہ از درمختار جلد چہارم ص ۲۱۷۔ ترجمہ مولوی خرم علی۔

یہ ہے عبارت درمختار اور اسکا ترجمہ اردو مترجم خرم علی۔ پھر اس کے ایک سطر کے بعد مترجم اذکار نووی کے ترجمہ کا مزید اضافہ اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

اذکار نووی میں یوں ہے کہ مصافحہ مستحب ہے ہر ملاقات کے وقت اور یہ جو فجر اور عصر کی عادت ہے تو اس کی شرع میں اس وجہ خاص سے کچھ اصل نہیں، لیکن اسکا بھی کچھ مضائقہ نہیں، اس واسطے کہ اصل مصافحہ سنت ہے، تو بعض اوقات میں مصافحہ کرنا اور اکثر اوقات میں نہ کرنا بعض وقت کے کرنے کو مصافحہ مشروعہ سے خارج نہیں کر دیتا، کذا فی الطحطاوی۔

اس کے بعد مترجم حاصل بحث اور نتیجہ تحقیق اور خلاصہ حکم ان الفاظ میں لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ اصل مصافحہ سنت ہے اور خصوصیت وقت بدعت حسنہ ہے۔

(از غایۃ الاوطار ترجمہ اردو درمختار جلد چہارم کتب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء کشوری ص ۲۱۵)

درمختار اور اس کے ترجمہ سے اس قدر باتیں ثابت ہیں۔

(۱) ہر وقت میں مصافحہ کا جواز تنویر الابصار میں ہے۔

(۲) درر میں ہے

(۳) کنز الدقائق میں ہے۔

(۴) وقایہ میں ہے۔

(۵) نقایہ میں ہے۔

(۶) مجمع الانہر میں ہے۔

(۷) ملتقی الابحر میں ہے۔

(۸) اور متون فقہ میں ہے۔

(۹) نماز عصر کے بعد کا مصافحہ بھی جائز ہے۔

(۱۰) مصافحہ عصر کو جن علماء نے بدعت کہا ہے اس بدعت سے مراد بدعت حسنہ ہے۔

(۱۱) بلا قید مصافحہ کا جواز اذکار نووی میں ہے۔

(۱۲) ہر ملاقات کے وقت مصافحہ مستحب ہے۔

(۱۳) فجر وعصر کے بعد مصافحہ کی عادت مقرر کرنے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔

(۱۴) بعض اوقات میں مصافحہ کی پابندی کرنا مصافحہ مشروعہ سے خارج نہیں کر دیتا ہے۔

(۱۵) یہی حکم طحطاوی میں ہے۔

(۱۶) جب اصل مصافحہ سنت ہے اور بعض اوقات کا مصافحہ اس سے خارج نہیں تو بعض اوقات کا مصافحہ بھی سنت قرار پایا۔

(۱۷) خود مترجم کے نزدیک بھی خصوصیت وقت کا مصافحہ بدعت حسنہ ہے۔

(۱۸) خصوصیت وقت کا مصافحہ نماز پنجگانہ کے بعد کا مصافحہ ہے تو یہ بدعت حسنہ ٹھہرا۔

(۱۹) اسی طرح خصوصیت وقت کا مصافحہ جمع وعیدین کا مصافحہ بھی ہے تو یہ مصافحہ بھی بدعت حسنہ ثابت ہوا۔

(۲۰) او بدعت حسنہ ان کے مذہب میں سنت میں داخل ہے۔

چنانچہ مجتہد وہابیہ مولوی رشید احمد گنگوہی فتاوی رشیدیہ میں کہتے ہیں:

بدعت کوئی حسنہ نہیں اور جس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں وہ سنت ہی ہے۔

(فتاوی رشیدیہ جلد اول ص ۱۰)

لہذا مترجم خرم علی کے نزدیک ہر نماز کے بعد کا مصافحہ خصوصا نماز فجر وعصر کا مصافحہ جمعہ وعیدین کا مصافحہ سنت قرار پایا۔ زید نے ان کو مکروہ وناجائز اور بدعت کہہ کر افعال مشروعہ کو مکروہ وناجائز کہا اور اعمال مسنونہ کو حرام ٹھہرایا اور سنت کو بدعت قرار دیا، لہذا زید کی اس سے زائد اور کھلی ہوئی گمراہی کیا ہوگی کہ درمختار پر افترا کیا۔ مترجم خرم علی کی طرف جھوٹی نسبت کی، لہذا زید اپنے اوپر " لعنة الله على الكاذبين " پڑھکر دم کرے اور مساجد ومجامع میں اپنے کذب وافترا کا اعلان کرے۔ اور مفتی کفایت اللہ کی کیا شکایت کیجائے کہ انکا اور ان کے بزرگوں کا پیشہ ہی یہ ہے کہ وہ سنت کی قطع وبرید کی جستجو میں ہی رہتے ہیں، اگر انہوں نے اپنے پیشوا خرم علی کی پیش کردہ سنت کا بالکل استیصال کر دیا جب تو اپنی قوم کے مفتی ہیں اور اگر اس میں سے کچھ باقی رہا تو ظاہر ہے کہ وہ مخطی ہیں۔ انہیں احکام شرع کے قطع برید کرنے میں نہ خوف خدا، نہ غلط فتوی دینے میں شرم وحیا۔ نہ جھوٹا حوالہ دینے سے عار نہ حمایت باطل سے انکار۔

اب باقی رہا زید کا درمختار کے اردو ترجمہ مترجمہ مولوی خرم علی کے (ص ۳۸۵) کا حوالہ، اس میں پہلا مکر یہ ہے کہ اس کتاب کی جلد دوم وسوم وچہارم کے (ص ۳۸۵) پر زید کی اس عبارت کا ایک حرف بھی نہیں۔ اور جلد اول میں مولوی خرم علی کا ترجمہ (ص ۱۷۸) کے نصف تک ہے، اور پھر انکا ترجمہ (ص ۵۸۷) سے شروع ہو کر آخر (ص ۶۲۹) تک ہے تو (ص ۳۸۵) پر مولوی خرم علی کا ترجمہ ہی نہیں ہے، مولوی خرم علی کے ترجمہ کی عبارت ہم نے جلد چہارم سے اوپر نقل کی جس میں صاف طور پر ہے کہ اوقات مخصوصہ میں مصافحہ نہ فقط جائز ومشروع بلکہ سنت ہے، تو زید کا ان کی طرف اس عبارت کی نسبت کرنا دجل وفریب اور کذب وافترا ہے۔ دوسرا مکر یہ ہے کہ درمختار کا ترجمہ نصف (ص ۱۷۸) سے (ص ۵۲۶) تک صرف جلد اول ہی میں احسن صدیقی نانوتوی نے کیا ہے، تو اب (ص ۳۸۵) کے ترجمہ کا مترجم بھی احسن نانوتوی ہیں اور وہ عبارت ان کی ہے نہ کہ مولوی خرم علی کی، تو زید کا یہ جانتے ہوئے واقعہ کے خلاف کہنا اور احسن نانوتوی کو اس کا مترجم نہ ظاہر کرنا صریح کذب ہے۔

تیسرا مکر یہ ہے کہ مترجم نے محیط کی اصل عبارت پیش نہیں کی، معلوم ہوتا ہے کہ اصل عبارت میں کوئی بات تھی جسکا نقل کرنا مناسب نہ سمجھا، کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے۔

چوتھا مکر محیط وفتاوے سے ہے، اور متون وشرح کی تصریحات کا بیان درمختار کی عبارت میں گزرا کہ مصافحہ ہر وقت میں جائز ومشروع ہے بلکہ بدعت حسنہ ہے جو داخل سنت ہے، تو متون وشروح کے

مقابلہ میں فتاوے کو پیش نہیں کیا جاسکتا۔

چنانچہ شامی میں ہے:

صرحوا به من ان ما في المتون مقدم على ما في الشروح وما في الشروح مقدم على ما في الفتاوى۔

(شامی مصری ص ۵۱ ج ۱)

تو تنویر ودرر وکنز ووقایہ ونقایہ ومجمع وملتقی سب متون ہیں، اور یہی شروح میں ہے۔ لہذا ان کے مقابلہ میں محیط کی عبارت نہ قابل فتوی نہ لائق عمل ہے، تو مترجم کا محیط کو پیش کرنا قول مرجوح کو پیش کرنا ہے، اور قول مرجوح کا نقل کرنا جہالت وخرق اجماع ہے، بالجملہ زید اور اس کی ساری جماعت وہابیہ نماز پنجگانہ کے بعد، یا بہ پابندی نماز فجر وعصر کے بعد، یا جمعہ وعیدین میں مصافحہ کو مکروہ وناجائز اور بدعت وحرام کسی معتبر کتاب سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں کر سکتے، بلکہ یہ محض اپنی ناقص فہم اور باطل رائے سے شریعت میں دخل دینا ہے۔ اب باقی رہی مترجم کی عبارت اس سے معلوم ہوا کہ معانقہ (عیدین) جو ہندستان میں رائج ہے وہ بے اصل ومکروہ ہے۔

محیط کی عبارت کا ترجمہ تو ہو نہیں سکتا کہ اس کے ان الفاظ (اس سے معلوم ہوا) سے ظاہر ہے کہ یہ مترجم کا اپنا استدلال ہے اور خود اپنی نافہمی ولاعلمی کی دلیل ہے، اس عبارت میں مترجم نے معانقہ عید کو بے اصل ومکروہ قرار دیا۔ میں پہلے اس معانقہ کی اصل ثابت کر دوں۔

اس کی اصل خود احادیث سے ثابت ہے، میں نے بخیال اختصار جواب میں صرف ایک حدیث پیش کی ہے، اسی کی شرح ملاحظہ ہو۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی "اشعة اللمعات" میں تحت حدیث فرماتے ہیں:

ازینجا معلوم گردد کہ معانقہ درغیر حال قدوم از سفر نیز آمدہ از برائے اظہار محبت وعنایت۔

(اشعة اللمعات ص ۲۳ ج ۴)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معانقہ سفر سے آنے کے سوا اور حال میں اظہار محبت وعنایت کے لئے بھی ثابت ہے، اس سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت ابوذر سے جو معانقہ کیا تھا یہ وہ معانقہ نہیں تھا جو مسافر کے سفر سے آنے کیوقت کرنا مسنون ہے، بلکہ یہ معانقہ محض اظہار محبت وعنایت کے لئے تھا، تو معانقہ بغرض اظہار محبت وعنایت بھی مسنون ثابت ہوا، اور یہ بات ہر خاص وعام پر ظاہر ہے کہ عیدین کی اصل یہ حدیث قرار پائی۔ اب مترجم کا اس کو

بے اصل قرار دینا غلط اور باطل ثابت ہوا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے پارہ الٓمّٓ کی تفسیر میں عزیزی میں قصہ اصحاب سبت نقل فرمایا جسکا خلاصہ کہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار حرام کر دیا تھا، اس قوم میں تین گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ نے اس دن میں شکار کیا۔ دوسرے نے انہیں شکار سے منع کیا اور پند و نصیحت کی۔ تیسرے نے نہ خود شکار کیا نہ انہیں منع کیا۔

سید المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سورہ اعراف میں اس قصہ کو پڑھ کر رونے لگے، لوگ آپکے رونے پر متحیر رہے، حضرت عکرمہ جو آپ کے شاگرد اور خادم خاص تھے حاضر ہوئے اور رونے کی وجہ دریافت کی، فرمایا: میں اس قصہ میں یہ غور کرتا ہوں کہ شکار کرنے والا گروہ تو اپنی سرکشی کی بنا پر ہلاک ہو گیا، اور وہ گروہ جنھوں نے ان سرکشوں کو پند و نصیحت کی اور منع کیا عذاب سے محفوظ رہے اور نجات حاصل کی، اور وہ گروہ جو ساکت رہا جنہوں نے نہ خود شکار کیا نہ شکاریوں کو منع کیا، اس گروہ کا کیا حال ہوا۔ خیال میں یہ آتا ہے کہ انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کیا، شاید یہ ان نا فرمانوں کے ساتھ مواخذہ میں شریک کر دیا گیا ہو۔ یہ بات سوچ کر میں رونے لگا اور مجھے یہ خوف طاری ہوا کہ اکثر لوگوں سے سکوت اور مداہنت صادر ہو جاتی ہے، تو اس کے جواب میں حضرت عکرمہ نے با ادب عرض کیا:

یا حضرت! حکم ساکتان حکم واعظان است بلا شبہ نجات یافتند، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمود: ایں دعوی را بچہ دلیل میگوئی تا خاطر من تسلی پذیرد، عکرمہ گفت کہ بارہا از شما شنیدہ ام و نیز از مقررات شرع است کہ امر بالمعروف و نہی از منکر فرض کفایہ است و در فرض کفایت بجا آوردن بعض بجا آوردن کل دارد، و ہر گاہ کہ بعض جماعت کردند عہدہ از ہمہ ساقط شد و ساکتان را مواخذہ نماند، اگر کل سکوت می کردند البتہ شریک گنہگاران میشدند، منع ایشاں واعظاں را بنا بر آن بود کہ از قبول امر و نہی مایوس شدہ بودند، نہ از راہ مداہنت و رضا بگناہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اشنیدن ایں کلام نہایت بہجت و سرور داد، برخاستند و پیشانی عکرمہ را بوسہ دادند و در بر گرفتند و برابر خود نشانیدند۔

(تفسیر عزیزی پارہ الم۔ مطبوعہ بمبئی ص ۳۴۶)

حضرت سکوت کرنے والوں کا حکم واعظوں کی طرح ہے کہ انہوں نے بے شبہ نجات پائی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میری تسکین خاطر کے لئے اس دعوی کی دلیل پیش کرو،

حضرت عکرمہ نے عرض کیا: میں نے چند بار آپ ہی سے سنا ہے اور یہ قاعدہ شرع میں سے بھی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے، اور فرض کفایہ میں چند کا ادا کرنا کل کے ادا کرنے کا حکم رکھتا ہے۔ کہ جہاں ایک گروہ نے امر بالمعروف کر دیا تو فریضہ سب کے ذمہ سے ساقط ہو گیا، اور سکوت کرنے والوں پر کچھ مواخذہ نہیں رہا، ہاں اگر سب نے ہی سکوت کیا تو یہ گنہگاروں کے شریک ہو جائیں گے، اور انکا واعظوں کو منع کرنا محض اس بنا پر تھا کہ یہ لوگ ان کے نصیحت پزیر ہونے سے ناامید ہو چکے تھے، نہ اسلئے تھا کہ یہ گناہ سے رضامند اور مداہنت کیلئے منع کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کلام کو سنکر بہت خوش ہوئے اور چہرہ پر آثار سرور نمایاں ہوئے اور کھڑے ہو کر حضرت عکرمہ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور ان سے معانقہ کیا پھر انہیں اپنے برابر بٹھالیا۔

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ سید المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مسرت وخوشی میں کھڑے ہو کر حضرت عکرمہ کی پیشانی پر بوسہ لیا اور ان سے معانقہ کیا۔ تو اس معانقہ کی بنا فرح وسرور ہی تو ہے۔ لہذا فرح وسرور کیوقت معانقہ کرنا سنت صحابہ قرار پایا۔ اور یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ عید کا دن فرح وسرور کا دن ہے، تو معانقہ عیدین کا سنت صحابہ ہونا اس واقعہ سے ثابت ہو گیا اور اس معانقہ کی اصل یہ فعل صحابی ہے۔

اب مترجم تو زندہ نہیں مگر اس کے ماننے والے دیوبندی قوم کے لوگ تو موجود ہیں، وہ آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ مترجم نے جس کو بے اصل کہا تھا اس کی کیسی زبردست اصلیں موجود ہیں۔ لہذا مترجم کا معانقہ عیدین کو بے اصل کہنا غلط اور صراحۃ باطل ہے۔

اب باقی رہا مترجم کا معانقہ عیدین کو مطلقا مکروہ کہنا یہ بھی غلط اور باطل ہے۔ مناسب معلوم ہوتا کہ اس کے فیصلہ کیلئے چند فقہ کی عبارتیں نقل کر دی جائیں۔

عنایہ میں ہے:

وافق الشيخ ابو منصور بين الاحاديث فقال المكروه من المعانقة ما كان على وجه الشهوة وعبر عنه المصنف بقوله في ازار واحد فانه سبب يفضي اليها فاما على وجه البر والكرامة اذا كان عليه قميص واحد فلا باس به

(از شامی مصری ص ۲۵۲ ج ۵)

ردالمحتار میں ہے:

قال ابویوسف لا باس بالتقبیل والمعانقة فی ازار واحد ولو کان علیه قمیص اوجبة جاز بلا کراهة بالاجماع وصححه فی الهدایة وعلیه المتون۔

(شامی مصری ص۲۵۲ ج۵)

مجمع الانہر شرح ملتقی میں ہے:

الخلاف فیما اذالم یکن علیهما غیر الازار اما اذا کان علیهما قمیص اوجبة جاز بالاجماع وقال الامام ابوالمنصور ان المکروه من المعانقة ما کان علی وجه الشهوة واما علی وجه البر والکرامة فجائز عند الکل۔ (مجمع الانہر مصری ص۵۴۱ ج۲)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

الخلاف فیما اذا لم یکن علیهما غیر الازاراما اذا کان علیهما قمیص اوجبة اور داء مع الازار فلا باس به بالاجماع۔ (طحطاوی مصری ص۱۸۶)

کنز الدقائق وعینی میں ہے:

قالوا الخلاف فیمااذا لم یکن علیهما غیر الازار واما اذاکان علیهما قمیص اوجبة جاز بالاجماع اشارالیه الشیخ بقوله (وکان علیه) ای علی الرجل (قمیص جاز) قال الامام ابومنصور الماتریدی المکروه من المعانقة ما کان علی وجه الشهوة واما علی وجه البر والکرامة فجائز۔ (عینی ص۱۱۴ ج۲)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ان کانت المعانقة فوق قمیص اوجبة جاز عند الکل کذا فی فتاوی قاضی خان

(عالمگیری مطبوعہ مجیدی کانپور ص۱۱۷ ج۴)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''اشعۃ اللمعات'' میں فرماتے ہیں:

اما معانقہ اگر خوف فتنہ نباشد مشروع ست واز شیخ ابومنصور ماتریدی در تطبیق احادیث نقل کردہ شدہ است کہ آنچہ بروجہ شہوت بود مکروہ ست وانچہ بروجہ بروکرامت باشد مشروع، وگفتہ اند کہ خلاف درجائے ست کہ برہنہ تن باشد امابا قمیص وجبہ لاباس بہ است باجماع وھو الصحیح کذا فی الکافی ۔ ملخصا

(اشعۃ اللمعات۔ کشوری ص۲۰ ج۴)

ان عبارات کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ معانقہ کے مکروہ ہونے کی صرف یہ صورت ہے کہ وہ

بشہوت ہو، یا تہبند باندھ کر برہنہ بدن پر ہو، اور جب بروکرامت کیلئے قمیص یا جبہ یا چادر کے ساتھ ہو تو معانقہ باجماع فقہا بلا کراہت جائز و مشروع ہے۔"

بالجملہ ہدایہ، عنایہ، تنویر الابصار، درمختار، ملتقی الابحر، مراقی الفلاح، طحطاوی، کنز الدقائق، عینی، کافی، عالمگیری، قاضی خان، درر، وقایہ، نقایہ وغیرہ متون وشروح میں تو فقہاء کرام یہ فرماتے ہیں کہ جب معانقہ بروکرمت کیلئے ہو اور برہنہ بدن پر نہ ہو تو وہ معانقہ باجماع بلا کراہت جائز ہے، اور ظاہر ہے کہ عیدین کا معانقہ بروکرامت ہی کیلئے ہوتا ہے، تو معانقہ عیدین کا بلا کراہت جائز ہونا ثابت ہو گیا۔

مولوی خرم علی ترجمہ اردو درمختار جلد چہارم کے ص۲۱۷۔ ص۳۰۲۔ پر لکھتے ہیں:

معانقہ یعنی گلے سے گلا لگا کر ملنا ایک تہبند میں یعنی کرتہ اور رانگرکھا بدن پر نہ ہو فقط لنگی یا جامہ سے زیر ناف سے زیر زانو تک چھپا ہو ایسی حالت میں معانقہ مکروہ ہے کہ موجب شہوت ہے۔

اسی صفحہ کی سطر۷/ پر ہے۔ دریافت کرنا چاہیے کہ نہی معانقہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ فقط تہبند بدن پر ہو، اس واسطے کہ جواز معانقہ احادیث کثیر سے ثابت ہے۔

نیز اسی صفحہ کی س۹ وس۱۰۔ میں ہے۔ اور اگر مرد کے بدن پر کہ تہبند یا جبہ ہو تو معانقہ کرنا بدوں کراہت کے بالاجماع شیخین اور ابو یوسف کے جائز ہے اور اسی قول کو صحیح کہا ہے ہدایہ میں۔

اور اسی صفحہ کے س۱۱۔ پر ہے۔

اور اصحاب کبار رضی اللہ عنہم معانقہ کرتے تھے۔

زید کے مستند پیشوا مولوی خرم علی نے اسی ترجمہ درمختار میں اتنی باتوں کی تصریح کی۔

(۱) فقط لنگی یا پاجامہ پر معانقہ بوجہ شہوت کے مکروہ ہے۔

(۲) اس کے سوا اور احوال میں معانقہ کا جواز کثیر احادیث سے ثابت ہے۔

(۳) کرتہ یا جبہ پر معانقہ بلا کراہت جائز ہے۔

(۴) امام اعظم وصاحبین نے معانقہ کے بلا کراہت جائز ہونے پر اجماع کیا۔

(۵) یہی قول مفتی بہ قول ہے۔

(۶) اسی کی متون نے تصریح کی۔

(۷) حضرات اصحاب کبار معانقہ کرتے تھے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ عیدین کا معانقہ فقط لنگی یا پاجامہ پر تو نہیں کیا جاتا جس میں کراہت پیدا ہو۔ بلکہ

یہ معانقہ نہ فقط کرتہ پہن کر بلکہ کرتہ کے اوپر جبہ یا صدری یا اچکن پہن کر کیا جاتا ہے، تو معانقہ عیدین کا بلا کراہت جائز ہونا ثابت ہوگیا۔ پھر اگر معانقہ عیدین مکروہ ہوتا تو فقہاء کرام اس کی کراہت کی تصریح کرتے۔ اور بقول مترجم ثانی احسن نانوتوی اگر یہ معانقہ ہند کا رواج بھی تسلیم کرلیا جائے تو مولوی خرم علی مترجم اول بحث معانقہ میں کہیں تو اس کی کراہت کی تصریح کرتے۔ بالجملہ معانقہ کی کراہت وعدم کراہت کا جو فقہا میں اختلاف ہے وہ اشخاص واحوال میں ہے نہ کہ اوقات وایام میں، اسی لئے معانقہ کا جواز یا عدم جواز کسی وقت ویوم کے ساتھ خاص نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوۃ شریف'' میں فرماتے ہیں:

جائز آنکہ نزد تودیع وقدوم سفر باشد یا جہت طول عہد ملاقات یا غلبہ وشدت حب فی اللہ بود۔

(اشعۃ اللمعات کشوری۔ص۲۲ ج۴)

اس عبارت اور اوپر کی تفصیل سے معانقہ کا جواز ان وجوہ اور اس قدر اوقات میں ثابت ہوا۔

(۱) معانقہ بغرض اظہار محبت۔

(۲) معانقہ بخیال اظہار عنایت۔

(۳) معانقہ بوجہ کرامت۔

(۴) معانقہ بوجہ بر۔

(۵) معانقہ بجہت طول عہد ملاقات۔

(۶) معانقہ بوقت سرور وخوشی۔

(۷) معانقہ بوقت غلبہ حب فی اللہ۔

(۸) معانقہ بوقت شدت حب فی اللہ۔

(۹) معانقہ بوقت قدوم از سفر۔

(۱۰) معانقہ بوقت تودیع برائے سفر۔

اور یہ بات ہر خاص وعام پر ظاہر ہے کہ ایام عیدین میں ان میں کے اکثر وجوہ موجود ہیں۔ کون نہیں جانتا ہے کہ یوم عید اظہار محبت کا دن ہے۔ کون واقف نہیں کہ یوم عید اظہار عنایت کا دن ہے۔ کس کو علم نہیں کہ یوم عید بر وکرامت کا دن ہے۔ کسکو خبر نہیں کہ یوم عید مسرت وخوشی کا دن ہے۔ کسے پتہ نہیں کہ یوم عید میں کتنے مدتوں کے بچھڑے باہم ملاقات کرتے ہیں۔ کسے معلوم نہیں کہ یوم عید کیلئے دور دور

سے لوگ اپنے وطن میں سفر کرکے آتے ہیں۔ تو ان وجوہ سے اندھا بن جانا اور آنکھ بند کرکے معانقہ عیدین کو ناجائز ومکروہ کہہ دینا، اور اپنی ہٹ دھرمی سے معانقہ کو وقت قدوم سفر کیساتھ خاص کردینا اور محض ضد سے سنت کو بدعت ٹھرالینا جہالت وسفاہت نہیں تو اور کیا ہے۔ مترجم ثانی احسن نانوتوی نے جس معانقہ کی اصل احادیث کثیرہ وافعال صحابہ کرام سے ثابت کی تھی اس کو محض اپنی ناقص رائے سے بے اصل قرار دیا، جس معانقہ کا بلا کراہت جواز کثیر کتب فقہ سے ثابت تھا اسکو فقط اپنے زعم باطل سے مکروہ ٹھہرادیا۔ بلکہ اس نے اس قدر ڈھٹائی اور اندھاپن کیا کہ مترجم اول مولوی خرم علی کے خلاف لکھ دیا اور معانقہ کی سنیت کے عموم اوقات سے، ایام عید کو خارج کرکے اپنی حق پوشی اور باطل کوشی کا ثبوت دیا، اور محض اپنی رائے ناقص سے غیر مکروہ کو مکروہ کہہ کر اپنی لاعلمی وناواقفی کا مظاہرہ کرایا۔

بحمد اللہ احادیث وکتب فقہ واقوال ائمہ سے پنجگانہ نماز کے بعد مصافحہ خصوصا بعد نماز فجر وعصر کے مصافحہ کی عادت مقرر کر لینے اور جمعہ کے دن مصافحہ اور ایام عیدین میں مصافحہ ومعانقہ کرنے کے دلائل وثبوت پیش کر دیا گیا۔ منصف کیلئے تو اتنا ہی نہایت کافی وافی ہے۔ اور مخالف اگر اس کے بعد بھی انکار کرے تو یہ اس کی ضد وہٹ دھرمی ہے۔ مولی تعالی اسے قبول حق کی توفیق عطا فرمائے۔ وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۴۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) مصافحہ ومعانقہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ دونوں صورتوں میں جو مفتی بہ ہوا سکے لئے احادیث نبوی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وافعال صحابہ واقوال ائمہ وطریقہ اسلاف رضی اللہ تعالی عنہم جو مابہ الاستدلال ہوں مع حوالہ کتب ونقل عبارت وصفحہ کے تحریر فرمائیں۔

(۲) بعد نماز عیدین مصافحہ ومعانقہ کرنا کیسا ہے؟ اس مسئلہ میں جتنی چیزیں مابہ الاستدلال ہوں ان کی بھی مع حوالہ کتب نقل عبارت وصفحہ تحریر فرمائیں۔

(۳) بعد نماز فجر وعصر، یا ہر نماز، یا مختلف نمازوں کے امام ومقتدی جو مصافحہ کرتے ہیں وہ مصافحہ

کرنا کیسا ہے؟ اس کے متعلق بھی جتنی چیزیں ما بہ الاستدلال ہوں جمیع حوالہ کتب ونقل عبارت وصفحہ تحریر فرمائیں۔ لیکن امام ومقتدی میں سے کوئی بھی اس مصافحہ کو فرض واجب نہیں سمجھتا۔

(۴) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عند الملاقات مصافحہ کیا جا سکتا ہے، لیکن لقاء کے معنیٰ میں طرح طرح کا اختلاف کہ آیا لقاء کسے کہتے ہیں۔ لہٰذا کتب معتبرہ سے لقاء کی صحیح تعریف مع حوالہ کتب ونقل عبارت وصفحہ تحریر فرمائیں۔

(۵) بعض لوگ مصافحہ کو سنن روافض وبدعت سیئہ وغیر مشروع کہتے ہیں اور اس مسئلہ میں شامی کی عبارت کو ما بہ الاستدلال قرار دیتے ہیں۔

لہٰذا مصافحہ ومعانقہ کے متعلق علامہ شامی خود کیا فیصلہ فرماتے ہیں اس کو تحریر فرمائیں۔ اس قسم کے جو اقوال نقل کئے گئے ہیں اس کی کیا حیثیت ہے تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

مسلمان سے مصافحہ کرنا نہ فقط جائز بلکہ سنت ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

تصافحوا یذھب الغل۔ (مشکوۃ شریف ص ۴۰۱)

یعنی مصافحہ کرو کہ مصافحہ کینہ کو دور کرتا ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

قال قتادۃ: قلت لانس: اکانت المصافحۃ فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: نعم۔ (مشکوۃ شریف ص ۴۰۱)

یعنی حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا مصافحہ صحابہ کرام میں تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ ہاں تھا۔

فقہ کی مشہور کتاب درمختار میں ہے:

تجوز المصافحۃ لانھا سنۃ قدیمۃ متواترۃ لقولہ علیہ السلام: من صافح المسلم وحرک یدہ تناثرت ذنوبہ۔ (رد المحتار ص ۲۵۲ ج ۵)

یعنی مصافحہ کرنا جائز ہے کہ مصافحہ سنت ہے اور قدیم سے متواتر ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ثابت ہے کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کیا اور اس کے ہاتھ کو جھٹکا دیا تو اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

ان عبارات سے ثابت ہو گیا کہ مصافحہ کرنا سنت ہے اور مغفرت معاصی کا سبب ہے۔ اسی طرح معانقہ بھی سنت ہے کہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

ھل کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصافحکم اذا لقیتموہ قال ما لقیتہ قط الا صافحنی وبعث الی ذات یوم ولم اکن فی اھلی فلما جئت اخبرت فاتیتہ وھو علی سریر فالتزمنی فکانت تلک اجود اجود رواہ ابو داود۔ (مشکوۃ شریف ص ۴۰۲)

یعنی کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جب تم حاضر ہوتے وہ تم سے مصافحہ فرماتے؟ حضرت ابوذر نے فرمایا میں جب بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا تو حضور مجھ سے مصافحہ فرماتے۔ اور ایک دن حضور نے میرے بلانے کو آدمی بھیجا تو میں گھر میں نہ تھا۔ میں جب آیا تو مجھے خبر دی گئی میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور تخت پر جلوہ افروز تھے تو حضور نے مجھ سے معانقہ فرمایا تو یہ زیادہ بہتر اور نفیس طریقہ ہے۔

ہدایہ میں ہے۔

"قالوا الخلاف فی المعانقۃ فی ازار واحد اما اذا کان علیہ قمیص او جبۃ فلا باس بها بالاجماع وھو الصحیح۔ (ہدایہ ص ۴۶ ج ۴)

یعنی فقہا نے فرمایا کہ اختلاف اس معانقہ میں ہے کہ جس میں فقط ایک تہبند باندھا ہوا ہو۔ لیکن جب اس پر قمیص یا جبہ ہو تو ایسے معانقہ میں بالاجماع کوئی حرج نہیں اور یہی صحیح مذہب ہے۔ ان عبارتوں سے ثابت ہو گیا کہ معانقہ بھی سنت ہے۔ بالجملہ مصافحہ کا جواز بلکہ سنت ہونا تو ان احادیث وکتب فقہیہ سے ظاہر ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۲) جب مصافحہ ومعانقہ کا جواز بلکہ سنت ہونا جواب میں ثابت کر دیا گیا تو ان احادیث وعبارات میں کسی وقت کی تخصیص مذکور نہیں بلکہ حکم عام ہے جو تمام اوقات کو شامل ہے۔

اسی لئے علامہ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں اسکی تصریح فرماتے ہیں۔

"المصافحة سنة فی سائر الاوقات ۔ (طحطاوی مصری ص ۱۸۶)

اور علامہ طاہر مجمع البحار میں فرماتے ہیں۔

"المصافحة سنة مستحبة عند کل لقاء ۔ (مجمع البحار ص ۲۵۰ ج ۲)

ان ہر دو عبارات کا ترجمہ یہ ہے کہ مصافحہ تمام اوقات میں سنت ہے اور ملاقات کیوقت مستحب ہے۔ لہذا کسی مہینہ اور سال اور دن اور رات یا صبح اور شام یا کسی وقت لقا کی تخصیص اس کو سنت و مستحب ہونے سے خارج نہیں کرسکی۔ تو مخالف بعد نماز عید مصافحہ اور معانقہ کو کہاں سے ناجائز و مکروہ ثابت کرسکتا ہے۔ اگر کاش وہ اس حدیث ابوذر کی شرح اشعۃ اللمعات ہی میں دیکھ لیتا تو انکار کی ہمت نہ کرتا کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

وازیں جا معلوگردد کہ معانقہ درغیر حال قدوم از سفر نیز آمدہ از برائے اظہار محبت وعنایت ۔ (اشعۃ اللمعات کشوری ص ۲۳ ج ۴)

اسی میں ہے۔

وجائز آنکہ تودیع وقدوم سفر باشد یا جہت طول عہد ملاقات یا غلبہ وشدت حب فی اللہ بود (از اشعۃ اللمعات ص ۲۲ ج ۴)

ان عبارات اور ترجمہ حدیث سے معلوم ہوا کہ معانقہ سفر سے آنے کے سوا اور بھی اظہار محبت وعنایت اور بوقت وداع یا بجہت طول عہد ملاقات یا بوقت شدت حب فی اللہ کیلئے بھی جائز ہے۔

نیز اسی میں ہے:

اما معانقہ اگر خوف فتنہ نہ باشد مشروع است واز شیخ ابومنصور ماتریدی در تطبیق احادیث نقل کردہ شدہ ست کہ انچہ بروجہ شہوت بود مکروہ ست وانچہ بروجہ کرامت باشد مشروع۔ گفتہ اند کہ خلاف در جائے ست کہ برہنہ تن باشد۔" اما باقمیص وجبہ لاباس بہ است باجماع وهو الصحیح کذا فی الکافی" (اشعۃ اللمعات ص ۲۲ ج ۴)

اور مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

"الخلاف فیما اذا لم یکن علیهما غیر الازار اما اذا کان علیهما قمیص او جبة جاز بالاجماع وقال امام ابو المنصور ان المکروه من المعانقة ما کان علی وجه الشهوة واما علی وجه البر والکرامة فجائز عند الکل۔ (مجمع الانہر مصری ص ۲۵۲ ج ۵)

وکذا فی العینی شرح الکنز ص ۲۱۱ ج ۲ ۔ وکذا فی الطحطاوی ص ۱۸۶ ۔ وکذا فی العالمگیری مجیدی ۔ (ص ۱۱۹ ج ۴ ۔ وغیرها المتون ۔)

یعنی اگر معانقہ میں کسی فتنہ کا خوف نہ ہو تو مشروع ہے۔ امام ابومنصور ماتریدی فرماتے ہیں: کہ مکروہ معانقہ وہ ہے جو بربنائے شہوت ہو اور جو معانقہ بروکرامت کی غرض سے ہو وہ باجماع جائز ہے۔

یہی اکثر کتب فقہ میں ہے۔ تفسیر عزیزی میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سورہ اعراف میں قصہ اصحاب سبت پڑھکر رونے لگے۔ حاضرین متحیر ہوئے، حضرت عکرمہ نے آپ سے رونے کی وجہ دریافت کی۔ فرمایا کہ میں یہ غور کررہا ہوں۔ کہ اس قصے میں شکار کرنے والا گروہ تو اپنی سرکشی کی بناپر ہلاک ہوگیا۔ اور وہ گروہ جنہوں نے انہیں نصیحت کی اور ان کو شکار سے روکا وہ محفوظ رہا۔ اور تیسرا گروہ جنہوں نے نہ خود شکار کیا نہ انہیں منع کیا بلکہ وہ ساکت ہی رہا۔ شاید امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک کی وجہ سے ان نافرمانوں کے ساتھ عذاب میں شامل ہوئے۔ یہ خیال کرکے میں رونے لگا اور مجھے یہ خوف طاری ہوا کہ اکثر لوگوں سے ایسا سکوت ومداہنت ہوجاتی ہے۔ اس کے جواب میں حضرت عکرمہ نے کہا:

یا حضرت حکم ساکتان حکم واعظاں ست کہ بلاشبہ نجات یافتند ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرمودند۔ ایں دعوے را چہ دلیل می گوئی تا من تسلی پذیرم، عکرمہ گفت کہ بارہا از شما شنیدہ ام ونیز از مقررات شرع ست کہ امر بمعروف ونہی از منکر فرض کفایت ست ودر فرض کفایت بجا آوردن بعض حکم بجا آوردن کل دارد وہر گاہ کہ یک جماعت امر بمعروف کردند عہد از ہمہ ساقط شد وساکتان را مواخذہ نماند۔ اگر کل سکوت می کردند البتہ شریک گنہگاراں می شدند ومنع ایشاں واعظاں را بنا بر آں بود کہ از قبول امر ونہی مایوس شدہ بودند از راہ مداہنت ورضا بگناہ ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما را بشنیدن ایں کلام نہایت بہجت وسرور روداد وبرخاستند وپیشانی عکرمہ رابوسہ دادند واورا برگرفتند وبرابر خود بنشانندند۔

(تفسیر عزیزی سورہ بقر ص ۳۴۶ (مطبوعہ بمبئی)

حضور سکوت کرنے والوں کا حکم واعظوں کا حکم ہے کہ انہوں نے بے شبہ نجات پائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس دعوے کی دلیل پیش کرو تا کہ میری تسکین خاطر ہو۔ حضرت عکرمہ نے عرض کیا: میں نے چند بار آپ ہی سے سنا اور نیز یہ قواعد شرع میں سے بھی ہے کہ امر بمعروف ونہی از منکر فرض کفایہ ہے اور فرض کفایہ میں چند کا ادا کرنا کل کے ادا کرنے کا حکم رکھتا ہے کہ جہاں ایک گروہ نے امر بمعروف کردیا فریضہ سب کے ذمہ سے ساقط ہوگیا اور سکوت کرنے والوں پر کچھ مواخذہ نہ رہا۔ ہاں

اگر سب نے ہی سکوت کیا تو یہ گنہگاروں کے شریک ہوتے ہیں۔اور انکا واعظوں کو منع کرنا اس بنا پر تھا کہ یہ انکے نصیحت پذیر ہونے سے ناامید ہو چکے تھے، نہ اس لئے تھا کہ یہ گناہ سے رضامند اور مداہنت کے لئے منع کرتے تھے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کلمہ کو سنکر بہت خوش ہوئے اور چہرہ پر آثار فرحت وسرور نمایاں ہوئے اور کھڑے ہوکر حضرت عکرمہ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور ان سے معانقہ کیا، پھر انہیں اپنی برابر بٹھایا۔

ان عبارات میں معانقہ کے مکروہ ہونے کی دو صورتیں بیان ہوئیں۔ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ معانقہ بغرض شہوت ہو تو مکروہ ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ وہ برہنہ تن ہو تو مکروہ ہے۔اور جواز معانقہ کی دس صورتیں ذکر کیں۔

(۱) معانقہ بغرض اظہار محبت۔

(۲) معانقہ بخیال اظہار عنایت۔

(۳) معانقہ بوجہ کرامت۔

(۴) معانقہ بوجہ بر۔

(۵) معانقہ بجہت طول عہد ملاقات۔

(۶) معانقہ بوجہ سرور وخوشی۔

(۷) معانقہ بوقت غلبہ حب فی اللہ۔

(۸) معانقہ بوجہ شدت حب فی اللہ۔

(۹) معانقہ بوقت قدوم از سفر۔

(۱۰) معانقہ بوقت وداع برائے سفر۔

اور خاص وعام پر ظاہر ہے کہ ایام عیدین میں ان کی اکثر وجوہ موجود ہیں۔کون نہیں جانتا کہ ایام عید اظہار محبت کے دن ہیں۔کون واقف نہیں کہ ایام عید اظہار عنایت کے دن ہیں۔کس کو علم نہیں کہ ایام عید بر وکرامت کے دن ہیں۔کس کو خبر نہیں کہ ایام عید مسرت وخوشی کے دن ہیں۔کسے پتہ نہیں کہ یہ ایام عید میں کتنی مدتوں کے بچھڑے باہم ملاقات کرتے ہیں۔معانقہ کو ناجائز ومکروہ کہہ دینا اور محض اپنی ہٹ دھرمی سے معانقہ کو وقت قدوم سفر کیساتھ خاص کرلینا اور فقط اپنی ضد سے سنت کو بدعت ٹھہرانا مخالفین کی جہالت وعنایت نہیں تو اور کیا ہے۔

بالجملہ معانقہ کے جواز کی اصل وہی حدیث ہے جس کو جواب اول میں پیش کیا۔نیز اس معانقہ عید کی اصل وہ فعل صحابی ہے جو تفسیر عزیزی سے منقول ہوا۔ پھر اس کی تصریح اقوال فقہاء میں موجود ہے۔ ''وشاح الجید'' میں ''تکملہ شرح اربعین'' کی عبارت منقول ہے۔

و مشروعیة المصافحة مطلقا اعم من ان تکون عقیب الصلوات الخمس و الجمعة و العیدین و غیر ذلک لان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم یقیدها بوقت دون وقت۔

اسی میں مسوی سے بحوالہ امام نووی نقل کرتے ہیں:

ھکذا ینبغی ان یقال فی المصافحة یوم العید و المعانقة یوم العید۔ لہٰذا بعد نماز عیدین مصافحہ ومعانقہ جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) بعد نماز پنجگانہ اور خاص کر نماز عصر وفجر کے بعد امام ومقتدی کا مصافحہ کرنا جائز ہے۔

مجمع البحار میں ہے:

کانت المصافحة فی اصحابه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ھی سنة مستحبة عند کل لقاء و ما اعتادوه بعد صلوة الصبح و العصر لا اصل له فی الشرع و لکن لا باس به و کونهم حافظین علیها فی بعض الاحوال مفرطین فیها فی کثیر منها لا یخرج ذلك البعض عن کونه مما ورد الشرع باصلها و هی من البدع المباحة۔

(مجمع البحار مطبوعہ لکھنو ج ۲ ر ص ۲۵۰)

درمختار میں فرمایا:

واطلاق المصنف تبعا للدرر والکنز و الوقایة و النقایة و المجمع و الملتقی و غیرها یفید جوازها مطلقا و لو بعد العصر و قولهم انه بدعة ای مباحة حسنة کما افاده النووی فی اذکاره وغیره فی غیره۔ (شامی مصری ج ۵ ر ص ۲۵۲)

شامی میں ہے:

قال ابو الحسن البکری و تقییده بمابعد العصر و الصبح علی عادة کانت فی زمنه والا فعقب الصلوات کلها کذلك کذا فی رسالة الشرنبلالی فی المصافحة و نقل مثله عن الشمس الحانوتی و انه افتی به مستند لا بعموم النصوص الواردة فی مشروعیتها۔

(شامی مصری ج ۲ ص ۲۵۲)

خلاصہ مضمون ان عبارات کا یہ ہے کہ مصافحہ صحابہ کرام میں سنت سمجھا جاتا تھا اور وہ ہر ہر ملاقات پر مستحب ہے۔ اور نماز پنج گانہ خاص کر صبح وعصر کے بعد مصافحہ کی عادت مقرر کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اور یہ بدعت مباح ہے اور یہ اسی مصافحہ کے حکم میں جیسا کہ مسنون ہونا شرع سے ثابت ہے۔ اسی لئے اسکا جواز۔ کنز۔ وقایہ۔ نقایہ۔ مجمع۔ ملتقی وغیرہ کی کتب سے مستفاد ہوا اور اسی کی مشروعیت پر علامہ شمس الدین حانوتی نے فتویٰ دیا۔ اب اس کے بعد مخالف کو مجال دم زدن ومحل سخن باقی نہیں رہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۴) لقا یہاں بمعنی ملاقات کے ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

و یسلم علیه اذا لقیه ۔ اس کا ترجمہ اشعۃ اللمعات میں یہ لکھا:

سلام دہد بروی چو ملاقات کند مسلمان را۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۵)

اور الفاظ حدیث:

یصا فحکم اذا لقیتمو ہ قا ل ما لقیته قط الا صا فحنی ۔

کا ترجمہ اشعۃ اللمعات میں یہ کیا۔

آیا بود آنحضرت کہ مصافحہ میکرد شمارا چوں ملاقات میکرد شما آنحضرت را گفت ابوذر ملاقات نکردم من آنحضرت را ہیچ گاہ مگر آنکہ مصافحہ کرد مرا۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۲۳)

تو ان میں اس کے معنی ملاقات کے لئے۔ واللہ اعلم۔

(۵) خود علامہ شامی نے تو رد المحتار میں مصافحہ کو بعد نماز کے نہ سنن روافض لکھا نہ بدعت سیئہ تحریر فرمایا۔ نہ غیر مشروع کہا۔ مخالفین کے دعوے میں اگر صداقت ہے تو وہ خود ان کی عبارت پیش کریں۔

ہاں علامہ نے شامی میں ایک یہ عبارت ملتقط کی نقل کی:

تکر ہ المصا فحة بعد اداء الصلوة بکل حا ل لا ن الصحا بة رضی الله تعالیٰ عنهم ما صا فحو ا بعد اداء الصلوا ة و لا نها من سنن الروا فض ۔ (شامی ج ۵ ص ۲۵۲)

اس عبارت میں کراہت کی علت ایک تو یہ ذکر کی کہ صحابہ کرام نے بعد نماز مصافحہ نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات کسی فعل کے ناجائز وممنوع ہونے کی دلیل نہیں۔ کہ مواہب لدنیہ میں ہے۔

الفعل یدل علی الجوا ز و عدم الفعل لا یدل علی المنع ۔

(مواہب مصری ج ۲ ص ۱۶۶)

تو جب عدم فعل دلیل منع نہیں تو مصافحہ مذکور کا ممنوع ہونا ثابت نہ ہو سکا۔

دوسری علت یہ بیان کی یہ مصافحہ سنت روافض ہے۔ تو اس میں روافض سے مشابہت ہے۔ لہذا مکروہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تشبہ اس فعل میں ممنوع ہے جو فی نفسہ شرعا ممنوع ہو، یا اس قوم کا شعار خاص ہو، یا کرنے والا اس کو بقصد مشابہت کرے۔

چنانچہ شامی میں ہے:

ان التشبه انما یکر ہ فی المذ مو م قصد به التشبة لا مطلقا ۔

(شامی مصری ج ۱ ص ۴۵۳)

تو جب یہ مصافحہ نہ خود فی نفسہ شرعا ممنوع ومذموم۔ نہ کرنے والے اس کو بقصد مشابہت روافض کرتے ہیں۔ تو اس میں وہ تشبہ ہی نہیں پایا گیا جو نا جائز ومکروہ ثابت کر سکے۔ علاوہ بریں کسی گمراہ قوم کی سنت اس وقت تک لائق اجتناب ہوتی ہے جب تک وہ ان کی سنت رہے، اور جب اس قوم میں سے اس کا رواج اٹھ جائے تو وہ پھر اس قوم کی سنت ہی نہیں کہلائے گی۔

درمختار میں ہے:

ویجعله لبطن کفه فی ید ہ الیسری وقیل الید الیمنی الا انه من شعا ر الروا فض فیجب التحر ز عنه و غیر ہ قلت و لعله کا ن و با ن فتبصر ۔

علامہ شامی اس کے تحت فرماتے ہیں:

ای کا ن ذلك من شعا رهم فی الز من السا بق ثم انفصل وانقطع فی هذ ہ الا زمان فلا نهی عنه کیفما کا ن ۔ (شامی مصری ج ۵ ص ۲۳۸)

تو بعد نماز کا مصافحہ بہت ممکن ہے کہ صاحب ملتقط کے زمانہ میں سنت روافض ہو لیکن ہمارے زمانہ میں تو یہ اب ان میں رائج ہی نہیں کہ روافض نہ جماعت کا التزام رکھتے ہیں نہ بعد نماز مصافحہ کرتے ہیں۔ لہذا یہ مصافحہ ہمارے زمانہ میں سنت روافض ہی نہیں ہے۔ تو یہ دوسری علت بھی ختم ہوگئی۔ بالجملہ عبارت ملتقط کے کراہت کی جب ہر دو علتیں باقی نہ رہیں تو حکم کراہت بھی باقی نہ رہا تو مصافحہ بعد نماز بلا کراہت جائز ہوا۔

دوسری عبارت:

ثم نقل عن ابن حجر من الشافعیۃ انہا بدعۃ مکروھۃ لا اصل لہا فی الشرع و انہ ینبہ فاعلہا او لا و یعزر ثانیا ۔ (شامی مصری ج ۵/ص ۲۵۲)

اس کا جواب حضرت امام نووی کی اذکار کی عبارت میں ہے جس کو علامہ شامی نے نقل کیا۔

و اما ما اعتادہ الناس من المصافحۃ بعد صلوۃ الصبح والعصر فلا اصل لہ فی الشرع ھذا الوجہ و لکن لا باس بہ فان اصل المصافحۃ سنۃ اللتی و رد الشرع باصلہا (شامی ج ۵/ص ۲۵۲)

اگر علامہ ابن حجر نے اس مصافحہ کو غیر مشروع کہا تو حضرت امام نووی نے اس کو مشروع قرار دیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ امام نووی کا مرتبہ بدر جہا بلند ہے۔ تو جب اس مصافحہ کا مشروع ہونا ثابت ہوگیا تو فعل مشروع کے کرنے والے پر نہ تنبیہ ہوگی نہ تعزیر۔ تو اس عبارت سے استدلال بھی ختم ہوگیا۔

تیسری عبارت مدخل کی یہ ہے:

انہا من البدع و موضع المصافحۃ فی الشرع انما ھو عند لقاء المسلم لا خیہ لا فی ادبار الصلوات فحیث و ضعہا الشرع یضعہا فینہی عن ذلک و یزجر فاعل لما اتی بہ من خلاف السنۃ ۔ (شامی ج ۵/ص ۲۵۲)

اس عبارت میں اس مصافحہ کو بدعت کہا۔ اس کا جواب درمختار کی اس عبارت میں گزرا جو جواب سوم میں منقول ہے کہ بدعت سے مراد بدعت حسنہ ہے۔ دوسری بات یہ کہی کہ یہ مصافحہ خلاف محل میں ہے کہ شرعاً وہ وقت لقا ہوتا ہے اور بعد نماز کا وقت وقت لقا نہیں تو وہ خلاف محل ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعد نماز کا وقت بھی وقت لقا ہے۔ چنانچہ "وشاح الجید" میں مناصحہ سے بحوالہ تکملہ شرح اربعین ناقل ہیں۔

ان حالۃ السلام حالۃ اللقاء لان المصلی لما احرم صار غائبا عن الناس مقبلا علی اللہ تعالیٰ فلما ادی حقہ قیل لہ ارجع الی مصالحك و سلم علی اخونك لقدومك عن غیبتك و لذالك ینوی القوم بسلامہ کما ینوی الحفظۃ واذا سلم یندب لہ المصافحۃ او تسن کالسلام۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں حضرت شیخ نور الحق والدین مشہور شیخ نور قطب عالم المتوفی ۸۱۳ء کے ذکر میں نقل کرتے ہیں کہ ان قطب عالم نے اپنے شیخ حضرت علاء الحق والدین سے دریافت کیا۔

پیش شیخ عرضہ داشت کہ چہ سرست کہ مشائخ بعد از سلام نماز فریضہ مصافحہ میکنند فرمود سنت بریں است کہ چوں مسافرے از سفر باز می آید با دوستاں مصافحہ میکند، چوں درویش در نماز می ایستد مستغرق میگردد واز خود بیروں می آید سفر باطن حاصل میشود چوں سلام می دہد بخود باز می آید ضرورست کہ مصافحہ میکند ۔

(اخبار الاخیار مجتبائی ص ۱۰۳)

ان عبارات سے ظاہر ہوگیا کہ نماز کے بعد کا وقت بھی وقت لقا ہے کہ نماز میں جب احرام باندھتا ہے تو وہ لوگوں سے غائب ہوجاتا ہے اور سیر الی اللہ میں مستغرق ہوکر سفر باطن کرتا ہے اور جب وہ حق اللہ کو ادا کر چکا تو اب وہ سفر باطن سے واپس ہوا تو یہی اس کی حالت لقا ہے۔ لہٰذا اس پر مسلمانوں کو سلام کرنا مسنون ہوا تو مصافحہ کیوں نہ مستحب ہوگا۔ پھر جب یہ مصافحہ بوقت لقا ہوا تو خلاف محل بھی نہ ہوا۔ اور جب مستحب یا سنت ثابت ہوا تو یہ خلاف سنت کب ہوا۔ پھر اس پر نہی یا زجر کیسا۔ بالجملہ جب ان

ہر سہ عبارات کے جوابات دیدئے گئے تو مخالف کا ان سے استدلال کرنا تو ختم ہوگیا۔

اب رہا علامہ شامی کا ان عبارات کو صرف نقل کرنا تو یہ انکا فیصلہ نہ کہلایا جائے گا کہ انھوں نے نقل تو ان عبارات کو بھی کیا ہے جو ہم نے جواب سوم میں نقل کیں۔ بلکہ ان کا فیصلہ یہ ہے:

اذا اختلف التصحیح و الفتویٰ فالعمل بما وافق المتون اولی۔

(شامی ج ۱/ص ۵۱)

کہ بوقت اختلاف عمل متون پر ہوتا ہے۔ اور درمختار کی عبارت سے معلوم ہو چکا جو کہ جواب سوم میں منقول ہے کہ متون سے اس مصافحہ بعد نماز کا جواز مستفاد ہوا تو علامہ شامی کا فیصلہ بھی یہی ہوا کہ یہ مصافحہ جائز ہو۔ اور اسی پر عمل ہو۔ الحاصل مصافحہ بعد نماز کا جواز بلکہ مستحب ہونا ثابت ہوا اور قول مخالف کے مکمل جوابات دیدے گئے۔ مولیٰ تعالیٰ مخالفین کو عقل وفہم عطا فرمائے اور انہیں قبول حق کی توفیق دے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۴۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس زمانہ میں جبکہ تقریبا(۹۰)نوے فیصدی تجارت ایسی ہے جسمیں کہ تصویر فروشی (بت فروشی) ہوتی ہے ،قریب قریب ہر تجارت ایسی ہے جس میں وہ اس سے ہرگز ہرگز نہیں بچ سکتے۔ چھوٹے تاجر سے لیکر بڑے تک ہر ایک کو تصویر فروشی کرنی پڑتی ہے ۔ مثلاً اخبار فروشی اور کتب فروش کہ اخبار اور کتابوں میں چھپی ہوئی تصویریں، بیڑی والے کواپنے بیڑی کے بنڈل کے ساتھ اس پر چھپی ہوئی تصویر۔ سگرٹ اور ماچس کے ساتھ انکے بکسوں پر چھپی ہوئی تصویریں۔اور بوٹ فروش کو بوٹ کے بکس پر بلکہ بوٹ پر بنی ہوئی تصویریں بیچنی پڑتی ہیں اور خریدنے والے کوخرید نا پڑتی ہیں۔اور خاص طور پر جنرل مرچینٹ جس کی کہ ہر چیز پر تصویر بنی ہوئی ہوگی ۔بعض پرصرف چھپی ہوئی ہوگی اور بعض پر ابھری ہوئی اور وہ اس تصویر فروشی سے کسی صورت پر بچ ہی نہیں سکتے۔اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ تمام مسلمان ایسی تجارت چھوڑ دیں اور اپنے ذاتی مفاد کے علاوہ ملک اور قوم کی خاطر وہ جنرل مرچینٹ کی تجارت چھوڑ دیں نہیں ہوسکتا۔اور یہ بعید امر ہے کہ اس زمانہ میں اگر اس طرح ان تمام تجارتوں کومسلمان چھوڑ دیں تو شاید (میرے خیال میں) اس ملک کا کام چل نہیں سکتا۔اور نہ ہی مسلمان اور ملک ترقی کرسکتا ہے۔ایسی صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ۔

(۱) ایسی صورت میں مندرجہ بالاقسموں کی تجارتیں جائز ہیں یانہیں اگرنہیں تو کیوں؟

(۲) چھپی ہوئی اورابھری ہوئی تصویروں کو بیچنے میں کوئی فرق ہے۔اگر ہے تو کیوں؟

(۳) انسان کی تصویر اور جانور کی تصویر بیچنے میں کوئی فرق ہے یانہیں۔اگر ہے تو کیوں؟

(۴) الف ۔کاغذ پر چھپی ہوئی تصویر۔ب ۔لوہے پر چھپی ہوئی ابھری ہوئی یا بنی ہوئی تصویر۔ج ،پتھر پر چھپی ہوئی یا ابھری ہوئی یا پتھر کی بنی ہوئی تصویر۔د،اسی طرح ہاتھی دانت لکڑی یا کسی اور چیز پر چھپی ہوئی ابھری ہوئی یا اسکی بنی ہوئی تصویر کے بیچنے میں آپس میں کیا تخصیص ہے؟۔

(۵) جس طرح بیچنے والا اسے نہیں بیچ سکتا اسی طرح خریدنے والا بھی نہیں خرید سکتا۔لھذا ان دونوں کے لئے کیا حکم ہے؟۔

(۶) اگر حج کو جانے کے لئے فوٹو کھچوانا ضروری ہو جیسا کہ موجودہ دور میں ہے تو اس کا کیا حکم

ہے۔اگر صرف فوٹو کیوجہ سے حج کو نہ جائے تو کوئی گناہ تو لازم نہیں؟۔

(۷) مطلق فوٹو کا دیکھنا جیسا کہ رسائل اور اخبارات میں آتے ہیں کیسا ہے؟۔جواب مع دلائل ہو۔

المستفتی محمد حسنات احمد قادری مصطفائی محلہ خیرادیان جودھپور راجستھان

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

ہر نمبر کے جواب سے پہلے اس تمہید کا سمجھ لینا نہایت ضروری ہے تا کہ فہم جواب میں سہولت ہو جائے۔صورت کے معنی ''منتخب اللغات'' میں پیکر ونقش کے ہیں۔تصویر صورت کردن وآفریدن صورتے کہ در چوب وگل وجز آں سازند یا بر دیوار وغیر آں نگارند منقش ومنسج پیکر۔

اشعۃ اللمعات میں ہے:

'تصویر بمعنی صورت ساختن ۔تو معنی لغوی سے یہ ثابت ہوا کہ صورت بمعنی شکل پیکر کے ہے،اور تصویر بمعنی صورت کے بھی مستعمل ہے اور بمعنی مصدری میں بھی مستعمل ہے یعنی صورت بنانا۔لھذا صورت وتصویر بمعنی شکل وپیکر کے قرار پائے اور صورت کا اطلاق شکل ذی روح وغیر ذی روح ہر دو پر ہوتا ہے

المغرب میں ہے:

'الصورۃ عام فی کل مایصور مشبھا بخلق اللہ تعالی من ذوات الروح وغیرھا

۔اسی طرح صورت کا استعمال پیکر ومجسم اور منقش منسج سب کے لئے ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے''

الصورۃ تکون لذی الروح وغیرہ والکراھۃ ثابتۃ ولو کانت منقوشۃ او منسوجۃ'

تو لفظ صورت وتصویر تو ہر ذی روح وغیر ذی روح کی شکل چاہے وہ جسم والی ہو یا چاہے وہ دیوار و کاغذ وغیرہ پر کھنچی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی ہو یا ابھری ہوئی ہو یا بنی ہوئی ہو سب پر اطلاق کیا جاتا ہے۔

اور صنم اس تصویر کو کہتے ہیں جو لکڑی سونے چاندی پیتل وغیرہ دھات سے کسی انسان حیوان کی مجسم شکل بنائی جائے۔۔۔ اور وثن اس تصویر کو کہتے ہیں جو پتھر سے انہیں کا مجسمہ تیار کرلیا جائے۔

طحطاوی میں ہے:

ماکان معمولا من خشب او ذھب اوفضۃ علی صورۃ انسان فھو صنم وان کان من

حجر فھو وثن"۔ (طحطاوی مصری ص ۲۱۱)

اور تمثال اس تصویر کو کہتے ہیں جو کسی ذی روح کی شکل ہو۔

ردالمحتار میں ہے:"

التمثال خاص بمثال ذی روح" (ردالمحتار مصری ص ۴۵۴ ج ۱)

غیر ذی روح کی تصویر کا بنانا تو جائز ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک مصور کو غیر ذی روح کی تصویر کی اجازت دی جس کی بخاری شریف نے روایت کی۔

"ان تصنع فعلیک بھٰذا الشجر و کل شئی لیس فیه روح'

(مشکوۃ شریف ص ۳۸۶)

اگر تو تصویر بنائے تو درخت اور ہر وہ شئی جس میں روح نہ ہو ان کی تصویر بنالیا کر۔ اور کسی ذی روح کی تصویر بنانا حرام ہے۔ مجمع البحار میں ہے: "قالوا تصویر صورة الحیوان حرام اشد التحریم سواء فی ثوب او بساط او درهم" (مجمع البحار ص ۲۷۰ ج ۲)

ردالمحتار میں ہے:

" الاجماع علی تحریم تصویر فصنعته حرام بکل حال لان فیه مضاهاة لخلق الله تعالی وسواء کان فی ثوب او بساط او درهم او اناء او حائط او غیرها ۔"

(ردالمحتار مصری ص ۴۵۴ ج ۱)

اب باقی رہا بعض کا یہ کہنا کہ ذی روح کی تصویر اگر ذی جسم وذی ظل ہے تو وہ حرام ہے اور اگر غیر ذی ظل منقش ومنسج ہے تو حرام نہیں، تو یہ تفرقہ صحیح نہیں۔

مجمع البحار میں ہے: النهی عن الصورة مطلقا ای صورة حیوان ذا ظل او لا کالمنقوش علی الجدار۔ (مجمع البحار ص ۲۷۰ ج ۲)

المغرب میں ہے۔

ان عائشة رضی الله تعالی عنها قالت قدم رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وقد سترت سهوة لی بقرام فیه تماثیل فلما راٰه هتکه الحدیث ۔ ومن ظن ان الصورة المنهی عنها ماله شخص دون ما کان منسوجا او منقوشا فی ثوب او جدار فهذا الحدیث یکذب ظنه" (المغرب ص ۱۷۷ ج ۲)

ان عبارات سے واضح ہوگیا کہ کسی ذی روح کی تصویر بنانا حرام ہے۔ اب چاہے وہ مجسم ہو یا منقش ومنسج ہو۔ اسی وجہ سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں اس پیشہ مصوری کے متعلق فرماتے ہیں۔ شارع ایں پیشہ حرام میدارد (از اشعۃ اللمعات ص ۴۹۶) اور ردالمحتار میں ہے

۔"واما فعل التصویر فهو غیر جائز مطلقا لانه مضاهاة لخلق الله تعالی"

(از ردالمحتار ص ۴۵۶ ج ۱) بلکہ شرع میں اس کا اس قدر اہتمام ہے کہ اگر تصویر مکان میں بھی ہو تو اس کا دور کرنا واجب ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

قال فی النهر جوز فی الخلاصة لمن رای صورة فی بیت غیره ان یزیلها وینبغی ان یجب علیه" (شامی ص ۴۵۶ ج ۱)

اب باقی رہی تصویر کی بیع تو جواز بیع کا مدار شی کے مباح الانتفاع پر اور عدم جواز بیع کا حکم اس کے غیر مباح الانتفاع ہونے پر موقوف ہے۔

درمختار میں ہے: ان جواز البیع یدور حل الانتفاع وبطل بیع مال غیر متقوم ای غیر مباح الانتفاع به"

تو ہر ایسی تصویر جو شرعاً مباح الانتفاع ہو اس کی بیع جائز ہے اور تصویر شرعاً مباح الانتفاع ہی نہ ہو تو اس کی بیع ناجائز ہے۔ اب چاہئے وہ تصویر مجسم ہو یا منقش ومنسج ہو۔ نیز کسی چیز کے اصالۃً یا تبعاً بیع کرنے کی بھی فرق ہے۔ مثلاً تنہا حق مرور۔ حق شرب وغیرہ حقوق کی بیع اصالۃ ناجائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے:" وبیع الحقوق بانفراده لایجوز" (ردالمحتار ص ۱۲۴ ج ۴)

اور انہیں حقوق کی بیع تبعاً جائز ہے۔ درمختار میں ہے:" وصح بیع حق المرور تبعا للارض بلا خلاف" ردالمحتار میں ہے:"واذا بیع الشرب فانه یجوز تبعا للارض بالاجماع". (ردالمحتار ص ۱۲۴ ج ۴)

یا مثلاً تنہا شہد کی مکھی کی بیع اصالۃ جائز نہیں۔ لیکن وہ اگر کوکڑی میں ہو اور کوکڑی کی بیع کی تو مکھی کی بیع تبعاً ہوگئی تو یہ بلاشبہ جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے:" ولایجوز بیع النحل حتی لو باع کوارة بمافیها عسل بما فیها من النحل یجوز تبعا" (از ہدایہ ص ۵۷ ج ۳) اور اسی طرح اس کی فقہ میں کثیر مثالیں موجود ہیں۔ جنکو بخوف طوالت نقل نہیں کیا جاتا ہے۔

الحاصل جب تصویر مباح الانتفاع ہو یعنی اس سے کوئی نفع حاصل کرنا جائز ہو۔اور اس تصویر کی بیع اصالۃ ہو رہی ہے تو یہ بیع تو جائز ہے، اور اگر وہ تصویر شرعا مباح الانتفاع ہی نہیں تو اس کی بیع اصالۃ تو جائز نہیں البتہ اسکی بیع تبعا جائز ہے۔ درمختار میں ہے:" (اشتری ثورا او فرسا من خذف لاجل استیناس الصبی لا یصح ولا قیمة له فلا یضمن متلفه ۔ ردالمحتار میں ہے۔ (قوله من خذف) ای طین قال ط قید به لانها لو کا نت من خشب او صفر جا ز اتفاقاً فیمایظهر لا مکا ن الانتفا ع بها " (ردالمحتار مصری ص۲۴۳ ج۴)

ان سوالات کے جوابات تو اسی تمہید سے حاصل ہو گئے محض آسانی کے لئے ہر سوال کا نمبروار جواب مختصر دیا جاتا ہے۔ عبارات بہت کافی نقل کردی گئیں۔

جواب سوال نمبر (۱) اخبار، کتابوں، بیڑی، سگریٹ، ماچس، بوٹ وغیرہ میں ظاہر ہے کہ بیع اصالۃ ان چیزوں کی مقصود ہے اور تصاویر کی بیع تبعا داخل ہے۔ اور تصاویر کا بیع میں تبعا ہونا ایسی ناقابل انکار بات ہے جس کا کوئی سمجھدار شخص انکار نہیں کرسکتا کہ تصاویر ان چیزوں میں مبیع نہیں ہیں کہ نہ تو بائع کے خیال میں وہ تصویر مبیع ہے نہ مشتری کے تصور میں وہ تصویر مبیع ہے، تو حق تصویر میں رکن بیع یعنی مال کا مال سے مبادلہ ہی نہیں پایا گیا۔ اسی بنا پر زر ثمن کا کوئی جز اس تصویر کے مقابل نہیں ہوتا تو گویا تصویر کی بیع اصالۃ نہیں ہوئی بلکہ تبعا ہوئی اور اس کی تبعا بیع جائز ہے۔ جیسا کہ اوپر کی عبارات سے ظاہر ہو چکا۔ اب سائل کا ان عاقدین پر تصویر فروشی اور بیع تصاویر کا الزام صحیح نہیں ہے۔ تو ان چیزوں کی تجارتیں جائز ثابت ہوئیں اور ان پر کوئی الزام شرعی عائد نہیں۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

جواب سوال نمبر (۲) چھپی ہوئی اور ابھری ہوئی تصویر میں باعتبار بیع کے کچھ فرق نہیں یہ سب اوپر کی تفصیل سے ظاہر ہو چکا۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

جواب سوال نمبر (۳) انسان کی تصویر اور جانور کی تصویر کی بیع میں کچھ فرق نہیں ہے کہ وہ ذی روح کی تصویریں ہیں۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

جواب سوال نمبر (۴) کاغذ لوہے پتھر، ہاتھی دانت لکڑی وغیرہ کی چھپی ہوئی یا ابھری ہوئی یا بنی ہوئی تصاویر سب کا ایک حکم ہے اوپر تفصیل سے ظاہر ہے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

جواب سوال نمبر (۵) اس کا جواب اوپر بجواب نمبر (۱) میں گزر چکا ہے کہ ان اشیاء میں جب بائع اس تصویر کو مبیع سمجھ کر فروخت ہی نہیں کرتا ہے اور نہ مشتری کا مقصود اس تصویر کو خریدنا ہے تو ان

ہر دو بائع ومشتری پر کوئی محظور شرعی لازم نہیں آتا۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

جواب سوال نمبر (۶) اب سفر حج کیلئے فوٹو کا کھنچوانا ضروری ہو گیا ہے۔ جب یہ قانون زیر غور ہی تھا اس وقت بھی ہم نے اور دیگر مقامات سے علماء کرام نے اس کے خلاف آواز اٹھائی تھی اور حکومت سے مطالبہ کیا تھا۔ حکومت نے اسکا جواب ہم کو یہ دیا کہ حکومت کو مجبوراً پاسپورٹ کے ساتھ فوٹو کو لازم کرنا پڑا ہے، تو فوٹو کا پاسپورٹ کے ساتھ ہونا بہرحال ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اب ہمیں ادھر تو یہ ملحوظ رکھنا ہے کہ یہ فوٹو تصویر ہے اور اس کا کھنچوانا تصویر کا کھنچوانا ہے جو گناہ ہے اور ادھر یہ مد نظر رکھنا ہے کہ حج فرض ہے جو بلا ادا کئے ادا نہیں ہو سکتا اور سال دو سال میں غیر مسلم حکومت سے یہ امید بھی نہیں ہے کہ حجاج سے یہ فوٹو کی قید اٹھالی جائے گی۔ اب وہ شخص جس کو حج فرض ادا کرنا ہے اور تمام شرائط حج مجتمع ہیں اور شرعی موانع سے کوئی مانع موجود نہیں ہے تو کیا اس کے لئے صرف فوٹو کا کھنچوانا شرعاً عذر ومانع قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اور بصورت عذر ومانع ہونے کے تاخیر حج کے گناہ بلکہ ترک فریضۂ حج کے عذاب کا سزاوار ہوگا یا نہیں۔ لھذا ہم جواب سے اپنے چند مقدمات پیش کرتے ہیں۔

مقدمۂ اولی: ماں باپ کی اطاعت سے حج فرض ادا کرنا اولی ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے،

فی المنقطع حج الفرض اولی من طا عةالوالدین وطاعتهما اولی من حج النفل۔
(عالمگیری قیومی ص۱۱۳ ج۱)

ارشاد الساری حاشیہ المسلک المتقسط میں ہے: وفی المضمرات الاتبا ن بحج الفرض اولی من طاعة الوالدین" (ارشاد الساری مصری ص۳)

اسی طرح جب عورت کے ساتھ محرم ہو تو اسے حج فرض کے لئے بغیر اجازت شوہر کے جانا جائز ہے۔ فتاوی قاضی خاں میں ہے "وعندوجو د المحرم کان علیهاان تخرج فی حجة الاسلام وان لم یا ذن زو جهاو فی النا فلة لاتخرج بغیر اذن الزوج"
(از فتاوی قاضی خاں مصطفائی ص۱۳۵ ج۱)

درمختار میں ہے:۔"ولیس لزوجها منعها عن حجة الاسلام"

ردالمحتار میں ہے:۔" ای اذا کا ن معها محرم والا فله منعها کمایمنعهاعن غیر حجة الاسلام' (ردالمحتار مصری ص۱۵۰ ج۲)

ان عبارات سے یہ ثابت ہوگیا کہ حج فرض کی اس قدر اہمیت ہے کہ اس کے مقابلہ میں اطاعت والدین اور اذن شوہر کا بھی لحاظ نہ رکھا گیا۔

مقدمہ ثانیہ: پانی کی قلت، گرم ہوا کا چلنا، موت، قتل، چوری، بیماری کے محض خطرات حج کے لئے عذر مانع نہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

ان مایحصل من الموت بقلة الماء وهيجان السموم اكثر ممايحصل بالقتل باضعاف كثيرة فلو كان عذرا لزم ان لايجب الحج الاعلى القريب من مكة في اوقات خاصة مع ان الله تعالى اوجبه على اهل الآفاق من كل فج عميق مع العلم بان سفره لا يخلو عما يكون في غيره من الاسفار من موت وقتل وسرقة۔

(ردالمحتار مصری ص۱۴۹ ج۲)

اس عبارت سے ظاہر ہوگیا کہ سفر قلت آب، بادسموم، موت، قتل، چوری کے خطرات سے خالی نہیں ہوتا ہے تو یہ چیزیں حج کے لئے عذر و مانع نہیں جب تک کہ یہ حد یقین یا ظن غالب کی حد تک نہ پہنچ جائیں۔

مقدمہ ثالثہ: اگر مال حرام سے حج فرض ادا کر رہا ہے تو اگرچہ اس کا حج درجہ قبولیت تک نہ پہنچے اور ثواب کا مستحق نہ بنے لیکن وہ تارک حج کا عذاب نہ دیا جائے گا۔

ردالمحتار میں ہے:

ويجتهد في تحصيل نفقة حلال فانه لايقبل بالنفقة الحرام كما ورد في الحديث مع انه يسقط الفريضة معها ولاتنافي بين سقوطه وعدم قبوله فلا يثاب لعدم القبول ولايعاقب عقاب تارك الحج اي لان عدم الترك يبتنى على الصحة وهي الاتيان بالشرائط والاركان والقبول المترتب عليه الثواب يبتنى على اشياء كحل المال والاخلاص كمالوصلى مرائيا او صام واغتاب فان الفعل صحيح لكنه بلا ثواب"

(ردالمحتار مصری ص۱۴۴ ج۲)

اس عبارت سے ثابت ہوگیا کہ مال حرام سے حج کرنے میں فرض ادا ہوجاتا ہے، اور فریضہ سر سے ساقط ہوجاتا ہے کہ جب اس نے حج کے شرائط وارکان ادا کیئے تو حج تو صحیح ہوگیا اور وہ ترک حج

کے ثواب سے بچ جائے گا۔ اب باقی رہا حج کا ثواب تو وہ حج کے مقبول ہونے پر مرتب ہے اور قبولیت حج مال حلال اور اخلاص پر موقوف ہے۔ جیسے کہ کسی نے ریا کے لئے نماز پڑھی یا روزہ رکھا اور اس میں غیبت کی تو وہ نماز وروزہ تو ادا ہوگیا مگر وہ ثواب کا حقدار نہ بنا۔ بالجملہ فریضہ کی صحت تو اسکے شرائط وارکان کے ادا کرنے پر ہوجاتی ہے۔ اور خارجی امور کا اثر خود فعل پر نہیں پڑتا بلکہ ثواب پر ہے۔

مقدمہ رابعہ: سفر حج میں اگر ظلم ظالم یا دفع شر یا حصول امن کے لئے رشوت دینی پڑے۔ یا چنگی ٹیکس بجبر لیا جاتا ہو اور یہ محض اسقاط فرض یا دفع مضرت مال کے لئے بضرورت دینے کے لئے مضطر ہو تو اس عازم حج پر کوئی محظور شرعی لازم نہیں آتا بلکہ گناہ لینے والے پر ہے اور یہ امور مذکورہ حج کے لئے عذر نہیں اور نہ منافی امن ہیں۔

درمختار میں ہے:

وهل مايوخذ في الطريق من المكس والخفارة عذر قولان والمعتمد لا كما في القنية والمجتبى"

علامہ علی قاری المسلک المتقسط میں تحریر فرماتے ہیں:

"قال غيرالوبري يجب الحج وان اعلم يوخذمنه المكس قال صاحب القنية والمجتبى وعليه الاعتماد وفي المنهاج وعليه الفتوى وقال ابن الهمام حاصله ان الاثم في مثله على الآخذ لاعلى المعطى فلايترك الفرض لمعصية عاص"

(ارشادالساری مصری ص۳۶)

ردالمحتار میں ہے:۔

واعترضه ابن كمال باشافي شرحه على الهداية بان ما ذكرفي القضاء ليس على اطلاقه بل فيما اذا كان المعطى مضطرا بان لزمه الاعطاء ضرورة عن نفسه وماله، اما اذا كان بالالتزام منه فبالاعطاء ايضا ياثم وما نحن فيه من هذا القبيل - اه - واقره في واجاب السيد ابو السعود بانه هنا مضطر لاسقاط الفرض عن نفسه قلت ويؤيده ماياتي عن القنية والمجتبى فان المكس والخفارة رشوة ونقل ح عن البحران الرشوة في مثل هذا جائزة ولم اره فيه۔

(ردالمحتار مصری ج۲ ص۱۲۹)

ابن کمال پاشا نے اپنی شرح ہدایہ میں اس پر اعتراض کیا کہ قضا میں مذکور ہوا اس کا حکم مطلق

نہیں، بلکہ اس صورت میں ہے کہ جب دینے والا مجبور ہو کہ اپنے نفس و مال کی ضرورت کی بنا پر اس کو دینا لازم ہو، لیکن جب اس نے خود ہی اپنے اوپر لازم قرار دے دیا تو دینے پر گنہگار رہوگا۔ اور ہم جس پر گفتگو کررہے ہیں وہ اسی قبیل سے ہے، اسی کو نہر میں برقرار رکھا۔ اور سید ابو سعود نے جواب دیا کہ بلاشک حاجی یہاں پر اپنے نفس پر سے فریضہ حج کے ساقط کرنے کے لئے مجبور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اسی کی تائید کرتا ہے۔ جو قنیہ اور مجتبیٰ میں لکھا ہے۔ کہ بیشک محصول اور ٹیکس رشوت ہے اور بحر الرائق سے منقول ہے کہ بیشک اس جیسی جگہ میں رشوت جائز ہے۔

ان عبارات سے ثابت ہوگیا کہ ظلم ظالم، دفع شر، حصول امن، چنگی ٹیکس، کوئی عازم حج فرض محض اپنے اوپر سے فریضہ حج کے ادا کرنے یا اپنے مال سے دفع مضرت کرنے کے لئے بلحاظ ضرورت مجبورا رشوت دے تو ایسی رشوت جائز ہے۔ اس کا گناہ صرف لینے والے پر ہوگا۔ اس دینے والے پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ اور یہ چیزیں نہ حج فرض کے لئے عذر و مانع ہیں نہ اس کے لئے منافی امن ہیں۔ لہذا ان چیزوں کی بنا پر حج فرض کو نہ چھوڑا جائے گا بلکہ جب اس کے لئے اور تمام شرائط حج پائے جائیں تو اسے حج فرض کے لئے جانا واجب ہے۔

مقدمۂ خامسہ:۔ جس شخص کے لئے موانع حج مرتفع ہوں اور شرائط حج مجتمع ہوں تو اس کو اسی سال حج کرنا فرض ہے۔ وہ اگر دوسرے سال تک تاخیر کرے گا تو گنہگار رہوگا۔ اور اگر چند سال تک حج کے لئے تاخیر کرتا رہا تو فاسق ہے اور اس کی گواہی مردود ہے۔

درمختار میں ہے:۔

(فرض فی العمر مرة علی الفور) فی العام الاول عند الثانی واصح الروایتین عن الامام ومالك واحمد فیفسق وترد شهادته بتاخیره ای سنیناً لان تاخیره صغیرة وبارتكابه مرة لا یفسق الا بالاصرار۔ (رد المحتار۔ ص ۱۴۴۔ ج ۲)

اور حج ایک بار فوراً پہلے سال ہی میں فرض ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام مالک وامام احمد وامام اعظم کی اصح روایت میں تو چند سال تاخیر سے وہ فاسق ہوجائے گا اور اس کی گواہی مردود کردی جائے گی۔ کیونکہ تاخیر حج صغیرہ گناہ ہے اور صغیرہ کے ایک بار کرنے سے فسق نہیں ہوتا۔ ہاں وہ اس تاخیر کے اصرار سے ضرور فاسق ہوجائے گا۔

در المنتقی شرح الملتقی میں ہے؛

(فرض فی العمر مرة علی الفور) عند الثانی لان الموت فی السنة غیر نادر وهو اصح الروایتین عن الامام ومالك واحمد كما فی عامة الكتب المعتبرات كالخانیة والاسرار و فی القنیة انه المختار فیفسق وتردشهادة بالتاخیر عن العام الاول بلا عذر۔
(در المنتقی مصری ج ۱۔ ص ۲۵۹)

(حج) ایک مرتبہ عمر میں فوراً فرض کیا گیا، امام ابو یوسف کے نزدیک کہ سال میں موت کا وجود غیر نادر ہے اور یہ امام اعظم اور مالک اور احمد کی اصح روایت میں ہے جیسا کہ عام معتبر کتب مثل فتاوی قاضی خان اور اسرار میں ہے اور قنیہ میں ہے کہ یہی مختار قول ہے تو بلا عذر پہلے سال کی تاخیر سے فاسق اور وہ مردود الشہادت ہوجائے گا۔

لباب المناسک' اور اس کی شرح المسلک المتقسط فی المسلک المتوسط' میں ہے:

(و اذا وجدت الشروط) ای شروط وجوب الحج و ادائه وجب (فالوجوب علی الفور) ای محمول علیه فی القول الاصح عند نا وهو اختیار ابی یوسف و اصح الروایتین عن ابی حنیفة كما نص علیه قاضی خان وصاحب الكافی و به قال مالك فی المشهور و احمد فی الاظهر والمزنی من الشافعیة (فیقدمه خائف العزوبة) ای من العنت (علی التزوج) لحق تعلق وجوب الحج وسبقه (ویاثم المؤخر عن سنة الامكان) ای اول سنی الامكان وهذا طریق امام الهدی ابی منصور الماتریدی فی كل امر مطلق عن الوقت فانه یحمل علی الفور۔ (المسلک المتقسط۔ ص ۴۴)

اور جب حج کے وجوب اور ادا کی شرطیں پائی گئیں اور وہ واجب ہوگیا تو اس کا وجوب ہمارے نزدیک صحیح ترین قول کی بنا پر علی الفور ہے۔ یہی امام ابو یوسف کا مختار قول ہے۔ اور امام اعظم کی اصح روایت ہے، جیسا کہ اس پر قاضی خان اور صاحب کافی نے نص بیان کی اور یہی مشہور روایت میں امام مالک نے اور اظہر روایت میں امام احمد نے اور شافعیہ میں سے مازنی نے فرمایا۔ تو حج کو غیر شادی شدہ شخص جو زنا سے خائف ہے نکاح پر مقدم کرے کہ حج کا وجوب اور سبقت کا حق اس سے متعلق ہوچکا۔ اور قادر ہوجانے کے سالوں میں سے پہلے سال ہی سے تاخیر کرنے والا گنہگار ہوجائے گا۔ یہ امام ہدی امام ابو منصور ماتریدی کا طریقہ ہر اس امر میں ہے جو وقت سے مطلق ہو کہ وہ علی الفور ہی پر محمول ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فرضیت حج کی اس قدر اہمیت ہے کہ اس کے مانع نہ ہوں اور تمام شرائط جمع

ہوں تو اس کے مقابل طاعت والدین اور اذن شوہر کی بھی پروانہ کی جائے گی، اور قلت آب، بادسموم، موت، قتل، چوری، بیماری کے خطرات بھی حج کے موانع نہیں ٹھریں گے، یہاں تک کہ مال حرام سے حج فرض ادا ہو جاتا ہے اور فریضہ ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور وہ ترک حج کے عذاب سے بچ جاتا ہے اگر چہ ایسا حج مقبول نہیں ہوتا، اور وہ ثواب کا مستحق نہیں بنتا لیکن باوجود اس کے مال حرام حج کے لئے عذر نہیں قرار پاتا۔ بلکہ حج فرض کی ضرورت کا اتنا لحاظ ہے کہ اس کے سفر میں ظلم ظالم ودفع شر وحصول امن کے لئے رشوت دینے کی اجازت ہے۔ اور چنگی اُوْرٹیکس اَدا کرنے پر کوئی مواخذہ شرعی نہیں ہے تو رشوت بھی حج کیلئے نہ عذر نہ مانع نہ منافی امن ہے۔ بالجملہ ان سب امور کو نہ تو حج فرض کے لئے عذر ومانع قرار دیا۔ نہ ان کی وجہ سے حج کو جانا گناہ وناجائز ٹھہرایا۔ نہ ان کی بنا پر فریضۂ حج کا التوا کیا۔ تو فوٹو کا کھنچوانا بھی اگر چہ گناہ ہے مگر اس کو بلا کسی دلیل کے حج فرض کا عذر ومانع کس طرح قرار دیا جائے۔ اور محض اس فوٹو کی بنا پر حج فرض کے لئے جانا کس ثبوت سے گناہ وناجائز ٹھہرایا جائے۔ اور صرف اس کی وجہ سے کس نص سے تاخیر حج کے گناہ وفسق بلکہ ترک حج کے عذاب کو اٹھا دیا جائے اور اس شخص کو فاسق ومردود شہادت ہونے سے بچالیا جائے۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ فوٹو کا کھنچوانا عازم حج فرض کے لئے محض اسقاط حج فرض کی ضرورت کے لئے مجبورا ہے۔ جیسا کہ مقدمہ ثالثہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ مال حرام سے حج فرض ادا ہو جاتا ہے۔ اور فریضہ ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور ترک حج کے عذاب سے بچ جاتا ہے۔ اور محض اسقاط فرض کی ضرورت کی بنا پر مجبوراً اسے حج ادا کرنے کی اجازت دی اور یہ بات بیان کی کہ یہ ایک خارجی چیز ہے اس کا اثر خود فعل حج پر نہیں پڑتا بلکہ ثواب پر اثر پڑیگا۔ تو مال حرام حج کیلئے عذر ومانع نہ بنایا باوجود کہ یہ ارکان حج کے اسباب میں اثر انداز ہے کہ اسی سے منی، مزدلفہ، عرفات، طواف زیارت کے لئے جا رہے ہیں۔ خود ارکان حج ادا کرنے والے کا خورد ونوش، طہارت، لباس، قربانی وغیرہ کثیر امور اسی مال حرام سے ہو رہے ہیں۔ تو اسی طرح فوٹو کے ہونے کے باوجود حج فرض ادا ہو جانا چاہیے۔ اور فریضہ ذمہ سے ساقط ہو جانا چاہئے۔ تو یہ فوٹو رکھنے والا شخص بھی ترک حج کے عذاب سے بچ جانا چاہئے۔ اور محض اسقاط فرض کی ضرورت کی بنا پر مجبوراً فوٹو کے ساتھ حج فرض کی اجازت دی جائے تو فوٹو بھی تو ایک خارجی ہی چیز ہے۔ اس کا اثر کسی رکن حج پر نہیں پڑتا۔ بلکہ اس کو تو چھپا کر صندوق میں رکھ دیا جائے گا۔ نہ اس کو منی، مزدلفہ، عرفات، صفا ومروہ، مسجد حرام میں لے جانے کی حاجت نہ کسی فعل کے ادا کرنے کے وقت اس کے

دکھانے کی ضرورت تو فوٹو کو فرض حج کے لئے کس طرح عذر ومانع قرار دیا جاسکتا ہے۔

مقدمۂ رابعہ میں ثابت کیا گیا کہ رشوت جس کی حرمت منصوص ہے اس کی محض اسقاط فرض کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر اجازت دی گئی اور اس کی حرمت کو حج فرض کیلئے عذر ومانع قرار نہیں دیا گیا، اسی طرح فوٹو کو بھی محض اسقاط فرض کی ضرورت کی بنا پر جائز قرار دیا جائے اور اس کی حرمت کو حج فرض کے لئے عذر ومانع نہ ٹھہرایا جائے۔ پھر رشوت کی مجبوری تو کبھی اتفاقاً پیش آجاتی ہے۔ اسی طرح مال حرام کے صرف کرنے میں تو کوئی شخص خاص ہی مبتلا ہو جاتا ہے۔ لیکن فوٹو کی ایسی قانونی مجبوری ہے جس کے اٹھ جانے کی اب کوئی امید باقی نہیں رہی ہے۔ پھر اس میں ایسا ابتلاء عام وعموم بلوی ہے جس سے کسی شخص کا اس سے مستثنی ہو جانا نہایت مشکل امر ہے۔ تو ان مجبوریوں، ضرورتوں کو کتب فقہ کی نظیروں کی بنا پر حج فرض کے ادا کرنے کے لئے فوٹو کی اجازت دی جاتی ہے۔ اور قول فقہائے کرام" الضرورات تبیح المحظورات" (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں) پر عمل ہو جاتا ہے۔ اور اس قانون کے اٹھ جانے یا اس سے مستثنی ہو جانے کی موہومی امیدوں پر التوائے حج یا تاخیر حج بلکہ ترک حج کے گناہ وفسق سے اہل اسلام کو بچالیا جائے گا۔ یہ حکم فرض حج کیلئے ہے۔ باقی رہا حج نفل اس کے لئے فوٹو کی اجازت نہیں دی جاتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال نمبر (۷): اخبار ورسائل میں سدا فوٹو ہی کے دیکھنے کی عادت نہ چاہئے کہ اس میں ترویج معصیت کا شائبہ ہے جیسا کہ تصاویر مکان کے دیکھنے میں۔ بعض کتب فقہ میں ترویج حرام کی علت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ فتاوی برہنہ میں ہے:

ودر جامع گفتہ کہ اتخاذ صورت در خانہ مکروہ ست وہمچنیں دخول دار و دیدن او ونشستن درد کہ دریں ترویج حرام است۔ (فتاوی برہنہ کشوری۔ ج۔۱۔ص ۸۴) واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۴۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
حاملہ عورت مرجائے اور بچہ پیٹ میں حرکت کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اس بچہ کو اس مردہ عورت کا پیٹ چاک کرکے نکالا جائے گا۔ عالمگیری میں ہے:

امرأۃ ماتت والولد یضطرب فی بطنھا قال محمد یشق بطنھا و یخرج الولد لا یسع الا ذلک کذا فی فتاوی قاضی خان۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۴۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

جس کپڑے میں پیوند یا کھونپ لگا ناہو (یعنی کپڑا پھٹ جائے تو اس کو سینا یا اور کپڑا لگاکر سینا) اس سے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ نماز بلاکراہت ادا ہوگی یا کراہت کے ساتھ؟ شرعی کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی اعجاز احمد پیلی بھیتی عفی عنہ ۳۱؍اگست ۵۳ء

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

پیوند کا کپڑا پہنا سلف صالحین سے ثابت ہے تو اس سے بہرحال کراہت نماز کے اندر لازم نہیں آتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۴؍ربیع الاول ۷۳ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۴۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ

(۱) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھنا کیا ہے؟۔

(۲) ہرنماز کے بعد آپس میں مصافحہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟۔

المستفتی الحاج شجاع الدین صاحب امام مسجد گانجہ کھیت قریب مسجد ناگپور

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(۱) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام پڑھنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ کھڑے ہوکر ہی صلوۃ وسلام پڑھے۔ چنانچہ بوقت حاضری روضہ مقدسہ بھی کھڑے ہوکر ہی پڑھنے کا حکم ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ویقف کما یقف فی الصلوۃ ثم یقول السلام علیک یا نبی اللہ ورحمۃ اللہ و برکاتہ الخ۔ ملخصا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) ہرنماز کے بعد مصافحہ کرنا یقیناً جائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

و اما اعتادہ الناس من المصافحۃ بعد صلاۃ الصبح والعصر فلا اصل لہ فی الشرع علی ھذا الوجہ ولکن لاباس بہ فان اصل المصافحۃ سنۃ و کونھم حافظین علیھا فی بعض الاحوال ومفرطین فی کثیر من الاحوال اواکثرھا لا یخرج ذالک البعض عن کونہ من المصافحۃ التی ورد الشرع باصلھا قال الشیخ ابوالحسن البکری و تقییدہ بما بعد الصبح والعصر علی عادۃ کانت فی زمنہ والافعقب الصلوات کلھا کذلک کذا فی رسالۃ الشرنبلالی فی المصافحۃ ونقل مثلہ عن الشمس الحالوتی و انہ افتی بہ مستدلا بعموم النصوص الواردۃ فی مشروعیتھا وھو الموافق ما ذکرہ الشارح من اطلاق المتون۔

(ردالمحتار۔ ج۵۔ ص۲۵۲)

اس عبارت سے ثابت ہوگیا کہ ہرنماز کے بعد مصافحہ مشروع وجائز ہے۔ اسی کی شیخ ابوالحسن بکری نے تصریح کی اور اسی پر علامہ شمس الدین حانوتی نے فتوی دیا اور یہی درمختار اور متون سے مستفاد ہوا۔ مولی تعالیٰ منکرین کو قبول حق کی توفیق عطا فرمائے۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۵۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) مسجد میں اکثر لوگ پرال یا گھاس جاڑوں کے موسم میں ڈال دیتے ہیں بچھا دیتے ہیں خاص

کردیہات کی مسجدوں میں کثرت سے ایسا کرتے ہیں اوراس پر چٹائی بچھا کرنماز پڑھتے ہین ۔کیا پرال یا گھاس ڈال کراس پرنماز چٹائی بچھا کریابغیر چٹائی بچھائے پڑھنا کیسا ہے۔کیانماز بلاکراہت اداہوجائے گی یانہیں۔شرعا کیاحکم ہے؟۔بینوا توجروا۔

(۲) عمامہ کا شملہ لٹکانا ضروری ہے یانہیں؟ اگرنہ لٹکائے یاعمامہ میں گھرس لے تو کیاحکم ہے؟ اوراس طرح یعنی عمامہ کا شملہ بغیرلٹکائے یاعمامہ میں گھرس کرنماز پڑھے تو نماز کیابلاکراہت اداہوجائیگی یانہیں کیاحکم شرع ہے؟۔

(۳) جلق کے معنی کیاہیں اوراس کا کیاحکم ہے؟۔

(۴) شوہراور بیوی دونوں کوبوقت جماع (ہم بستر ہوتے وقت) بالکل برہنہ ہونے کے ساتھ یعنی برہنہ ہوکر جماع کرنا جائز ہے یانہیں؟۔

(۵) بعدنماز عصر تانماز مغرب کھانا پینا چاہئے یانہیں۔زید کہتا ہے کہ نہیں چاہئے کیوں کہ نماز عصر سے مغرب تک جوشخص کھائے پیئے نہیں اس کوایک روزے کا ثواب ملتا ہے۔عمرکہتا ہے کہ وقت نزع جس شخص کا وقت نزع ہوتا ہے خواہ وہ رات میں ہو یادن میں خواہ کسی وقت ہومگر صاحب نزع کوعصر ومغرب کے درمیان کاوقت معلوم ہوتا ہے۔اگراس کی اس وقت کھانے پینے کی عادت نہیں ہوگی تو وہ شخص اس وقت وضو کے واسطے پانی عصر کی نماز پڑھنے کے واسطے طلب کرے گا اوراسی حالت میں اس کا انتقال ہوگا۔لہذا اس وقت یعنی عصرکی نماز کے بعد مغرب تک کھانا پینا نہ چاہئے۔

سوال دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید وعمر کے قولوں میں سے کس کا قول صحیح ہے اورشرعا کیاحکم ہے؟۔بینوا توجروا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) مسجد میں گھاس یاپرال ڈال کراس پرنماز پڑھنا بلاکراہت جائز ہے۔اس میں پیشانی اور ناک ایسی جم جائے کہ دبانے سے ندبے اوراس کے اوپرکوئی چٹائی بچھانے کی حاجت نہیں۔

عالمگیری میں ہے:" لو سجد على الحشيش او على التبن اوعلى القطن والطنفسة او الثلج ان استقرت جبهته و انفه ويجد حجمة يجوز ۔واللہ تعالی اعلم بالصواب

(۲) شملہ سنت ہے۔مواہب لدنیہ علی الشمائل المحمدیہ میں ہے:" وقد استفيد من الحديث

ان العذبة سنة "پھراس کوصافہ کی دم یاپونچھ کہنا گویااس کے ساتھ مذاق کرنا ہے جوشان مسلمان کے خلاف ہے۔واللہ تعالی اعلم بالصواب۔شملہ ایسا فعل ہے جسکوصلحاء نے کبھی ترک نہیں کیاپھربھی بغیرشملہ کے عمامہ سے نماز پڑھے اسکی نماز بلاکراہت اداہوجائے گی۔اشعۃ اللمعات میں ہے:

وتخصیص ارسال عذبہ وقت نماز موافق سنت نیست وصواب آنست کہ ارسال عذبہ مستحب است وترک آں اثمے یااسائتے نیست اگرچہ درفعل آں ثواب وفضیلتے باشد۔واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

(۳) جلق کے معنی غیاث اللغات میں مشت زدن بشہوت وانزال کردن پیش ازادخال کے ہیں۔اورحدیث شریف میں مرتکب جلق کوملعون فرمایا گیاہے۔" نا كح اليد ملعون ۔

ردالمحتار میں ہے:" لو استمنى بكذا بحائل يمنع الحرارة يا ثم ايضا ويدل ايضا على ما قلنا ما في الزيلعي حيث استدل على عدم حله بالكف ۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

(۴) زن وشوہر برہنہ ہوکر جماع کرسکتے ہیں لیکن اولے یہ ہے وہ حتی الامکان بے پردہ وبے حجاب نہ ہوں۔حدیث شریف میں ہے:" اذا اتى احدكم اهله فليستتر ما استطاع و لا يتجردا ن تجرد العير ۔یعنی جب تمہارا کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع کرے توحسب استطاعت پردہ کرےاور دونوں گدھے کی طرح برہنہ نہ ہوں۔واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

(۵) قول عمرقول زید سے بدتر ہے اورشرعا اس وقت میں خاص طور پرکھانے پینے کی کوئی مخالفت وارد نہیں ہوئی۔واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل ،الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبدمحمداجمل غفرلہ الاول،ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۵۱)

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل کی بابت کہ حضوراقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی نعلین مبارک کوجوتیاں کہنا کیسا ہے؟۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

حضوراقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی نعلین شریفین کوجوتیاں کہنا اچھانہیں معلوم ہوتا اگرچہ قائل پرکوئی شرعی جرم بھی عائد نہیں ہوتا۔لانہ ليس فيه شئى من الاهانة والا ستخفاف ۔ واللہ تعالی اعلم

بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۵۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

(۱) میلا دشریف کی مجلس میں اولیائے کرام کا ذکر کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔اور اسی مجلس میں وفات نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کی وجہ بیان فرمائیں۔

(۲) میلا دشریف کی مجلس میں چار شخصوں کا یا اس سے زیادہ کا ملکر نعت شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟۔فقط جواب سے سرفراز فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

احقر صابر میاں موضع جیتہ۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(۱) مجلس میلا دشریف میں حضرات اولیاء کرام کا ذکر کرنا مقاصد میلا دشریف کے خلاف نہیں ہے کہ ذکر فضائل وکرامات اولیائے کرام درحقیقت فضائل ومعجزات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرنا ہے۔کہ ہر ولی کی کرامت اس امت کے نبی کے معجزات میں شمار ہے۔علامہ یافعی روض الریاحین میں حضرت امام قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

کل نبی ظھرت کرامۃ ولی واحد من امتہ فھی معدود من جملۃ معجزاتہ۔

تو ذکر اولیائے کرام مقاصد مجلس میلا دشریف کے خلاف قرار نہیں پایا کہ معجزات وفضائل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہی ذکر کرنا مجلس میلا دشریف کا مقصد ہے۔تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات شریف کا ذکر کرنا اور شہدائے کربلا کی شہادت کا ذکر مجلس میلا دشریف میں نامناسب ہے اور خلاف اولیٰ کہ اس مجلس کی غرض فرح وسرور ہے اور ذکر رنج وغم اس مجلس میں نازیبا ہے اور نامناسب ہے۔لہٰذا سب سے پہلے مجلس میلا دشریف مین ذکر وفات شریف وذکر شہادت نہ کرنا چاہئے۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۲) مجلس میلا دشریف میں چار یا اس سے زائد شخصوں کا نعت شریف پڑھنا بلاشبہ جائز ہے۔اس کی اصل حدیث شریف سے ثابت ہے جس کی مواہب لدنیہ نے تخریج کی۔مہاجرین وانصار بوقت خندق کھودنے کے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رو برو یہ شعر آواز بلند ملا کر پڑھ رہے تھے۔

شعر

نحن الذی بایعنا محمدا علی الجھاد ما بقینا ابداً

اس حدیث شریف سے ثابت ہو گیا کہ اشعار نعتیہ کا آواز بلند ملا کر چند شخصوں کے لئے پڑھنا جائز ہے۔اگر ناجائز ہوتا تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی ممانعت فرماتے۔پھر جب شارع علیہ السلام ہی نے اس کو منع نہیں فرمایا تو امت میں اس کو کون منع کر سکتا ہے اور اس کو کون ناجائز قرار دے سکتا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۸ ربیع الآخر ۷۷ھ

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ

(۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۶۵، ۸۵۷_۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷،)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید ایک عالم دین مفتی وپرہیزگار فرائض وواجبات سنن کا پابند اور حرام ومکروہ تحریمی سے پرہیز کرنے والا ہے۔وہ اب تک بیان ولادت باسعادت سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کھڑے ہو کر سلام پڑھتا رہا لیکن ایک بار اس نے بوقت سلام قیام نہ کیا بلکہ بیٹھا رہا۔جب لوگوں نے کھڑے نہ ہونے کی وجہ دریافت کی تو جواب دیا کہ میرے بیٹھنے کی وجہ یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہو کہ بوقت سلام بیٹھنا بھی کوئی گناہ نہیں بلکہ مباح ہے اور کھڑا ہونا فرض وواجب نہیں ہے بلکہ مباح یا زیادہ سے زیادہ مستحب ہے۔زید مذکور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کو فرض جانتا ہے۔اور گستاخی وبے ادبی کو کفر۔لیکن سلام کی حالت میں بیٹھا رہنا گستاخی یا بے ادبی نہیں سمجھتا ہے۔کیونکہ بوقت بیان ولادت باسعادت وہ محفل میلاد میں حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بہ نفس نفیس تشریف لانے کا قائل نہیں۔ایسی صورت میں مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں۔جواب باصواب بحوالہ قرآن وحدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

جلد عطا فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(۱) بوقت بیان ولادت شریفہ کھڑے ہوکر سلام پڑھنا فرض ہے یا واجب یا کیا؟۔

(۲) بوقت بیان ولادت باسعادت بیٹھا رہنا حرام ہے یا مکروہ یا کیا؟۔

(۳) بوقت سلام کبھی بھی بیٹھا رہنے والا فاسق ہے یا نہیں؟۔

(۴) ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟۔

(۵) محفل میلاد شریف میں بوقت بیان ولادت مبارکہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں یا نہیں؟۔

(۶) مستحب کی کیا تعریف ہے؟۔

(۷) مباح کی کیا تعریف ہے؟۔

(۸) کسی امر مباح یا مستحب کو فرض یا واجب کا درجہ دینا کیسا ہے؟۔

(۹) بوقت بیان ولادت مبارکہ کھڑے ہونے کو فرض یا واجب سمجھنا کیا ہے؟۔

(۱۰) محفل میلاد شریف میں غلط روایات اور خلاف شریعت اشعار پڑھنا کیسا ہے؟۔

(۱۱) جس محفل میں غلط روایات یا خلاف شریعت اشعار پڑھے جاتے ہوں اس محفل میں شامل ہونا کیسا ہے؟۔

(۱۲) کسی مرد کو بھی سونا چاندی یا اس کا زیور یا ریشمی لباس پہننا کیسا ہے؟۔

(۱۳) سونا چاندی یا ریشمی لباس استعمال کرنے والے مرد سے بیعت کرانا یا مرید ہونا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناواقفیت سے بیعت کرلی تو ان کی بیعت فسخ کردینی جائز ہے یا نہیں؟۔

(۱۴) داڑھی منڈانا کیسا ہے؟ داڑھی منڈے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟۔

فقط عبدالقیوم انصاری قصبہ ڈاکخانہ خانپور ضلع اٹاوہ۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(۱) بوقت ذکر ولادت شریفہ کھڑے ہوکر سلام پڑھنا فرض، واجب تو نہیں ہے بلکہ مستحب و مستحسن ہے۔ کما فصلنا فی رسالتنا۔

(۲) بوقت ذکر ولادت شریفہ قیام کا نہ کرنا حرام نہ مکروہ تحریمی بلکہ خلاف اولیٰ ہے۔ و لا شک

ان ترک المستحب خلاف الاولیٰ۔

(۳) قیام مذکور کا نہ کرنے والا فاسق تو نہیں۔ اور بلا عذر اس کا تارک یا تو وہابی ہے یا گمراہ ورنہ مرتکب خلاف۔

(۴) اگر وہابی ہے اور اکابر علماء دیوبند کے کفریات سے راضی ہے تو بلاشک اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔

(۵) محفل میلاد میں بوقت ذکر ولادت نہ حضور علیہ السلام کی تشریف لانے کے اہل سنت مدعی ہیں نہ تشریف آوری کی بنا پر قیام ہے بلکہ قیام عظمت ذکر آمد کیلئے ہے۔

(۶) درمختار میں مستحب کی یہ تعریف لکھی ہوئی ہے۔ و ھو ما فعلہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرۃ و ترکہ اخریٰ و ما احبہ السلف۔ یعنی مستحب وہ ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ کیا ہوا اور پھر چھوڑ دیا ہو۔ اور جس کو سلف نے پسند کیا ہوا اور محبوب رکھا ہو۔

(۷) جامع العلوم میں مباح کی تعریف ہے۔ ما استوی طرفاہ ای الفعل و ترکہ۔ یعنی مباح وہ ہے جس کی ہر دو جانبین فعل اور عدم فعل برابر ہوں۔

(۸) کسی مباح یا مستحب کو بہ نیت فرض یا واجب کرنا تو مداخلت فی الدین۔ اور وہ ہمارے بہ نیت مباح و مستحب ہمیشہ کئے جانے سے واجب و فرض نہیں ہوجاتے۔ خیر الامو را دومھا۔

(۹) قیام کو بوقت ولادت شریفہ واجب یا فرض اعتقاد کر کے کرنا غلط ہے اور مخالف مسلک اہل سنت و جماعت ہے۔

(۱۰) غلط روایات وخلاف شرع اشعار پڑھنا یقیناً ناجائز ہے۔ چاہے وہ محفل میلاد شریف مین ہوں یا مجلس وعظ میں ہوں۔

(۱۱) غلط روایات وخلاف شرع اشعار جس محفل یا جلسہ مین پڑھے جاتے ہوں وہاں صرف اس کو جانا جائز ہے جو ان کو روک سکے ورنہ اس میں شامل ہی نہ ہو۔

(۱۲) سونے چاندی کی زنجیر کے بٹن چاندی کی ساڑھے چار ماشہ سے کم کی انگوٹھی۔ اصلی ریشم کی چار انگشت کی گوٹ یا جس کا صرف تانا ریشم کا ہو مرد کے لئے بھی جائز ہے اور ان کے علاوہ چاندی اور ریشم کا استعمال مرد کیلئے جائز نہیں۔ کمافی کتب الفقہ۔

(۱۳) جو مرد سونے چاندی یا ریشم کا استعمال علاوہ تفصیلی مقدار بالا کے کرے وہ فاسق ہے اس

سے بیعت نہ چاہئے اور اگر ناواقفی میں اس سے بیعت کر چکا اور وہ اپنے اس فعل نامشروع سے باز نہ آئے تو یہ بیعت فسخ کرسکتا ہے۔

(۱۴) داڑھی منڈانا حرام وفسق ہے اور داڑھی منڈے کے پیچھے نماز مکروہ ہے جو واجب الاعادہ ہے۔

بالجملہ اگر زید وہابی نہیں ہے اور اکابر علماء دیوبند کی عبارات توہین سرکار نبوت پر رضامندی نہیں کرتا ہے بلکہ متصلب اہل سنت وجماعت ہے اور میلاد شریف اور قیام کو مستحب ومستحسن اعتقاد کرتا ہے اور میلاد شریف میں یہ ترک قیام اس سے اتفاقا ہوگیا ہے اگرچہ گنہگار نہ سہی لیکن تارک افضلیت ضرور ہے کہ اس کے لئے بمقابلہ ترک قیام کرنا افضل تھا کیونکہ قیام میں گمراہ فرقۂ وہابیہ کی مخالفت حاصل ہوتی ہے۔ جیسے نہر کے ہوتے حوض سے وضو کرنے میں فرقہ معتزلہ کی اظہار مخالفت ہوتی ہے اسی بناپر بمقابلہ نہر کے حوض سے وضو کرنا افضل ہے۔

چنانچہ درمختار میں ہے:

التوضوء من الحوض افضل من النهر رغما للمعتزلة۔

تو زید کے لئے سنی ہوکر قیام کا ترک کرنا بہتر ومناسب نہیں تھا۔ اس میں گمراہ فرقہ وہابیہ کا بھی اشتباہ پیدا ہوتا ہے۔

باقی رہا یہ عذر کہ اس وقت کا نہ کرنا صرف اس بات کے اظہار کیلئے تھا کہ قیام مباح یا مستحب ہے کوئی فرض وواجب نہیں ہے۔ تو زبان سے بھی بہتر تفہیم اور عمدہ انداز میں یہ تفصیل ہوسکتی تھی تو اس کو اپنے فعل ہی سے بتانے اور سکھانے کی کیا ضرورت تھی، خاص کر جب اس فعل میں ترک افضل اور اشتباہ توہب بھی لازم آگیا تو یہ فعل قول سے کس طرح بہتر واولیٰ قرار پایا۔

علاوہ بریں جب زید تعظیم حضور علیہ السلام کو فرض جانتا ہے تو قیام بھی محض عظمت ذکر آمد حضور علیہ السلام ہی کیلئے ہے۔ لہٰذا اس ترک قیام میں کیا شان بے ادبی اور شان ترک عظمت ذکر آمد حضور علیہ السلام نہیں ہے؟ نیز جب ساری مجلس سلام کیلئے کھڑی ہوگئی تو اس مجلس میں ایک شخص کو کھڑا نہ ہونا کیا آداب مجلس کے خلاف نہیں ہے؟ اور کیا قیام کے لئے حکم کرنے والے حکم کی صریح مخالفت نہیں ہے؟ اور کیا نص قرآنی وحدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زید کو ایسی مخالفت کا کوئی حکم مل گیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس زید کے اس فعل خلاف نص قرآن کریم میں آداب مجلس کی رعایت اور ذاکر کے حکم قیام کی تعمیل کا

صاف حکم موجود ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

یا ایها الذین آمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا یفسح الله لکم واذا قیل انشزوا فانشزوا۔ (سورة مجادلة ع ۱ / ۱۱)

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو اللہ تمہیں دے گا۔ اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو۔

علامہ شیخ احمد تفسیر صاوی علی الجلالین میں زیر آیت کریمہ فرماتے ہیں:

العبرة لعموم اللفظ لا بخصوص السبب فيتناول اى مجلس كان سواء كان مجلس علم او ذكر او صلاة او قتال او غير ذالك (فيه ايضا) المقصود العموم فى كل ما يطلب فيه الفسوح و الاسراع ففيه حث على التشمير عن ساعد الجد و الاجتهاد فى الطاعات و ترك التكاسل۔ (تفسیر صاوی مصری ج ۴ ص ۱۰۰)

اس پر اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ کہ خاص سبب نزول کا، تو حکم ہر مجلس کو شامل ہے برابر ہے کہ وہ مجلس علم کی ہو یا ذکر کی یا نماز کی ہو یا قتال کی یا اس کے سوا ہو۔ مقصود ہر اس چیز میں عموم ہے جس میں کھڑا ہونا اور جلدی کرنا مطلوب ہو۔ تو اس آیت میں بہت زیادہ چستی اور کوشش اور نیکیوں میں سعی اور سستی کے ترک کیلئے ابھارنا مقصود ہے۔

تو اب زید خود ہی غور کرلے کہ یہ مجلس میلاد شریف کیا مجلس ذکر میں داخل نہیں۔ اور سلام کیلئے کھڑے ہونا کیا امر خیر اور مطلوب شرع نہیں ہے تو اس کا اس مجلس ذکر کے آداب کو ملحوظ نہ رکھنا اور ذاکر کے کھڑے ہونے پر ابھارنے اور حکم دینے کی تعمیل نہ کرنا کیا اس آیت پر عمل کرنا ہوا۔ یا اس سے سرتابی کرنا ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ یکم ذی القعدہ ۱۳۷۴ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل۔

مسئلہ (۸۶۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دامت برکاتہم النوری مسائل حسب ذیل میں کہ کسی مسلمان کو شیطان کہنا کیا ہے، اکثر استاذ جب شاگرد شرارت کرتا ہے کہد یتے ہیں کہ تم شیطان ہو، پورے شیطان ہو، کیسا ہے؟۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

محض افعال شیطانی کی بنا پر کسی مسلمان کو بھی شیطان کہا جاسکتا ہے۔ حدیث شریف میں تنہا سفر کرنے والے کیلئے وارد ہوا ہے۔ الراکب شیطان۔ تو اس طرح کے اطلاق میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب،

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۶۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شریعت محمدی نے والدین کا بیٹوں پر کیا حق رکھا ہے؟۔ بیٹوں کی کمائی میں باپ کا کچھ حق ہے یا نہیں؟۔ زید بوڑھا ہو چلا او زید کے بیٹے تجارت وغیرہ کرتے ہیں مگر زید کو کھانے پینے کی تکلیف دیتے اور زید کا کچھ خیال نہیں کرتے، کیا زید کے بیٹوں پر شرعی کوئی جرم عائد ہوتا ہے؟۔ برائے مہربانی جواب بحوالہ کتب ونقل عبارت عنایت فرمائیں۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

حدیث پاک میں ہے کہ ماں باپ کی رضا پروردگار عالم کی رضا ہے، اور انکی ناراضی خدا کی ناراضی ہے،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: رضا الرب فی رضا الوالد و سخط الرب فی سخط الوالد۔ ترمذی،

اسی بنا پر دوسری حدیث میں ہے کہ ماں باپ کی خدمت دخول جنت کا سبب ہے، اور انکو تکلیف پہنچانا دخول دوزخ کا سبب ہے، چنانچہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

ان رجلا قال: یا رسول اللہ! ما ذاحق الوالدین علی ولدھما؟ قال: ھما جنتك ونارك رواہ ابن ماجہ۔

یعنی ایک شخص نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! ماں باپ کا اولاد پر حق کیا ہے؟ فرمایا: کہ دونوں تیری جنت ودوزخ ہیں، یعنی انکی رضا سے جنت مل جائے گی، اور انکی ناراضی سے دوزخ کا مستحق ہوگا۔

اب باقی رہا یہ امر کہ ماں باپ کا بیٹے کی کمائی میں کیا حق ہے۔ تو اس کے لئے ابوداؤد وابن ماجہ کی حدیث میں ہے:

ان رجلا اتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: ان لی مالا وان والدی محتاج الی مالی قال انت ومالك لوالدك۔

یعنی ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ میرے پاس مال ہے او بیشک میرے باپ میرے مال کی طرف محتاج ہیں، فرمایا تو اور تیرا مال تیرے والد ہی کا ہے۔

حضرت شیخ محقق اسکی شرح اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں، گفت آنحضرت تو ومال تو مر والد ترا ست، یعنی واجب ست بر تو کہ انفاق کنی بروے وبرآری احتیاج اورا، وجائز است مراورا کہ تصرف کند در مال تو۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اور تیرا مال تیرے والد ہی کا ہے، یعنی تجھ پر واجب ہے کہ تو اس پر مال خرچ کر اور اسکی حاجت کو پوری کر اور اسکو تیرے مال میں تصرف کرنا جائز ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے۔ یجب علی الولد الموسر نفقۃ الابوین المعسرین المسلمین کانا او ذمیین قدرا علی الکسب اولم بقدرا۔

ان تصریحات سے ثابت ہوگیا کہ بیٹوں کی کمائی میں ماں باپ کا حق ہے اور ان پر واجب ہے کہ اپنے ماں باپ پر اپنا مال خرچ کریں، انکی حاجات کو پورا کریں، انہیں کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے دیں، اور خاص کر جب وہ بوڑھے ہو جائیں، اور کمائی کے قابل نہ رہیں تو بیٹوں سے ان کا نفقہ جبرا لیا جائے گا۔ پھر اگر وہ نالائق بیٹے انہیں کھانے پینے کی تکلیف دیں تو ایسے بیٹے شرعا سخت مجرم گنہگار ہیں اور خدا کی ناراضی کے موجب دخول دوزخ کے مستحق ہیں واللہ تعالیٰ اعلم،

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۷۰)

تیجے، دسویں اور چالسویں کے موقع پر عام غربا کی دعوت کی جاتی ہے، اس کے ساتھ اپنے عزیز و

اقارب کی دعوت بھی کی جائے کہ نہیں۔ بعض بدمذہب وہابی کہتے ہیں کہ تیجے چالیسویں کا کھانا امراء اور اقارب کو نہ کھلانا چاہیے۔ کیونکہ اس کھانے سے دل سیاہ ہوجاتا ہے۔۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

ظاہر ہے کہ تیجے، دسویں، چالیسویں، ششماہی، برسی کا کھانا صدقات نفل سے ہے۔ اور صدقہ نفل اعزہ واقارب اغنیا وامراء کے لئے ممنوع نہیں، خود پیشوائے وہابیہ تھانوی صاحب فتاوی امدادیہ میں لکھتے ہیں۔

سوال۔ رواج اس ملک کا یہ ہے کہ مردہ کے لئے وارثین نے اپنی اپنی ہمت کے موافق طعام پختہ کھلاتے اور روپیہ پیسہ وغیرہ صدقہ کرتے ہیں۔ اس طعام پختہ اور روپیہ پیسا وغیرہ کے مستحق کون کون ہیں؟ فقراء، مسکین، یتیم، طالب علم، وغیرہ غریب غربا۔ تونگر و سودخور بے نمازی کی دعوت کرکے کھلانا کیسا ہے؟۔

الجواب۔ یہ صدقہ نافلہ ہے، ہر ایک کے لئے جائز ہے۔ زیادہ اولی وہ مساکین کے لئے ہے۔

(فتاوی امدادیہ، ج ا ص ۲۳)

اس فتوے سے ظاہر ہوگیا کہ میت کے لئے ایصال ثواب کا کھانا صدقہ نفل ہے جو ہر عزیز قریب غنی وتونگر کے لئے بھی جائز ہے بلکہ صدقات اپنے رشتہ دار اور عزیز واقارب کو دینا دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ اولے وبہتر ہے۔

شامی میں ہے۔ بل هم اولى لانه صلة وصدقة۔ خود پیشوائے وہابیہ گنگوہی کے فتاوے میں ہے۔

سوال۔ غریب محتاج کو دینا افضل ہے، یا اپنے رشتہ دار غریب محتاج کو،، الجواب۔ اپنے کو دینے میں بہ نسبت غیر کے زیادہ ثواب ہے فقط۔ (فتاوی رشیدیہ، ج ۳۔ ص ۱۱۵)

تو جب صدقات کا اعزہ واقارب کو دینا اولی وافضل ثابت ہوا اور انکو دینے میں زیادہ ثواب مرتب ہوا۔ تو تیجہ وغیرہ کے مواقع پر ایصال ثواب کے لئے اعزہ واقارب کو کھانا کھلانا جائز ثابت ہوا، اسکو کوئی وہابی ناجائز وممنوع ثابت نہیں کرسکتا۔ بعض وہابیہ اس کو محض اپنی جہالت سے بلکہ فقط اپنی رائے سے اس کو ناجائز کہہ دیا کرتے ہیں، اس پر وہ ادنی سی بھی کوئی دلیل شرعی پیش نہیں کرسکتے۔ اب باقی رہا

افضلیت واولیت کا لحاظ تو بہ نسبت اغنیا وامرا کے فقیر کو دینا افضل واولی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کھانوں کا اغنیاء وامرا کو کھانا ممنوع وناجائز ہوگیا۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۷۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسائل میں

(۱) زید نے کسی دنیوی خصوصیت اور عداوت کی وجہ سے ایک مسلمان کو فرعون کہا تو زید کافر ہوایا نہیں۔ اور اس پر توبہ اور تجدید ایمان فرض ہوایا نہیں؟۔

(۲) بکر نے کسی دنیوی خصومت کے سبب ایک مسلمان کو ابوجہل کہا تو بکر کافر ہوایا نہیں۔ اور اس پر توبہ وتجدید ایمان فرض ہوایا نہیں؟۔

(۳) حامد نے کسی دنیوی خصومت وعداوت کے سبب ایک مسلمان کو ابلیس کہا تو حامد کافر ہوایا نہیں، اور اس پر توبہ تجدید ایمان فرض ہوایا نہیں؟۔

(۴) محمود نے کسی دنیوی خصومت وعداوت کے سبب ایک مسلمان کو شیطان کہا تو محمود کافر ہوایا نہیں، اور اس پر توبہ وتجدید ایمان فرض ہوایا نہیں؟۔

نوٹ۔ ہر سوال کا جواب علیحدہ علیحدہ درکار ہے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) زید نے جب مسلمان کو فرعون کہا تو نہ اس نے اسکو فرعون کی طرح کافر اعتقاد کرتے ہوئے کہا، نہ اس میں کفر فرعون کی مثل کفر جانتے ہوئے کہا، بلکہ محض مشارکت رسمی اور شرارت نفس کی بنا پر کہا جس کے لئے اس کی دنیوی خصومت وعداوت قرینہ ہے۔ تو یہ زید نہ کافر ہوا، نہ اس پر تجدید ایمان فرض ہے۔ شرح فقہ اکبر میں ہے۔ ان قال انا ابليس او فرعون لا يكفراى اذا اراد المشاركة الاسمية او مجرد الشرارة النفسية لا كفر الفرعونية واباء الابليسية۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

(۲) اسی طرح بکر نے جب ایک مسلمان کو ابوجہل کہا تو ظاہر ہے کہ اس نے بایں معنی نہیں کہا کہ اس کا عقیدہ کفری ابوجہل کی طرح ہے، کہ اسکی عداوت وخصومت دنیوی اسکے لئے کافی قرینہ ہے، تو

بکر نہ کافر ہوا نہ اس پر تجدید ایمان فرض ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔ المختار للفتوی فی جنس هذاالمسائل ان القائل بمثل هذه المقالات ان كان ارادا الشتم ولا يعتقده كافرا لا يكفرو ان كان يعتقده كافرا فخاطبه بهذابناء على اعتقاده انه كافر يكفر۔ والله تعالىٰ اعلم بالصواب

(۳) اسی طرح جب حامد نے کسی دنیوی خصومت وعداوت کے سبب ایک مسلمان کو ابلیس کہا تو یہ حامد بھی نہ کافر ہوا، نہ اس پر تجدید ایمان فرض ہے کہ اوپر شرح فقہ اکبر کی عبارت میں اس کا حکم گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۴) اسی طرح محمود نے جب کسی مسلمان کو دنیوی خصومت کے سبب شیطان کہا تو یہ محمود نہ کافر ہوا نہ اس پر تجدید ایمان فرض ہے۔ چنانچہ اوپر کی عبارت میں مذکور ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۷۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں

بیوپاری اپنے کھاتے دیوالی پر تبدیل کرتے ہیں، لہذا ہندو اپنے بتوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں، اگر کوئی مسلمان اسی روز اپنی دوکان میں خیر وبرکت کی نیت سے قرآن خوانی کرے فاتحہ کرے اور قرآن خوانی فاتحہ میں شرکت کے لئے لوگوں کو مدعو کرے۔ زید کو بھی دعوت دے، لوگ اس محفل میں جمع ہو کر قران پڑھیں فاتحہ دیں مگر زید نہ آئے بلکہ لوگوں سے یہ کہے کہ رات فلاں شخص کے یہاں بھوانی کی یا گنیش کی پوجا ہوئی تھی، پس ایسے شخص کے لئے جو قرآن خوانی کو گنیش اور کسی دوسرے بت کی پوجا بتائے از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟۔ نیز قرآن خوانی کرنے میں اسی روز میں کوئی مضائقہ ہے؟۔

جواب مع ثبوت کے دیا جائے۔

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

ظاہر ہے کہ مسلمان اس دن کی عظمت ہندوؤں کے مذہبی اعتقاد کی بنا پر کس طرح کریگا۔ تو وہ بہ نیت خیر وبرکت جس دن بھی قرآن خوانی کرے گا اس کے ثواب میں کیا کلام۔ جو اس خاص دن میں اس

کو منع کرتا ہے وہ اس خاص دن کی ممانعت کی دلیل پیش کرے۔ اور جب ممانعت کی دلیل نہیں تو وہ اباحت اصلیہ کی بنا پر جائز ہوا کہ۔ الا صل فی الاشیاء الاباحۃ۔ اب رہا تشبہ بکفار تو اس کا کوئی احتمال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ خود قرآن کا پڑھنا ہی مشابہت مشرکین سے ممتاز کرتا ہے۔ باقی رہی دن کی موافقت تو اسمیں مسلمان کا قرآن خوانی کرنا خود تشبہ کے لئے مانع اور کفار کی مخالفت ہے۔ جیسے مسلم شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

حين صام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عاشورا وامر بصيامة قالوا يا رسول الله انه يوم يصومه اليهود والنصارى فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: لئن بقيت الى قابل لا صومن من التاسع۔ (مشکوۃ شریف، ص ۱۷۸)

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دسویں محرم کا روزہ رکھا اور اس دن کے روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ، یہ وہ دن ہے، جس کی عظمت یہود ونصاری کرتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں آئندہ سال تک دنیا میں رہا تو نویں تاریخ کا روزہ ضرور رکھوں گا۔

اس حدیث شریف سے ظاہر ہو گیا مشارکت یوم کی مخالفت ایک امتیازی شی کے اضافہ سے حاصل ہو جاتی ہے اور اس سے تشبیہ کا شائبہ مٹ جاتا ہے۔ تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ تشبہ یوم کا خطرہ یہاں قرآن خوانی سے مٹ گیا اور اس امتیازی اضافہ نے اس کی مخالفت پیدا کر دی۔ ورنہ کھانا پینا، سونا جاگنا، عبادت کا طریقہ سب تشبہ کی بنا پر ناجائز ہو جائیں گے۔ پھر جو اس قرآن خوانی کو گنیش یا کسی دوسرے بت کی پوجا بتائے وہ جلد از جلد توبہ کرے اور تجدید نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۷۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں

ایک ہندو سنار مر گیا، ایک اپنا نابالغ لڑکا چھوڑا اور کچھ زمین چھوڑی، اس زمین کو اس کے رشتہ دار ں نے اس کا لڑکا نابالغ ہونے کی وجہ سے حکومت کو سپرد کر دی، جب تک لڑکا بالغ ہو جائے۔ حکومت نے اس زمین کو سائل حاجی علی بھائی کو کچھ روپیہ سالانہ مقرر کر کے بونے کے لئے دیا جس کو پٹکا کہتے ہیں

۔اب ہندوسنار کا لڑکا بالغ ہوا اس نے اپنی زمین کو خود بونے کے لئے طلب کیا، حکومت نے اپنے قانون کے مطابق پوچھا کہ تمہاری اس وقت آمدنی اور خرچ کیا ہے؟، اس ہندوسنار نے بتایا کہ پندرہ سو روپیہ آمدنی ہے اور خرچ بارہ سو روپیہ ہے، اس پر حکومت نے اس کو جواب دیا کہ تم کو یہ زمین نہیں ملے گی، کیونکہ آمدنی سے خرچ کم ہے۔ ہاں ہم نے اس مسلمان سائل سے سالانہ رقم مقرر کی ہے وہ تم کو ملے گی۔

اب حاجی علی بھائی کا سوال یہ ہے کہ اس زمین کے لئے شریعت کیا حکم دیتی ہے۔ آیا اس زمین کو ہندوسنار کو حوالہ کردیں یا نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس زمین کو سنار کے سپرد کرنے میں حکومت کی قانون شکنی ہوتی ہے، تو کیا ہماری شریعت کا یہ حکم ہے کہ ہم حکومت کی قانون شکنی کر کے اس ہندوسنار کو زمین سپرد کریں۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس زمین کو ہندوسنار نے تو ہم کو دی نہیں بلکہ حکومت نے ہم کو دیا تھا۔

چوتھی بات ہندؤں کا مال کھانا مسلمانوں کو جائز ہے وہ کونسی صورت ہے؟۔ کیونکہ ایک جگہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملفوظات میں فرمایا ہے: کہ مال موذی حلال غازی۔ اس مسئلہ کی مفصل مدلل مع حوالہ کتب تحریر فرمایا جائے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

ظاہر ہے یہاں ہندو ذمی مستامن تو ہے نہیں کہ ان کے اموال پر استیلا میں غدر لازم آئے جو شان مسلم کے خلاف اور شرعا محظور ہے بلکہ وہ تو اس کا مال حربی کا مال ہوا جو مال مباح غیر معصوم ہے، تو اس پر استیلا مسلم کے لئے مفید ملک ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ومايوخذ منهم هدية اوسرقة اوخدمة اوهبة فليس بغنيمة وهو ملاخذ خاصة كذا فی خزانة المفتيين۔

بلکہ علامہ شامی نے تو یہاں تک تصریح کی:

والغصب فی دار الحرب يفيد الملك لانه استيلاء على مال مباح غير معصوم فصار مالا مباحا۔

لہذا جب صورت مسئولہ میں حربی کے مال مباح غیر معصوم پر حاجی علی بھائی کو استیلاء حاصل

ہوگیا ہے اور اس میں نہ تو غدر ہے، نہ اب یا آئندہ کسی ذلت کا خطرہ لاحق ہونے والا ہے، تو اس زمین کو اس ہندوسنار کو ہرگز واپس نہ کرنا چاہیئے اس لئے کہ

ردالمحتار میں ہے:

والحاصل ان الملك حصل بالاستيلاء فلايقضى عليه بالرد۔

پھر جب حکومت کا قانون بھی اس کا مؤید ہے تو آئندہ واپسی سے کسی خطرہ کا احتمال بھی نہیں رہا تو ایسے مال کافر کا مسلمان کو کھانا جائز ہے۔ اس طرح کے مال کو مال موذی حلال غازی کہا جاسکتا ہے کہ اس میں محظور شرعی لازم نہیں آتا فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

رسالہ عطر الکلام فی استحسان المولد والقیام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

نقل فتوی دیوبند سوال جواب

بخدمت اقدس جناب مفتی صاحب دار العلوم دیوبند

جناب والا ---------------- السلام علیکم

التماس یہ ہے کہ بوقت ذکر میلاد رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوکر پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔اب سے چند دن پہلے علمائے کرام بہت اہتمام سے کھڑے ہوکر نذر سلام پیش کرتے تھے،اب کچھ صاحبان قیام سے گریز کرتے ہیں اور کچھ اس گریز کو ناروا بتلاتے ہیں،آخر اس تبدیلی کے وجوہ کیا ہیں۔براہ کرم شافی مفصل اور عام فہم جواب عطا فرما کر ممنون فرمائیے۔

ناچیز ن۔ن۔مچھلی ٹولہ کانپور۔

زمانہ ہذا کی محفل میلاد مروجہ بھی شرعا درست نہیں اور قیام کا التزام بھی جائز نہیں ہے۔جو کچھ کیا جاتا ہے یہ رسم ورواج شرعا خلاف شریعت ہے اور بدعت ہے اس کو ترک کرنا ضروری ہے۔

(فتاوی دار العلوم صفحہ ۱۲ جلد ۳)

کھڑے ہوکر سلام پڑھنا نہ کسی حدیث سے ثابت ہے،نہ کسی آیت سے،بالکل ناجائز ہے۔جو لوگ اہتمام سے کھڑے ہوکر سلام پیش کرتے تھے غلط کرتے تھے،یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔اگر کھڑے ہوکر سلام پیش کرنے میں یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ آپ تشریف لاتے ہیں یا آپ کی روح حاضر ہوتی ہے۔یہ دونوں عقیدے غلط ہیں،اس لئے کہ نہ آپ تشریف لاتے ہیں نہ آپ کی روح حاضر ہوتی ہے۔تشریف آوری کے دعوے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔اور نہ کوئی آیت اور نہ کوئی حدیث ہے کہ جس سے ثابت ہو۔کوئی دیکھتا نہیں پھر کہاں سے معلوم ہوا کہ آپ تشریف لاتے ہیں۔یہ آپ پر افترائے محض ہے۔

" من کذب علی متعمد افلیتبوا مقعدہ من النار الحدیث "

جس طرح کسی نہ کہے ہوئے قول کو آپ کی طرف منسوب کرنا حرام ہے اسی طرح نہ کیا ہوا فعل آپ کی طرف منسوب کرنا حرام ہے۔نیز اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اگر ایک وقت کئی جگہ محفلیں منعقد ہو

ں تو آیا سب جگہ تشریف لے جاویں گے،یا کہیں کہیں۔یہ تو ترجیح بلا مرجح ہے کہ کہیں جائیں اور کہیں نہ جائیں،اگر سب جگہ جائیں تو وجود واحد ہے ہزاروں جگہ کس طرح جاسکتے ہیں۔یہ تو خدائے تعالیٰ کی شان ہے۔الخ۔ (فتاوی امدادیہ ص ۵۶ ج ۴)

ونظیر ذلک فعل کثیر عند ذکر مولدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ووضع امتہ من القیام وھو الینا بدعۃ لم یرد فیہ شئی علی۔ان الناس یفعلون ذلک تعظیما لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فالعوام معذورون لذلک بخلاف الخواص۔

(فتاوی حدیثیہ ص ۱۰۷)

بہرحال قیام بدعت ہے جو لوگ اہتمام سے کرتے تھے غلط کرتے تھے۔قیام ترک کرنا چاہیے۔واللہ اعلم بالصواب۔ الجواب صحیح سید مہدی حسن غفرلہ صدر مفتی دار العلوم دیوبند۔

حررہ۔ابن العماد سید علی احمد بمبوی متعلم دار الافتاء دار العلوم دیو بند۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس خاص قیام مع ہدیۂ صلوٰۃ وسلام کے بارے میں کہ جو فتویٰ دیوبند سے آیا ہے،اس سوال کے ساتھ وہ بغرض ملاحظہ منسلک بھی ہے۔اب تک برابر اکثر گھروں میں اور اندر مستورات میں محفل میلاد شریف مع قیام وہدائیہ صلوٰۃ وسلام ہوتی تھی۔اس کو بند کرادیا گیا ہے۔اس فتوے کو دکھلا کر ورغلایا جاتا ہے اور اس مبارک کام کے ثواب سے قصدا بلکہ جبرا روکا جارہا ہے۔لہذا جناب کی خدمت میں باادب گذارش ہے کہ وہ جملے اس فتوے کے جن جن پر خطوط کشیدہ ہیں ان کا رد ضرور جاما دیا جائے۔یا جو اعتراض اس ہدیہ صلوٰۃ وسلام پر کرکے اس کو ناجائز بتایا گیا ہے ان پر خصوصیت سے توجہ فرمائی جائے۔خصوصا محفل اقدس میں روح پرفتوح حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بابت اگر ہم مسلمان یہ عقیدہ رکھیں کہ رحمت کے فرشتوں کے نازل ہونے کے ساتھ ساتھ اس مبارک موقع پر روح مبارک حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی جلوہ فرمائی ہوتی ہے تو کیا کوئی حرج ہے۔چونکہ عوام کو دھوکا دے کر اس مبارک کام سے روکا جارہا ہے جس سے وہ لوگ سخت پریشان ہیں لہذا دست بستہ التماس ہے کہ للہ ہم لوگوں پر رحم فرما کر مفصل جواب عنایت ہو۔اللہ آپ کو جزائے خیر دے گا۔

المستفتی عبد العزیز قادری اشرفی کانپور۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذى بشر نا بحبيبه فى الكتب السا بقة والقرآن العظيم ـ وعلمنا ذكر بعثته وولا دته فى كتابه الكريم ـ وامر نا با ن تعزروه وتو قر وه فى خطابه الكريم ـ فا لصلوة والسلام منا على سيد نا و نبينا و مولا نا محمد هو للمو منين رؤف رحيم ـ الذى يصلى عليه ربه وملا ئكته با فضل الصلوة والتسليم ـ الذى قال بعثت من خير قرون بنى آدم فا هبطنى الله الى الارض فى صلب آدم حتى جعلنى فى صلب ابر هيم ـ وذكر نسبه قائما على المنبر بمزيد فضله الجسيم وقام الى بنته الفا طمة اذا دخلت عليه لو جه المحبة والتعظيم ـ وامر الانصا ر على مجى سعد بقوله قومو االى سيد كم لحصول التعليم وعلى آله وصحبه وحزبه الذين هم على الصراط المتقيم ـ اما بعد ـ

مدعیان اسلام میں وہ فرقہ جسے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک نا گوار ہو۔ ان کے فضائل ومناقب کا سننا شاق اور دشوار ہو۔ جوان کو اپنے برابر جانے ان کی بڑے بھائی کی سی تعظیم مانے۔ جو شیطانوں کو ان سے زائد عالم کہے۔ جانوروں پاگلوں کو ان کے برابر علم ثابت کرے۔ وہ وہابی جماعت اور دیوبندی قوم کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے نزدیک ذکر میلاد شریف کرنا اور اس میں قیام تعظیمی کرنا سخت نا جائز اور بدعت سئیہ ہے ان کے اکابر نے اسی میلاد شریف کے عدم جواز پر بہت فتوے لکھے اور طبع کئے۔ ہمارے علمائے اہلسنت نے ان کے مفصل ومدلل رد وجوب لکھ کر شائع فرمائے۔ ضرورت تو نہیں تھی۔ کہ اس پر قلم اٹھایا جائے۔ لیکن ادھر سائل کی خواہش کا احترام بھی ضروری۔ ادھر اس صدر مفتی دیوبند کی جہالت وضلالت کا اظہار بھی لابدی وحتمی اسی بنا پر اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے نہایت مختصر رد لکھتا ہوں، اگر اس مفتی دیوبند نے کچھ جواب کی ہمت کی تو پوری پوری خدمت کردی جائے گی۔ یہ مفتی ان الفاظ سے اپنا فتوی شروع کرتا ہے۔

زمانہ ہذا کی محفل میلا دمروجہ بھی شرعا درست نہیں

اس صدر مفتی نے یہ دعویٰ تو بڑے زور کے ساتھ کیا کہ محفل میلا د شرعا درست نہیں اور اس کی دلیل شرعی ایک بھی پیش نہ کرسکا۔ یہ نام نہاد مفتی تو کیا قابل ذکر ہے۔ اس کے اکابر بھی ایڑی چوٹی کا زور

لگا چکے ہیں لیکن آج تک کوئی دلیل شرعی نہیں پیش کر سکے۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن واحادیث واجماع وقیاس سے اقوال سلف وخلف سے کوئی دیوبندی محفل میلا د شریف کا صراحۃ نا جائز ونادرست ہونا قیامت تک ثابت نہیں کرسکتا۔ تو جب ان کے پاس کوئی دلیل نہیں تو دعویٰ بلا دلیل قابل التفات ہی نہیں ہونا۔ پہلے ہم عامۃ المسلمین کے لئے اس میلا د شریف کا شرعا درست ہونا ثابت کردیں۔ منکرو تم بھی بنظر انصاف دیکھو۔

بیشک ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک اللہ کی نعمت ہے۔ بخاری شریف میں آیۃ "الذين بدلو انعمة الله كفرا" کی تفسیر میں مروی ہے:

قال ابن عباس هم والله كفا ر قريش و محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نعمة الله ـ (بخاری شریف مصطفائی ص ۵۶۶ ج ۲۔ با ب قتل ابی جهل)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ خدا کی قسم وہ بدلنے والے کفار قریش ہیں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کی نعمت ہیں۔

اس حدیث شریف سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نعمۃ اللہ ہونا ثابت ہوا۔ بلکہ قرآن کریم میں تو انبیائے کرام کی پیدائش وولادت کو بھی نعمت فرمایا گیا۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

واذ قال موسى لقومه ياقوم اذكروا نعمة الله عليكم اذ جعل فيكم انبياء ـ

(سورۃ المائدہ ع ۴ ج ۶)

اور جب موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے اے میری قوم اللہ کی نعمت کو جو اپنے اوپر ہے یاد کرو کہ تم میں پیغمبر پیدا کئے۔

اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کو تو قرآن کریم نے نعمت عظمی قرار دیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے:

لقد من الله على المو منين اذبعث فيهم رسولا ـ

(سورہ آل عمران ع ۱۷ ج ۴)

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں ایک رسول بھیجا۔

لہذا جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات شریفہ اور ولادت وبعثت مبارکہ کا نعمت ہونا ثابت ہو چکا تو اب شکر نعمت ہم پر لازم ہوا اور شکر نعمت کا طریقہ بھی خود قرآن کریم ہی میں اللہ تعالی

ہمیں اس طرح تعلیم فرماتا ہے:

واذکرو نعمة الله علیکم۔ (سورۂ بقرہ ع ۲۹ ج ۲)

اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے۔

واما بنعمة ربك فحدث ۔ (سورۂ والضحی ع ۱ ج ۳۰)

اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

ان آیات سے ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالی کی نعمت کا ذکر کرنا اور خوبی بیان کرنا شکر نعمت ہے تو جب ہمارے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ولادت و بعثت بھی نعمت ہے تو اس کا ذکر کرنا اور خوبی بیان کرنا بھی شکر نعمت ہے اور امر الہی اور حکم قرآنی ہے۔ بلکہ ہمارے حضور کی آمد کا ذکر خود اللہ تعالی نے کس اہتمام کے ساتھ انبیائے کرام کے مجمع میں کیا:

واذا خذالله میثاق النبیین لما آتیتکم من کتا ب و حکمة ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتومنن به ولتنصرنه ۔قال أاقررتم وأخذ تم علی ذلکم اصری ؟قالوا اقررنا قال فا شهدوا وانا معکم من الشهدین ۔ (سورۂ آل عمران ع ۹ ج ۳)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا فرمایا تم ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی آمد کا ذکر حضرات انبیاء کرام کے عظیم الشان مجمع میں کیا گیا۔ بالجملہ محفل میلاد شریف میں بھی یہی ہوتا ہے۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ولادت شریفہ اور بعثت مبارکہ اور آمد کا ذکر کیا جاتا ہے تو محفل میلاد شریف کی اصل قرآن سے ثابت ہوگئی۔ اب باقی رہی اسلام کی دوسری دلیل اس سے بھی ولادت و بعثت ثابت ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی:

بعثت من خیر قرون بنی ادم قرنا فقر نا حتی کنت من القرن الذی کنت فیه "

(جامع صغیر للسیوطی مصری ص ۱۰۵ ج ۱)

میں بنی آدم کے بہترین طبقوں سے پیدا کیا گیا بعد طبقہ یہاں تک کہ میں اس طبقہ سے ہوا کہ میں

اس میں ہوں۔

ترمذی شریف میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قلت یا رسول الله ان قریشا جلسو افتذاکر وا احسابهم بینهم فجعلوا مثلك مثل نخلة فی کبوة من الارض فقال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ان الله خلق الخلق فجعلنی من خیر فرقهم وخیر الفریقین ثم خیر القبائل فجعلنی من خیر القبیلة ثم خیر البیوت فجعلنی فی خیر بیوتهم فانا خیرهم نفسا و خیرهم بیتا ۔"

(ترمذی شریف دہلی ص ۲۰۱ ج ۲)

کہ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول بے شک قریش بیٹھ کر اپنے حسب کا ذکر کرنے لگے تو انہوں نے آپ کی مثال اس درخت کی سی دی جو گھورے پر ہو تو نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالی نے مخلوق پیدا کی تو مجھے بہترین گروہوں میں رکھا۔ پھر ان کے دو گروہ کئے پھر قبیلے بنائے تو مجھے بہتر قبیلے میں رکھا پھر خاندان کئے تو مجھے بہتر خاندان میں رکھا پس میں سب سے خود بھی بہتر اور میرا خاندان بھی سب خاندانوں سے افضل ہے۔

بیہقی شریف کے دلائل النبوۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انا محمدبن عبد الله بن عبد المطلب بن هاشم بن مناف بن قصی بن کلاب بن مرة بن کعب بن لوی بن غالب بن فهر بن مالك بن النضربن کنانة بن خزیمة بن مدرکة بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان وما افترق الناس فرقتین الاجعلنی الله فی خیرهما فاخرجت من بین ابوی فلم یصبنی شئ من عهد الجاهلیة وخرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح من لدن آدم حتی انتهیت الی ابی وامی فانا خیرهم نسبا وخیرهم ابا "

(جامع صغیر مصری ص ۸۹ ج ۱)

میں محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہوں فرزند عبد اللہ کا اور وہ عبد المطلب کے بیٹے۔ اور وہ ہاشم کے بیٹے اور وہ عبد مناف کے اور وہ قصی کے اور وہ کلاب کے اور وہ مرہ کے اور وہ کعب کے اور وہ لوی کے اور وہ غالب کے اور وہ فہر کے اور وہ مالک کے اور وہ نضر کے اور وہ کنانہ کے اور وہ خزیمہ کے اور وہ مدرکہ کے اور وہ الیاس کے اور وہ مضر کے اور وہ نزار کے اور وہ معد کے اور وہ عدنان کے بیٹے۔ لوگ دو گروہ پر منقسم

ہوئے تو اللہ تعالی نے مجھے ان کے بہتر میں رکھا تو میں اپنے ماں باپ سے پیدا ہوا اور کوئی بات عہد جاہلیت کی مجھے نہ پہونچی۔ اور میں آدم علیہ السلام سے اپنے ماں باپ تک نکاح ہی سے پیدا ہوا ہوں نہ کہ زنا کے عیب سے تو میں سب سے نسب کے اعتبار سے بہتر ہوں اور خاندانی لحاظ سے بھی افضل ہوں۔

علامہ قاضی عیاض نے شفا شریف میں اور ابن عمر وعدنی نے اپنے مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے راوی:

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کانت روحہ نورا بین یدی اللہ تعالیٰ قبل ان یخلق ادم بالفی عام یسبح ذلک النور وتسبح الملئکة بتسبیحه فلما خلق اللہ ادم القی ذلک النور فی صلبه فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فاهبطنی اللہ عز وجل الی الارض فی صلب نوح وقذف لی فی صلب ابراهیم ثم لم یزل اللہ تعالیٰ ینقلنی من الاصلاب الکریمة والارحام الطاهرة حتیٰ اخرجنی من ابوی لم یلتقیا علی سفاح قط۔

(شرح شفا علی القاری مصری ص۱۹۹ ج۱)

بے شک حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح پاک آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے اللہ تعالی کی حضوری میں نور تھی۔ یہ نور تسبیح کرتا تو اس کی تسبیح کے ساتھ فرشتے تسبیح کہتے پھر جب خدا نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو یہ نور ان کی پشت میں رکھا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عز وجل نے مجھے زمین کی طرف پشت آدم میں اتارا اور پشت نوح میں رکھا اور پشت ابراہیم میں جلوہ گر کیا پھر مجھے اللہ تعالیٰ ہمیشہ بزرگ پشتوں اور پاک رحموں سے منتقل فرماتا رہا یہاں تک کہ مجھے میرے ماں باپ سے پیدا کیا جنہیں کبھی زنا نہ پہنچا۔

ان احادیث سے نہایت روشن طور پر ثابت ہو گیا کہ خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی آمد اور میلاد شریف کا ذکر فرمایا۔ اور جس طرح یہ احادیث تنہائی میں بیان کی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح مجمع ومحفل میں بھی بیان ہو سکتی ہیں تو محفل میں میلاد شریف کا ذکر یعنی ان احادیث کا بیان کرنا یہی محفل میلاد شریف کہلاتا ہے۔ لہذا محفل میلاد شریف احادیث سے بھی ثابت ہو گئی۔ اب رہی اسلام کی تیسری دلیل اجماع امت سے بھی محفل میلاد شریف کا ثبوت بصراحت موجود ہے۔ اور متقدمین ومتاخرین کے اقوال اس سے پر ہیں ہم بخیال اختصار چند عبارات پیش کرتے ہیں۔

علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

وما زال اهل الاسلام یحتفلون بشهر مولده علیه السلام ویعملون الولائم ویتصدقون فی لیالیه بانواع الصدقات ویظهرون السرور ویزیدون فی المبرات ویعتنون بقراءة مولده الکریم ویظهر علیهم من برکاته کل فضل عمیم ومما جرب من خواصه انه امان فی ذلک العام وبشری عاجلة بنیل البغیة والمرام فرحم اللہ امرء ا اتخذ لیالی شهر مولده المبارک اعیادا۔

(مواہب لدنیہ مصری ص۲۷ ج۱)
(سیرۃ حلبی مصری ص۱۰۰ ج۱)
(سیرۃ النبویہ مصری ص۴۵ ج۱)
(ماثبت بالسنۃ مطبع قیومی ص۸۳)

اور ہمیشہ سے اہل اسلام ولادت شریفہ کے مہینہ میں محفلیں کرتے اور کھانے پکاتے اور اس کی راتوں میں طرح طرح کے صدقے دیتے اور اظہار خوشی کرتے اور نیکیوں میں زیادتی کرتے اور مولود شریف پڑھنے میں اہتمام کرتے رہے ہیں۔ اور ان کے اوپر فضل عمیم کی برکتیں ظاہر ہوتی رہی ہیں اور مولود شریف کے مجرب خواص میں سے ہے کہ اس سال کے لئے امن ہوتا ہے اور حاجت روائی وحصول مراد کی بشارت عاجلہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے جو ماہ مبارک میں میلاد کی راتوں میں عید منائیں۔

علامہ علی حلبی انسان العیون معروف بسیرۃ حلبیہ میں فرماتے ہیں:

قال ابن الحجر الهیتمی والحاصل ان البدعة الحسنة متفق علی ندبها وعمل المولد واجتماع الناس له ذلک ای بدعة حسنة ومن ثم قال الامام ابو شامة شیخ الامام النووی ومن احسن ما ابتدع فی زماننا ما یفعل کل عام فی الیوم الموافق لیوم مولده صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم من الصدقات والمعروف واظهار الزینة والسرور فان ذلک مع ما فیه من الاحسان للفقراء مشعر بمحبته صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وتعظیمه فی قلب فاعل ذلک وشکر اللہ علی ما من به من ایجاد رسوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الذی ارسله رحمة للعالمین هذا کلامه قال السخاوی لم یفعله احد من السلف فی القرون الثلاثة وانما حدث بعد ثم لازال اهل الاسلام من سائر الاقطار والمدن الکبار یعملون المولد

ویتصدقون فی لیا لیہ بانواع الصدقات ویھتمون بقراءۃ مولدہ المکرم ویظھر علیھم من برکاتہ کل فضل عمیم ۔

(سیرۃ حلبی مصری ص۱۰۰ ج۱)

(سیرۃ نبوی للعلامۃ دحلان مصری ص۴۵ ج۱)

علامہ ابن حجر ھیتمی نے فرمایا کہ حاصل یہ ہے کہ بدعت حسنہ کا مستحب ہونا متفق علیہ ہے اور مولود شریف کرنا اور اس کے لئے لوگوں کا جمع ہونا بھی بدعت حسنہ ہے۔ اسی بنا پر امام ابو شامہ نے فرمایا جو امام نووی کے استاذ ہیں کہ ہمارے زمانہ کی بدعت حسنہ یوم مولود شریف کی تاریخ میں ہر سال صدقے اور نیکیاں اور زینت اور خوشی کا ظاہر کرنا ہے اور باوجود اس کے اس میلاد شریف کرنے میں فقیروں پر احسان ہے اور یہ کرنے والے کے دل میں محبت وعظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پتہ دینے والا ہے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری و ولادت کی نعمت اور ان کے رحمۃ للعالمین ہو کر تشریف فرما ہونے کی نعمت پر اللہ کا شکریہ ہے۔ اور امام سخاوی نے فرمایا کہ میلاد شریف کو قرون ثلثہ میں سلف میں سے کسی نے نہیں کیا یہ تو بعد میں جاری ہوا پھر ہمیشہ سے دنیا کے تمام اھل اسلام مولود شریف کرنے لگے اور اسکی راتوں میں طرح طرح کے صدقے دینے لگے۔ اور میلاد شریف کے پڑھنے میں اہتمام کرنے لگے تو ان پر فضل عمیم کی برکتیں ظاہر ہونے لگیں۔

علامہ ابن حجر ہیتمی اپنے فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

والمولد والاذکار التی تفعل عند نا اکثر ھا مشتمل علی خیر کصدقۃ وذکر وصلاۃ وسلام علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ومدحہ (پھر ۵ سطر کے بعد فرمایا) والقسم الثانی سنۃ تشملہ الاحادیث الواردۃ فی الاذکار المخصوصۃ والعامۃ کقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا یقعد قوم یذکرون اللہ تعالی الا حفتھم الملائکۃ و غشیتھم الرحمۃ و نزلت علیھم السکینۃ وذکر ھم اللہ تعالی فیمن عندہ رواہ مسلم وروی ایضا انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لقوم جلسوا یذکرون اللہ تعالی ویحمدونہ علی ان ھدا ھم للاسلام اتانی جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام فاخبرنی ان اللہ تعالی یباھی بکم الملائکۃ وفی الحدیثین اوضح دلیل علی فضل الاجتماع علی الخیر والجلوس لہ وان الجالسین علی خیر کذلک یباھی اللہ بھم الملائکۃ وتنزل علیھم السکینۃ و تغشاھم الرحمۃ

ویذکر ھم اللہ تعالی بالثناء علیھم بین الملائکۃ فای فضائل اجل من ھذہ ”

(فتاوی حدیثیہ مصری ص۱۰۹)

ہمارے نزدیک جو مولود وذکر کئے جاتے ہیں ان کے اکثر خیر پر مشتمل ہیں جیسے صدقہ کرنا اور ذکر کرنا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام پڑھنا اور ان کی مدح کرنا۔ اور دوسری قسم یعنی وہ محافل میلاد جو امور خیر پر مشتمل ہیں سنت ہیں اور اذکار عامہ وخاصہ کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں وہ ان محافل کو شامل ہیں جیسے یہ حدیث کہ جو کوئی قوم ذکر الٰہی کے لئے بیٹھتی ہے فرشتے اس پر چھا جاتے ہیں۔ رحمت حق اس کو ڈھانپ لیتی ہے سکینہ اس پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالی اپنے مقربین میں ان کا ذکر فرماتا ہے اس حدیث کو مسلم نے روایت کی۔ نیز ایک اور حدیث روایت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس قوم کے لئے فرمایا جو ذکر الٰہی کے لئے مجلس بناتی ہے اور اس پر حمد الٰہیہ بجالاتے ہیں کہ اس نے انہیں اسلام کی رہنمائی فرمائی کہ اس کے لئے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور خبر دی کہ اللہ تعالی تمہارے ساتھ ملائکہ پر فخر فرماتا ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں بڑی روشن دلیل ہے اس اجتماع کی فضیلت پر جو نیکی کے لئے ہو اور اس میں بیٹھنے پر اور اس پر کہ امر خیر کے لئے بیٹھنے والے ایسے ہیں کہ اللہ تعالی ان کے ساتھ ملائکہ پر فخر فرماتا ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور ان پر رحمت چھا جاتی ہے اور اللہ تعالی ملائکہ کے درمیان ان کا ذکر ثنا کے ساتھ فرماتا ہے تو ان سے برتر اور کون سی فضیلتیں ہوگی۔

الحاصل مواہب لدنیہ۔ سیرت حلبی۔ سیرت نبوی۔ ماثبت من السنۃ سے محفل میلاد شریف کا جواز واستحباب اجماع امت سے ثابت ہوگیا۔ اور فتاویٰ حدیثیہ سے تو میلاد شریف کا سنت ہونا ثابت ہوگیا اب باقی رہی اسلام کی چوتھی دلیل قیاس اس کا یہ بیان ہے علامہ الحافظ ابن الجزری فرماتے ہیں۔۔

فاذا کان ھذا ابو لھب الکافر الذی نزل القرآن بذمہ جوزی فی النار بفرحہ لیلۃ مولد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ فما حال المسلم الموحد من امتہ علیہ السلام الذی یسر بمولدہ ویبذل ما اتصل الیہ قدرتہ فی محبتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لعمری انما یکون جزاءہ من اللہ الکریم ان یدخلہ بفضلہ العمیم جنات النعیم ۔

مواہب لدنیہ مصری ص۲۷ / ج۱)

جب ابولہب کافر جس کی مذمت قرآن کریم میں ہے اس کا یہ حال ہے کہ اس کو دوزخ میں بھی

تخفیف عذاب کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شب ولادت میں خوشی کرنے کا بدلہ ملا تو آپ کی امت کے مسلمانوں کے حال کا کیا کہنا جو حضور کی ولادت کا سرور کرتے اور آپ کی ولادت میں حسب قدرت خرچ کرتے ہیں۔قسمیہ کہا جاتا ہے کہ اس کی جزا میں خدائے کریم ان کو اپنے فضل عمیم سے جنات نعیم میں داخل فرمائے گا۔

علامہ الحافظ جلال الدین سیوطی نے یہ استدلال فرمایا:

وفی حدیث انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عق عن نفسہ بعد ما جاء تہ النبوۃ قال الامام احمد ھذا منکر ای حدیث منکر والحدیث المنکر من اقسام الضعیف لا انہ باطل کما قد یتوھم والحافظ السیوطی لم یتعرض لذلک وجعلہ اصلا لعمل المولد قال لان العقیقۃ لا تعاد مرۃ ثانیۃ فیحمل ذلک علی ان ھذا الذی فعلہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اظھار للشکر علی ایجاد اللہ تعالیٰ ایاہ رحمۃ للعالمین وتشریعا لامتہ کما کان یصلی علی نفسہ لذلک قال فیستحب لنا اظھار الشکر بمولدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھذا کلامہ۔ (سیرۃ حلبی مصری ص۹۴ ج۱)

اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعد نبوت یعنی چالیس سال کی عمر کے بعد اپنا عقیقہ کیا یعنی بہ نیت عقیقہ جانور ذبح کیا، امام احمد نے فرمایا کہ یہ منکر حدیث ہے اور منکر حدیث ضعیف حدیث کی قسموں میں سے ہے نہ یہ کہ وہ باطل ہے جیسا کہ وہم کیا گیا اور علامہ جلال الدین سیوطی اس کے درپے نہ ہوئے اور انہوں نے اس حدیث کو عمل میلاد شریف کے لئے اصل ٹھہرایا فرماتے ہیں کیونکہ عقیقہ دوبارہ نہیں کیا جاتا تو اسے اس بات پر حمل کیا جائے گا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس عقیقہ کو اپنے رحمۃ للعالمین ہو کر تشریف لانے کے اظہار شکری کے لئے اور امت کے لئے راہ دینی ظاہر کرنے کے لئے کیا جیسا کہ اسی غرض سے خود اپنے اوپر درود بھیجا۔ پس ہمارے لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد شریف کے شکریہ کا ظاہر کرنا مستحب قرار پایا یہ علامہ سیوطی کا قول ہے۔

علامہ ابن حجر نے یہ استدلال کیا:

قال الحافظ ابن حجر فی جواب سوال وظھر لی تخریجہ علی اصل ثابت وھو ما فی الصحیحین ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قدم المدینۃ فوجد الیھود یصومون یوم عاشوراء فسالھم فقالوا ھو یوم اغرق اللہ فیہ فرعون ونجی موسی ونحن نصومہ

شکرا قال فیستفاد من فعل الشکر علی ما من بہ تعالیٰ فی یوم معین وای نعمۃ اعظم من بروز نبی الرحمۃ وقال ان قاصدی الخیر واظھار الفرح والسرور بمولد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والمحبۃ لہ یکفیھم ان یجمعوا اھل الخیر والصلاح والفقراء والمساکین فیطعموھم ویتصدقوا علیھم محبۃ لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فان ارادوا فوق ذلک امروا من ینشد من المدائح النبویۃ والاشعار المتعلقۃ بالحث علی الاخلاق الکریمۃ مما یحرک القلوب الی فعل الخیرات والکف عن البدع المنکرات ای لان من اقوی الاسباب الباعثۃ علی محبتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سماع الاصوات الحسنۃ المطربۃ بانشاد المدائح النبویۃ اذا صادفت محلا قابلا فانھا تحدث للسامع شکرا ومحبۃ۔

(جواہر البحار مطبوعہ بیروت ص۱۱۲۴/ج۳)

علامہ حافظ ابن حجر نے سوال میلاد شریف کے جواب میں فرمایا اور مجھے اس میلاد کرنے کی اصل کا ثبوت ظاہر ہو گیا وہ حدیث مسلم و بخاری میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے عاشورہ کے دن یہود کو روزہ دار پایا تو ان سے سوال کیا انہوں نے عرض کیا: یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا اور موسی علیہ السلام کو نجات دی تو ہم اس میں شکریہ کا روزہ رکھتے ہیں۔علامہ نے فرمایا کہ اس حدیث سے اللہ تعالیٰ نعمت پر معین دن میں شکریہ ادا کرنا مستفاد ہوا۔اور ہمارے نبی رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظہور سے زیادہ بڑی اور کون سی نعمت ہے اور فرمایا کہ نیکی کا ارادہ کرنے والوں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد کی خوشی و مسرت کا اظہار کرنے والوں کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ اہل خیر و صلاح اور فقراء و مساکین کو جمع کریں اور انہیں کھانا کھلائیں اور ان پر محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں صدقہ کریں پھر اگر اس سے زیادہ کا ارادہ کریں تو وہ شعر خوانوں کو حکم دیں کہ وہ نعت و مدحت کے ایسے اشعار پڑھیں جو اخلاق کریمہ پر مشتمل ہوں اور جن سے دلوں میں نیکیوں کے کرنے اور برائیوں سے باز رہنے کی حرکت پیدا ہو۔کیونکہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پر ابھارنے والے اسباب میں سے زیادہ قوی تر با نغمہ خوش آوازں کا سننا ہے جو مدح اور نعمت کے اشعار میں ہوں۔تو جب یہ قابل محل سے موافق ہو جائیں تو یہ سننے والے میں شکر و محبت پیدا کرتے ہیں۔

الحاصل جب محفل میلاد شریف کا ثبوت اسلام کے چاروں دلائل قرآن و حدیث۔اجماع و قیاس

سے آفتاب سے زیادہ روشن طور پر ظاہر ہو چکا تو مجیب کا قول کہ

محفل میلا د مروجہ بھی شرعا درست نہیں بالکل غلط اور محض باطل ہے۔

نہ معلوم اس نے شرع کس چیز کا نام رکھ لیا ہے اگر مسلمانوں کی شرع مراد لی ہے تو یہ شرع پر افترا و بہتان ہے کہ شرع کے چاروں دلائل سے محفل میلاد کا جائز و مستحب ہونا بلکہ سنت ہونا ثابت ہو گیا تو ظاہر ہو گیا کہ مجیب کی شرع سے مراد دیوبندی شرع ہے جو قرآن و حدیث اجماع و قیاس سب کے خلاف ہے اسی بنا پر اس نے ان میں سے کسی کو اپنی دلیل نہ بنایا اور فتاوی دار العلوم دیوبند کو اپنی شرع کی دلیل ٹھہرایا۔ پھر اس کے بعد یہ مجیب کہتا ہے:

اور قیام کا التزام بھی ناجائز ہے

مجیب کا یہ حکم بھی اپنے دیوبندی مذہب کی بنا پر ہے، اسی لئے اس دعوی کی دلیل وہی فتاوی دار العلوم دیوبندی ہی کو پیش کیا اور اگر یہ قیام شریعت اسلامیہ کے اعتبار سے ناجائز ہوتا تو مجیب اس کے ثبوت میں کوئی آیت پیش کرتا یا کوئی حدیث نقل کرتا۔ یا اجماع و قیاس کی عبارت لکھتا۔ اور جب اس نے کسی دلیل شرعی کو پیش نہیں کیا تو ثابت ہو گیا کہ مجیب نے یہ عدم جواز کا حکم شریعت اسلامیہ کا نہیں لکھا بلکہ اپنے دیوبندی مذہب کا حکم لکھا ہے۔ لہذا میں پہلے شریعت اسلامیہ کا حکم بیان کرتا ہوں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی فرماتا ہے:

تعزروہ وتوقروہ" (سورۂ فتح ع ا ج ۲۶)

تم رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرو۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے شفا شریف میں ان کلمات آیت کریمہ کی تفسیر نقل فرمائی:

يبالغون فى تعظيمه ويوقروه اى يعظموه۔ (شرح شفا مصری ص ۱۲۴/ج ۱)

حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم میں خوب مبالغہ کریں اور ان کی توقیر میں۔

اس آیت کریمہ اور اس کی تفسیر سے ثابت ہو گیا کہ حضور کرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر میں خوب مبالغہ کرنا حکم الہی ہے اور تعظیم کے طریقوں میں کسی خاص طریقہ تعظیم کے لئے مستقل ثبوت پیش کرنا ضروری نہیں بلکہ جو طریقہ تعظیم ہو گا وہ اسی آیت کے تحت میں داخل ہے۔ ہاں اگر کسی خاص طریقہ تعظیم کی ممانعت شرع سے بالتخصیص ثابت ہو تو وہ بے شک ناجائز ہے۔ جیسے سجدہ۔ بالجملہ قیام بھی طرق تعظیم میں بہترین طریقہ ہے تو یہ آیۃ کریمہ اس قیام کو بھی شامل ہے۔ پھر احادیث پر نظر کرنے سے

بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو قیام تعظیمی کا حکم دیا۔ بخاری شریف و مسلم شریف کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے بنو قریضہ کے سلسلے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کو طلب فرمایا:

فلما دنا من المسجد قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للانصار قوموا الى سيدكم۔

(مشکوۃ شریف مطبع اصح المطابع ص ۴۰۳)

جب حضرت سعد مسجد کے قریب آئے حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا۔ اپنے سردار کے لئے قیام کرو۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لئے قیام کرتے تھے۔

كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يجلس معنا فى المسجد يحدثنا فاذا قام قمنا قياما حتى نراه قد دخل بعض بيوت ازواجه۔

(مشکوۃ شریف مطبع اصح المطابع ص ۴۰۳)

حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مسجد شریف میں ہمارے ساتھ جلوس فرماتے اور گفتگو کرتے اور جب حضور کھڑے ہو جاتے تو ہم بھی کھڑے ہو جایا کرتے اور ہم یہاں تک کھڑے رہتے کہ حضور کو ازواج مطہرات میں سے کسی کے گھر میں داخل ہوتا ہوا دیکھ لیتے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔

كانت اذا دخلت عليه قام اليها فاخذ بيدها فقبلها واجلسها فى مجلسه وكان اذا دخل عليها قامت اليه فاخذت يده فقبلته واجلسته فى مجلسها۔

(مشکوۃ شریف مطبع اصح المطابع ص ۴۰۲)

حضرت فاطمہ جب حضور کے پاس حاضر ہوتیں تو حضور ان کے لئے قیام فرماتے اور ان کی دست بوسی کرتے اور انہیں اپنی جگہ بٹھاتے۔ اور حضور جب انکے پاس تشریف لے جاتے تو وہ حضور کے

لئے قیام فرماتیں اور حضور کی دست بوسی کرتیں اور حضور کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔

ان احادیث سے ثابت ہوگیا کہ مستحقین تعظیم کے لئے قیام کرنا نہ فقط جائز بلکہ سنت صحابہ ہے بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قولی وفعلی سنت ہے۔ پھر یہ قیام کبھی آنے والے کی تعظیم کے لئے ہوتا ہے یہ قیام قدوم ہے جیسا کہ حدیث میں گذرا کہ حضرت سعد کے لئے انصار نے قیام کیا۔ کبھی اظہار محبت کے لئے ہوتا ہے یہ قیام محبت ہے جیسا کہ حضرت فاطمہ کے لئے خود حضور نے قیام فرمایا۔ کبھی سرور خوشی کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ سننے کے لئے قیام فرمایا۔ امام احمد نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت عثمان نے فرمایا۔

قلت توفی اللہ تعالی نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبل ان نسئلہ عن نجاۃ ہذا الامر قال ابو بکر قد سئلتہ فقمت الیہ۔ (مشکوۃ شریف مطبع اصح المطابع ص ۱۶)

کہ میں نے حضرت ابو بکر سے عرض کی اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وفات دی اور ہم اس امر کی نجات آپ سے نہ دریافت کر سکے۔ حضرت صدیق نے فرمایا میں نے حضور سے دریافت کرلیا ہے اس کے سننے کے شوق میں حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ میں کھڑا ہوگیا۔

تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک مسئلہ سننے کی خوشی ومسرت میں قیام کرنا قیام مسرت ہے الحاصل محفل میلاد شریف کا قیام بغرض تعظیم بھی ہے اور محبت کی بنا پر بھی ہے۔ اور اظہار مسرت کے لئے بھی ہوتا ہے کہ مسلمان کے لئے اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے ذکر سے زیادہ خوشی اور مسرت کا کیا ذکر ہوسکتا ہے کہ رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہی تمام دینی سرور اور احکام الہی کے حصول کا باعث وسبب ہے۔ اور مسلمان اس ذکر پاک پر اظہار محبت وتعظیم نہ کرے گا تو اس سے زیادہ اظہار محبت وتعظیم کا اور کیا ذکر ہوگا۔ اور تصریحات ائمہ کرام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر پاک کی تعظیم ذات انور کی تعظیم کے مثل ہے۔ بالجملہ ذکر ولادت شریف پر محفل میلاد میں قیام کرنا قرآن کریم کی اس آیۃ کریمہ سے اور ان احادیث سے ثابت ہوا۔ بلکہ ترمذی شریف میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروہ ہے۔

انہ جاء الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سمع شیئا فقام النبیصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی المنبر فقال من انا فقالو ا انت رسول اللہ قال انا محمد بن عبد اللہ بن

عبد المطلب ان اللہ خلق الخلق فجعلنی فی خیر ھم ثم جعلھم قبائل فجعلنی فی خیر ھم قبیلۃ ثم جعلھم بیو تا فجعلنی فی خیرھم بیتا فا نا خیر ھم نفسا وخیر ھم بیتا۔

(مشکوۃ شریف مطبع اصح المطابع ص ۵۱۳/ج ۲)

حضرت عباس حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں غضبناک ہوکر حاضر ہوئے کہ وہ حضور کے حسب ونسب میں کچھ طعن سن کر آئے تھے حضور نے ممبر پر کھڑے ہوکر فرمایا میں کون ہوں صحابہ نے عرض کی۔ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں اللہ تعالی نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھ کو ان کے بہترین میں پیدا کیا۔ پھر ان کے دو فرقے کئے۔ اور مجھ کو ان کے بہتر فرقے میں کیا۔ پھر ان کے قبیلے بنائے۔ تو مجھ کو ان کے بہتر قبیلے میں پیدا کیا۔ پھر ان میں خاندان کئے اور مجھکو ان کے بہتر خاندان میں پیدا کیا۔ تو میں ان کے بہتر نفوس اور بہتر خاندان سے ہوں۔

اس حدیث شریف سے یہ ثابت ہوگیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی تشریف آوری کا ذکر بحالت قیام فرمایا ہے تو ہمارے لئے بھی ذکر ولادت کا بحالت قیام کرنا اس حدیث شریف سے مستفاد ہوا۔ بالجملہ جب محفل میلاد شریف کا قیام قرآن کریم واحادیث شریفہ سے مستفاد ہوا۔ تو اس کا جائز و مستحب ہونا محل کلام ہی نہیں ہوا تو اس کو اہل اسلام نے اپنا معمول ٹھرالیا۔ ہزرا ہا بلاد اسلامیہ کے خواص وعوام۔ کئی صدی کے علمائے کرام۔ اولیائے عظام نے اس کو اپنا معمول قرار دیا۔ اور امت اس کو بلانکیر کرتی چلی آئی۔

چنانچہ علامہ حلبی نے سیرۃ حلبی میں تحریر فرمایا:

جرت عادۃ کثیر من الناس اذا سمعوا بذکر وضعہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یقوموا تعظیما لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھذا القیام بدعۃ لا اصل لھا ای لکن ھی بدعۃ حسنۃ لا نہ لیس کل بدعۃ مذمومۃ وقد قال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فی اجتماع الناس لصلاۃ الترا ویح نعمۃ البدعۃ ھذہ وفیہ ایضا وقد وجد القیام عند ذکر اسمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من عالم الامۃ ومقتدی الائمۃ دینا وورعا الامام تقی الدین السبکی وتابعہ علی ذلک مشائخ الاسلام فی عصرہ ویکفی مثل ذلک فی الاقتداء ملخصا۔

(سیرۃ حلبی مصری ص ۹۹، ۱۰۰/ج ۱)

اور بہت لوگوں کی عادت جاری ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ولادت سنتے ہیں تو وہ حضور کی تعظیم کے لئے قیام کرتے ہیں۔اور یہ قیام بدعت ہے اسکی اصل نہیں لیکن یہ بدعت حسنہ ہے اس لئے کہ ہر بدعت مذموم نہیں ہوتی کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز تراویح کے لئے لوگوں کے جمع ہونے کے بارے میں فرمایا یہ اچھی بدعت ہے اور بیشک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک کے ذکر کے وقت قیام کرنا امام تقی الدین سبکی سے پایا گیا جو اس امت کے عالم اور دین وتقوی میں اماموں کے امام ہیں اور ان کے معاصرین ائمہ کرام ومشائخ اسلام نے اس قیام پر ان کی متابعت کی علامہ حلبی نے فرمایا اور اس قدر بات پیری کرنے میں کافی ہے۔

علامہ سید احمد دحلان السیرۃ النبویہ والآثار المحمدیہ میں فرماتے ہیں:

جرت العادة ان الناس اذاسمعو اذكر وضعه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عليه وسلم يقومو ن تعظيما له صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهذ ا القيام مستحسن لما فيه من تعظيم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقد فعل ذلك كثير من علما ئاالامة الذين يقتدى بهم ۔ (السیرۃ النبویہ مصری ص۴۴ ج۱)

عادت جاری ہے کہ جب لوگ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر سنتے ہیں تو حضور کی تعظیم کے لئے قیام کرتے ہیں اور یہ قیام مستحسن ہے اس لئے کہ اس میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور اس قیام کو بکثرت ان علماء امت نے کیا جن کی پیروی کیا جاتی ہے۔

علامہ سیّد احمد عابدین نے نثر الدرر علی مولد ابن حجر میں فرمایا:

جرت العادة بانه اذاساق الوعاظ مو لده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وذكر واوضع امه لهو قام الناس عند ذالك تعظيما له صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و هذا القيام بدعة حسنة لما فيه من اظهار الفرح والسرور والتعظيم بل مستحبة لمن غلب عليه الحب والاجلال لهذاالنبى الكريم عليه افضل الصلاة واتم التسليم ولم تنزل عليه المواظبة من العلماء الاعلام والمشائخ الكرام بقصد تعظيم للانبياء ختام ۔عليه و عليهم افضل الصلاة والسلام ۔

(ملخصا از جواہر البحار مطبوعہ بیروت ص۱۱۴۴ ا/ج۳)

عادت جاری ہوئی کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تولد اور پیدائش کے ذکر تک

واعظ پہونچتے ہیں تو اس وقت سب لوگ حضور کی تعظیم کے لئے قیام کرتے ہیں اور یہ قیام بدعت حسنہ ہے کیوں کہ اس میں فرحت ومسرت اور تعظیم کا اظہار ہے بلکہ اس شخص کے لئے مستحب ہے جس پر اس نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی محبت وعظمت غالب ہو اور خاتم النبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کا قصد کرتے ہوئے مشائخ کرام وعلمائے عظام نے اس قیام پر ہمیشگی فرمائی۔اس ذات کے لئے جو انبیاء کے خاتم ہے ان پر بہترین درود اور کامل ترین سلام نازل ہو۔

علامہ ابن حجر نے المولد الکبیر میں فرمایا:

فيقال نظير ذلك القيام عند ذكر ولا دته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وايضا قال اجتمعت الامة المحمد ية من اهل السنة والجماعة على استحسان القيام المذكو ر قد قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا يجتمع امتى على ضلا لة ۔

(الدر المنظم ص۱۴۳ ا/ از الکواکب الازہر)

کہا گیا اسی کی نظیر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر کے وقت قیام کرنا ہے۔نیز قیام مذکور کے استحسان پر امت محمدیہ اہل سنت وجماعت نے اجماع کرلیا ہے اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

علامہ سید جعفر بن حسن برزنجی اپنے مولد میں فرماتے ہیں:

قد استحسن القيام عند ذكر مو لده الشريف ائمة ذى روا ية وروية فطو بى لمن كا ن تعظيمه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم غاية مر امه ومر ما ه ۔

(جواہر البحار مطبوعہ بیروت ص۱۲۴۸ ا/ج۳)

قیام کو ائمہ ذوروایت ورویت نے بوقت ذکر ولادت کے مستحسن جانا تو خوشخبری ہو اس کے لئے جسے حضور کی تعظیم انتہائی مراد ہو۔

ان عبارات سے ثابت ہوگیا کہ محفل میلاد کا قیام صدیوں سے مسلمانوں کا معمول بہ ہے۔اور امت نے اس کے استحباب پر اجماع کرلیا ہے۔تو جس کی اصل قرآن واحادیث میں موجود ہو اور وہ اجماع امت سے ثابت ہو۔اس کو کوئی مسلمان تو ناجائز کہہ نہیں سکتا۔مجیب کا فریب یہ ہے کہ اس نے اس مقام پر قیام کو صراحۃ ناجائز نہیں کہا۔بلکہ اس کے التزام کو ناجائز ٹھہرایا۔مگر اس التزام کے ناجائز ہونے پر کوئی دلیل شرعی پیش نہ کرسکا۔اور حقیقت یہ ہے کہ وہ آئندہ بھی کوئی دلیل پیش ہی نہیں کرسکتا کہ شریعت

میں ہر امر جائز یا مستحب کا التزام ناجائز نہیں۔ اسی مذہب دیوبندی کے معلم ثانی گنگوہی جی کے فتاوے رشیدیہ حصہ سوم میں ہے۔ از بندہ رشید احمد عفی عنہ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند بندہ بحمدہ تعالی بخیر ہے۔ آپ کی علالت سے متفکر ہوا۔ میں دعائے خیر کرتا ہوں آپ سورۂ فاتحہ التزام کے ساتھ سنت وفرض کے درمیان پڑھ لیا کریں اور پانی پر دم کر کے بھی پی لیا کریں اور اپنے اوپر بھی دم کر لیا کریں فقط والسلام۔

(فتاوی رشیدیہ دہلی ص ۵۴/ج ۲)

مجیب صاحب دیکھئے گنگوہی صاحب نے سورۂ فاتحہ کو التزام کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا۔ تو اگر کسی امر جائز کا التزام کرنا اس کو ناجائز بنا دیتا تو گنگوہی جی سورۂ فاتحہ کو التزام کے ساتھ پڑھنے کا ہرگز حکم نہ دیتے الحصل قیام کا جب جائز ومستحب ہونا ثابت ہو گیا تو اس کو جائز ومستحب جانتے ہوئے اس کا التزام کس طرح ناجائز ہو سکتا ہے۔ لہذا مجیب کا یہ دعوی کہ ''قیام کا التزام بھی ناجائز ہے'' غلط اور باطل اور شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے۔ اس کے بعد مجیب کا یہ قول

جو کچھ کیا جاتا ہے یہ رسم ورواج شرعاً خلاف شریعت ہے اور بدعت ہے اس کو ترک کرنا ضروری ہے۔

(فتاوی دار العلوم ص ۱۲ اج ۳)

کس قدر جہالت پر مبنی ہے۔ مجیب پر پہلے تو یہ لازم تھا کہ رسم ورواج کی جامع مانع تعریف بیان کرتا، رسم ورواج کے عدم جواز کا حکم قرآن وحدیث وغیرہ دلائل شرع سے ثابت کرتا۔ اور اس کا خلاف شرع اور بدعت ہونا اور اس کے ترک کا ضروری ہونا نصوص سے ثابت کرتا۔ لیکن مجیب کو نہ تو رسم ورواج ہی کا حکم معلوم۔ نہ رسم ورواج اور خلاف شرع میں نسبت ہی کا پتہ۔ نہ خلاف شرع اور بدعت کے درمیان تفرقہ کا علم۔ نہ بدعت واجب الترک میں نسبت کی خبر تو اس کی یہ ایک مجنونانہ بڑ ہے۔ اور اگر دیوبندی قوم ان باتوں کا کچھ علم رکھتی ہے تو ظاہر کرے۔ علاوہ بریں جب ہم نے محفل میلاد۔ شریف اور قیام کا جواز و استحباب قرآن واحادیث اور عمل مسلمین سے ثابت کر دیا تو فقط رسم ورواج کب قرار پائے۔ اور خلاف شرع کس طرح ہوئے۔ اور بدعت کس طرح ٹھہرے۔ اور واجب الترک کس طرح بنے کیا یہ مجیب رسم ورواج اس کو کہتا ہے جو قرآن واحادیث سے ثابت ہو۔ اور خلاف شرع اس کو ٹھہراتا ہے جو نصوص سے ثابت ہو اور بدعت اس کو کہتا ہے جو دلائل شرع سے مستفاد ہو۔ اور واجب الترک اس کو قرار دیتا ہے جو برا ہین اسلام سے ثابت ہو رہا ہو۔ لہذا یہ مجیب نہ تو رسم ورواج کی تعریف کو جانتا ہے۔ نہ خلاف شرع کے معنی سمجھتا ہے۔ نہ بدعت کو پہچانتا ہے۔ نہ واجب الترک کے مفہوم سے واقف ہے۔ اور ان تمام امور کا

الزام صرف اس مجیب ہی پر نہیں ہے کہ یہ تو ناقل ہے ہے بلکہ اصل الزام فتاوی دار العلوم پر جس سے یہ مجیب نقل کر رہا ہے، یہاں تک تو فتاوی دار العلوم کی جہالات تھیں۔

اب یہ مجیب اس کے بعد کہتا ہے

کھڑے ہو کر سلام پڑھنا نہ کسی حدیث سے ثابت ہے اور نہ کسی آیت سے۔ بالکل ناجائز ہے۔

مجیب کا یہ قاعدہ (کہ جو شئی کسی آیت یا حدیث سے صراحۃ ثابت نہ ہو وہ بالکل ناجائز ہے) نہ تو کسی آیت کا مفہوم ہے نہ کسی حدیث کا مضمون ہے۔ نہ سلف وخلف میں سے کسی کا قول ہے نہ شریعت میں اس کا کہیں پتہ چلتا ہے۔ بلکہ یہ خود ساختہ قاعدہ دیوبندی قوم ہی کا ہے جس کو ہمارے مقابلہ میں تو استعمال کر لیا کرتے ہیں اور خود یا تو اس کو غلط مانتے ہیں یا ناقابل عمل جانتے ہیں، چنانچہ اس دیوبندی قوم کے پیشوا گنگوہی جی کا فتاوی رشیدیہ ہی دیکھو وہ کہتے ہیں۔

سوال: کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرانا قرون ثلثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں؟۔

جواب: قرون ثلثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اس کی اصل شرع سے ثابت ہے۔ بدعت نہیں فقط۔

سوال: ۳۱۔ بعض بعض صوفی قبور اولیا پر چشم بند بیٹھتے ہیں اور سورۂ الم نشرح پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا سینہ کھلتا ہے اور ہم کو بزرگوں سے فیض ہوتا ہے۔ اس بات کی کچھ اصل بھی ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ اس کی بھی اصل ہے اس میں کوئی حرج نہیں اگر بہ نیت خیر ہے فقط واللہ تعالی اعلم۔

(فتاوے رشیدیہ دہلی ص ۱۱/ج ۱)

نیز اسی میں ہے۔

سوال:۔ ۲۵۔ صوفیہ کرام کے یہاں جو اکثر اشغال واذکار مثل رگ کیماس کا پکڑنا اور ذکر ارہ اور حلقہ بر قبور نہیں بلکہ ویسے ہی دم وغیرہ جو قرون ثلثہ سے ثابت نہیں بدعت ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ اشغال صوفیہ بطور معالجہ کے ہیں سب کی اصل نصوص سے ثابت ہے۔ جیسا اصل علاج ثابت ہے مگر شربت بنفشہ حدیث صریح سے ثابت نہیں ایسا ہی اذکار کی اصل ہیئت ثابت ہے جیسا توپ بندوق کی اصل ثابت ہے اگرچہ اس وقت میں نہ تھی سو یہ بدعت نہیں۔

(زفتاوی رشیدیہ دہلی ص ۱۰ اج ۱)

ان جوابات میں (۱) ختم بخاری شریف (۲) قبور اولیا پر آنکھیں بند کر کے بیٹھنا اور اس سے انشراح صدر کا ہونا اور صاحب قبر سے فیض کا ہونا (۳) اشغال صوفیہ (۴) اذکار اولیا (۵) رگ کیاس کا پکڑنا (۶) ذکر ارہ (۷) حبس دم (۸) شربت بنفشہ (۹) توپ (۱۰) بندوق۔ یہ دس چیزیں آیات واحادیث صریحہ سے ثابت نہیں مگر یہ ناجائز وبدعت نہیں بلکہ درست ہیں ان میں کوئی حرج نہیں ان کی اصلیں ثابت ہیں۔

مجیب صاحب کہئے! اب آپ کا وہ قاعدہ وحکم صحیح ہے یا گنگوہی صاحب کے یہ احکام۔ اگر آپ کا ہی وہ قاعدہ وحکم صحیح ہے تو ان گنگوہی صاحب پر پہلے سخت بدعتی اور گمراہ ہونے کا فتوی صادر کیجئے۔ اور اگر گنگوہی صاحب کے یہ احکام صحیح ہیں تو اپنے اس قاعدہ وحکم کے غلط وباطل ہونے کا اعتراف کیجئے۔ پھر مجیب کے اس قاعدہ وحکم کے خلاف اس کی قوم کا عمل بھی دیکھئے۔

(۱) عربی مدارس کا جاری کرنا۔ (۲) ان کے لئے پختہ خوبصورت عمارتیں بنوانا (۳) دارالحدیث کے نام سے علیحدہ عمارت بنانا۔ (۴) تقسیم درجات کرنا۔ (۵) نصاب معین کرنا (۶) جمعہ کو چھٹی دینا۔ (۷) شعبان میں امتحان کرانا۔ (۸) دستار بندی کے جلسے کرنا۔ (۹) رمضان میں تعطیل دینا۔ (۱۰) کتب خانہ جمع کرنا۔ (۱۱) مدرسین کی تنخواہ مقرر کرنا۔ (۱۲) منطق وفلسفہ وریاضی وغیرہ داخل درس (۱۳) ہر سبق کے لئے وقت مقرر کرنا۔ (۱۴) ایک خاص نصاب کے بعد سند دینا۔ (۱۵) مساجد کو نقش ونگار کے ساتھ بنانا (۱۶) ان میں اوقات نماز کے نقشے لگانا۔ (۱۷) نمازوں کے اوقات مقرر کرنا۔ (۱۸) امامت کی تنخواہ لینا۔ (۱۹) رمضان میں سحر وافطار کے نقشے شائع کرنا۔ (۲۰) افطار وسحری کے لئے نقارے اور گھنٹیاں بجانا۔ (۲۱) کلام اللہ کا مع ترجمہ واعمال کے چھاپنا۔ (۲۲) احادیث کو مع ترجمہ کے شائع کرانا۔ (۲۳) دار المبلغین تیار کرانا۔ (۲۴) دار الافتاء کی عمارت بنانا۔ (۲۵) اس میں مفتیوں کو ملازم رکھنا۔ وغیرہا اعمال جو آیات واحادیث صریحہ سے ثابت نہیں لیکن کوئی دیوبندی نہ ان باتوں کو ناجائز کہتا ہے نہ بدعت بلکہ انہیں ایسا دینی کام بتاتا ہے کہ ان کے لئے چندہ جمع کرتا ہے۔ بالجملہ یہ ثابت ہو گیا کہ مجیب کا یہ قاعدہ۔ (کہ جو شی کسی آیت وحدیث سے صراحۃ ثابت نہ ہو وہ بالکل ناجائز ہے) خود دیوبندی قوم کے احکام واعمال کے لحاظ سے بھی غلط اور باطل ہے۔ بلکہ خود مجیب کے نزدیک بھی غلط ہے ورنہ ان سب امور کے بالکل ناجائز ہونے کا فتوی دے۔ اب باقی رہا کھڑے ہو کر سلام پڑھنا اس کی ممانعت نہ کسی آیت سے ثابت نہ کسی حدیث سے۔ بلکہ قرآن کریم میں اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ان الله وملئكته يصلو ن على النبى يا يها الذين امنو اصلو اعليه و سلمو اتسليما ۔

(پ۲۲ع۴)

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی پر اے ایمان والو ان پر تم دورد بھجو اور خوب سلام بھیجو۔

دارمی شریف ونسائی شریف میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان لله ملا ئكة سيا حين فى الارض يبلغو نى من امتى السلام

(مشکوۃ شریف مطبوا صح المطابع ص ۸۶)

بیشک اللہ تعالی کے کچھ فرشتے ہیں جو زمین پر سیر کرنے والے ہیں وہ مجھ کو میری امت کی طرف سے سلام پہونچاتے ہیں۔

اسی دارمی شریف ونسائی میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی:

ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جاء ذات يوم والبشر فى وجهه فقال انه جاء نى جبر يل فقال ان ربك يقو ل اما ير ضيك يا محمد ان لا يصلى عليك احدمن امتك الا صليت عليه عشر اولا يسلم عليك احد من امتك الا سلمت عليه عشرا۔

(مشکوۃ شریف مطبع اصح المطابع ص ۸۶)

بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے اور چہرۂ پاک میں آثار بشاشت نمایاں تھے۔ فرمایا میرے پاس حضرت جبریل آئے اور عرض کی کہ بے شک آپ کا رب فرماتا ہے: اے حبیب کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری امت سے تم پر جو کوئی درود بھیجے گا تو میں اس پر دس بار بھجونگا اور تمہاری امت سے جو کوئی تم پر سلام بھیجے گا تو میں اس پر دس بار سلام بھیجونگا۔

اس آیت کریمہ اور ہر دو احادیث مین حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام پڑھنے کا حکم ہے۔ اور ان میں سلام کے ساتھ کہیں بیٹھ کر پڑھنے کی قید ذکر نہ فرمائی گئی تو ثابت ہوا کہ آیت واحادیث میں سلام پڑھنے کا حکم مطلق ہے جو بیٹھ کر پڑھنے اور کھڑے ہو کر پڑھنے ہر دو کو شامل ہے۔ اور اگر سلام کھڑے ہو کر پڑھنا ممنوع ہوتا تو اس میں ممانعت مذکور ہوتی، اور جب آیت وحدیث میں اس کی ممانعت نہیں تو اس کوئی ممنوع کو نہیں کر سکتا ہے۔ نیز سلام اکثر مقامات میں کھڑے ہو کر ہی پڑھا جاتا ہے اسکا حکم کتب فقہ میں مذکور ہے۔

فتاویٰ عالمگیر میں ہے:

ويقف كما يقف فى الصلاة و يمثل صورته الكريم البهية كانه قائم فى لحده عالم به يسمع كلامه كذافى الاختيار شرح المختارثم يقول السلام عليك يا نبى الله ورحمة الله وبركاته۔ (عالمگیری مطبع مجیدی ص۱۳۶ج۱)

اور کھڑا ہو جس طرح کہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔اور آپ کی صورت مبارکہ کا ایسا نقشہ جمائے کہ گویا حضور قبر اطہر میں آرام فرمارہے ہیں اس کو جان رہے ہیں اس کا کلام سن رہے ہیں اسی طرح اختیار شرح مختار میں ہے، پھر کہے تم پر سلام ہوائے اللہ کے نبی اور اللہ کی رحمت وبرکت۔

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:

ثم تنهض متوجها الى القبر الشريف فتقف بمقدار اربعة اذرع بعيدا عن المقصورة الشريفة بغاية الادب مستدبرا القبلة محاذيا لراس النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ووجهه الاكرم ملاحظا نظره السعيد اليك وسماعه كلامك ورده عليك سلامك وتامينه على دعائك وتقول السلام عليك يا سيدى يا رسول الله، السلام عليك يا نبى الله، السلام عليك يا نبى الرحمة، السلام عليك يا شفيع الامة ،،السلام عليك يا سيد المرسلين، السلام عليك يا خاتم النبيين، السلام عليك يا مزمل ،السلام عليك يا مدثر الخ۔

(حاشیہ طحطاوی ص۴۳۲)

پھر قبر اطہر کی طرف متوجہ ہوکر کھڑا ہواور گنبد اقدس سے بمقدار چار گز کے فاصلے پر انتہائی ادب کے ساتھ قبلہ کو پشت کر کے سراقدس اور چہرۂ انور کے سامنے کھڑا ہواور ملحوظ رکھے کہ حضور تیری طرف دیکھ رہے ہیں اور تیرے کلام کو سن رہے ہیں اور تیرے سلام کا جواب دے رہے اور تیری دعا پر آمین فرما رہے ہیں اور عرض کر تم پر سلام ہوائے میرے سردار اے اللہ کے رسول۔تم پر سلام ہوائے اللہ کے نبی۔تم پر سلام ہوائے اللہ کے حبیب۔تم پر سلام ہوائے رحمت کے نبی۔تم پر سلام ہوائے امت کے شفاعت کرنے والے۔تم پر سلام ہوائے رسول کے سردار۔تم پر سلام ہوائے نبیوں کے خاتم۔تم پر سلام ہوائے مزمل۔تم پر سلام ہوائے مدثر۔

اسی طرح خطبۂ اور وعظ میں صلاۃ وسلام کھڑے ہوکر پڑھا جاتا ہے۔درمختار نے بعد اذان سلام کہنا لکھا تو وہ بھی تو کھڑے ہوکر ہی کہا جاتا ہے تو مجیب کا یہ کہنا کہ (کھڑے ہوکر سلام پڑھنا بالکل ناجائز

ہے) کس قدر غلط اور باطل ہے۔

اب رہا محفل میلا دشریف میں کھڑے ہوکر سلام پڑھنا تو یہ اوپر مفصل گذرا کہ محفل میلا دشریف قیام عظمت ذکر قدوم اور محبت ومسرت کے لئے ہے تو یہ کھڑا ہونا محض سلام پڑھنے ہی کی غرض سے نہیں ہوتا ۔باوجودیکہ محض سلام پڑھنے کی غرض سے کھڑا ہونا بھی ممنوع وناجائز نہیں جیسا کہ ان عبارات میں گذرا۔لہذا جب فقہ کی کتابوں سے یہ ثابت ہو چکا تو جہاں قیام اور کھڑا ہونا اور اغراض کے لئے ہوتو اس میں سلام پڑھنا کس بنا پر ناجائز ہے تو مجیب اس کے ثبوت پر کوئی دلیل شرعی پیش کرے ورنہ اپنی غلطی کا اعتراف کرے۔

بالجملہ اس مجیب نے سلام پڑھنے کو ناجائز قرار دے کر خود آیت وحدیث کی مخالفت کی پھر مجیب کو جب اس پر بھی صبر نہ آیا تو آگے لکھتا ہے

جو لوگ اہتمام سے کھڑے ہوکر سلام پیش کرتے تھے غلط کرتے تھے یہ طریقہ صحیح نہیں۔

مجیب کا یہ قول غلط۔فتوے غلط۔مسلک غلط۔مذہب غلط۔طبیعت غلط۔فہم غلط۔نظر غلط۔تو اسکو تو ہر چیز غلط ہی نظر آئے گی۔حتی کہ صحیح بھی غلط ہی معلوم ہوگا۔اسی بنا پر ساری امت کو غلطی پر متفق مانا کہ علامہ سید احمد عابدین نے شرح مولد ابن حجر میں فرمایا۔

وقد وجد القيام عند ذكر اسمه الشريف من عالم الامة ومقتدى الائمة دينا وورعا الامام تقى الدين السبكى وتابعه على ذلك مشائخ الاسلام فى عصره قال الشامى والداودى اتفق ان منشدا انشد قصيدة ذى المحبة الصادقة حسان زمانه ابى زكريا يحيى الصرصرى اللتى منها قوله فى مدح النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

قليل لمدح المصطفى الخط بالذهب — على فضة من خط احسن من كتب

وان تنهض الاشراف عند سماعه — قياما صفوفا او جثيا على الركب

اما الله تعظيما له كتب اسمه — على عرشه يا رتبة سمت الرتب

وكان ذلك وقت ختم درسه والقضاة والاعيان بين يديه فلما وصل المنشد الى قوله وان تنهض الاشراف عند سماعه الى آخر البيت نهض الشيخ للحال قائما على قدميه امتثالا لما ذكره الصرصرى وقام جميع من بالمجلس وحصل للناس ساعة طيبة وآنس كبير بذلك ذكر ذلك ولده شيخ الاسلام ابو نصر عبد الوهاب فى ترجمته من

الطبقات الکبری قال فی انسان العیون بعدذکر ذلک ویکفی مثل ذلک فی الاقتداء اقول لم تزل علیہ المواظبة من العلماء الاعلام والمشائخ الکرام بقصد تعظیم من للانبیاء ختام علیہ وعلیہم افضل الصلاۃ واتم السلام ۔۔

(جواہر البحار مطبوعہ بیروت ص ۱۱۴۴/ج ۳)

اور حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اسم شریف کے ذکر کے وقت قیام امت کے اس عالم نے کیا جو دین وتقوی میں اماموں کا پیشوا امام تقی الدین سبکی ہے۔ اور اس قیام میں ان کے زمانہ کے مشائخ اسلام نے ان کا اتباع کیا علامہ شامی اور داوودی نے فرمایا کہ واقعہ یہ ہوا کہ ایک قصیدہ ایک نعت خواں نے پڑھا جس کو سچے عاشق اپنے زمانہ کے حسان ابوزکریا یحیی صرصری شاعر نے لکھا جس کے نعت رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میں بعض اشعار یہ ہیں۔ مدح مصطفے صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لئے یہ بھی کم ہے کہ جو سب سے اچھا خوش نویس ہو اس کے ہاتھ سے چاندی کے پتر پر سونے کے پانی سے لکھی جائے۔ اور جو شرف دینی رکھتے ہیں وہ اس نعت کو سن کر صف باندھ کر سروقد یا گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جائیں۔ دیکھو آگاہ ہو کہ اللہ نے ان کا نام اپنے عرش پر ان کی عظمت کے لئے لکھا۔ اے رتبوں کے واقف کار۔ اور یہ وقت ختم مجلس کا تھا اور قاضی اور اراکین سلطنت سامنے تھے تو جب وہ نعت خواں اس شعر کو پڑھنے لگا کہ اشراف نعت کو سن کر صف بہ صف کھڑے ہو جائیں تو حضرت امام سبکی فوراً اپنے قدموں پر امام صرصری کے امتثال امر کی بنا پر کھڑے ہو گئے اور تمام حاضرین مجلس نے بھی قیام کیا اور اس کی وجہ سے مجلس میں اس وقت نہایت انس حاصل ہوا۔

اس کو ان کے صاحبزادے شیخ الاسلام ابونصر عبدالوہاب نے ان کے تذکرے میں طبقات کبری میں ذکر کیا اور انسان العیون نے اس ذکر کے بعد فرمایا یہ پیروی کے لئے کفایت کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اسی پر علماء اعلام اور مشائخ کرام نے اس ذات پاک کی تعظیم کے لئے ہمیشگی کی۔ جو حضرات انبیاء کے لئے خاتم ہیں ان پر اور ان سب پر بہترین صلاۃ اور کامل ترین سلام نازل ہو۔

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت امام سبکی علیہ الرحمہ جو اپنے زمانہ میں اہل علم وفضل کے پیشوا اور اصحاب زہد وتقوی کے مقتدا تھے جن کی ولادت ۶۸۳ھ کی ہے انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے نام پاک پر قیام کیا اور ان کے اتباع میں علماء ومشائخ نے اور تمام اہل مجلس نے قیام کیا ۔ پھر ہر زمانہ اور قرن میں علمائے کرام ومفتیان عظام ومشائخ ذوی الاحترام نے محفل میلاد شریف بوقت

ذکر ولادت قیام کیا۔ تو یہ قیام تقریبا سات صدی کے مسلمانوں کا وہ عمل ہے جس کو انہوں نے ہمیشہ مستحب و مستحسن جان کر کیا تو یہ عند اللہ بھی حسن قرار پایا کہ حدیث شریف میں ہے جسے حضرت امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا۔ ما رآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن ۔

(کنوز الحقائق مصری ص ۱۵۷/ج ۲)

مسلمان جس چیز کو اچھا جانیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

تو حدیث شریف جب مسلمانوں کے اس فعل کو حسن قرار دے تو وہ اس مفتی کے حکم سے غلط اور غیر صحیح کس طرح ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ گمراہ مفتی سات صدی کے تمام علماء ومشائخ اور ساری امت مرحومہ کو بدعتی وگمراہ ٹھہراتا ہے۔ اور ساری امت نہ کسی غلطی پر جمع ہو سکتی اور نہ غیر صحیح طریقہ کو اختیار کر سکتی ہے نہ گمراہی پر اتفاق کر سکتی ہے۔ کہ خود آقا ومولی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں جس کو ترمذی شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

لا یجمع امتی ای امة محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم علی ضلالة وید اللہ علی الجماعة ومن شذ شذ فی النار ۔

(مشکوۃ شریف مجتبائی ص ۳۰)

میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی اور اللہ تعالی کا دست قدرت جماعت پر ہے۔ اور جو تنہا ہو وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

لہذا یہ مجیب خود ہی گمراہ اور بدعتی ہے اور سات صدی کا یہ عمل مسلمین یعنی قیام محفل میلاد شریف بلاشبہ صحیح ہے اور مجیب کا اس کو غلط اور باطل کہنا غلط اور باطل ہے۔ پھر یہ مجیب اس کے آگے لکھتا ہے،

اگر کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے ہیں یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ آپ تشریف لاتے ہیں یا آپ کی روح حاضر ہوتی ہے، تو نہ آپ تشریف لاتے ہیں نہ آپ کی روح حاضر ہوتی ہے تشریف آوری کے دعوے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور نہ کوئی آیت اور نہ کوئی حدیث ہے کہ جس سے ثابت ہو۔ کوئی دیکھتا نہیں پھر کہاں سے معلوم ہوا کہ آپ تشریف لاتے ہیں۔ یہ آپ پر محض افترا ہے ۔ من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار الحدیث ۔ جس طرح کسی نہ کہے ہوئے قول کو آپ کی طرف منسوب کرنا حرام ہے اسی طرح نہ کیا ہوا فعل آپ کی طرف منسوب کرنا حرام ہے۔

مجیب صاحب میلاد شریف میں بوقت سلام حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تشریف آوری

یاروح پاک کا حاضر ہونا اہلسنت کا عقیدہ تو نہیں ہے، خواص کا تو کیا ذکر عوام تک کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ ہر میلاد شریف میں بوقت قیام وسلام حضور کی تشریف آوری ہوتی ہے اور اسی بنا پر سلام وقیام کیا جاتا ہے ۔لیکن بلا اعتقاد اگر کوئی شخص بوقت سلام کے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تشریف لانے یاروح پاک کے حاضر ہونے کو ممکن جانے تو اس پر کیا الزام ہے اور اس میں کون سا استحالہ شرعی یا عقلی لازم آتا ہے

مجیب عدم تشریف آوری کے دعوے پر نہ کوئی دلیل پیش کر سکا۔ نہ کوئی آیت وحدیث نقل کر سکا ۔نہ آئندہ وہ کوئی دلیل پیش کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے خلاف پر بکثرت دلائل موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی انتباہ الاذکیاء میں فرماتے ہیں:

النظر فی اعمال امته والاستغفار لهم من السیئات والدعاء بکشف البلاء عنهم والتردد فی اقطار الارض لحلول البرکة فیها وحضور جنازة من مات من صالحی امته فان هذه الامور من جملة اشغاله فی البرزخ کما وردت بذلك الاحادیث والآثار۔

(انتباہ الاذکیاء مطبوعہ دائرۃ المعارف ہند ص۱۴)

اپنی امت کے اعمال میں نظر کرنا اور ان کے لئے گناہوں سے مغفرت طلب کرنا اور ان سے بلاؤں کے دفع ہو جانے کی دعا کرنا اور اطراف زمین میں نزول برکت کے لئے چلنا پھرنا اور جو صالحین امت سے مرجائے اس کے جنازہ پر حاضر ہونا تو یہ سب کام برزخ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشاغل میں سے ہیں جیسا کہ اس میں احادیث وآثار وارد ہوئے۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ''در الثمین فی مبشرات النبی الامین'' میں فرماتے ہیں:

الحدیث السابع عشر۔ اخبرنی سیدی الوالد قال اخبرنی شیخی السید عبد الله القاری قال حفظت القرآن علی قاری زاهد کان لکن فی البریة فبینا نحن نتدارس القرآن اذجاء قوم من العرب یقدمهم سیدهم فاستمع قرأة القاری وقال بارك الله ارایت حق القرآن ثم رجع وجاء رجل آخر بذلك الزی فاخبر ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اخبرهم البارحة انه سیذهب الی البریة الفلانیة لاستماع قرأة القاری هناك فعلمنا ان السید الذی کان یقدمهم هو النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال وقد رأیته بعینی هاتین

(در الثمین مطبوعہ دہلی ص۶)

سترہویں حدیث مجھے میرے سردار والد صاحب نے خبر دی کہا خبر دی مجھے میرے شیخ نے انہوں نے کہا کہ میں نے قرآن کریم قاری زاہد سے یاد کیا وہ بیابان میں رہتے تھے اس اثنا میں کہ ہم قرآن شریف کا دور کر رہے تھے کہ ایک عرب کی قوم آئی اور اس کا سرداران کے آگے تھا انہوں نے قاری صاحب کی قرات سنی اور اس سردار نے فرمایا اللہ تعالیٰ برکت دے تو نے قرآن کریم کا حق ادا کر دیا پھر وہ تشریف لے گئے اور ایک اور شخص اسی شان میں آیا تو اس نے خبر دی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں گذشتہ شب خبر دی تھی کہ حضور فلاں بیاباں میں قاری صاحب کی قرات سننے کے لئے تشریف لے جائیں گے تو ہم نے جان لیا کہ جو سردار قوم آگے تھے وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے اور کہا کہ میں نے ان کو دیکھا ہے اپنی دونوں آنکھوں سے۔

بہجۃ الاسرار میں بسند متصل حضرت ابوالحسن نورالدین اس کی روایت کرتے ہیں:

یقول ابو سعد القیلوی رضی الله عنه رایت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وغیره من الانبیاء صلوات الله علیهم فی مجلس الشیخ عبد القادر غیر مرة۔ وان ارواح الانبیاء لتجول فی السموات والارض جولان الریاح فی الآفاق۔

(بہجۃ الاسرار مصری ص۹۵)

حضرت ابوسعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور آپ کے سوا اور انبیاء علیہم السلام کو شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بہت سی مرتبہ دیکھا اور بے شک انبیاء کی روحیں چلتی پھرتی ہیں۔ جیسے ہوائیں عالم میں چلتی ہیں۔

اسی بہجۃ الاسرار میں بسند متصل دوسرے واقعہ کی روایت کرتے ہیں۔

یقول الشیخ بقا بن بطور رضی الله عنه مجلس الشیخ عبد القادر رضی الله عنه مرة فبینا هو یتکلم علی المرقاة الثانیة فاشهدت ان المرقاة الاولیٰ قد اتسعت حتی صارت مد البصر وفرشت من السندس الاخضر وجلس علیها رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وابو بکر وعمر وعثمان وعلی رضی الله عنهم وتجلی الحق سبحانه علی قلب الشیخ عبد القادر فمال حتی کاد یسقط فامسکه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لئلا یقع۔

(بہجۃ الاسرار مصری ص۹۷، ۹۸).

شیخ بقارضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ایک مرتبہ حاضر ہوا۔اس اثنا میں کہ حضور دوسری سیڑھی پر وعظ فرمارہے تھے میں نے دیکھا کہ پہلی سیڑھی کشادہ ہوئی اور سبز سندس کا فرش بچھا اس پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم نے جلوس فرمایا اور اللہ سبحانہ نے حضور غوث پاک کے قلب پر تجلی ڈالی تو حضور غوث پاک جھومنے لگے یہاں تک کہ گرنے کے قریب ہوگئے تو ان کو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گرنے سے روک لیا۔

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں فرماتے ہیں:

اولیا وانبیاء احیاء باجساد واموات بارواح وجن وملائکہ در مجلس او حاضر می شدند وحضرت حبیب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واٰلہ اجمعین نیز از برائے تربیت وتائید تجلی می فرمودند وخضر علیہ السلام اکثر اوقات از حاضران مجلس شریف می بود۔ (اخبار الاخیار مجتبائی ص ۱۳)

اولیا اور انبیاء زندہ تو جسموں کیساتھ اور اموات روحوں سے اور جنات اور فرشتے حضور غوث پاک کی مجلس میں حاضر ہوتے اور حبیب حق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی تربیت وتائید کے لئے تجلی فرماتے اور حضرت خضر علیہ السلام تو مجلس کے زیادہ حاضر باشوں میں سے ہیں۔

ان عبارات سے نہایت روشن طور پر ثابت ہوگیا کہ حضرات انبیاء کرام اور ارواح زمین وآسمان میں ہوا کی طرح چلتے اور جولانی فرماتے ہیں اور اعمال امت کو ملاحظہ فرماتے ہیں خصوصا ہمارے آقا ومولی سید انبیاء محبوب کبریا محمد مصطفے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے اعمال واحوال کو ملاحظہ فرماتے ہیں ان کے لئے استغفار کرتے اور دفع بلا کی دعا فرماتے ہیں۔اور اقطار زمین میں دورہ کرتے ہیں اور صالحین کے جنازہ پر تشریف لاتے ہیں اور زاہد قاری کا قرآن کریم سننے کے لئے اس جنگل میں تشریف لائے اور حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی مجلس وعظ میں چند بار تشریف لائے۔یہ چند عبارات بخیال اختصار پیش کیں ورنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مجالس ذکر میں تشریف آوری کے کثیر واقعات معتبر کتب سے پیش کئے جاسکتے ہیں تو ان اکابر دین کے اقوال کے مقابل اس مجیب کا قول غلط اور باطل ہے۔مجیب عدم تشریف آوری کے دعوے پر کوئی دلیل پیش نہ کرسکا۔لیکن عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے وہ یہ کہتا ہے کہ کوئی انہیں دیکھتا نہیں مجیب نے یہ عجیب دلیل پیش کی۔اس عقل کے دشمن سے پوچھو کر اما کاتبین۔حفظہ ہر وقت ساتھ رہتے یہاں ان کا صبح وشام آنا جانا ہوتا ہے؛۔حضرت ملک الموت اور ان

کے اعوان بوقت قبض روح آتے ہیں تو کیا انہیں کوئی ان آنکھوں سے دیکھتا ہے۔مجیب کیا ان کے لئے بھی یہی کہدیگا کہ اگر یہ فرشتے آتے ہوتے تو کوئی تو انہیں دیکھتا اور جب انہیں کوئی دیکھتا ہی نہیں تو ثابت ہوگیا کہ یہ فرشتے ہمارے ساتھ رہتے ہی نہیں۔بلکہ یہ مجیب اگر ہر موجود کے لئے آنکھوں سے نظر آنا ضروری قرار دیتا ہے تو وہ بہت سے اسلامی عقائد کا منکر ٹھہرے گا۔مجیب آنکھیں کھول کر دیکھے،ابھی بہجۃ الاسرار سے منقول ہوا کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی مجلس وعظ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت ابو سعد علیہ الرحمہ نے چند بار دیکھا اور حضرت شیخ بقا علیہ الرحمہ نے مع خلفا کے دیکھا۔مجیب میں اگر جرأت ہے تو ان کے دیکھنے کو نہ دیکھنا ثابت کرے۔حضرت شیخ بقا سے اس دیکھنے کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کا جواب دیا اس کو اسی بہجۃ الاسرار میں اس عبارت کے بعد لکھا۔

سئل الشیخ بقا عن رویتہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واصحابہ رضی اللہ عنہم فقال اروا حھم تشکلت ان اللہ تعا لی اید ھم بقوۃ یظھرون بھا فیراھم من قواہ اللہ تعالی لرویتھم فی صورۃ الاجساد وصفا ت الاعیا ن بدلیل حدیث المعراج۔

(بہجۃ الاسرار مصری ص ۹۸)

حضرت شیخ بقا سے حضور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کی روایت کے متعلق سوال کیا گیا تو جواب دیا کہ ان کی روحیں متشکل ہوتی ہیں اور بیشک اللہ تعالی ان کی ایسی قوت سے تائید فرماتا ہے جس سے وہ ظاہر ہوتے ہیں تو اللہ تعالی نے جسے ان کی صورت اجساد اور صفات اعیان میں دیکھنے کی قوت دی ہے تو وہ ان کو دیکھتا ہے بدلیل حدیث معراج۔

علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں اور علامہ زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

اربا ب القلوب فی یقضتھم یشا ھد ون الملا ئکۃ وارو ح الانبیا ء ویسمعون منھم اصواتا ویقتبسو ن منھم فوا ئد ثم یر تقی الحا ل من مشاھدۃ الصو روالا مثا ل الی درجات یضیق عنھا نطا ق النطق۔

(زرقانی مصری ص ۲۹۷ ج ۵)

اہل دل اپنی بیداری میں فرشتوں اور انبیاء کرام کی روحوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔اور ان کی آوازوں کو سنتے ہیں اور ان سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔پھر ان کا حال مشاہدہ صورت وامثال میں ایسے درجوں تک ترقی کرتا ہے جو احاطہ بیان سے باہر ہے۔

عارف صمدانی قطب ربانی سید عبدالوہاب شعرانی میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں:

قد بلغنا عن الشيخ ابی الحسن الشاذلی وتلميذه الشيخ ابی العباس المرسی وغيرهما انهم كانوا يقولون لو احتجبت عنا رؤية رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم طرفة عين ما اعددنا انفسنا من جملة المسلمين۔ (میزان مصری ص ۱/۴۱)

ہمیں شیخ شاذلی اور ان کے شاگرد شیخ ابوالعباس اور دیگر اولیا سے یہ روایت پہونچی کہ وہ کہتے تھے اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار پلک مارنے کی مقدار ہم سے محجوب ہوجائے تو ہم اپنے آپ کو مسلمانوں میں سے شمار نہ کریں۔

ان عبارات سے ثابت ہوگیا کہ اولیاء کرام فرشتوں اور ارواح انبیاء علیہم السلام کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان کی آوازیں سنتے ہیں، ان سے کسب فیوضات کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض کو ہر وقت رویت جمال کی دولت میسر ہوتی ہے، بالجملہ ان کے دیکھنے کی اللہ تعالیٰ جس آنکھ کو قوت دیتا ہے وہی آنکھ ان کو دیکھتی ہے ہر کس وناکس کو یہ رویت حاصل نہیں ہوتی۔ تو یہ مجیب عدم تشریف آوری کے دعوی میں خود کاذب ومفتری قرار پایا اور وہ اپنی اس حدیث من کذب علی متعمدا کو پڑھ کر خود اپنے اوپر دم کرلے اور حرام کا مرتکب خود اپنے آپ کو قرار دے۔ پھر مجیب کا یہ قول

(نیز اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اگر ایک وقت کئی جگہ محفلیں منعقد ہوں تو آیا سب جگہ تشریف لے جائیں گے یا کہیں کہیں۔ یہ ترجیح بلا مرجح ہے کہ کہیں جائیں کہیں نہ جائیں اگر سب جگہ جائیں تو وجود واحد ہے ہزاروں جگہ کس طرح جاسکتے ہیں یہ تو خدا تعالیٰ کی شان ہے)

انتہائی جہالت پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب مجیب کو عدم تشریف آوری کے دعوے پر کوئی دلیل شرعی نہ مل سکی تو اپنے معتقدین کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے یہ عقلی استحالہ پیش کرتا ہے کہ ایک وقت میں کئی محفلیں منعقد ہوتی ہیں تو تشریف آوری کے دو پہلو ہیں، ایک یہ ہے کہ حضور کہیں جائیں اور کہیں نہ جائیں تو اس میں ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔ مجیب اس پہلو کے بطلان پر کوئی آیت وحدیث تو پیش نہ کرسکا اور نہ ہی سلف وخلف کا کوئی قول نقل کرسکا تو اپنی مجبوری اور بے مائیگی کا ان الفاظ میں اظہار کرتا ہے کہ یہ ترجیح بلا مرجح ہے۔ مجیب پہلے تو یہ بتائے کہ ترجیح بلا مرجح دلائل شرع سے کس دلیل کے تحت میں داخل ہے۔ اور اس سے کس شی کی کراہت ثابت ہوتی ہے، آیا حرمت یا کفر ثابت ہوتا ہے یا شرک؟ اور مرجح کی کیا تعریف ہے؟ اور مرجح کا دلائل شرع سے ہونا ضروری ہے یا صرف عقلیات سے ہونا کافی ہے؟۔ پھر

یہ مرجح افادہ اباحت کا کرے گا یا استحباب ووجوب کا؟۔ علاوہ بریں کہیں تشریف فرما ہونے پر جب مرجح موجود ہو تو ترجیح بلا مرجح کس طرح لازم آئے گی؟۔ دیکھو درود شریف سب اہل اسلام پڑھتے ہیں عربی بھی اور عجمی بھی۔ اہل محبت بھی غیر اہل محبت بھی۔ قریب والے بھی اور بعید والے بھی۔ لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل محبت کے درود کو خود سنتے ہیں۔ اس حدیث شریف کو حضور سیدی محمد بن سلیمان جزولی نے اپنی مشہور کتاب دلائل الخیرات میں نقل کیا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اسمع صلاة اهل محبتی واعرفهم وتعرض علی صلوة غيره عرضا۔

(دلائل الخیرات مصری ص ۲۳)

میں اپنے اہل محبت کے درود کو خود سنتا ہوں اور انہیں پہچانتا ہوں اور ان کے سوا اور لوگوں کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

لہذا جس طرح محبت والفت خود حضور کے سماع کے لئے مرجح ہے اسی طرح محبت وشوق اخلاص ونیازمندی حضور کے کہیں تشریف فرما ہوجانے کے لئے بھی مرجح ہوسکتی ہے۔

چنانچہ انتباہ الاذکیا میں گذرا کہ صالحین کے جنازے پر حضور کے تشریف فرما ہونے کے لئے ان کا صلاح مرجح ہے۔ اور درثمین میں گذرا کہ زاہد قاسری کے قرآن سننے کے لئے حضور کا جنگل میں تشریف فرما ہونے کے لئے اس کا زہد واخلاص مرجح۔ حضور غوث پاک کی مجلس عظمی میں تشریف فرما ہونے کے لئے بانی مجلس کی محبت یا بعض سامعین کا جذبہ شوق یا ذاکر مجلس کا اخلاص ونیازمندی حضور کی تشرف آوری کے لئے مرجح ہوسکتی ہے، تو حضور کے کہیں تشریف فرما ہونے کے لئے جب یہ مرجح موجود ہوں تو وہاں ترجیح بلا مرجح کس طرح لازم آئے گی۔ پھر اگر اس سے بھی قطع نظر کیجیے تو خود سرکار کا کرم جس غلام کو چاہے نوازدے۔ حضور اپنی رحمت سے جس نیازمند کے مکان میں چاہیں تشریف فرما ہوجائیں ان کے کرم ان کی نظر رحمت کے لئے کب کسی مرجح کی ضرورت ہے۔ اگر مجیب کی یہی جہالت ہے تو وہ بعض گنہگاروں کی مغفرت کا بھی قائل نہ ہوگا۔ اور مغفرت ومشیت الٰہی کے لئے بھی مرجح کی ضرورت لازم جانتا ہوگا اور مغفرت وشفاعت بعض عصاۃ کو ترجیح بلا مرجح کہہ کر انکار کرتا ہوگا۔ حقیقت یہ کہ جب کوئی غلط بات کی حمایت کرتا ہے تو اس کو اسی طرح ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں اور اس کو ایسی پر از جہالت گفتگو کرنی پڑتی ہے بالجملہ یہ تو اس کے ایک پہلو کا جواب تھا۔ مجیب کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر ایک وقت میں سب جگہ جائیں اور ہر محفل میلاد میں شرکت فرمائیں تو وجود واحد ہزاروں جگہ کس

طرح جاسکتا ہے مجیب کا یہ پہلو بھی بہت زیادہ جہالت پر مبنی ہے۔کیا مجیب نے یہ نہ دیکھا کہ آفتاب کا وجود واحد ہی تو ہے مگر ہزار ہا مقامات پر نظر آتا ہے ۔اسی طرح شیطان کا وجود ایک ہے لیکن ہزاروں جگہ موجود ہو کر بہکاتا ہے بلکہ ان سب سے زیادہ روشن حضرت ملک الموت کا وجود ہے جو ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کڑوروں جگہ موجود ہو کر قبض روح کرتے ہیں ۔لہذا جب بیک وقت ان کے وجود واحد کا ہزاروں جگہوں میں موجود ہونا مجیب کو تسلیم ہے تو وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیک وقت ہزاروں محفلوں میں موجود ہو جانے کا کس طرح انکار کرسکتا ہے۔تو مجیب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیک وقت ہزاروں محفلوں میں تشریف لانا تسلیم کرلے تو فبہا ورنہ صاف الفاظ میں اقرار کرے کہ مجھے مہر و ماہ اور حضرت ملک الموت اور شیطان لعین کا بیک وقت ہزاروں جگہوں میں ہونا تو تسلیم ہے لیکن عداوت تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے کہ ان کا ایک وقت میں ہزاروں جگہوں میں تشریف لانا تسلیم نہیں جیسا کہ اس کے پیشواؤں نے صاف طور پر لکھدیا ہے دیکھو براہین قاطعہ۔ پھر مجیب کا یہ قول (وجود واحد ہزاروں جگہ کس طرح جاسکتا ہے یہ تو خدا تعالیٰ کی شان ہے) کس قدر جہالت کا مجموعہ ہے۔کیا مجیب کے نزدیک حضرت ملک الموت وشیطان لعین میں خدا کی شان پائی جاتی ہے کہ یہ بیک وقت ہزاروں جگہ موجود ہوتے ہیں؟۔تو اگر مجیب کہے کہ یہ دونوں شان خدا میں شریک ہیں تو کیا مجیب اور دیوبندی قوم کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت ملک الموت اور شیطان لعین اللہ عزوجل کے شریک ہیں اور جسکا یہ عقیدہ ہو وہ مشرک ہے یا نہیں؟ اور اگر مجیب کہے کہ یہ دونوں باوجود بیک وقت ہزاروں جگہوں کے موجود ہونے کے بھی اللہ تعالیٰ کے شریک نہیں تو حضور علیہ السلام کے لئے بیک وقت ہزاروں جگہ میں تشریف فرما ہونے کو کس طرح شرک قرار دیا جاسکتا ہے۔کیا اس کے نزدیک شرک کہیں پر تو شرک ہے کہیں ایمان ہے۔ بالجملہ اس کا یہ قول کثیر جہالات کا مجموعہ ہے۔علاوہ بریں مجیب کی سب سے بڑی جہالت بلکہ اس کا کفر یہ ہے کہ اس نے جگہ اور مکان میں ہونا خدا کی شان بتایا باوجودیکہ اللہ تبارک وتعالیٰ جگہ اور مکان سے منزہ و پاک ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: یکفر باثبات المکان للہ تعالی فلو قال از خدا ہیچ مکان خالی نیست یکفر ۔ (فتاوی عالمگیری قیومی ص ۲۸۱ ج ۲)

اللہ تعالیٰ کے لئے مکان (جگہ) ثابت کرنے سے کافر ہو جائے گا۔اگر کہا کہ خدا سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے تو کافر ہو جائے گا۔

اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کسی مکان اور جگہ کا ثابت کرنا کفر ہے۔اور یہ مجیب تو اس کے لئے ہزاروں جگہوں کا اثبات کر رہا ہے۔بلکہ اسکو خاص خدا کی شان ہی ثابت کرنا چاہتا ہے تو جس مفتی کو ایمان وکفر کی تمیز بھی نہ ہو اس سے زیادہ جاہل کون ہے۔لہذا ایسا مفتی جو کفر کو ایمان بتائے اور ایمان کو کفر ٹھرائے، یا جائز کو ناجائز کہے، یا مستحب وسنت کو حرام وبدعت قرار دے اس کے فتوے کا کیا اعتبار۔اس کی کسی بات کا کیا قرار۔لیکن حیرت تو دیوبندی قوم اور ان کے مدعیان علم پر ہے جنہوں نے اس جاہل مفتی کو اپنا سب سے بڑا مفتی قرار دیا اور اپنے سب سے بڑے دار العلوم دیوبند کے دار الافتاء میں صدر مفتی بنایا۔زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس قول کی جہالتوں کا ذکر کر دیا جائے۔

(۱) ترجیح بلامرجح سے ہر چیز کو ناجائز وحرام بتانا۔
(۲) باوجود مرجح کے اس کو ترجیح بلامرجح کہنا۔
(۳) چاند کے وجود واحد کو ہزاروں جگہ مان کر اس میں شان خداوندی ماننا۔
(۴) آفتاب واحد کو ہزاروں جگہ تسلیم کر کے اس میں خدا کی شان ماننا۔
(۵) حضرت ملک الموت کو ہزاروں جگہ مان کر ان کو خدا کا شریک ٹھہرانا۔
(۶) شیطان لعین کو ہزاروں جگہ مان کر اس کو خدا کا شریک قرار دینا۔
(۷) خدا کی شان کو نہ جاننا۔
(۸) خدا کے لئے مکان اور جگہ ثابت کرنا۔
(۹) خدا کے لئے نہ فقط ایک جگہ بلکہ ہزاروں جگہ ماننا۔
(۱۰) کفر کو ایمان جاننا۔
(۱۱) شرک کے معنی کو نہ سمجھنا۔
(۱۲) شرک کو کہیں شرک کہنا اور کہیں اس کو روا رکھنا۔

الحاصل جس مفتی کے ایک قول میں اس قدر جہالات ہوں اس کے فتوے کو وہی مانے گا جس کو جہالت سے لگاؤ ہوگا۔لہذا اس مجیب کے جب ہر دو پہلو غلط اور باطل ٹھرے تو ان کا نتیجہ کیوں کر نہ غلط ٹھرے گا۔اس کے بعد مجیب فتاوی حدیثیہ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے۔

ونظیر ذلک فعل کثیر عند ذکر مولدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ووضع امتہ لہ من القیام وھو ایضا بدعۃ لم یرد فیہ شئ علی ان الناس انما یفعلون ذلک تعظیما لہ صلی اللہ

تعالیٰ علیه وسلم فالعوام معذورون لذلك بخلاف الخواص ۔

(فتاوی حدیثیہ ص ۱۰۱)

مجیب نے اس عبارت کو اپنے مسلک کی دلیل بنا کر بڑے زور سے پیش کیا ہے، لیکن اس کے سمجھنے کے لئے علم درکار تھا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اس عبارت میں قیام میلاد شریف کو کہیں بدعت سیئہ نہیں قرار دیا گیا۔

اقول: اولا۔ مجیب اس عبارت میں لفظ بدعۃ کو دیکھ کر از حد مسرور ہو گیا کہ علامہ ابن حجر نے قیام میلاد شریف کو بدعت کہہ دیا جیسا کہ دیوبندی قوم کا مسلک ہے۔ لیکن مجیب پہلے محاورات کتب دینیہ سے واقف ہو لے پھر اقوال علماء سے استدلال کرے کہ علماء کرام بدعت کہہ کر بدعت حسنہ بھی مراد لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی مسئلہ قیام میلاد ہی میں سنیئے۔ اسی فتوے میں علامہ حلبی کی سیرت سے عبارت نقل ہوئی جس میں یہ الفاظ ہیں۔

جرت عادة كثير من الناس اذا سمعوا بذكر وضعه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ان يقوموا تعظيما له صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهذا القيام بدعة لا اصل لها اى لكن هي بدعة حسنة۔ (سیرۃ حلبی مصری ص ۹۹ ج ۱)

بہت لوگوں کی عادت جاری ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ولادت سنتے ہیں تو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کے لئے قیام کرتے ہیں اور یہ قیام بدعت ہے اس کی کوئی اصل نہیں لیکن یہ بدعت حسنہ ہے۔

اس عبارت میں قیام میلاد کے بدعت ہونے کی مراد ظاہر فرمادی گئی کہ اس بدعت سے مراد بدعت حسنہ ہے۔ لہذا یہی مراد علامہ ابن حجر کی ہے کہ وہ قیام کو بدعت کہہ کر بدعت حسنہ مراد لیتے ہیں کہ اس کی تصریح خود علامہ ہی کے قول سے پیش کی جائے گی۔

ثانیا: علامہ نے بدعت کی صفت نہ تو سیئہ ذکر کی نہ محرمہ بیان کی نہ مکروہہ تحریر فرمائی۔ بلکہ اس کی صفت ''لم یرد فیہ شیء'' لکھی تا کہ ہر ناواقف بھی یہ سمجھ لے کہ اس بدعت سے مراد بدعت سیئہ یا محرمہ یا مکروہہ نہیں بلکہ مطلق بدعت ہے جو غیر مروی ہوتی ہے اور یہ بات بدعت حسنہ کو بھی شامل ہے کہ وہ بھی صراحۃ مروی نہیں ہوتی۔ تو علامہ کی بدعت سے مراد بدعت سیئہ یا مکروہہ ومحرمہ ہرگز نہیں ہے۔ تو مجیب اس عبارت سے اپنے مذہب پر استدلال نہیں کرسکتا کہ وہ قیام کو بدعت سیئہ کہتا ہے۔

ثالثا: علامہ نے ان لوگوں کے قیام کو بدعت کہا جو یہ قیام باعتقاد سنت کرتے ہیں۔ اور جو اس قیام کو بہ نیت سنت نہیں کرتے بلکہ محض بغرض تعظیم کرتے ہیں تو ان کے لئے یہ قیام علامہ کے نزدیک بھی بدعت نہیں بلکہ مستحب ہے۔ جس کی تصریح ابھی تحریر کی جائے گی۔

رابعا: علامہ نے یہ قیام عوام کے لئے تو جائز ومباح قرار دیا اور خواص کے لئے احوط یہ ٹھہرایا کہ وہ اس قیام کو نہ کریں کہ اس میں مظنہ اور ایہام ہے تو عوام کے لئے قیام کا جواز خود اسی عبارت سے ثابت ہو گیا۔

خامسا: یہ عوام وخواص کا فرق اس صورت میں تھا کہ اس قیام کی بنا مخفی تھی اور اس میں ایہام اعتقاد سنیت تھا۔ اور جب ہر خاص وعام پر یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ قیام بوقت ذکر ولادت محض سرور وتعظیم ہی کے لئے کیا جاتا ہے تو یہ قیام اب عوام وخواص سب کے لئے مستحب ثابت ہو گیا کہ اب کوئی ایہام ومظنہ باقی نہ رہا۔

سادسا: مجیب اگر ان علامہ ابن حجر مکی اور ان کی فتاوی حدیثیہ کو مانتا ہے تو اسی فتاوی حدیثیہ کی عبارت جو ہم نے پیش کی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ تو میلاد شریف کو سنت کہتے ہیں۔ تو کیا مجیب بھی اس کے لئے تیار ہے۔ اگر ہے تو تسلیم کرے ورنہ اس کو علامہ کے کلام سے استدلال کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

سابعا: یہی علامہ ابن حجر اپنے مولد کبیر میں فرماتے ہیں:

فيقال نظير ذلك فى القيام عند ذكر ولادته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وايضا قال اجتمعت الامة المحمدية من اهل السنة والجماعة على استحسان القيام المذكور وقد قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا تجتمع امتى على ضلالة ۔

(الدر المنظم فی بیان حکم مولد النبی الاعظم ص ۱۴۳)

کہا گیا کہ اس کی نظیر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر کے وقت قیام کرنا ہے۔ نیز قیام مذکور کے استحسان پر امت محمدیہ اہلسنت وجماعت نے اجماع کرلیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

مسلمانو! ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو کہ یہ وہی علامہ ابن حجر ہیں جن کو مجیب یہ ثابت کررہا تھا کہ وہ منکر قیام ہیں اور فتاوی حدیثیہ میں قیام کو بدعت سیئہ کہتے ہیں۔ لیکن اس عبارت سے یہ واضح ہو گیا کہ

علامہ ابن حجر قیام میلاد کو مستحب و مستحسن کہتے ہیں اور اس کے استحسان پر اجماع امت نقل فرماتے ہیں۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ علامہ فتاوے حدیثیہ میں اسی قیام کو بدعت سئیہ کہیں۔ لہذا یہ اب آفتاب کی طرح روشن ہوگیا کہ فتاوی حدیثیہ کی عبارت میں بدعت سے مراد بدعت حسنہ ہے۔ اور بدعت حسنہ کو مجیب کے پیشوا گنگوہی صاحب فتاوی رشیدیہ جلد اول ص ۱۰۱۔ پر فرماتے ہیں:

جس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں وہ سنت ہی ہے۔

تو قیام میلاد کا گویا سنت ہونا ثابت ہوا۔ بالجملہ فتاوی حدیثیہ میں نہ قیام کو بدعت سئیہ کہا نہ یہ عبارت ہمارے مسلک کے خلاف ہے۔ مجیب اب اپنا حال بیان کرے کہ اگر اس کے نزدیک علامہ ابن حجر معتمد و مستند ہیں تو صاف لفظوں میں اقرار کرے کہ میرے نزدیک بھی ذکر میلاد شریف سنت ہے اور اس میں قیام کرنا مستحب و مستحسن ہے اور جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ گمراہ و بے دین ہے۔ ورنہ یہ اعتراف کرے کہ علامہ مذکور کو گمراہ و بدعتی کہتے ہیں۔ مجیب کا فتاوی حدیثیہ کا حوالہ دیدینا تو بہت آسان تھا لیکن یہ کیا خبر تھی کہ اس فریب کا پردہ فاش ہوجائے گا۔ اور یہ خود اپنے ہی گلے میں آجائے گا۔ پھر یہ مجیب اس فتوے کو ان الفاظ پر ختم کرتا ہے ۔

بہر حال قیام بدعت ہے اور جو لوگ اہتمام سے کرتے تھے غلط کرتے تھے قیام ترک کرنا چاہیے ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مجیب کا یہ حکم بالکل غلط اور باطل ہے کہ بکثرت عبارات سے ثابت کر دیا گیا کہ مستحب و مستحسن ہے اور یہ سات صدی کا عمل مسلمین ہے اور ہر قرن و ہر زمانہ میں علماء کرام و مفتیان عظام و مشائخ ذوی الاحترام اس کو باہتمام کرتے رہے۔ تو بلحاظ "ما راٰه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن"۔ کے اس کو کرنا چاہیے۔ مجیب کا یہ فتوی غلط۔ قرآن وحدیث کے حکم سے غلط۔ اجماع مسلمین کے اعتبار سے غلط ۔ استحسان و قیاس کے لحاظ سے غلط۔ خلف و سلف کی تحقیقات سے غلط۔ عمل مسلمین کی رو سے غلط۔ اصول عقلی کے اعتبار سے غلط۔ اور کیونکر نہ غلط ہو کہ خود مفتی غلط۔ اس کا مذہب غلط۔ اس کی فہم غلط۔ اس کی تعلیم غلط۔ اس کی سعی غلط اور اس کی ساری دیوبندی قوم غلط۔ ہم نے اس مختصر میں ہر چیز کو صراحۃ یا اشارۃ یا کنایۃ ثابت کر دیا ہے۔ اگر مجیب یعنی صدر مفتی دار العلوم دیوبند یا اس کی ساری دیوبندی قوم میں ہمت و جرات ہو تو میرے اس مختصر رسالہ کا رد کرے اور ہر ہر دلیل و عبارت کا جواب دے تو پھر ان کے سارے علمی دعووں کو خاک میں ملا دیا جائے گا۔ لیکن ہمیں قوی امید ہے کہ ان سے تا قیامت جواب ممکن نہ ہوگا۔

وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقا ۔ وصلی الله تعالی علی خیر خلقه سیدنا محمد وآله وصحبه اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین ۔ چونکہ یہ رد ایک رسالہ ہوگیا اس لئے اس کا نام تاریخی "عطر الکلام فی استحسان المولد و القیام" رکھ دیا گیا۔

المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل ۔

العبد محمد اجمل غفرلہ اللہ عزوجل المفتی فی بلدۃ سنبھل ۳/ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۷۳)

زید کہتا ہے کہ قیام بروقت ذکر ولادت باسعادت نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم بدعت اور ناجائز ہے۔ دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ اس وقت محفل میں حضور تشریف لاتے ہیں یا تعظیم ذکر ولادت مراد ہے ۔ بصورت اول ثبوت طلب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر آپ یہ کہیں کہ حضور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ تشریف تو وہ لائے جو موجود نہ ہو۔ تو سوال یہ ہے کہ تمام ذکر ہی بصورت قیام کیوں نہ کیا۔ کیونکہ تعظیم ذات افضل ہے تعظیم ذکر سے۔ بصورت ثانی کل ذکر ہی بصورت قیام کیوں نہیں کیا جاتا۔ خاص اس وقت جب کہ فظهر رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ۔ یا اسی کے مرادف الفاظ بیان کئے جائیں قیام کیا ضروری۔ دیگر یہ کہ ذکر اللہ تعالی افضل ہے یا ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔ یہ امر مسلم ہے کہ ذکر اللہ تعالی افضل ہے۔ لیکن بروقت بسم اللہ خوانی و ذکر الہی قیام اتنا ضروری نہیں سمجھتے۔ نہ قیام کرتے ہیں۔ لیکن بروقت ذکر ولادت باسعادت قیام ضرور کیا جاتا ہے ۔

المستفتی نیاز مند قمر الزماں خاں شیروانی سنی حنفی چشتی از دادوں ضلع علی گڑھ۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

ذکر ولادت باسعادت پر قیام بغرض تعظیم کرنا مستحسن و مستحب ہے۔ اس کو ممنوع وحرام ٹھرانا بلکہ شرک قرار دینا گویا قرآن واحادیث پر افتراء کرنا۔ قواعد شرع کی مخالفت کرنا، تصریحات اکابر علماء کرام سے انکار کرنا ہے۔ بلکہ بلاد اسلامیہ کے صدہا سال کے معمول کو بدعت وضلالت کہنا اور ہزارہا علماء و اولیائے عظام کو گمرہ و بدمذہب و مشرک بتانا ہے۔ اور سارے اہل اسلام عوام وخواص کو بدعتی و

بد دین بنانا ہے۔

مخالف ایسا دلیر ہے کہ ایک مباح الاصل چیز کو بلا دلیل حرام وشرک ٹھیراتا ہے اور پھر اس پر مزید یہ جرات کہ دلیل کا مطالبہ قائلین اباحت اصلیہ سے کرتا ہے۔ باوجودیکہ خود وہ قیام کی حرمت کا مدعی ہے۔ دلیل کا پیش کرنا مخالف کا ذمہ ہے۔ اقامۃ القیامہ میں عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی کا قول نقل فرماتے ہیں:

لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالی باثبات الحرمۃ والکراھۃ الذین لا بد لھما من دلیل بل فی الاباحۃ التی ھی الاصل۔ (اقامہ ص ۳۳)

یہ کچھ احتیاط نہیں کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر خدا پر افتراء کرو کہ حرمت وکراہت کے لئے تو دلیل درکار ہے۔ بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اباحت مانی جائے کہ اصل وہی ہے۔

یہ مضمون بکثرت اکابر ائمہ سلف وخلف کی تصریحات سے ثابت ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ مجوزین قیام میلاد شریف کو کسی دلیل کے پیش کرنے کی حاجت نہیں کہ یہ مستدلین اباحت اصلیہ ہیں اور دلیل منکرین قیام کو پیش کرنی چاہیے کہ وہ قیام کی حرمت بلکہ شرک کے قائل ہیں۔

لہذا اگر مخالفین میں حیاء وشرم ہے تو تمام مجتمع ہو کر کسی صریح آیت وحدیث یا متقدمین ومتاخرین میں سے کسی کی صاف تصریح سے قیام میلاد شریف کا حرام وشرک ہونا ثابت کریں۔ مگر انشاء اللہ تعالی قیامت تک ہمیشہ ہمیشہ عاجز وقاصر رہیں گے، ممانعت پر کسی دلیل کا نہ ہونا ہی اس کے جواز کی کافی دلیل ہے۔ مجوزین قیام کو اگرچہ کسی دلیل کے پیش کرنے کی حاجت نہیں مگر مخالفین کی دہن دوزی اور موافقین کے اطمینان خاطر کے لئے چند دلائل نقل کئے جاتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

تعزروہ وتوقروہ۔ (سورۂ فتح ع ۱ رج ۲۶)

اے لوگو تم رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرو۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف میں ان کلمات کی تفسیر نقل فرماتے ہیں:

یبالغون فی تعظیمہ ویؤقروہ ای یعظمونہ۔ (شرح شفا مصری ص ۱۲۴ رج ۱)

حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم میں خوب مبالغہ کریں اور ان کی توقیر کریں۔

اس آیت کریمہ اور اس کی تفسیر سے ظاہر ہوگیا کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر میں خوب مبالغہ کیا جائے اور طرق تعظیم سے کسی خاص طریقے کے لئے علیحدہ ثبوت درکار نہیں بلکہ جس

طریقہ سے بھی ان کی تعظیم کی جائے وہ اسی آیت کریمہ کے تحت میں داخل ہے۔ البتہ اگر کسی خاص طریقہ تعظیم کی ممانعت شریعت سے بالتخصیص ثابت ہو تو وہ بے شک ناجائز ہوگا جیسے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو سجدہ کرنا۔ قیام بھی طرق تعظیم سے ایک طریقہ ہے۔ فقہاء کرام قیام تعظیمی کو یہاں تک جائز رکھتے ہیں کہ فقہ کی مشہور کتاب طحطاوی میں ہے۔

قیام قاری القرآن للقادم تعظیم لا یکرہ اذا کان ممن یستحق التعظیم۔

(طحطاوی مصری ص ۱۸۶)

آنے والے کے لئے قاری قرآن کا تعظیما قیام کرنا مکروہ نہیں جب وہ آنے والا ان لوگوں میں ہو جو تعظیم کے مستحق ہیں۔

خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو قیام تعظیمی کی تعلیم دی۔ بخاری شریف ومسلم شریف کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے معاملہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کو طلب فرمایا وہ تشریف لا رہے تھے؛

فلما دنا من المسجد قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم للانصار قوموا الی سیدکم۔

(مشکوۃ شریف ص ۴۰۳ ف رمطبع اصح المطابع)

جب حضرت سعد مسجد شریف سے قریب ہوئے حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا اپنے سردار کے لئے قیام کرو۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لئے قیام فرماتے تھے۔ بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یجلس معنا فی المسجد یحدثنا فاذا قام قمنا قیاما حتی نراہ قد دخل بعض بیوت ازواجہ۔ (مشکوۃ شریف ص ۴۰۳ مطبع اصح المطابع)

حضور انور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مسجد شریف میں ہمارے ساتھ جلوس فرماتے اور گفتگو کرتے اور جب حضور کھڑے ہوتے تو ہم بھی کھڑے ہوجایا کرتے اور ہم یہاں تک کھڑے رہتے کہ حضور کو ازواج مطہرات میں سے کسی کے گھر میں داخل ہوتا ہوا دیکھ لیتے۔

بلکہ خود سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالی عنہا کے لئے قیام فرماتے

تھے۔ چنانچہ ابوداؤد شریف میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

کانت اذا دخلت علیه قام الیها فاخذ بیدها فقبلها واجلسها فی مجلسه وکان اذا دخل علیها قامت الیه فاخذت بیده فقبلته واجلسته فی مجلسها۔

(مشکوۃ شریف ص ۴۰۳ مطبع اصح المطابع)

حضرت فاطمہ جب حضور کے پاس حاضر ہوتیں تو حضور ان کے لئے قیام فرماتے اور ان کی دست بوسی کرتے اور ان کو اپنی جگہ بٹھاتے اور حضور جب ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ حضور کے لئے قیام فرماتیں اور حضور کی دست بوسی کرتیں اور حضور کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔

ان احادیث سے یہ امر نہایت واضح طور پر ثابت ہوگیا کہ مستحقین تعظیم کے لئے قیام کرنا جائز بلکہ سنت صحابہ ہے۔ بلکہ خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قولی وفعلی سنت ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک کی تعظیم وتوقیر کے لئے صحابہ کرام نے قیام فرمایا تو قیام من جملہ طرق تعظیم کے حضور کی تعظیم وتوقیر کا ایک بہتر طریقہ ہوا۔ لہذا یہ قیام اس آیت کریمہ کے عموم کے تحت میں داخل ہوگیا۔ اب باقی رہا قیام بروقت ذکر ولادت شریف کا حکم لہذا یہ قیام تعظیم ذکر ولادت کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور بتصریحات ائمہ کرام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر پاک کی تعظیم مثل ذات اقدس کی تعظیم وتوقیر کے ہے اور طرق تعظیم وتوقیر ذات پاک سے ایک بہتر طریقہ قیام بھی ہے جس کا ثبوت ابھی آیت کریمہ "تعزروہ وتوقروہ" اور احادیث منقولہ سے نہایت صاف طور پر ظاہر ہو چکا۔ لہذا ذکر ولادت باسعادت پر قیام کرنا بھی اسی آیت کریمہ اور احادیث سے مستفاد ہوا۔ اب باقی رہا سائل کا یہ سوال کہ کل ذکر ہی بصورت قیام کیوں نہیں کیا جاتا خاص ذکر ولادت پر کیوں قیام کیا جاتا ہے تو اسکا۔

پہلا جواب۔ یہ ہے کہ قیام وقت قدوم کیا جاتا ہے جیسا کہ ابھی احادیث میں مذکور ہوا اور ذکر ولادت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عالم دنیا میں تشریف آوری کا ذکر ہے تو قیام کا ذکر ولادت پر کیا جانا زیادہ مناسب ہوا۔

دوسرا جواب۔ یہ ہے کہ علماء کرام واولیائے عظام کا خاص ذکر ولادت پر قیام کرنا صدیوں سے معمول ہے۔ لہذا یہی مستحب ومستحسن قرار پایا۔ یہ حدیث شریف اس کی کافی دلیل ہے۔

ما راه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن ۔

(حاشیہ مشکوۃ شریف ص ۲۷ وکنوز الحقائق مصری ص ۱۵۷ ج ۲)

مسلمان جس چیز کو اچھا جانیں تو وہ اللہ تعالی کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

تیسرا جواب؛ یہ ہے کہ کسی سرور دینی پر قیام کرنا صحابہ کرام کی سنت ہے۔

جیسا کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک مسئلہ سننے کے لئے قیام فرمایا۔

قلت توفی الله تعالیٰ نبیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قبل ان نسئله عن نجاة هذا الامر قال ابو بکر قد سئلته عن ذلك فقمت الیه۔ (مشکوۃ شریف ص ۱۶ مطبع اصح المطابع)

حضرت عثمان غنی فرماتے ہیں میں نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ سے عرض کیا اللہ تعالی نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وفات دی اور ہم اس امر کی نجات آپ سے دریافت نہ کر سکے۔ حضرت صدیق اکبر نے فرمایا میں نے حضور سے دریافت کرلیا ہے۔ اس کے سننے کے شوق میں حضرت عثمان غنی فرماتے ہیں۔ میں کھڑا ہوگیا۔

جب کسی محبوب ذکر اور دینی سرور کے لئے اجلہ صحابہ کرام سے قیام ثابت ہوا تو مسلمان کے لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے ذکر سے زیادہ اور کیا مسرت وفرحت کا ذکر ہوسکتا ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری تمام دینی سرور اور احکام الہی کے حصول کا باعث وسبب ہے۔

چوتھا جواب۔ یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا ذکر ولادت قیام کے ساتھ فرمایا تو ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا حضور کا اتباع ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے ۔

انه جاء الی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فکانه سمع شیئا فقام النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی المنبر فقال من انا فقالوا انت رسول الله۔ قال انا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب ان الله خلق الخلق فجعلنی فی خیرهم ثم جعلهم فرقتین فجعلنی فی خیرهم فرقة ثم جعلهم قبائل فجعلنی فی خیرهم قبیلة ثم جعلهم بیوتا فجعلنی فی خیرهم بیتا فانا خیرهم نفسا وخیرهم بیتا ۔

(مشکوۃ شریف ص ۵۱۳ ج ۲ مطبع اصح المطابع)

حضرت عباس حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں غضبناک ہو کر حاضر ہوئے کہ وہ حضور کے حسب ونسب میں کچھ طعن سن چکے تھے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: میں کون ہوں؟ صحابہ نے عرض کی؛ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھ کو ان کے بہتر میں پیدا کیا۔ پھر ان کے دو فرقے کئے اور مجھ کو ان کے بہتر فرقے میں کیا۔ پھر اس کے قبیلے بنائے تو مجھ کو ان کے بہتر قبیلہ میں پیدا کیا۔ پھر ان میں خاندان کئے اور مجھ کو ان کے بہتر خاندان میں پیدا کیا۔ تو میں ان کے بہتر نفوس اور بہتر خاندان میں سے ہوں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خاص ذکر ولادت شریف کے وقت ہم ان وجوہ کی بنیاد پر قیام کرتے ہیں تاکہ ہم حضور سید الانبیاء محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس عالم میں قدوم میمنت لزوم کے ذکر پاک پر بکمال احترام قیام کر کے ’’تعزروہ وتوقروہ‘‘ کی تعمیل حکم کریں۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ولادت مبارکہ کا بیان قیام کر کے فرمایا ہے۔ تو ہم بھی اسی ہیئت کے ساتھ ذکر کریں اور اظہار سرور کے لئے قیام کرنا سنت صحابہ ہے تو ہم بھی اظہار سرور ذکر ولادت پر ان کی اتباع قیام میں کریں۔ اور ہزار ہا بلاد اسلامیہ کے خواص وعوام اور کئی صدی کے علماء کرام اور اولیائے عظام کے معمول اور طریق حسن کی پیروی کریں۔ یہ امور قیام کے خصوص وقت کے مؤید ہیں اور اسی بنا پر کل ذکر کو بصورت قیام نہیں کیا جاتا۔

اب باقی رہا زید کا یہ قول کہ

ذکر اللہ تعالیٰ افضل ہے یا ذکر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور یہ امر مسلم ہے کہ ذکر اللہ تعالیٰ افضل ہے۔

اس قول سے معلوم ہوا کہ زید ذکر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے عقیدہ میں ذکر اللہ تعالیٰ سے جدا جانتا ہے ذکر رسول کو ذکر اللہ کا مقابل سمجھتا ہے اسی بنا پر وہ ان میں افضل ومفضول کا تفرقہ کرتا ہے باوجویکہ ذکر رسول ذکر اللہ سے جدا نہیں۔ یہ کور باطن ذرا گوش ہوش کھول کر سنے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفعت کا ذکر بیان فرماتا ہے۔

ورفعنا لك ذكرك (پارہ عم ع ۹)

اور ہم نے تمہارے ذکر کو بلند کر دیا

علامہ علی قاری شرح شفا شریف میں اس آیت کریمہ کی مراد بیان فرماتے ہیں۔

المراد برفع ذكره انه جعل ذكره ذكره كما جعل طاعته طاعته

(شرح شفا مصری ص۴۴ ج۱)

حضور کے ذکر کے بلند کرنے کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کے ذکر کو اپنا ذکر بنا لیا۔ جیسے حضور کی اطاعت کو اپنی اطاعت بنا لیا۔

ابن حبان ومسند ابویعلی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے

ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال اتانی جبرئیل علیه الصلاة والسلام فقال ان ربی و ربك يقول: تدری كيف رفعت ذكرك قلت الله اعلم قال اذا ذكرت ذكرت معی۔

(شرح شفا مصری ص۴۵ ج۱)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبرئیل امین آئے اور انہوں نے کہا کہ بے شک میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کہ کیا آپ نے جانا کہ میں نے آپ کا ذکر کیسا بلند کیا؟ میں نے کہا اللہ زیادہ جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ تمہارا ذکر کیا جائے گا۔

حضرت قاضی عیاض نے شفا شریف میں اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عطا کا قول نقل فرمایا

جعلتك ذكرا من ذكری فمن ذكرك ذكرنی۔ (شرح شفا مصری ص۴۶ ج۱)

میں نے تمہیں اپنے اذکار سے ایک ذکر بنا دیا ہے جس نے آپ کا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔

ان تصریحات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ذکر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذکر اللہ سے جدا نہیں۔ ذکر رسول کی تعظیم ذکر اللہ کی تعظیم ہے۔ لہذا جس جگہ ذکر رسول کے لئے قیام کیا گویا ذکر اللہ کے لئے قیام کیا اور ذکر ولادت پر جو قیام کیا جاتا ہے یہی ذکر اللہ کا قیام ہوا کہ ذکر رسول ذکر اللہ سے جدا نہیں، ابھی صریح آیت وحدیث میں یہ مضمون گذرا۔ وہابی ان دونوں ذکروں کو مقابل بنا کر عوام کو فریب دیتا ہے۔

اب باقی رہی زید کی پہلی شق کہ قیام بروقت ذکر ولادت اس لئے ہے کہ اس وقت محفل میں حضور تشریف لاتے ہیں۔ یہ زید کا اہلسنت پر افترا و بہتان ہے۔ عام لوگ بھی اس خیال سے قیام نہیں کر

تے بلکہ قیام ذکر پاک کے لئے کیا جاتا ہے جس کا بیان مفصل مذکو رہوا۔اس مختصر تحقیق سے قیام میلاد کا استحباب واستحسان آفتاب سے زیادہ روشن طور پر ظاہر ہو گیا اور مسائل کی ہر ہر شق کا کافی جواب ہو گیا منصف کے لئے یہی مختصر جواب بہت کافی ہے۔

ایک ضروری بات یہاں اور قابل لحاظ ہے کہ وہابیہ اول تو مجالس میلاد میں شرکت ہی نہیں کرتے اور اگر کسی مجبوری سے شریک ہوتے ہیں تو قیام کے بعد مجلس میں شامل ہوں گے۔اور اگر قیام سے پہلے شریک ہو گئے ہیں تو کمزور عقیدہ کا وہابی جبرا قہرا قیام کر لیتا ہے اور جو وہابی سیاہ قلب اور سخت بے حیا ہوتا ہے وہ آداب مجلس کیخلاف بیٹھا رہتا ہے اور اپنے اس شرمناک فعل کو کتاب وسنت کا اتباع ظاہر کرتا ہے۔

لہذا میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ وہابی کا یہ ناپاک فعل یعنی بروقت قیام اہل مجلس کی مخالفت کرنا اور ذاکر کے امر بالقیام پر تمرد اور سرکشی دکھانا کہ مجلس ہی میں بیٹھا رہنا کتاب اللہ کی مخالفت ہے۔

یآیھا الذین آمنوا اذا قیل لکم تفسحوافی المجلس فا فسحو ایفسسح اللہ لکم و اذا قیل انشذوا فانشذوا۔ (سورۂ مجادلہ ع۲ پ۲۸)

اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو اللہ تمہیں جگہ دے گا اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو۔

امام بغوی تفسیر معالم التنزیل میں اور علامہ محی السنۃ علاء الدین علی تفسیر خازن میں اسی آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

قال مجاھد واکثر المفسرین معناہ اذا قیل لکم انھضوا الی الصلوۃ و الی الجھاد و الی مجالس کل خیر و حق فقو مو الھا ولا تقصرو اعنہ
(خازن مصری ص۴۳ ج۷)

حضرت مجاہد اور اکثر مفسرین نے فرمایا کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ جب تم سے نماز یا جہاد یا ہر خیر حق کی مجلسوں کے لئے کھڑا ہونے کو کہا جائے تو ان کیلئے کھڑے ہو جاؤ اور اس میں قصور نہ کرو۔

آیت کریمہ اور تفسیر سے صاف معلوم ہو گیا کہ مجالس خیر کے لئے اور ہر خیر کے لئے کھڑا ہونا بامر الہی مطلوب ہے۔اور ان کیلئے کھڑے ہونے سے قاصر رہنا ممنوع ہے۔لہذا یہ ظاہر بات ہے کہ محفل میلاد شریف مجلس خیر ہے اور قیام میلاد تعظیم ذکر ہے اور تعظیم ذکر یقینا فعل خیر ہے تو قیام میلاد شریف کے لئے کھڑا ہونا اس آیت کریمہ سے ثابت اور ادب مجلس کے حکم میں داخل اور اس کو" فا نشذو

ا" کا امر شامل ہے۔اور ذاکر کے اس امر (اٹھو وقت تعظیم احمد ہے یہ) کے باوجود کھڑا نہ ہونا اس آیت کی مخالفت اور فعل خیر یعنی تعظیم ذکر سے انکار اور ادب مجلس خیر سے اعراض اور حاضرین مجلس اہل اسلام کی دل آزاری اور امر خیر سے انکار اور ادب مجلس خیر سے روگردانی کی بین دلیل ہے۔مولی تعالی ان مخالفین تعظیم ذکر اور منکرین حکم قرآنی اور متبعین طرق شیطانی کو ہدایت کی توفیق دے۔واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

ثبوت میلاد وفاتحہ

مسئلہ (۸۷۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں بجواب سوال مندرجہ ذیل تعین ماہ بغرض جلسہ میلاد شریف وتعین یوم سوم وغیرہ بغرض ایصال ثواب موتی قولا یا فعلا رسول اللہ یا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، باسناد صحیحہ ثابت ہے یا نہیں اگر ثابت ہے تو مع حوالہ کتاب مع صفحہ کے تحریر فرمائیں اور اگر ثابت نہیں تو بدعت ہے یا نہیں؟ اگر بدعت ہے تو مرتکب بدعت کا کیا حکم ہے اور اگر بدعت نہیں تو بدعت کی شرعا کیا تعریف ہے؟۔مقصود سائل جواب مختصر ہے بینوا توجروا۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

وہابی کے میلاد شریف فاتحہ وسوم عرس وگیارہویں شریف وغیرہ امور مستحبہ کے انکار میں جس قدر کوششیں کیں ہیں اتنی کسی حرام ومکروہ بلکہ کسی شعار کفریہ کے لئے بھی نہیں کیں لیکن ان کی انتہائی کوششیں ان امور کے استحباب کو نہ میٹ سکیں اور ان کو ناجائز وحرام نہ ثابت کر سکیں۔ہمیشہ اہلسنت نے ان کی فریب کاریوں کا پردہ فاش اور ان کے لغو اور بیہودہ کہ اعتراضات کے ایسے دندان شکن جوابات دیئے ہیں جن پر آج تک وہابیہ کو ایک حرف لکھنے کی جرات نہ ہو سکی۔چنانچہ خود میری کتاب "سبیل الرشاد لمستدعی السداد المعرف بہ رد سیف یمانی" میں میلاد شریف فاتحہ سوم عرس گیارہویں شریف کے جواز واستحباب پر بکثرت دلائل اور منکرین کے اعتراضات کے مسکت جوابات طبع ہو چکے ہیں اور یہ کتاب ہزاروں کی تعداد میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں موجود ہے مگر کسی وہابی نے آج تک اس کے جواب کی

ہمت نہ کی۔ میلاد شریف کی اصل یعنی واقعات پیدائش اور فضائل معجزات مسلمانوں کی مجلس میں بیان کرنا خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے

عن واثلة بن الاسقع قال قال رسو ل الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ان الله اصطفى من ولد ابرا هينم اسمعيل واصطفى من ولد اسمعيل بنى كنا نة واصطفى من بنى كنا نة قر يشا واصطفى من قريش بنى ها شم واصطفا نى من بنى هاشم

(شرح شفا مصری ص ۱۹۸/ج ۱)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام سے اسمعیل علیہ السلام کو منتخب کیا اور اولاد اسمعیل علیہ السلام سے بنی کنانہ کو منتخب کیا اور بنی کنانہ سے قریش کو منتخب کیا اور قریش سے بنی ہاشم کو منتخب کیا اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا۔

ترمذی شریف میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

انه جاء الى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فكا نه سمع شيئا فقام النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على المنبر فقال من انا فقالو اانت رسول الله قال انامحمد بن عبدالله بن عبد المطلب ان الله خلق الخلق فجعلنى فى خيرهم ثم جعلهم فر قتين فجعلنى فى خير هم فر قة ثم جعلهم قبا ئل فجعلنى فى خير هم قبيلة ثم جعلهم بيو تا فجعلنى فى خير هم بيتا فا نا خير هم نفسا وخير هم بيتا۔

(مشکوۃ مطبع اصح المطابع ص ۵۱۳ ج ۲)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں غضبناک ہوکر حاضر ہوئے کہ وہ حضور کے حسب ونسب پر کچھ طعن سن کر آئے تھے حضور نے منبر پر کھڑے ہوکر فرمایا میں کون ہوں صحابہ نے عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں فرمایا میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبد المطلب ہوں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھ کو ان کے بہترین میں پیدا کیا پھر ان کے دو فرقے کئے اور مجھ کو ان کے بہتر فرقے میں پیدا کیا پھر ان کے قبیلے بنائے تو مجھ کو ان کے بہتر قبیلے میں پیدا کیا پھر انہیں خاندان کے اور مجھ کو ان کے بہتر خاندان میں پیدا کیا تو میں ان کے بہتر نفوس میں اور بہتر خاندان سے ہوں۔

اسی طرح سوم وفاتحہ کی اصل یعنی ایصال ثواب بھی خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قول وفعل سے ثابت ہے چنانچہ طبرانی اوسط میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے سرکار رسالت میں عرض کی۔

يا رسول الله تو فيت امى ولم تو ص ولم تتصدق فهل ينفعها ان تصدقت عنها قال نعم ولو بكراع شاة محر ق۔ (شرح الصدور مصری ص ۱۲۹)

یارسول اللہ میری ماں وفات پاگئیں انہوں نے نہ صدقہ کی وصیت کی نہ خود صدقہ دیا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا انہیں نفع دے گا؟ فرمایا: ہاں نفع دیگا اگرچہ بکری کے جلے ہوئے کھر ہی ہوں۔

انہیں طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

ما من اهل ميت يمو ت منهم ميت فيتصد قون منه بعد مو ته الا اهد اها له جبريل على طبق من نو ر ثم يقف على شفير القبر فيقول: ياصاحب القبر العميق هذه هد ية اهد ا ه اليك اهلك فا قبلـه فدخل عليه فيفرح بها وليستبشر ويحزن جيرانه الذين لا يهدى اليهم شئ۔ (شرح الصدور مصری ص ۱۲۹)

اہل میت میں سے جو اپنی میت کی جانب سے اس کے مرنے کے بعد صدقہ کریں تو جبرئیل امین نور کے طبق میں وہ ہدیہ لے جاتے ہیں اور کنارہ قبر پر کھڑے ہو کے فرماتے ہیں کہ اے گہرے گڑھے والے یہ ہدیہ ہے جسے تیرے اہل نے تیری طرف بھیجا ہے تو اسے قبول کر تو وہ اس پر داخل ہوتا ہے پس وہ اس کی وجہ سے خوش ہوتا ہے اور بشارت حاصل کرتا ہے اور اس کے وہ پڑوسی جن کی طرف کوئی چیز نہیں بھیجی گئی رنجیدہ ہوتے ہیں۔

اب باقی رہی میلاد شریف وسوم وفاتحہ کی قیودات وتخصیصات وتعینات واہتمامات وہ اسی طرح ہیں جس طرح مدرسہ کی اصل یعنی تعلیم کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول وفعل سے ثابت ہے اور مدرسہ کے تعینات وتخصیصات قیودات واہتمامات یعنی تعلیم کے لئے مخصوص کتابیں مقرر کرنا، فلسفہ ومنطق اور علم معانی وغیرہ کا داخل درس کرنا، درجہ بندیاں کرنا، ہر درجہ کے لئے مستقل استاذ مقرر کرنا، کتاب کے لئے گھنٹے مقرر کرنا، جمعہ وعیدین ورمضان المبارک کے ایام کو تعطیل کے لئے مقرر کرنا، ماہ شعبان کو امتحان

کے لئے مقرر کرنا، خاص نصاب تعلیم ختم ہونے پر سند دینا، دستار بندی کرنا، اور تقسیم اسناد و دستار بندی کے لئے جلسہ کی تاریخ مقرر کرنا، اشتہار چھاپنا، بذریعہ خطوط تداعی کرنا، مخصوص علماء کو بلانا، بلائے ہوئے علماء کو سفر خرچ دینا، جلسوں کے لئے پروگرام متعین کرنا، بہت سے ہاتھوں سے طلبہ کے سروں پر دستار باندھنا، جلسہ گاہ کو مزین کرنا، اس میں روشنی کرنا، شامیانہ لگانا، مدرسہ کے لئے مخصوص عمارت بنانا، دار الحدیث اور دار الاقامہ کے لئے علیحدہ عمارت مخصوص کرنا، دینی تعلیم پر مدرسین کو معین تنخواہیں دینا، بخاری شریف کے ختم پر مٹھائی تقسیم کرنا، یہ ساری باتیں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول وفعل سے ثابت نہیں تو میلاد شریف اور سوم وغیرہ کے منکرین مدرسہ کی ان تخصیصات وقیودات، تعینات واہتمامات کی بنیاد پر کیا مدرسہ کو بدعت وگمراہی قرار دیں گے۔ اور بانیان مدرسہ پر مرتکب بدعت اور گمراہ وبے دین ہونے کے فتوے صادر کریں گے، اگر نہ تو مدرسہ کی ساری تخصیصات وتعینات۔ قیودات واہتمامات کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول وفعل سے باسناد صحیحہ ثابت کریں لیکن انشاء اللہ قیامت تک ثابت نہ کرسکیں گے تو کس منہ سے میلاد شریف کے تعینات وتخصیصات پر اعتراض کرتے ہیں اور عوام مسلمین کو مغالطہ وفریب دیتے ہیں۔

اب میں وہابیہ کے لئے خود ان کے امام الطائفہ مولوی رشید احمد گنگوہی کا فتوی پیش کرتا ہوں۔

چنانچہ فتاوی رشیدیہ مطبوعہ دہلی حصہ اول صفحہ دس پر ہے :

سوال: ۲۵ صوفیائے کرام کے یہاں جو اکثر اشغال واذکار مثل رگ کیماس کا پکڑنا اور ذکر رہ اور غخلقہ بر قبور نہیں بلکہ ویسے ہی اور حبس دم وغیرہ جو قرون ثلثہ سے ثابت نہیں بدعت ہے یا نہیں۔

الجواب: اشغال صوفیہ بطور معالجہ کے ہیں سب کی اصل نصوص سے ثابت ہے جیسا کہ اصل علاج ثابت ہے مگر شربت بنفشہ حدیث صریح سے ثابت نہیں ایسے سب اذکار کی اصل ہیئت ثابت ہے جیسا توپ بندوق کی اصل ثابت ہے اگرچہ اس وقت میں بہ تھئی سو یہ بدعت نہیں ہاں ان ہیات کو سنت ضروری خاصہ جاننا بدعت ہے ات اس کو ہی علماء نے بدعت لکھا ہے گنگوہی نے اس جواب میں نہایت واضح الفاظ میں لکھا ما اشغال صوفیہ ان تخصیصات وتعینات کے ساتھ قرون ثلثہ میں نہیں تھے مگر چوں کہ ان کی اصل نصوص سے ثابت ہو رہی ہے تو ان کو محض ان تخصیصات وقیودات کی بنا پر بدعت نہیں کہہ سکتے پھر گنگوہی نے شربت بنفشہ اور توپ وبندوق کی مثالیں دیکر اور ان کی اصل مان کر اور انہیں بدعت ست خارج کے کے اس قاعدے کو اور واضح کردیا لہذا اسی طرح میلاد شریف سوم وفاتحہ وغیرہ کو باقرار گنگوہی

بدعت نہیں کہہ سکتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ (۸۷۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

فاتحہ مروجہ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ اور ہمارے حضور سے اس کی کوئی اصل ثابت ہے نہیں؟۔ تمام باتوں کا جواب معتبر کتابوں سے پیش کیا جائے۔ بینوا توجروا

الجواب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

فاتحہ مروجہ یقیناً شریعت میں جائز ہے۔ منکروں کے پاس سوائے ہٹ دھرمی کے اور کوئی ثبوت نہیں۔ فاتحہ میں ظاہرا پانچ امر ہیں۔ ہر ایک کا حکم علیحدہ علیحدہ معتبر کتابوں سے بیان کیا جاتا ہے۔ بعد میں کل مجموعہ کی طرف توجہ کی جائیگی۔

اول الحمد، قل، آیت کرسی، درود شریف وغیرہ پڑھنا۔
دوسرا کھانے شیرینی کا سامنے موجود ہونا۔
تیسرے مردہ کو ثواب پہنچانا۔
چوتھے دعا مانگتے وقت ہاتھ اٹھانا۔
پانچویں دوست شناؤں کو کھلانا۔

پہلا امر: الحمد کو اس فاتحہ میں اس لئے مقرر کیا کہ یہ تمام قرآن کے مضامین کو حاوی ہے۔
تفسیر بیضاوی میں ہے" تسمی ام القران لانها تشتمل علی ما فیه من الثناء علی الله سبحانه وتعالیٰ والتعبد بامره ونهیه وبیان وعده وعیده وعلیٰ جملة معانیه ۔ یعنی اس کو ام القرآن اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تمام قرآن کے معانی کو شامل ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے اور امر ونہی بھی مذکور ہے۔ جزاء اور سزا کا بھی بیان ہے۔ تو گویا اس کا پڑھنا اجمالا تمام قرآن کا پڑھنا ہے۔

علاوہ بریں تفسیر عزیزی وسیرت حلبی میں لکھا ہے: کہ اگر فاتحہ کو ترازو کے ایک پلہ میں رکھیں اور تمام قرآن کو دوسرے میں تو الحمد ساتھ حصہ غالب ہوگی۔

تفسیر روح البیان میں ہے: جس نے الحمد پڑھی اللہ تعالی اتنا ثواب عنایت فرمائیگا کہ گویا اس نے کل قرآن پڑھا اور اس نے کل مومن مرد اور عورتوں پر صدقہ کیا۔ لہٰذا الحمد کو ان فضائل کی وجہ سے اس فاتحہ میں خاص کیا۔

قل کے لئے حضور فرماتے ہیں: ایعجز احدکم ان یقرء فی لیلۃ ثلث القرآن قالوا وکیف یقرء ثلث القران قال: قل ھو اللہ احد یعدل ثلث القرآن (مسلم وبخاری شریف)

کیا تم میں کا کوئی عاجز ہے کہ رات میں تہائی قرآن پڑھ لیا کرے، عرض کیا کیونکر تہائی قرآن پڑھے؟ فرمایا: قل ہو اللہ احد تہائی قرآن کی برابر ہے۔

اور فرماتے ہیں:

من قرأ کل یوم مائتی مرۃ قل ھو اللہ احد محی عنہ ذنوب خمسین سنۃ الا یکون دین۔ (مشکوۃ)

جس نے ہر دن دو سو مرتبہ قل ہو اللہ پڑھی اس کے پچاس برس کے گناہ مٹا دیئے جائیں گے سوا قرضہ کے۔

آیۃ کرسی کے متعلق فرماتے ہیں:

سأل رجل ای سورۃ القرآن اعظم قال قل ھو اللہ احد قال ای ایۃ فی القران اعظم قال ایۃ الکرسی الیٰ آخرہ۔ (مشکوۃ)

ایک شخص سوال کرتا ہے کہ حضور قرآن کی کونسی سورت افضل ہے؟۔ فرمایا: قل ہو اللہ احد۔ پھر دریافت کیا کہ قرآن میں کونسی آیت افضل ہے فرمایا آیۃ کرسی۔

قل ہو اللہ اور آیت کرسی کو ان فضائل کی وجہ سے فاتحہ میں خاص کیا۔

درود شریف کو اس لئے مقرر کیا کہ فاتحہ میں میت کے لئے استغفار یا ایصال ثواب کیا جاتا ہے اور وہ از قسم دعا ہیں اور ہر دعا کے لئے درود شریف لازم جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

الدعاء موقوف بین السماء والأرض لا یصد منها شئی حتی تصلی علیٰ نبیك۔ (ترمذی)

یعنی دعا آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتی ہے جب تک حضور پر درود نہ پڑھا جائے۔

لہٰذا فاتحہ میں درود شریف کا پڑھنا لازم ہوا۔

دوسرا امر: خود حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے۔

بخاری ومسلم میں ام سلیم سے روایت موجود ہے، حضور کی گرسنگی معلوم کر کے چند روٹیاں حاضر کیں گئیں اور انہیں توڑ وا کر ملیدہ کی طرح بنایا، پھر ان پر الفاظ قسم دعا سے پڑھے الی آخرہ۔

اس حدیث سے کھانا سامنے رکھ کر پڑھنا ثابت ہو گیا۔ حضرت انس سے بھی اسی قسم کی روایت مشکوۃ میں موجود ہیں علاوہ بریں عنقریب ایک روایت پیش کی جائیگی جس میں صراحت سے فاتحہ کی اصل مع جمیع صور شارع علیہ الصلوۃ والسلام کے فعل میں موجود ہے۔ لہٰذا جو چیز کہ حضور کے فعل سے ثابت ہو اس کو کون مسلمان منع کر سکتا ہے۔

تیسرا امر ماسبق میں پہلا امر عبادت بدنی ہو یا مالی اس کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتے ہیں۔

ہدایہ میں ہے:

ان لا نسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوۃ اوصوما او صدقۃ او غیرھا عند اھل السنۃ والجماعۃ۔

یعنی اہل سنت وجماعت کے نزدیک انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے چاہے وہ عمل نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا اس کے علاوہ۔

نیز بخاری ومسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلث صدقۃ جاریۃ وعلم ینتفع بہ وولد صالح یدعو لہ۔

یعنی جب انسان مرجاتا ہے اس کے عمل بند ہو جاتے ہیں مگر تین۔ ایک خیرات جاری۔ دوسرے ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جائے۔ تیسرے نیک اولاد کہ اس کے لئے دعا کرے۔

وہابیہ کے سرغنہ اسمعیل دہلوی صراط مستقیم میں تصریح کرتے ہیں کہ فاتحہ مرسومہ وعرس ونذر ونیاز اموات بقدر ایصال ثواب ودعا بیشک بہتر ومستحسن ہے، وھذا نصہ ملخصا۔

ہر عبادتیکہ از مسلمان ادا شود وثواب آں بروح کسے از گزشتگان برساند وطریق رسانیدن آن دعائے خیر بجناب الٰہی ست پس این خود البتہ بہتر ومستحسن ست در خوبی قدر امر از امور مرسومہ فاتحہ

واعراس ونذر ونیاز اموات شک وشبہ نیست الخ۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ مردہ کو ہر عمل کا ثواب عند الشرع پہنچتا ہے۔

چوتھا امر حضور اقدس ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب آپ نیک عمل کرتے اس کے بعد دعا فرماتے اور اس کا دعا مقصد تمام امت کو ثواب پہنچانا ہوتا از انجملہ قربانی فرما کر ان الفاظ سے دعا فرماتے ہیں۔ الھم تقبل من محمد وال محمد ومن امة محمد۔ (مسلم)

اے اللہ قبول فرما مجھ محمد (ﷺ) اور آل محمد (ﷺ) کی طرف سے اور امت محمد (ﷺ) کی طرف سے۔

ایک حدیث میں فرماتے ہیں: الدعاء مخ العبادة۔

یعنی دعا عبادت کا مغز ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر عبادت کے بعد دعا ہونی چاہئے۔ پہلی حدیث سے ایک یہ فائدہ بھی معلوم ہوا کہ قربانی عبادت مالی ہے۔ اس میں حضور سے دعا کرنی ثابت ہوئی جس چیز میں مالی وبدنی دونوں جمع ہوں اس میں بدرجہ اولیٰ دعا ہونی چاہئے۔ فاتحہ کہ عبادت مالی وبدنی کا مجموعہ ہے اس میں دعا کی مشروعیت اس اصل سے ثابت ہوئی۔ ماسبق کو مدنظر رکھتے ہوئے احادیث پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کے آداب سے ہاتھ اٹھانا ہے۔

مشکوۃ میں سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

کان النبی ﷺ اذ ادعا فرفع یدیه ومسح وجهه بیدیه۔

یعنی جب حضور دعا مانگتے ہاتھ اٹھاتے اور اپنے چہرہ پر ان ہاتھوں کو پھیر لیتے۔

حدیث: اذا سألتم الله فاسئلوا ببطون اکفکم۔ (مشکوۃ)

جب تم اللہ سے مانگو تو ہاتھ کی ہتھیلیاں اٹھا کر مانگو۔

نیز اسی مشکوۃ شریف میں ہے:

ان ربکم حی کریم یستحیی من عبده اذا رفع یدیه الیه ان یر ده صفرا۔

یعنی بیشک اللہ تعالیٰ شرم ولحاظ فرمانے والا کرم کرنے والا ہے اپنے بندہ سے حیا کرتا ہے جب وہ اس کی طرف ہاتھ اوٹھائے کہ اس کو خالی ہاتھ پھیر دے۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ دعا کے ساتھ ہاتھ اٹھانے میں اور مزید عجز پیدا ہوتا ہے۔ فاتحہ

میں تقرب الی اللہ ومغفرت اموات کے لئے دعا کی جاتی ہے۔ لہذا ہاتھ اٹھانے میں زیادہ امید قبولیت ہے۔

پانچواں امر فاتحہ کے کھانے کو فقیروں محتاجوں کو کھلانا یا دیدینا بھی بہت بڑا ثواب ہے لیکن اپنے عزیزوں کنبے والوں کو کھلانا بہت بہتر ہے۔ اس لئے کہ یہ صدقہ نفل ہے اور ہر صدقہ نفل کے مستحق خویش واقارب ہیں۔ لہذا خویش واقارب کے کھلانے میں دو فائدے۔ ایک صلہ رحمی دوسرا کھانا کھلانے کا ثواب۔ چنانچہ کتب احادیث ان مضامین سے پر ہیں۔ یہ حکم ہر ایک کا فردا فردا بیان کیا گیا۔ ہر منصف ادنے نظر کرنے سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ جس کی ہر شق کے جواز کے دلائل بصراحت موجود ہیں اس کا مجموعہ کیونکر ناجائز ہوگا۔ اس لئے کہ کل کا فساد من حیث الذات جز کے فساد پر موقوف ہے۔ نیز یہ فاتحہ حضور کے فعل سے بھی ثابت ہے۔

چنانچہ ہدیۃ الحرمین میں ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ سے ناقل ہیں کہ علی قاری فتاوی اوزجندی میں لکھتے ہیں:

وکان یوم الثالث من وفات ابراهیم بن محمد ﷺ جاء ابو ذر عن النبی بتمرة یابسة ولبن فیه خبز من شعیر فوضعها عند النبی ﷺ فقرء رسول الله ﷺ الفاتحة وسورة الاخلاص ثلث مرات الی ان قال رفع یدیه للدعاء ومسح بوجهه فامر رسول الله ﷺ ابا ذر ان یقسمها بین الناس۔

یعنی حضور کے صاحبزادہ ابراہیم کی وفات کا تیسرا دن تھا کہ حضرت ابوذر نے خشک کھجوریں اور دودھ کہ اس میں جو کی روٹی تھی خدمت اقدس میں حاضر کیں۔ حضور نے الحمد اور تین مرتبہ قل ہو اللہ پڑھی یہاں تک کہ ہاتھ اٹھائے اور منہ پر پھیر لئے۔ حضرت ابوذر کو حکم فرمایا اس کو لوگوں میں تقسیم کردو۔

نیز اسی میں ہے:

قال النبی ﷺ وهبت ثواب هذه لابنی ابراهیم۔

کہ حضور نے فرمایا کہ اس کا ثواب میں نے اپنے بیٹے ابراہیم کو بخشا۔

اور انصافا اس تصریح میں فاتحہ کیسی صراحت سے ثابت ہو رہی ہے، لیکن یہ وہابی فرقہ اس میں ہزار تاویلیں پیش کر دیگا۔ خیر حضور کا قول تو کوئی حجت نہیں اب پیر صاحب کی خبر لیجئے کہ وہ کیا شرک وبدعت اگل گئے۔ آپ کے مایہ ناز مولوی اسمعیل دہلوی صراط مستقیم میں لکھتے ہیں:

نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست چہ این معنی بہتر وافضل ست
نہ سمجھیں کہ مردوں کو کھانے اور فاتحہ کا نفع پہنچانا اچھا نہیں بلکہ یہ بہتر اور افضل ہے۔

دیکھئے آپ کے امام الطائفہ نے یہاں بہتر وافضل کہا۔ دوسطر کے بعد لکھتے ہیں:

ہرگاہ ایصال نفع بمیت منظور دارد موقوف بر اطعام نگزارد اگر میسر باشد بہتر ست والا صرف ثواب سورہ فاتحہ واخلاص بہترین ثوابہاست۔

جب مردہ کو کوئی نفع پہنچانا منظور ہو تو اس کو کھانے پر موقوف نہ رکھیں، اگر کھانا میسر آسکے تو بہتر ہے ورنہ صرف سورۂ فاتحہ، وسورۂ اخلاص کا ثواب کہ بہترین ثواب ہے پہنچائیں۔

بالجملہ فاتحہ کی خوبی پر مولوی اسمعیل کو بھی اقرار ہے اور البتہ وبیشک وبے شبہ کہہ کر اس کی فضیلت واستحسان پر گواہی دیتے ہیں۔

اسی اسمعیل دہلوی نے صراط مستقیم میں فاتحہ دینے کے طریقے بھی تعلیم کیے:

اول طالب را باید کہ باوضو دوزانو بطور نماز نشیند وفاتحہ بنام اکابرین طریقہ یعنی حضرت خواجہ معین الدین سنجری وحضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ خواندہ التجا بجناب حضرت ایزد پاک بتوسط این بزرگان نماید الخ

یعنی مرید کو چاہئے کہ باوضو نماز کی طرح بیٹھے اور فاتحہ اس خاندان کے بزرگوں یعنی حضرت خواجہ معین الدین سنجری اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ کے نام کی پڑھے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں ان بزرگوں کے واسطے سے التجا کرے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے بھائی مولانا شاہ رفیع الدین صاحب سے سوال کیا گیا: منقول از رسالہ نذور مزارات اولیاء: سوال تخصیص ماکولات در فاتحہ بزرگان مثل کھچڑہ در فاتحہ امام حسن رضی اللہ عنہ وتوشہ در فاتحہ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ذک وہمچناں تخصیص خورندگاں چہ حکم دارد
جواب: فاتحہ وطعام کہ بے شبہ از مستحسنات است وتخصیص کہ فعل مخصص است باختیار اوست کہ باعث منع نمی تواند شد این تخصیصات از قسم عرف وعادت اند کہ بمصالح خاصہ ومناسبتے خفیہ ابتداء بظہور آمدہ ورفتہ رفتہ شیوع یافتہ۔

بزرگوں کی فاتحہ میں کھانوں کا خاص کرنا جیسے کھچڑہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی فاتحہ میں اور توشہ حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی فاتحہ میں اور اس کے سوا اور یونہی کھانے والوں کی تخصص

کا کیا حکم ہے۔

جواب فاتحہ اور کھانے بے شبہ مستحسنات سے ہے اور کسی چیز کا خاص کرنا خاص کرنے والے کا فعل ہے کہ اس کے اختیار سے ہوا ممانعت کا سبب نہیں ہوسکتا ایسی تخصیصیں عرفاً کسی خاص مصلحتوں اور پوشیدہ مناسبتوں کی وجہ سے مشروع ہوا کرتی ہیں اور رفتہ رفتہ رائج وشائع ہوجایا کرتی ہیں۔

اس قول سے معلوم ہوا کہ تخصیصات عوارض ہیں اور عوارض اصل شئی کے حکم کو نہیں بدل سکتے۔ بالجملہ اس میں فتوی میں مطلق فاتحہ کا جواز ثابت کیا گیا جمعرات وعیدین وشب برأت وعشرہ محرم وغیرہ کی فاتحہ ضمناً آئی علاوہ بریں ہر ایک کے علحدہ علیحدہ دلائل موجود ہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



مسئلہ سوم

مسئلہ

سوم کے متعلق جیسا کہ عام رواج ہے چنوں پر کلمہ طیبہ سوا لاکھ مرتبہ پڑھ کر اس کا ایصال ثواب مردے کی روح کو کرتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے خاص کر چنوں کی تخصیص کرنا کیسا ہے نیز ساڑھے بارہ سیر چنے کی تعداد میں سوا لاکھ ہو جاتے ہیں جب کہ ان میں ٹھری وغیرہ بھی نکلتی ہے جس کو پڑھنے کے بعد اکثر بے ادبی ہوتی ہے۔

المستفتی نیاز مند اختر الزمان خاں شیروانی سنی حنفی چشتی ساکن دادوں ضلع علی گڑھ۔

الجواب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کلمہ طیبہ افضل الکلام اور بہترین ذکر ہاور نہایت اعلیٰ دعا ہے چنانچہ شرح السنۃ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حدیث: قال موسیٰ عیه السلام یا رب علمنی شیئا اذکرك به او ادعوك به فقال یا موسی قل لا اله الا الله فقال: یارب کل عبادلك یقول هذا انما ارید شیئا تخصنی قال : یا موسیٰ لو ان السموات السبع وعامرهن غیری والارضین السبع وضعن فی کفة ولا اله الا الله فی کفة لمالت بهن لا اله الا الله۔ (مشکوۃ شریف ص ۲۰۱)

ترجمہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب مجھے ایسی چیز تعلیم فرما جس سے میں تیرا ذکر کروں اور تجھ سے دعا مانگوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ لا الہ الا اللہ کا ورد کر حضرت موسیٰ نے عرض کی اے میرے رب تیرے تمام بندے اس کلمہ طیبہ کو کہتے ہیں میں تو ایسی چیز چاہتا ہوں ہو جس کو تو مجھے خاص طور پر تعلیم کرے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ ساتوں آسمان اور میرے سوا دنیا کے محافظ اور ساتوں زمین اگر ایک پلہ میں رکھدئے جائیں اور لا الہ الا اللہ دوسرے پلہ میں تو لا الہ الا اللہ کا پلہ اس پر

راجح اور غالب ہو جائے گا۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہو گیا کہ کلمہ طیبہ کیسا بہتر عمل ہے اور کس قدر وقیع چیز ہے کہ ساتوں افلاک ساتوں زمینوں پر یہ غالب وراجح ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو کلمہ طیبہ کا عمل تعلیم فرمایا ترمذی شریف میں ہے۔

حدیث: من هلل الله مائة بالغداة ومائة بالعشی کان کمن اعتق مائة رقبة من ولد اسمعیل۔ (از مشکوۃ شریف ص ۲۰۲)

جس نے لا الہ الا اللہ سو مرتبہ صبح وشام پڑھا تو اس کا ثواب ایسا ہے جیسے کسی نے اولاد اسمٰعیل علیہ السلام سے سو غلام آزاد کئے۔

اولاد اسمٰعیل سے مراد افضل اجناس ہے۔

اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ کا اجر وثواب بہترین غلام آزاد کرنے کی طرح ہے۔ لہٰذا یہ کلمہ طیبہ ادعیہ میں عمدہ دعا۔ اعمال میں بہتر عمل۔ اذکار میں نفیس ذکر۔ اوراد میں اعلیٰ ورد۔ وظائف میں افضل وظیفہ ہے۔ اور یہ سبب اجر جلیل اور باعث ثواب جزیل ہے۔ پھر اس کلمہ شریف میں مزید فضیلت یہ ہے کہ یہ سرعت قبول واجابت کا ذریعہ ہے اور وصول الی اللہ کا وسیلہ ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حدیث: ما قال عبد لا اله الا الله مخلصا قط الا فتحت له ابواب السماء حتی یفضی الی العرش ما اجتنب الکبائر۔ (از مشکوۃ شریف ص ۲۰۲)

جو بندہ نہایت ہی اخلاص سے لا الہ الا اللہ کا وظیفہ پڑھے گا تو اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں گے یہاں تک کہ وہ عرش تک پہونچ جائے گا جب تک کہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتا رہے۔

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری اس حدیث کی شرح مرقات میں فرماتے ہیں:

ای تصل عنده وتنتهی الی محل القبول المراد بهذا وامثاله سرعة القبول والاجابة وکثرة الاجر والاثابة۔ (حاشیہ مشکوۃ شریف ص ۲۰۲)

یعنی عرش کے نزدیک پہنچ جائیگا اور محل قلوب تک منتہی ہوگا اس سے اور اس کے امثال سے مراد سرعت قبول اور اجابت اور کثرت اجر وثواب ہے۔

بالجملہ ادھر تو یہ کلمہ طیبہ افضل ذکر الٰہی ودعا اور بہتر عمل عمدہ وظیفہ ہے کثرت اجر وثواب کا باعث سرعت قبول واجابت کا سبب ہے ادھر مردہ ڈوبنے والے کی طرح دعا کا سخت محتاج کثیر اجر وثواب والی چیزوں کا بہت زیادہ منتظر سرعت قبول واجابت کے اعمال کا انتہائی درجہ کا آرزومند ہوتا ہے جیسا کہ بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

حدیث: ما المیت فی القبر الا الغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام اواخ وصدیق فاذا لحقتہ کان احب الیہ من الدنیا وما فیہا وان اللہ تعالیٰ لیدخل علی اہل القبور من دعاء اہل الارض امثال الجبال وان ہدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لہم۔

(مشکوۃ شریف ص ۲۰۶)

قبر میں مردہ ڈوبنے والے اور فریاد کرنے والی کی طرح ہوتا ہے یا ماں یا بھائی یا دوست کی جانب سے پہنچنے والی دعا کا منتظر رہتا ہے اور جب ان کی طرف سے کوئی دعا پہنچتی ہے تو اسے دنیا ومافیہا سے زیاہ پیاری معلوم ہوتی ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ اہل قبور پر اہل زمین کی دعا کو پہاڑوں کے مثل کر کے پہنچاتا ہے بیشک مردوں کی طرف زندوں کا یہی ہدیہ ہے کہ وہ ان کے لئے استغفار کریں۔

لہٰذا یہ کلمہ طیبہ میت کے لئے کیسی نعمت عظمی ہوا۔ اور اس کا ایک لاکھ مرتبہ پڑھنا کس قدر اجر وثواب کا باعث ہوگا اور اس کے ایصال ثواب سے اس منتظر کو کتنی مسرت وخوشی حاصل ہوگی اور اس کی سرعت تاثیر سے وہ میت کس قدر جلد منازل مقصودہ اور معارج مطلوبہ تک رسائی کر جائیگا اور اس کی افضلیت ومحبوبیت کے باعث وہ مردہ بعجلت واصل بحق ہوجائے گا۔

انھیں مقاصد کے غرض سے علماء کرام وائمہ عظام نے میت کے لئے کلمہ طیبہ کا ایک لاکھ مرتبہ پڑھنا سوم میں تجویز فرمایا ہے اور میت کے لئے کلمہ طیبہ پڑھنے کی یہ تجویز صرف علماء کی ایجاد کی ہوئی نہیں ہے بلکہ یہ خود احادیث سے ثابت ہے، بہت سے واقعات اس کے شاہد ہیں بخیال اختصار اس وقت چند احادیث وواقعات سلف نقل کرتا ہوں۔

حدیث: امام ابو القاسم جیلی نے دیباج میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

روایت کی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال اخبرنی جبریل ان لا الہ الا اللہ انس المسلم عند موتہ وفی قبرہ وحین یخرج من قبرہ۔ (شرح الصدور مصری ص ۷۸)

ترجمہ: بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جبرئیل امین نے خبر دی کہ لا الہ الا اللہ مسلمان کے لئے اس کی موت کے وقت اس کی قبر میں اور جس وقت وہ قبر سے اٹھایا جائیگا انس ہوگا۔

حدیث: ابویعلی اور حاکم نے بسند صحیح حضرت طلحہ وحضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ ان دونوں نے فرمایا ہم نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ

یقول انی لا علم کلمۃ لا یقول لہا رجل یحضرہ الموت الا وجد روحہ لہا راحۃ حین تخرج من جسدہ وکانت لہ نورا یوم القیٰمۃ (وفی لفظ) الا نفس اللہ عنہ واشرق لونہ ورأی ما یسرہ لا الہ الا اللہ۔ (از شرح الصدور ص ۱۶)

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں بیشک میں ضرور ایسا کلمہ تعلیم کرتا ہوں جس کو کوئی شخص موت کے وقت کہے تو اس کی روح جسم سے پرواز کرتے وقت اس کلمہ کی وجہ سے راحت پائے اور وہ کلمہ بروز قیامت اس کے لئے نور بنایا جائے (اور ایک روایت میں ہے) اللہ تعالیٰ اس کا غم دور کرے اور اس کا رنگ روشن ہوجائے اور وہ آسانی دیکھے (وہ کلمہ یہ ہے) لا الہ الا اللہ

علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں فرمایا کہ حجاج بن تمیلہ نے کہا کہ میں حضرت حسن اور فرزوق سے ایک قبر کے پاس ملا تو حضرت حسن نے فرزوق سے فرمایا:

ما اعددت لہذا الیوم قال شہادۃ ان لا الہ الا اللہ منذ سبعین سنۃ فسکت الحسن قال ابن الفرزوق فرائت ابی فی النوم بعد موتہ فقال لی یا بنی نفعتنی الکلمۃ التی خاطبت بالحسن۔ (شرح الصدور ص ۱۲۰)

تو نے اس دن (یعنی قبر میں داخل ہونے کے دن) کے لئے کیا تیاری کی ہے فرزوق نے جواب دیا ستر سال سے لا الہ الا اللہ کی شہادت حضرت حسن نے سکوت فرمایا۔ ابن فرزوق نے کہا: میں نے اپنے والد کو بعد وفات خواب میں دیکھا تو مجھ سے فرمایا اے بیٹے مجھے اسی کلمہ طیبہ نے فائدہ دیا جس کے متعلق میں نے حضرت حسن سے گفتگو کی تھی۔

ایک کوفہ کے شخص نے حضرت سوید بن عمر کلبی کو خواب میں مرنے کے بعد بہتر حالت میں دیکھا

اور یہ دریافت کیا۔

یا سوید ماھذہ الحالۃ الحسنۃ قال انی کنت اکثر من قول لا الہ الا اللہ فاکثر منھا ۔ (شرح الصدور ص ۱۱۶)

اے سوید یہ نفیس حال کس چیز سے حاصل ہوا فرمایا میں لا الہ الا اللہ کی کثرت کرتا تھا تو بھی اسی کلمہ طیبہ کی کثرت کر۔

ان احادیث اور واقعات سے آفتاب سے زیادہ روشن طور پر ثابت ہوگیا کہ میت کے لئے کلمہ شریف پڑھنا اس وحشت ناک گھر میں باعث انس ہے اور روح کے لئے سبب راحت ہے غم دور ہونے اور آسان ہوجانے کا باعث ہے روز قیامت میں اس کے لئے نور ہوجائے گا آخرت کا بہترین توشہ ہے اس کی کثرت بہتر حالت کرتی ہے۔ لہذا میت کے لئے کلمہ طیبہ کی کثرت کس قدر ہمدردی اور اعانت ہوئی ۔اور اس کا ایک لاکھ مرتبہ پڑھنا کتنے زیادہ اجر وثواب کا موجب ہوگا۔ وہابی کا اس سے انکار کرنا میت پر کس قدر بڑا ظلم ہے اور اس کے ساتھ کتنی زبردست دشمنی ہے کہ وہ ان کے کثیر اجر وثواب کو روکتا ہے ان کے راحت کے سبب کو میٹتا ہے۔ پھر طرفہ یہ کہ ان صریح احادیث کی مخالفت کر کے خود بدعت کا دروازہ کھولتا ہے اور بدعتی بنتا ہے اور ان احادیث پر عمل کرنے والی اہلسنت وجماعت کو براہ مکر وفریب بدعتی قرار دیتا ہے۔

مسلمانو! بدینوں کی فریب کاری دیکھو کہ خود احادیث کی کھلی ہوئی مخالفت کریں اور یہ لوگ بدعتی نہ ہوں باوجودیکہ مخالفت کتاب وسنت کا اتباع کریں اور یہ دریدہ دہن ان کو اس اتباع کی وجہ سے اہل بدعت ٹھہرائیں حاصل کلام یہ ہے کہ اموات کی ارواح کو کلمہ طیبہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا صریح احادیث سے ثابت ہوا۔

اب باقی رہی کلمہ شریف کی تعداد اس میں روایات مختلفہ وارد ہیں کسی میں ایک لاکھ مرتبہ پڑھنا آیا ہے۔ اور کسی میں ستر ہزار یا پچھتر ہزار بار پڑھنا وارد ہے۔ بزرگان دین کا عمل اس تعداد میں مختلف آیا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے ستر ہزار کا حکم دیا۔

چنانچہ مکتوبات شریف میں جلد دوم کے مکتوب چہاردہم میں ہے۔

بیاران ودوستان فرمایند کہ ہفتاد ہفتاد ہزار بار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ بروحانیت مرحومے خواجہ محمد صادق وبروحانیت مرحومہ ہمشیرہ او ام کلثوم بخوانند وثواب ہفتاد ہزار بار رابروحانیت یکے بخشند وہفتاد

ہزار دیگر رابروحانیت دیگر از دوستاں دعاو فاتحہ مسئول ست۔ (مکتوب مطبوعہ دہلی جلد ۲ ص ۲۶)

دوست احباب سے فرمادیجئے کہ ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ خواجہ محمد صادق مرحوم کی روح اور ان کی ہمشیرہ ام کلثوم مرحومہ کی روح کے لئے پڑھیں اور ستر ہزار بار کا ثواب ایک کی روح کو بخشیں اور ستر ہزار بار کا ثواب دوسرے کی روح کو دوستوں سے دعا اور فاتحہ مسئول ہے۔

مجدد صاحب نے ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ کا میت کے لئے ایصال ثواب کرنے کا حکم دیا معلوم ہوتا ہے کہ مجدد صاحب کے نزدیک یہی روایت زیادہ معتمد ہے وہابیوں کے پیشوا ومقتدا مولوی رشید احمد گنگوہی کے نزدیک پچھتر ہزار کی روایت معتبر ہے فتاوے رشیدیہ میں صاف موجود ہے۔

استفتاء کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں

مسئلہ: جو حدیثوں میں وارد ہے کہ میت کے واسطے پچھتر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھا جائے تو وہ جنتی ہے پس اگر دوسرے روز پڑھتے ہیں تو دوجا اور تیسرے دن تیجہ علیٰ ہذا چوتھا وغیرہ اور اس کو علماء بدعت کہتے ہیں تو اب کس طور سے میت کو ثواب پہنچایا جاوے اور میت کے مکان پر یا میت کے قریب کی مسجد میں بیٹھ کر قرآن مجید یا کلمہ طیبہ کسی دن مقررہ پر پڑھیں یا نہیں۔

الجواب: جس وقت میت پر جمع ہوتے ہیں اس کی تجہیز وتکفین کے واسطے وہاں جو لوگ کاروبار میں مشغول ہیں وہ اپنے کام میں رہیں اور باقی کلمہ پڑھے جاویں جس قدر ہوجاوے اور باقی کو اپنے گھر پڑھ دیویں کوئی حاجت اجتماع کی بھی نہیں حدیث میں ایک جلسہ میں پڑھنا تو ذکر نہیں ہوا پڑھنا فرمایا ہے جس طرح کر دیویں فقط۔ از فتاوے رشیدیہ جلد ۲ ص ۹۵

گنگوہی صاحب نے اس جواب میں بہت زیادہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ ناپاک سعی کی ہے کہ کلمہ طیبہ پڑھنے اور قرآن خوانی کے لئے اجتماع نہ کیا جائے تو ان کی یہ رائے شریعت اسلامیہ اور احادیث صریحہ کے خلاف ہے ان کی یہی ایک رائے کیا جبکہ آپ کی ہر رائے قواعد شرعیہ اور سلف وخلف کے اقوال مرضیہ کے ہمیشہ بالکل خلاف ہی رہا کرتی ہے یہاں ایک اسی رائے کی حقیقت ملاحظہ کیجئے۔

اس بات پر ہر مسلمان کا اعتقاد ہے کہ کلمہ طیبہ اور قرآن کریم خیر الکلام افضل الذکر ہیں کثیر حدیثوں سے بھی ان کا بہترین ذکر الٰہی ہونا ثابت ہے اب احادیث کو دیکھئے کہ آیا ذکر الٰہی کے لئے اجتماع کرنا جائز ہے یا نہیں۔

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سید عالم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حدیث لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتھم الملائکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ وذکرھم اللہ فیمن عندہ ۔ (از مشکوۃ شریف ص ۱۹۶)

جو قوم ذکر الٰہی کے لئے بیٹھتی ہے ملائکہ ان پر چھا جاتے ہیں رحمت الٰہی انھیں ڈھانپ لیتی ہے سکینہ ان پر نازل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ مقربین میں ان کا ذکر کرتا ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حدیث اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا قالوا ما ریاض الجنۃ قال حلق الذکر ۔
(مشکوۃ شریف ص ۱۹۸)

جب تم جنت کے باغوں پر گذرو تو ان سے میوہ چینی کرو یعنی حظ وافر حاصل کرو صحابہ نے عرض کیا جنتی باغوں سے کیا مراد ہے فرمایا ذکر کی مجلسیں۔

ان احادیث سے معلوم ہوگیا کہ ذکر کے لئے اجتماع باعث رحمت و برکت ہے اور ایسے مجمع مقبول بارگاہ ہیں حضور نے ان کے لئے ترغیب فرمائی اسی بنا پر حضرات صحابہ کرام نے خاص میت کے ایصال ثواب کے لئے اجتماع کئے۔

چنانچہ خلال نے جامع میں شعبی سے روایت کی:

کانت الانصار اذا مات لھم المیت اختلفوا الی قبرہ یقرؤن لہ القرآن۔
(شرح الصدور ص ۱۳۰)

انصار میں سے جب کوئی مرجاتا تو اس کی قبر کی طرف جاتے تھے اور اس کے لئے قرآن شریف پڑھتے تھے۔

علامہ جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں فرماتے ہیں۔

ان المسلمیں مازالوا فی کل عصر یجتمعون ویقرؤن لموتاھم من غیر نکیر فکان ذلک اجماعا۔ (از شرح الصدور ص ۱۳۰)

مسلمان ہمیشہ سے ہر زمانہ میں بلا کسی انکار کے اپنے مردوں کیلئے جمع ہوئے اور قرآن کریم پڑھتے رہے تو یہ اجماع ہوگیا۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تذکرۃ الموتی میں فرماتے ہیں:

حافظ شمس الدین ابن عبدالواحد گفتہ از قدیم در ہر شہر مسلمانان جمع می شوند وبرائے اموات قرآن می خوانند پس اجماع شدہ (تذکرۃ الموتی ص ۳۶)

حافظ شمس الدین ابن عبدالواحد نے کہا کہ قدیم سے ہر شہر میں مسلمان جمع ہوتے ہیں اور اموات کے لئے قرآن شریف پڑھتے ہیں پس اس پر اجماع ہوگیا۔

بالجملہ ان احادیث وعبارات سے یہ بات نہایت واضح ہوگئی کہ ذکر الٰہی کیلئے اجتماع کرنا سبب برکت ہے حضور نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسی مجلسوں مجمعوں کو جنتی باغ فرما کر میوہ چینی کا حکم فرماتے ہیں ان کے لئے ترغیب دلاتے ہیں تو احادیث نے صراحۃ ایسے اجتماع کا حکم دیا انصار نے خاص میت ہی کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کا اجتماع کیا ہمیشہ سے ہر زمانہ ہر شہر میں بغیر انکار کے اموات کے کیلئے ایصال ثواب کی غرض سے اجتماع ہوئے اور اس میں قرآن خوانی ہوئی تو گویا اس پر امت کا اجماع ہوا۔

لہٰذا جو اجتماع احادیث سے ثابت ہے افعال صحابہ سے ظاہر اجماع امت سے مستفاد گنگوہی صاحب اسی اجتماع کو یہاں تو دبے الفاظ میں منع کر رہے ہیں اسی فتاوی رشیدیہ میں صاف طور پہ بھی لکھتے ہیں۔ اجتماع میت کے ایصال ثواب کو بھی بدعت لکھتے ہیں۔ (از فتاوی رشیدیہ جلد ۱ ص ۴۹)

اسی فتاوی رشیدیہ میں ایک فتوے میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

مجتمع ہونا عزیز واقارب وغیرہم کا واسطے پڑھنے قرآن مجید کے یا کلمہ طیبہ کے جمع ہو کر روز وفات میت کے یا دوسرے روز یا تیسرے روز بدعت ومکروہ ہے شرع شریعت میں اس کی کچھ اصل نہیں۔
(فتاوی رشیدیہ جلد ۱ ص ۱۴۱)

اسی فتاوی رشیدیہ میں گنگوہی صاحب اس اجتماع کو صاف حرام لکھتے ہیں۔

تیسرے دن کا مجمع میت کے واسطے اولا مشابہت ہنود کی یہاں کے یہاں تیجہ ضروری رسم جاری ہے حرام ہوگا بسبب مشابہت کے۔ (فتاوی رشیدیہ جلد ۲ ص ۹۲)

ان عبارت سے ظاہر ہوگیا کہ گنگوہی صاحب اپنی رائے ناقص سے اس اجتماع کو (جو بھی احادیث، افعال صحابہ، اجماع امت سے ثابت ہو چکا) بدعت مکروہ بے اصل حرام کہتے ہیں، لہٰذا اب ادنی فہم والا بھی سمجھ لے گا کہ گنگوہی جی اسی کو بدعت وحرام کہا کرتے ہیں جو افعال صحابہ اور اجماع امت

سے ثابت ہو اور بے اصل اس کو کہتے ہیں جس کی اصل صاف طور پر احادیث میں موجود ہو۔

یہ ان کی بے دینی وگمراہی کا ایک نمونہ ہے۔ اب رہا تیسرے دن کا تعین اس کو گنگوہی نے پہلے فتوی میں باتوں ہی باتوں میں اڑا دیا تھا اور اجتماع وقت تجہیز وتکفین کو کلمہ خوانی کے تعین کر دیا تھا لیکن یہاں اپنے دل کا بخار نکال لیا کہ میت کے واسطے تیسرے دن کا مجمع بمشابہت ہنود حرام ہے۔ لہذا میں اس کے جواب میں ایک ہی حوالہ نقل کرتا ہوں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان میں تیجہ کا رواج تھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی تیجہ ہوا۔ شاہ صاحب کے ملفوظات میں ہے:

روز سوم کثرت ہجوم مردم آن قدر بودند کہ بیرون از حساب است ہشتاد و یک ختم کلام اللہ بہ شمار آمدہ وزیادہ ہم شدہ باشد وکلمہ را حصر نیست۔

(ملفوظات ص ۸۰)

تیجے کے روز آدمیوں کا ہجوم اس کثرت سے تھا کہ شمار میں نہیں آسکتا اکیاسی ختم کلام اللہ شریف شمار میں آئے اور اس سے زیادہ بھی ہو گئے ہوں۔ اور کلمہ کی تو انتہا نہیں۔

گنگوہی صاحب اور ان کے سب اکابر واصاغر آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ اس میں تیسرے دن کا تعین بھی ہے اجتماع بھی اور وہ بھی ایسا کہ شمار سے باہر ہے۔ قرآن خوانی بھی ہے۔ اور وہ بھی ایسی کہ اکیاسی ختم ہوئے بلکہ اس سے بھی زائد۔ کلمہ طیبہ بھی پڑھایا گیا اور وہ بھی لاکھ سوا لاکھ نہیں بے شمار وبے حساب۔

اب ساری وہابی جماعت آنکھیں بند کر کے دل کھول کر شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا نام لیکر صاف صاف سنائے کہ شاہ صاحب مرتکب حرام ہیں۔ شاہ صاحب فاسق ہیں شاہ صاحب بدعتی ہیں شاہ صاحب کو تشبہ بالہنود کا معیار معلوم نہیں شاہ صاحب کو تیسرے دن کے تعین کی قباحت کا پتہ نہیں۔

ہاں! ہاں! وہابیو دیوبندیو۔ اگر تمہارے اندر صداقت اور راست بازی کا کوئی شائبہ ہو تو حضرت شاہ صاحب پر فتوی جڑو اور ان کی سند حدیث سے بے تعلقی ظاہر کرو، ورنہ اپنے باطل مذہب سے توبہ کرو۔

الحاصل گنگوہی صاحب کی پہلی عبارت صرف اس غرض سے نقل کی گئی تھی کہ میت کے ایصال

ثواب کیلئے پچھتر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھنا گنگوہی صاحب کے اسی طرح حدیث شریف سے ثابت ہے اور خود اس پر عمل کرنے کا حکم بھی فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

وہابیہ کے دوسرے مقتدا مولوی قاسم نانوتوی اپنی کتاب تحذیر الناس میں لکھتے ہیں۔

حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہوگیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بروئے کاشفہ اس نے کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار بار کبھی کلمہ پڑھا تھا۔ یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے۔ اپنے جی ہی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ کی۔ مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے پھر سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ تو آپنے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت ہم کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی۔ (تحذیر الناس مطبوعہ سہارنپور ص ۳۸)

لہذا میت کے ایصال ثواب کیلئے ایک لاکھ بار یا پچھتر ہزار بار یا ستر ہزار بار کلمہ طیبہ کا پڑھنا حدیث شریف وعمل صالحین وطریق مسلمین سے ثابت ہوا۔ اب سوا لاکھ بار یا اس سے زیادہ پڑھنے کی کوئی ممانعت نہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے سوم میں تو بیشمار وبے حساب کلمہ طیبہ پڑھا گیا۔ اعزہ واقارب دوست احباب جتنا زیادہ ممکن ہو کر سکتے ہیں۔

اب باقی رہا اس مقدار کی شمار کے لئے چنوں کی تخصیص وہ اس بنا پر ہے کہ چنے سہل الحصول ہیں۔ شہر وقریہ میں ہر امیر وغریب کو بآسانی دستیاب ہو جاتے ہیں۔ ان کی تقسیم مزید میت کے لئے ایصال ثواب کا سبب بن جائیگی اور منجملہ صدقات محسوب ہوگی۔ پھر ان میں سب سے بڑا فائدہ یہ مدنظر تھا کہ متوسط درجہ کا پہلے سیر سے جو اسی روپیہ سے زائد تھا۔ ساڑھے بارہ سیر شمار میں ایک لاکھ دانے ہوتے تھے چنانچہ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب نے انوار ساطعہ میں تحریر فرمایا ہے کہ میں نے خود اس کا تجربہ کیا ہے اسی شمار میں ہیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو ان کو بے ادبی سے اجتناب وپرہیز کرنا چاہئے۔ بالجملہ چنوں کی تخصیص محض ان مصالح کی بنا پر ہے جس کی ممانعت پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں۔ اس مختصر تحریر میں سوم کے ہر پہلو پر اجمالی طور سے کافی روشنی پڑگئی منصف کیلئے نہایت کافی ووافی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب **کتبہ**: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ

مخدومی مکرمی عالم اجل فاضل بے بدل افضل العلماء جناب مولانا مولوی صاحب زید مجدکم بعد سلام سنت الاسلام کے گذارش خدمت اقدس میں ہے کہ مسائل مندرجہ ذیل کے جوابات بحوالۂ کتب مفتی بہ اقوال بذریعہ ''رسالہ اہل سنت'' شائع فرما کر ممنون فرمائیے۔ منعم حقیقی آپ کو انعام جمیل وجزیل عطا فرمائے۔ کما قال اللہ تعالیٰ واللہ عندہ حسن الثواب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) زید (ایک عالم ہونے کا مدعی ہے حالانکہ جاہل مطلق ہے) کہتا ہے سہرا باندھنا عبد النبی، علی بخش، حسین بخش وامثالھم نام رکھنا۔ نیز کسی کے نام کی منت ماننا۔ اور کسی بزرگ کا نام بطور وظیفہ جپنا کفر وشرک ہے۔ اور دلیل میں کوئی کلام الٰہی کی آیت یا کسی حدیث شریف وقول مفسر یا کسی محدث کے اقوال کے بجائے تھانوی صاحب یعنی اشرف علی کی بہشتی زیور حصہ اول ص ۵۲ و ۵۳ کی عبارت پیش کرتا ہے۔ ونیز زید کہتا ہے علی بخش وغیرہ کے معنی یہ ہوئے کہ علی کا بخشا ہوا۔ دیا ہوا۔ تو کیا اس کو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بخشتے ہیں یا دیتے ہیں۔

(۲) نیز زید کہتا ہے کہ قیام بروقت ذکر ولادت باسعادت نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام بدعت ہے اور ناجائز ہے۔ دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ اس وقت محفل میں حضرت تشریف لاتے ہیں، یا تعظیم ذکر ولادت مراد ہے؟ بصورت اول ثبوت طلب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر آپ یہ کہیں کہ حضور ہر جگہ حاضر وناظر ہیں تشریف تو وہ لائے جو موجود نہ ہو۔ تو سوال یہ ہے کہ تمام ذکر ہی بصورت قیام کیوں نہ کیا کیونکہ تعظیم ذات افضل ہے تعظیم ذکر سے۔

بصورت ثانی کل ذکر ہی بصورت قیام کیوں نہیں کیا جاتا خاص اس وقت جب کہ فظہر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا اسی کے مرادف الفاظ بیان کئے جاویں قیام کیا ضروری ہے۔ دیگر یہ کہ ذکر اللہ تعالیٰ افضل ہے یا ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟۔ یہ امر مسلم ہے کہ ذکر اللہ تعالیٰ افضل ہے لیکن بروقت بسم اللہ خوانی وذکر الٰہی قیام کرنا ضروری نہیں سمجھتے ہیں لیکن بروقت ذکر ولادت باسعادت قیام ضرور کیا جاتا ہے۔

(۳) زید ایک گاؤں کا حاکم ہے اس نے گاؤں میں نماز جمعہ بند کرادی حالانکہ مسلمین یہ نماز جمعہ عرصہ دراز سے ادا کرتے چلے آئے ہیں۔ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ نماز جمعہ وعیدین گاؤں میں جائز نہیں۔

لیکن دریافت طلب یہ امر ہے کہ جہاں زمانہ دراز سے ہوتی ہو وہاں نماز جمعہ بند کر دینا کیسا ہے اور زید کی بابت کیا حکم ہے؟۔ نیز گاؤں میں نماز جمعہ ادا کرنے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟۔ کیونکہ عالم زماں اعلیٰ حضرت بریلی قدس سرہ العزیز فتاوے افریقہ میں فرماتے ہیں۔

پھر جہاں ہمارے مذہب میں جمعہ نہیں اور عوام پڑھتے ہوں وہاں اپنا طریقہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو منع نہ کیا جائے کہ آخر نام الٰہی لیتے ہیں جو بعض ائمہ کے طور پر صحیح آتا ہے مگر خود نہ شریک ہوں کہ ہمارے مذہب میں جائز نہیں کما فی الدر المختار

(۴) سوئم کے متعلق جیسا کہ عام رواج ہے چنوں پر کلمہ طیبہ سوا لاکھ مرتبہ پڑھ کر اس کا ایصال ثواب مردے کی روح کو کرتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے خاص کر چنوں کی تخصیص کرنا کیسا ہے نیز ساڑھے بارہ سیر چنے کیا تعداد میں سوا لاکھ ہو جاتے ہیں جب کہ ان میں ٹھری وغیرہ بھی نکلتی ہے جس کی پڑھنے کے بعد اکثر بے ادبی ہوتی ہے۔ فقط والسلام بصد احترام

المستفتی، نیاز مند اختر الزماں خاں شیروانی سنی حنفی چشتی دادوں (علی گڑھ)

الجواب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جواب سوال اول

سہرا باندھنا بغیر پنی نکلی گوٹہ کے صرف پھولوں کا سہرا باندھنا مباح وجائز ہے۔ کیونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

علامہ ابن عابدین رد المحتار میں فرماتے ہیں:

صرح فی التحریر بان المختار ان الاصل الا باحة عند الجمهور من الحنفية والشافعية اه وتبعه تلميذه العلامة قاسم وجرى عليه فی الهداية من فصل الحداد وفی الخانية من اوائل الحظر والا باحة۔ (رد المحتار جلد ا ص ۸۴)

کتاب تحریر میں تصریح کی کہ جمہور حنفیوں شافعیوں کے نزدیک مذہب مختار یہ ہے کہ اصل اباحت ہے اور علامہ قاسم نے اسی کا اتباع کیا اور ہدایہ کی فصل حداد میں اور فتاوے قاضی خاں کے اوائل حظر واباحۃ میں اسی کو جاری اور برقرار رکھا۔

اسی طرح اکثر کتب فقہ میں ہے کہ اشیا میں اصل اباحت ہے۔ تو پھولوں کا سہرا مباح قرار پایا

اورقرآن وحدیث یاقول سلف وخلف میں اس کی کوئی صریح ممانعت وارد نہیں ہوئی۔مخالف اس کوناجائز اورحرام ہی کیا بلکہ شرک ٹھہرا کرشریعت پرافتراء کرتاہے۔حدودالٰہی سے تجاوز کرتاہے۔محض اپنی رائے سے مباح کوناجائزوحرام کہتاہے۔دارقطنی میں حضرت ابی ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اللہ فرض فرائض فلا تضیعوھا وحرم حرمات فلا تنتھکوھا وحد حدودا فلا تعتدوا وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا ۔(مشکوۃ شریف ص۳۲)

حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایابیشک اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے توان کوضائع نہ کرواورکچھ چیزیں حرام فرمائیں توان کی بے حرمتی نہ کرواورکچھ حدیں باندھیں توان سے نہ بڑھو اور بغیر بھولے بعض چیزوں سے سکوت فرمایاتوان کے درپے نہ ہو۔

اس حدیث شریف سے واضح ہوگیاکہ بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جن کے صریح حکم سے اللہ تعالیٰ نے ہم پررحمت کے لئے بغیر بھولے سکوت فرمایا کہ دوسری حدیث شریف نے ایسی مسکوت چیزوں کاواور ظاہر بیان فرمادیا۔جامع ترمذی وسنن ابن ماجہ ومستدرک حاکم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضورسید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الحلال مااحل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ۔

حلال وہ ہے جوخدانے اپنی کتاب میں حلال کیااورحرام وہ ہے جوخدانے اپنی کتاب میں حرام فرمایااورجس سے سکوت کیاوہ اللہ کی طرف سے معاف ہے۔

اورابوداؤدشریف کی روایت میں یہی مضمون بتغیر الفاظ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہیں۔وما سکت عنہ فھو عفو۔ (مشکوۃ شریف ص۳۶۲)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں انھیں الفاظ حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں:

وچیزے کہ سکوت کردحق تعالیٰ یعنی بیان نہ کردکہ حلال ست یاحرام است پس آں چیزعفوست کہ درمی گذاردوی تعالیٰ ازاں ونمی گیردبندہ رابرآں ازینجا معلوم می شودکہ اصل دراشیاء اباحت است۔
(اشعۃ اللمعات کشوری جلد۳ص۵۰۹)

اورجس چیز میں حق تعالیٰ نے سکوت کیایعنی اس کاحلال یاحرام ہونابیان نہ کیاوہ چیز معاف ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگذرکرتاہے اوربندے کی گرفت نہیں کرتا۔

انہیں الفاظ حدیث سے معلوم ہوگیاکہ اصل سب چیزوں میں مباح ہوناہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ سہرے کی قرآن وحدیث میں نہ صراحۃ ممانعت واردہوئی نہ صاف الفاظ میں جواز مذکورہوا بلکہ اس کاجوازیاعدم جوازسکوت میں رہا۔تویہ سہرابھی اشیاء مسکوتہ میں داخل ہوا۔لہٰذا بمقتضائے حدیث سہراباندھنے پربندہ کی کوئی گرفت نہیں۔اس کامباح الاصل اورمعاف ہوناحضورسید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام سے ثابت ہوگیا۔مخالف کے دعوے میں اگرذرہ بھرصداقت توسہرے کی حرمت کسی صریح آیت وحدیث سے ثابت کرے۔

عبدالنبی، علی بخش، حسین بخش وغیرہ نام رکھنا ایسے اسماء بلاشبہ جائز ہیں حضورسید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کاہرسلمان عبدیعنی غلام ومملوک ہے۔

علامہ قسطلانی مواہب شریف میں حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاقول نقل فرماتے ہیں:

من لم یرو لا یۃ الرسول علیہ فی جمیع الاحوال ولم یری نفسہ فی ملکہ لم یذق حلاوۃ سنتہ۔ (مواہب شریف جلد۲ص۱۰۲)

جس نے اپنے اوپرتمام حالتوں میں حضورنبی کریم علیہ التسلیم کی ولایت اورملک کایقین نہیں رکھااوراپنے نفس کواپنی ملک میں جاناتواس لئے حضورکی سنت کی حلاوت کاذائقہ نہ چکھا۔

حضرت عارف باللہ مولاناجلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مثنوی شریف کے دفتراول میں فرماتے ہیں۔

بندۂ خودخواند احمددررشاد جملہ عالم رابخواں قل یاعباد

حضرت مولاناعبدالعلی محمدبحرالعلوم لکھنوی اس شعرکی شرح میں فرماتے ہیں:

رشادبفتح ابتداء وامراد ازرشاد قول اوصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبعض گویندکہ بمعنی ارشاد است ومخفف ارشادگفتن بعیدست وحاصل آنکہ آن سرورعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درہدایت گرفتن قوم از وی فرمودا ے بندہ ہائے من چنانکہ کریمہ قل یاعبادی بآں ناطق ست ومعنی آنست بگوای محمدصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ اے بندہ ہائے من واں بندہ خواند بجہت آنست کہ تمام عالم سغبہ ومطیع ومفاض ازآں

سرورست پس آں سرور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مالک تمام عالم اند پس مخاطبان را بندہ خود خواندن بمجاز ست وحاجت نیست بانکہ محمد رضا گفتہ برائے اظہار غلبہ آں سرور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر فرمود کہ بفرماید ای عبادمن۔ (شرح مثنوی بحر العلوم جلد اس ۲۴۴)

رشاد زبر کے ساتھ بمعنی ابتداء ہے اور رشاد سے مراد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ بمعنی ارشاد ہے اور ارشاد کا مخفف کہنا بعید ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قوم کو ہدایت کرتے وقت فرماتے کہ اے میرے بندو جیسا کہ آیۃ کریمہ قل یا عبادی اس کے ساتھ ناطق ہے اور معنی یہ ہیں کہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ فرمادیجئے کہ اے میرے بندو! اور یہ بندہ کہنا اس سبب سے ہے کہ سارا عالم حضور کا فریفتہ اور مطیع اور فیض پہنچایا ہوا ہے پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام عالم کے مالک ہیں تو مخاطبوں کو اپنا بندہ کہنا مجازا ہے اور اس کی حاجت نہیں ہے کہ جو محمد رضا نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اظہار غلبہ کے لئے حکم فرمایا کہ آپ فرمادیں اے میرے بندو۔

ان عبارات سے صاف بطور پر معلوم ہو گیا کہ ہم غلامان محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بمقتضائے غلامی حضور کو اپنا آقا و مولی اور والی و مالک اعتقاد کریں اور اپنے آپ کو ان کا پروردہ و مملوک اور غلام و بندہ جانیں۔ لہٰذا اگر اسی بنا پر کسی کا نام عبدالنبی و عبدالرسول یا غلام نبی و غلام رسول رکھا جائے تو سلف وخلف کی تصریحات کی رو سے جائز و درست ہے اور یہ نام کچھ چودھویں صدی کا ایجاد کردہ نہیں ہے بلکہ فقہ کی مشہور و معتبر کتاب درمختار کے مصنف کے استاد کا نام عبدالنبی ہے جو دسویں صدی کے جید عالم اور زبردست فقیہ ہیں:

درمختار ہی کہ خطبہ میں ہے:

فانی ارویه عن شیخنا الشیخ عبدالنبی۔

میں کتاب تنویر الابصار کی روایت اپنے استاذ شیخ عبدالنبی سے کرتا ہوں۔

لہٰذا اگر عبدالنبی نام رکھنا شرک و کفر ہوتا تو دسویں صدی میں یہ نام کیوں رکھا جاتا اور صاحب در مختار ایسے مشرک کو کیوں اپنا استاذ بناتے اور ان کا نام اپنی سند میں کیوں پیش کرتے۔

اسی طرح علی بخش و حسین بخش نام رکھنے بھی جائز ہیں۔ ان سے مراد ایک بزرگ کی طرف صرف نسبت مقصود ہوتی ہے یہ معنی کہ وہ ان بزرگوں کا بخشا ہوا اور دیا ہوا ہے اور اگر بزعم مخالف یہ معنی بھی مراد

ہوں تو جب بھی عقیدہ اہلسنت کی بنا پر صحیح ہے۔ خود قرآن کریم میں ہے حضرت جبریل امین علیہ الصـ والسلام حضرت مریم کے پاس آئے تو یہ کہا۔

انا رسول ربك لا هب لك غلما زكيا۔

میں تمہارے رب کا رسول ہوں اس لئے کہ میں تم کو ستھرا بیٹا دوں۔

دیکھو حضرت جبرئیل صریح لفظوں میں اپنے آپ کو بیٹا دینے اور بخشنے والا کہہ رہے ہیں تو حضر مسیح علیہ السلام رسول بخش ہوئے اور جب یہ شرک نہیں ہے تو محمد بخش، احمد بخش نبی بخش کس طرح شر ہو جائیں گے علاوہ بریں حضرت جبریل کو جب بیٹا دینے کی خداداد قدرت حاصل ہوئی تو انبیاء و مرسلین آقا ملائکہ مقربین کے مولیٰ محبوب کبریا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو کیا اتنی خداداد طاقت حاصل شرک ہو جائیگی۔ لہٰذا یہ تینوں اسماء محمد بخش، احمد بخش نبی بخش بدرجہ اولیٰ جائز ہونے چاہئیں۔

اب باقی رہے علی بخش، حسین بخش، سالار بخش، مدار بخش وغیرہ نام یہ بھی اسی طرح جائز ہو چاہئیں کہ یہ بزرگان دین بھی بقدرت الٰہی امور تکوینیہ میں تصرف کرتے ہیں حضرت شاہ عبدالعـ صاحب دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں۔

حضرت امیر و ذریت طاہرہ او را تمام امت برمثال پیراں و مرشداں می پرستند و امور تکوینـ بایشاں وابستہ میدانند و فاتحہ و درود و صدقات و نذر منت بنام ایشان رائج و معمول گردیدہ چنانکہ با اولیاء اللہ ہمیں معاملہ است (تحفہ مطبوعہ فخر المطابع ص ۲۲۸)

تمام امت حضرت مولیٰ علی اور ان کی اولاد کرام کو پیروں اور مرشدوں کی طرح مانتی ہے اور ا تکوینیہ کو ان کے ساتھ وابستہ جانتی ہے فاتحہ درود، صدقہ نذر منت ان کے نام کی معمول و رواج ہے تمام اولیاء اللہ کے ساتھ یہی معاملہ ہے۔

امور تکوینیہ (یعنی عالم کے سارے کاروبار) ہی میں سے اولاد کا ہونا نہ ہونا بھی ہے اور ا تکوینیہ کے ان سے وابستہ ہونے کا یہی تو مطلب ہے کہ ان میں اپنی خداداد قدرت سے تصرف کر ہیں لہٰذا بایں معنی علی بخش حسین بخش وغیرہ اسماء کفر و شرک کس طرح ہوئے مخالف اگر ہمت رکھتا اپنے دعوے کو صریح آیت و حدیث یا اقوال سلف وخلف سے ثابت کرے اور شاہ صاحب موصوف مشرک قرار دے اور خود اپنے آپ کو اس شرک کی دلدل سے بچائے۔

کسی کے نام کی منت ماننا

اولیاء کرام کے لئے جونذرومنت مانی جاتی ہے اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اس نذر کے خرچ کرنے کا محل ہیں اوران کے آستانوں کے خدام اس نذر کا مصرف ہیں یعنی وہ منت ونذر اولیاء کرام کے لئے بایں معنی ہے کہ اس کو ان کے خدام آستانہ پر تصدق کیا جائیگا اور وہ نذر حقیقۃ اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے لہٰذا ایسی نذرومنت شرعا درست وجائز ہے فقہائے کرام کتب فقہ میں اس کے جواز کی تصریح کرتے ہیں۔

علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں۔

ان قال بالله انی نذرت لك ان شفیت مریضی اورددت غائبی او قضیت حاجتی ان اطعم الفقراء الذین بباب السیدة نفیسة او الامام الشافعی اوالامام اللیث واشتری حصیر المساجد هم او زیتا لو قودها او دراهم لمن یقوم بشعائر ها الی غیر ذلك مما یکون فیه نفع الفقراء والنذر لله عز وجل وذکر الشیخ انما هو محل لصرف النذر لمستحقیه القاطنین برباطها او مسجده فیجوز بهذا الاعتبار (درالمختار جلد۲ص ۱۳۱)

اگر یہ کہا کہ یاالٰہی میں نے تیرے لئے نذر کی اگر تو میرے مریض کو تندرست کرے یا تو میری گمی ہوئی چیز کو واپس کرے یا تو میری حاجت کو پورا کرے تو میں ان فقراء کو کھانا کھلاؤ نگا جو سیدہ نفیسہ یا امام شافعی یا امام لیث کے آستانوں پر رہتے ہیں یا انھیں بزرگوں کی مسجدوں کے لئے بورے یا جلانے کے لئے تیل خریدوں یا ان کو روپے دونگا جو ان کی مساجد کی خدمت کرے یا اس کے سوا ان چیزوں میں سے ہو جن میں فقراء کا نفع ہو اور نذر اللہ عزوجل کے لئے ہے اور شیخ کا ذکر صرف اس لئے ہے کہ وہ مسجد اور خانقاہوں کے لئے مستحقین پر نذر کے خرچ کرنے کا محل ہیں تو اس اعتبار سے یہ نذر جائز ہے۔

اسی طرح بحرالرائق وطحطاوی وفتاوے عزیزیہ وغیرہ کتب معتبرہ میں ہے تو اس عبارت سے صاف طور سے ثابت ہوگیا کہ اولیاء کرام کی اس طور پر نذرومنت ماننا جائز ہے۔

خود مخالفین کے امام مولوی اسمٰعیل صراط مستقیم میں لکھتے ہیں۔

پس درخوبی این قدر امر از امور مرسومہ فاتحہ واعراس ونذر ونیاز اموات شک وشبہ نیست۔

(صراط مستقیم مجتبائی ص ۵۵)

پس اموات کے لئے امور مرسومہ فاتحہ اور عرس اور نذر ونیاز میں سے کسی امر کی خوبی میں کوئی

شک وشبہ ہی نہیں ہے۔

مخالف میں اگر کچھ جرأت ہے تو اسکی ممانعت کتاب وسنت واقوال فقہاء سے ثابت کرے

ان فقہائے کرام اور خود اپنے امام پر شرک وکفر کے فتوے جڑے۔

کسی بزرگ کا نام بطور وظیفہ جپنا:

اس کا ثبوت خود حدیث شریف میں موجود ہے۔ترمذی شریف میں حضرت ابی بن کعب
تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

قال یا رسول الله اکثر الصلوة علیك فکم اجعل لك من صلاتی فقال م
قلت الربع قال ما شئت فان زدت فهو خیر لك قلت النصف قال ما شئت فان زد
خیر لك قلت فالثلثین قال ما شئت فان زدت فو خیر لك قلت اجعل لك صلاتی ک
اذا یکفی همك ویکفر لك ذنبك ۔ (مشکوۃ شرف ص۸۶ وشرح شفا)

حضرت ابی بن کعب نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں آپ پر بکثر
پڑھتا ہوں تو میں اپنے اوقات نوافل ودعا سے کتنا وقت درود کے لئے مقرر کروں حضور نے فرمایا
تو چاہے میں نے عرض کی چوتھائی وقت آپ نے فرمایا اس سے زائد کرے تو تیرے لئے بہتر ہو
عرض کیا تہائی وقت؟ فرمایا: تو جس قدر چاہے اور اگر اس پر زیادہ کرے تو تیرے لئے اور بہتر
نے عرض کیا: نصف وقت؟ فرمایا: تو جس قدر چاہے اور اس پر زائد کرے تو تیرے لئے اور بہتر
نے عرض کی دو تہائی وقت؟ فرمایا تو جس قدر چاہے اور اگر اس پر زیادہ کرے تو تیرے لئے او
میں نے عرض کی دو تہائی وقت؟ فرمایا تو جس قدر چاہے اور اگر اس پر زائد کرے تو تیرے
بہتر ہو۔ میں نے عرض کی تو میں اپنے سارے اوقات دعا آپ کے ذکر درود کے لئے مقرر کرلو
تو اس وقت تیرے دین ودنیا کے غموں کو کفایت کریگا اور تیرے گناہوں کے لئے کفارہ ہوجائیگا۔

اور ایسی بکثرت احادیث موجود ہیں۔

بالجملہ یہ واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ سوا خدا کے کسی کا نام بطور وظیفہ جپنا اگر نا جائز اور شر
حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہرگز اپنے نام کا بطور وظیفہ جپنے کی اجازت نہ دیتے اور ح
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بار بار زیادتی کی طرف راغب نہ کرتے مخالف اگر اپنے دعوی میں سچا ہے تو
حدیث سے اس کا شرک ہونا ثابت کرے اور خاک بدہن ناپاک صحابہ کرام بلکہ حضور سید عا

تعالیٰ علیہ وسلم پر حکم لگائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ

زید کہتا ہے کہ قیام بروقت ذکر ولادت باسعادت نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم بدعت ہے اور ناجائز ہے۔ دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ اس وقت محفل میں حضور تشریف لاتے ہیں یا تعظیم ذکر ولادت مراد ہے؟۔ بصورت اول ثبوت طلب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر آپ یہ کہیں کہ حضور ہر جگہ حاضر وناظر ہیں۔ تشریف تو وہ لائے جو موجود نہ ہو۔ تو سوال یہ ہے کہ تمام ذکر ہی بصورت قیام کیوں نہ کیا جائے۔ کیونکہ تعظیم ذات افضل ہے تعظیم ذکر سے۔ بصورت ثانی کل ذکر ہی بصورت قیام کیوں نہیں کیا جاتا خاص اس وقت جب کہ فظہر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا اسی کے مرادف الفاظ بیان کئے جائیں قیام کیا ضروری۔ دیگر یہ کہ ذکر اللہ تعالیٰ افضل ہے یا ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یہ امر مسلم ہے کہ ذکر اللہ تعالیٰ افضل ہے۔ لیکن بروقت بسم اللہ خوانی وذکر محبوب الٰہی قیام اتنا ضروری نہیں سمجھتے۔ نہ قیام کرتے ہیں۔ لیکن بروقت ذکر ولادت باسعادت قیام ضرور کیا جاتا ہے۔

المستفتی، نیازمند اختر الزمان خاں شیروانی سنی حنفی چشتی از داوؤں ضلع علی گڑھ۔

الجواب

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم

ذکر ولادت باسعادت پر قیام بغرض تعظیم کرنا مستحسن ومستحب ہے اس کو ممنوع وحرام ٹھہرانا بلکہ شرک قرار دینا گویا قرآن واحادیث پر افتراء کرنا، قواعد شرع کی مخالفت کرنا تصریحات اکابر علماء کرام سے انکار کرنا ہے بلکہ بلاد اسلامیہ کے صدہا سال کے معمول کو بدعت وضلالت کہنا، اور ہزارہا علماء واولیاء عظام کو گمراہ اور بدمذہب ومشرک بتانا ہے اور سارے عالم اسلام عوام وخواص کو بدعتی وبددین بنانا ہے۔ مخالف ایسا دلیر ہے کہ ایک مباح الاصل کو بلا دلیل حرام وشرک ٹھہراتا ہے اور پھر اس پر مزید یہ جرأت کہ دلیل کا مطالبہ قائلین اباحت اصلیہ سے کرتا ہے باوجودیکہ خود وہ قیام کی حرمت کا مدعی ہے۔ دلیل کا پیش کرنا مخالف کے ذمہ ہے۔

اقامۃ القیامہ میں حضرت عارف باللہ سید عبدالغنی نابلسی کا قول مرشد شریعت وطریقت سیدنا اعلیٰ

حضرت قدس سرہ نقل فرماتے ہیں۔

ليس الاحتياط فی الافتراء علی اللہ تعالیٰ باثبات الحرمة والكراهة الذين لا بد ل
من دليل بل فی الاباحة التی هی الاصل ۔ (اقامۃ القیامہ ص ۲۶)

ترجمہ: یہ کچھ احتیاط نہیں ہے کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر خدا پر افتراء کردو کہ حرمت وکرا کیلئے تو دلیل درکار ہے بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اباحت مانی جائے کہ اصل وہی ہے۔

یہ مضمون بکثرت اکابر ائمہ سلف وخلف کی تصریحات سے ثابت ہے اس سے معلوم ہو گ مجوزین قیام میلاد شریف کو کسی دلیل کے پیش کرنے کی حاجت نہیں کہ یہ مستدلین اباحت اصلیہ دلیل منکرین قیام کو پیش کرنی چاہئے کہ وہ قیام کی حرمت بلکہ شرک تک کے قائل ہیں۔

لہٰذا اگر مخالفین میں حیاء وشرم ہے تو تمام مجتمع ہو کر کوئی صریح آیت وحدیث یا متقدمین ومتا میں سے کسی کی صاف تصریح سے قیام میلاد شریف کا حرام وشرک ہونا ثابت کریں مگر انشاء اللہ قیامت تک ہمیشہ ہمیشہ عاجز وقاصر رہیں گے ممانعت پر کسی دلیل کا نہ ہونا ہی اس کے جواز کی کافی ہے مجوزین قیام کو اگرچہ کسی دلیل کے پیش کرنے کی حاجت نہیں مگر مخالفین کی دہن دوزی اور موافقین اطمینان خاطر کے لئے چند دلائل نقل کئے جاتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

آیت تعزروہ وتوقروہ (سورۂ فتح)

اے لوگو تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرو۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف میں ان کلمات کی تفسیر نقل فرماتے ہیں۔

يبالغون فی تعظيمه ويوقروه ای عظموه ۔ (شفا مصری جلد ا ص

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم میں خوب مبالغہ کریں اور ان کی توقیر کریں۔

اس آیت کریمہ اور اس کی تفسیر سے ظاہر ہو گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتو خوب مبالغہ کیا جائے اور طرق تعظیم سے کسی خاص طریقے کے لئے علیحدہ ثبوت درکار نہیں بلک طریقہ سے ان کی تعظیم کی جائے وہ اسی آیۃ کریمہ کے تحت میں داخل ہے البتہ اگر کسی خاص طریقہ تع ممانعت شریعت سے بالتخصیص ثابت ہو تو وہ بیشک ناجائز ہوگا جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجد

قیام بھی طرق تعظیم سے ایک طریقہ ہے فقہاء کرام قیام تعظیمی کو یہاں تک جائز رکھتے ہیں کی مشہور کتاب طحطاوی میں ہے۔

قیام قاری القرآن للقادۃ تعظیما لا یکرہ اذا کان من یستحق التعظیم ۔

(طحطاوی ص۱۸۶)

آنے والے کے لئے قاری قرآن کا تعظیمی قیام کرنا مکروہ نہیں جب وہ آنے والا ان لوگوں میں ہو جو تعظیم کے مستحق ہیں۔

خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو قیام تعظیمی کی تعلیم دی بخاری شریف ومسلم شریف کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو قریضہ کے معاملہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا وہ تشریف لا رہے تھے۔

حدیث فلما دنا من المسجد قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم للانصار قوموا الی سیدکم ۔ (مشکوۃ شریف ص۴۰۳)

جب حضرت سعد مسجد شریف سے قریب ہوئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا اپنے سردار کے لئے قیام کرو۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے قیام فرماتے تھے۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

حدیث: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یجلس معنا فی المسجد یحدثنا فاذا قام قمنا قیاما حتی نراہ قد دخل بعض بیوت ازواجہ ۔ (مشکوۃ شریف ص۴۰۳)

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد شریف میں ہمارے ساتھ جلوس فرماتے اور گفتگو کرتے اور جب حضور کھڑے ہو جاتے تو ہم بھی کھڑے ہو جایا کرتے اور ہم یہاں تک کھڑے رہتے کہ حضور کو ازواج مطہرات سے کسی کے گھر میں داخل ہوتا ہوا دیکھ لیتے۔

بلکہ خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے قیام فرماتے تھے چنانچہ ابوداؤد شریف میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔

حدیث: کانت اذا دخلت علیہ قام الیہا فاخذ بیدہا فاقبلہا واجلسہا فی مجلسہ وکان اذا دخل علیہا قامت الیہ فاخذت بیدیہ فقبلتہ واجلستہ فی مجلسہا۔

(از مشکوۃ شریف ص۴۰۲)

حضرت فاطمہ جب حضور کے پاس حاضر ہوتیں تو حضور ان کے لئے قیام فرماتے اور ان دست بوسی کرتے اور ان کو اپنی جگہ بٹھاتے اور حضور جب ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ حضور لئے قیام فرماتیں اور حضور کی دست بوسی کرتیں اور حضور کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔

ان احادیث سے یہ امر نہایت واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ مستحقین تعظیم کے لئے قیام کرنا جائز بلکہ صحابہ ہے بلکہ خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قولی وفعلی سنت ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کی تعظیم وتوقیر کے لئے صحابہ کرام نے قیام فرمایا تو قیام منجملہ طرق تعظیم کے کی تعظیم وتوقیر کا ایک بہتر طریقہ ہوا۔ لہذا قیام اس آیۃ کریمہ کے عموم کے تحت میں داخل ہو گیا۔

اب باقی رہا قیام بر وقت ذکر ولادت شریف کا حکم لہٰذا یہ قیام تعظیم ذکر ولادت کے جاتا ہے اور بتصریحات ائمہ کرام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر پاک کی تعظیم مثل ذات اقد تعظیم وتوقیر کے ہے اور طریق تعظیم وتوقیر ذات پاک سے ایک بہتر طریقہ قیام بھی ہے جس کا ثبوت آیۃ کریمہ تعزروہ وتوقروہ اور احادیث منقولہ سے نہایت صاف طور پر ظاہر ہو چکا ہے۔ لہٰ ولادت باسعادت پر قیام کرنا بھی اسی آیۃ کریمہ واحادیث سے مستفاد ہوا۔

اب باقی رہا سائل کا یہ سوال کہ کل ذکر ہی بصورت قیام کیوں نہیں کیا جاتا خاص ذکر و پر کیوں قیام کیا جاتا ہے۔ تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ قیام وقت قدوم کیا جاتا ہے جیسا ابھی اح میں مذکور ہوا اور ذکر ولادت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عام دنیا میں تشریف آوری کا ذکر ہے کا ذکر ولادت پر کیا جانا زیادہ مناسب ہوا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ علمائے کرام واولیائے عظام ک ذکر ولادت پر قیام کرنا صدیوں سے معمول ہے لہٰذا یہی مستحب ومستحسن قرار پایا۔ حدیث شریف کافی دلیل ہے۔

حدیث ما رأہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن (از حاشیہ مشکوۃ شریف ص

مسلمان جس چیز کو اچھا جانیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کسی سرور دینی پر قیام کرنا صحابہ کرام کی سنت ہے جیسا کہ امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مسئلہ سننے کے لئے قیام فرمایا

حدیث قلت توفی اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبل ان نسئلہ عن نج

الامر قال ابو بکر قد سئلتہ عن ذالک فقمت الیہ۔ (مشکوۃ شریف ص۱۶)

حضرت عثمان غنی فرماتے ہیں میں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وفات دی اور ہم اس امر کی نجات آپ سے دریافت نہ کر سکے حضرت صدیق اکبر نے فرمایا میں نے حضور سے دریافت کرلیا ہے اس کے سننے کے شوق میں حضرت عثمان غنی فرماتے ہیں میں کھڑا ہو گیا۔

جب کسی محبوب ذکر اور دینی سرور کے لئے اجل صحابہ کرام سے قیام ثابت ہوا تو مسلمان کے لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے ذکر سے زیادہ اور کیا مسرت وفرحت کا ذکر ہو سکتا ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہی تمام دینی سرور اور رحمت الٰہی کے حصول کا باعث وسبب ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا ذکر ولادت قیام کے ساتھ فرمایا تو ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا حضور کی اتباع ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

حدیث: انہ جاء الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فکانہ سمع شیئا فقام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی المنبر فقال من انا فقالوا انت رسول اللہ قال انا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ان اللہ خلق الخلق فجعلنی فی خیرھم ثم جعلھم فرقتین فجعلنی فی خیرھم فرقۃ ثم جعلھم قبائل فجعلنی فی خیرھم قبیلۃ ثم جعلھم بیو تا فجعلنی فی خیرھم بیتا فانا خیرھم نفسا وخیرھم بیتا۔ (مشکوۃ شریف ص۵۱۳)

حضرت عباس حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں غضبناک ہو کر حاضر ہوئے کہ وہ حضور کے حسب ونسب میں کچھ طعن سن چکے تھے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: میں کون ہوں؟ صحابہ نے عرض کی: آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا: میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھکو ان کے بہتر فرقے میں کیا۔ پھر ان سے قبیلے بنائے تو مجھ کو ان کے بہتر قبیلے میں پیدا کیا۔ پھر ان میں خاندان کئے اور مجھ کو ان کے بہتر خاندان میں پیدا کیا۔ تو میں ان کے بہتر نفوس اور بہتر خاندان سے ہوں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خاص ذکر ولادت شریف کے وقت ہم ان وجوہ کی بنا پر قیام کرتے ہیں تا

کہ ہم حضور سید الانبیاء محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس عالم میں قدوم میمنت لزوم کے ذکر پاک پر بکمال احترام قیام کر کے تعزروہ وتوقروہ کی تعمیل حکم کریں۔ اور خود آقا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ولادت مبارکہ کا بیان قیام کر کے فرمایا ہے تو ہم بھی اسی کے ساتھ ذکر کریں اور اظہار سرور کیلئے قیام کرنا سنت صحابہ ہے تو ہم بھی اظہار سرور ذکر ولادت پر ان کا اتباع قیام میں کریں اور ہزار بلاد اسلامیہ کے خواص وعوام اور کئی صدی کے علماء کرام واولیاء عظام کے معمول اور طریق حسن کی پیروی کریں یہ امور قیام کے خصوص وقت کے موئد ہیں اور اسی بنا پر کل ذکر کو بصورت قیام نہیں کیا جاتا۔

اب باقی رہا زید کا یہ قول کہ ذکر اللہ تعالیٰ افضل ہے یا ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور امر مسلم ہے کہ ذکر اللہ تعالیٰ افضل ہے اس قول سے معلوم ہوا کہ زید ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے عقیدے میں ذکر اللہ تعالیٰ سے جدا جانتا ہے۔ ذکر رسول اللہ کو ذکر اللہ کا مقابل سمجھتا ہے اسی بنا پر ان میں افضل ومفضول کا تفرقہ کرتا ہے باوجودیکہ ذکر رسول ذکر اللہ سے جدا نہیں۔ یہ کور باطن ذرا گو ہوش کھول کر سنے اللہ تعالیٰ قرآن میں اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفعت کا ذکر بیان فرماتا ہے

آیت ورفعنالک ذکرک (پارہ عم)

اور ہم نے تمہارے ذکر کو بلند کردیا۔

علامہ علی قاری شرح شفا شریف میں اس آیۃ کریمہ کی مراد بیان فرماتے ہیں۔

المراد برفع ذکرہ انہ جعل ذکرہ کماجعل طاعتہ طاعتہ۔

(شرح شفا مصری جلد ا ص۴۴)

حضور کے ذکر کو بلند کرنے کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کے ذکر کو اپنا ذکر بنالیا جیسے ح کی اطاعت کو اپنی اطاعت بنالیا۔

ابن حبان ومسند ابویعلی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال اتانی جبریل علیہ الصلاۃ والسلام فقال ربی وربک یقول تدری کیف رفعت ذکرک قلت اللہ اعلم قال اذا ذکرت ذکرت۔

(از شرح شفا وشفا مصری جلد ا ص۴۶)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس جبریل امین آئے اور انہوں نے ک بیشک میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کی آپ نے جانا کہ میں نے آپ کا ذکر کیسے بلند کیا ہے میں نے ک

زیادہ جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب میرا ذکر کیا جائیگا تو میرے ساتھ تمہارا ذکر کیا جائیگا حضرت قاضی عیاض نے شفا شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عطا کا قول نقل فرمایا۔

جعلتك ذكرا من ذكري فمن ذكرت ذكر ني ۔

(از شرح شفا مصری جلد ا ص ۴۶)

میں نے تمہیں اپنے اذکار سے ایک ذکر بنادیا ہے جس نے آپ کا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔

ان تصریحات سے روز روشن کی طرح ظاہر ہوگیا کہ ذکر رسول اللہ ذکر اللہ سے جدا نہیں ذکر رسول کی تعظیم ذکر اللہ کی تعظیم ہے لہٰذا جس جگہ ذکر رسول کے لئے قیام کیا گویا ذکر اللہ کے لئے قیام کیا اور ذکر ولادت پر جو قیام کیا جاتا ہے یہی ذکر اللہ کا قیام ہوا کہ ذکر رسول ذکر اللہ سے جدا نہیں ابھی صریح آیۃ وحدیث میں یہ مضمون گذرا وہابی ان دونوں ذکروں کو مقابل بنا کر عوام کو فریب دیتا ہے۔

اب باقی رہی زید کی پہلی شق کہ قیام بروقت ذکر ولادت اس لئے ہے کہ اس وقت محفل میں حضور تشریف لاتے ہیں یہ زید کا اہل سنت پر افترا و بہتان ہے عام لوگ بھی اس خیال سے قیام نہیں کرتے بلکہ قیام ذکر پاک کے لئے کیا جاتا ہے جس کا بیان مفصل مذکور ہوا اس مختصر تحقیق سے قیام میلاد کا استحباب واستحسان آفتاب سے زیادہ روشن طور پر ظاہر ہوگیا اور سائل کی ہر ہر شق کا کافی جواب ہوگیا منصف کیلئے یہی مختصر جواب بہت کافی ہے۔

ایک ضروری بات یہاں اور قابل لحاظ ہے کہ وہابیہ اول تو مجالس میلاد میں شرکت نہیں کرتے اور اگر کسی مجبوری سے شریک محفل ہو گئے ہیں تو کمزور عقیدہ کا وہابی جبراً قہراً قیام کرتا ہے اور جو وہابی سیاہ قلب اور سخت بے حیا ہوتا ہے وہ آداب مجلس کے خلاف بیٹھا رہتا ہے اور اپنے اس شرمناک فعل کو کتاب وسنت کا اتباع ظاہر کرتا ہے۔

لہٰذا میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ وہابی کا یہ ناپاک فعل یعنی بروقت قیام اہل مجلس کی مخالفت کرنا اور ذاکر کے امر بالقیام پر اپنا تیور اور سرکشی دکھانا اور مجلس ہی میں بیٹھا رہنا کتاب اللہ کی مخالفت ہے۔

آیت یا ایها الذین امنو اذا قیل لکم تفسحوا فی المجلس فافسحوا یفسح الله لکم واذا قیل انشزوا فانشزوا۔ (سورہ مجادلہ ۲)

اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو اللہ تمہیں جگہ دیگا اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو۔

امام بغوی تفسیر معالم التنزیل میں اور علامہ محی السنۃ علاء الدین علی تفسیر خازن میں اس آیۃ کریم
کے تحت میں فرماتے ہیں

قال مجاهد واكثر المفسرين معناه اذا قيل لكم انهضوا الى الصلوة والى الجهاد والى مجالس كل خير وحق فقوموا ولا تقصروا عنه ۔ (از خازن ص ۴۳)

حضرت مجاہد اور اکثر مفسرین نے فرمایا کہ آیت کہ معنی یہ ہیں کہ جب تم سے نماز یا جہاد یا ہر خیر وحق کی مجلسوں کے لئے کھڑے ہونے کو کہا جائے تو ان کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اس میں قصور نہ کرو۔

آیت کریمہ اور تفسیر سے صاف معلوم ہوگیا کہ مجالس خیر کے لئے اور ہر خیر کے لئے کھڑا ہونا بامر الٰہی مطلوب ہے اور ان کے لئے کھڑے ہونے سے قاصر رہنا ممنوع ہے لہٰذا یہ ظاہر بات ہے کہ محفل میلا شریف مجلس خیر ہے اور قیام میلاد تعظیم ذکر ہے۔ اور تعظیم ذکر یقیناً فعل خیر ہے تو قیام میلاد شریف کے لئے کھڑا ہونا اس آیۃ کریمہ سے ثابت اور ادب مجلس کے حکم میں داخل اور اس کو فانشزوا کا امر شامل ہے اور ذاکر کے اس امر "اٹھو وقت تعظیم احمدیہ" کے باوجود کھڑا نہ ہونا اس آیت کی مخالفت اور فعل خیر یعنی تعظیم ذکر سے انکار اور ادب مجلس خیر سے اعراض اور حاضرین مجلس اہل اسلام کی دل آزاری، اور امر خیر سے ر گردانی کی بین دلیل ہے مولیٰ تعالیٰ ان مخالفین تعظیم ذکر اور منکران حکم قرآنی اور متبعین طرق شیطانی ک ہدایت کی توفیق دے۔ واللہ تعالیٰ علم بالصواب

کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ عشرہ محرم میں مجلس شہادت منعقد کرنا۔ سبیلیں
کرنا۔ نذر نیاز کرنا کیسا ہے؟

الجواب

مجلس شہادت

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

اہل سنت کے نزدیک مجلس شہادت کا منعقد کرنا جس میں حضرت سیدنا امام حسین واہل بی

کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر شریف بروایت صحیحہ معتبرہ اور ذکر شہادت جبکہ روایات موضوعہ وکلمات ممنوعہ ونیت نامشروعہ سے خالی ہو اور اس میں نوحہ ماتم وغیرہ ممنوعات شرعیہ نہ ہوں تو ایسی مجلس فی نفسہ حسن ومحمود اور عین سعادت ہے خواہ اس میں نثر پڑھیں یا نظم ۔ اگرچہ دو مسدس کی صورت میں ہو جس کو عرف عام میں مرثیہ کہتے ہیں۔

حدیث عند ذکر الصالحین تنز الرحمۃ ۔ (موضوعات کبیر مجتبائی ص ۴۹)

صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو امام الصالحین ہیں ان کے ذکر پاک سے تو کثیر رحمتیں نازل ہونگی۔ خود قرآن کریم میں صالحین کا بکثرت ذکر ہے۔ دشمنان حق کے ساتھ ان کے مقابلوں اور جنگوں کا بیان ہے۔ ان کی حمایت اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جان دینے کے چند جگہ تذکرے ہیں۔ تو ذکر صالحین کو ناجائز و بدعت کہنا کیسی جرأت اور دلیری ہے۔ کیا وہابی اسے بدعت کہتے ہیں جو قرآن وحدیث میں ہو۔

ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ مجلس ذکر شہادت کے متعلق صواعق محرقہ میں تحریر فرماتے ہیں:

وما ذكر من حرمته رواية قتل الحسين وما بعدها لا ينافي ما ذكر ته في هذا الكتاب لان هذا لبيان الحق الذي يجب اعتقاده من جلالة الصحابة برأتهم من كل نقص بخلاف ما يفعله الوعاظ الجهلة فانهم يا تون بالاخبار الكاذبة المو ضوعة ونحوها لا ينبون المحامل والحق الذي يجب اعتقا ده فيوقعون العامة في بغض الصحابة وتنقيصهم بخلاف ما ذكر نا ه فانه لغاية اجلالهم تنزيههم ۔ (از صواعق ص ۱۳۳،۱۳۴)

اور جو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اور اس کے بعد کے واقعات کے بیان کی روایات کا حرام ہونا مذکور ہوا تو یہ ان روایات کے جن کو میں نے اس کتاب صواعق محرقہ میں ذکر کیا ہے منافی نہیں ہے اس سے کہ یہ وہ حق بیان ہے جس کا اعتقاد جلالت صحابہ اور ان کے ہر نقص سے بری کرنے کے لئے واجب ہے بخلاف اس ذکر شہادت کے جس کو جاہل واعظین بیان کرتے ہیں۔ تو وہ روایت کاذبہ موضوعہ اور ایسی بے سروپا باتیں ذکر کر جاتے ہیں جن کا صحیح محمل اور وہ حق جس کا اعتقاد واجب ہے بیان نہیں کرتے تو وہ عوام کے قلوب میں صحابہ کا بغض اور ان کی تنقیص پیدا کرتے ہیں بخلاف اس ذکر شہادت کے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے کہ یہ صحابہ کی انتہائی تعظیم اور ان کی عنایت تنزیہ وبرأت کے لئے ہے

سبیلیں

سبیل لگانے سے مقصود پانی پلانا ہے اور پانی کا پلانا کار ثواب اور بہترین صدقہ ہے۔

ابوداؤد ونسائی شریف میں حضرت سعد بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

حدیث: قال یا رسول اللہ ان ام سعد ماتت فای صدقۃافضل قال الماء فحفر
وقال ھذہ لام سعد ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۹)

حضرت سعد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ سعد کی والدہ کا انتقال ہوگیا تو کونسا صدقہ افضل
حضور نے فرمایا پانی تو حضرت سعد نے کنواں بنوادیا اور کہا یہ سعد کی والدہ کے لئے ہے۔
اس حدیث شریف سے چند باتیں معلوم ہوئیں (۱) پانی افضل صدقہ ہے (۲) اموات کے لئے پانی
ایصال ثواب کرنا جائز ہے (۳) میت کو صدقے کا ثواب پہنچتا ہے (۴) پانی سے ایصال ثواب سنت
(۵) ایصال ثواب کے لئے جو چیز ہو اس کو میت کی طرف منسوب کرنا بھی جائز ہے جیسا ''ام س
کنواں''۔

لہٰذا اس حدیث سے نہایت صاف طور پر ثابت ہوگیا کہ حضرت امامین جلیلین اور ان کے ہمراہ
کے ایصال ثواب کے لئے پانی پلانا سبیلیں کرنا نہ فقط جائز بلکہ حدیث سے ثابت ہوئیں۔ اور یہ کہنا
اسی حدیث سے بصراحت ثابت ہوگیا کہ امام حسین کی سبیل شہدائے کربلا کا شربت، اہل بیت کی نیاز
جس طرح کنوئیں سے پانی مقصود ہے اسی طرح سبیل میں بھی پانی کا انتظام کیا جاتا ہے۔

نذر و نیاز

عشرہ محرم خیرات وحسنات کا خاص زمانہ ہے۔ اہل اسلام حسب مقدور اس ایام متبرکہ
صدقات وخیرات مختلف چیزوں سے کرتے ہیں کوئی روٹی تقسیم کرتا ہے کوئی شیرینی یا نمکین چاول پ
کھلاتا ہے کوئی کھچڑا بانٹتا ہے غرض محبان اہل بیت حضرت امام عالی مقام اور انکے ہمراہیوں کے
ایصال ثواب کرتے ہیں ان کے مخلصانہ ایثار وقربانی کو یاد کرکے اپنی جذبات ایمان کی بنا پر یہ ہدیہ
کرتے ہیں ان کی جانبازی اور حمایت کا خیال کرکے نہایت اخلاص وعقیدت کے ساتھ یہ نذر و نیاز کر
ہیں ان کے مظالم ومصائب کا تصور کرکے اپنی نیازمندی ومحبت سے ان کی فاتحہ دلاتے ہیں لہٰذا ایسی
ونیاز جائز وباعث ثواب ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنے فتاوے عزیزیہ صفح

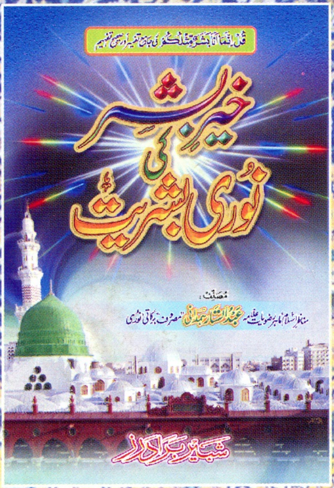
میں فرماتے ہیں۔

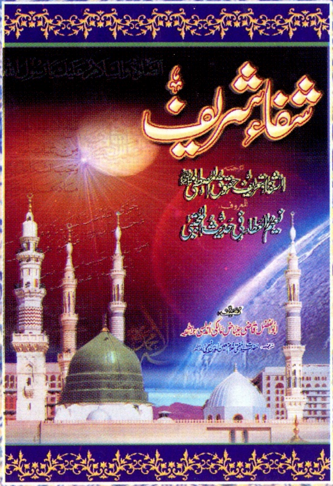
طعامیکہ ثوب آں نیاز حضرات امامین نمایند براں فاتحہ وقل و درود خواندن تبرک میشود خوردل بسیار خوب ست۔

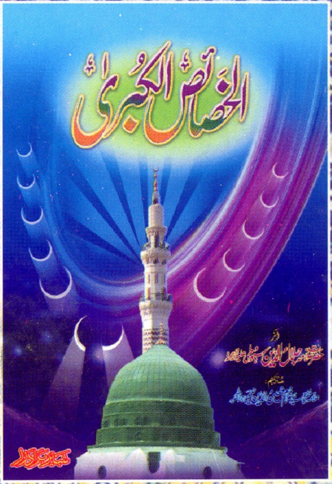
نیاز امامین کا کھانا جس پر فاتحہ وقل اور درود پڑھتے ہیں تبرک ہو جاتا ہے اس کا کھانا بہت خوب ہے۔

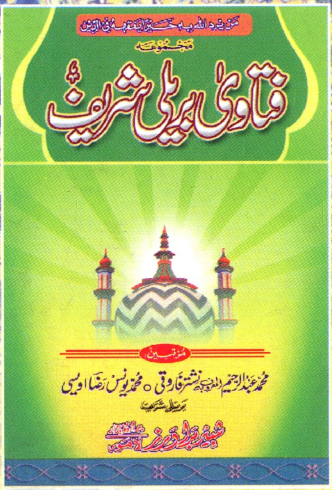
یہ مختصر جوابت تحریر کئے گئے مفصل جوابات اسی فتاوی میں دوسرے مقام پر ملاحظہ فرمائیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

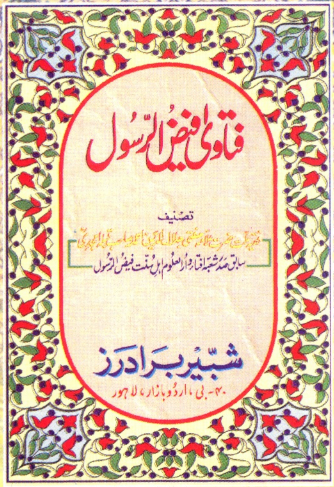
کتبہ : المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل

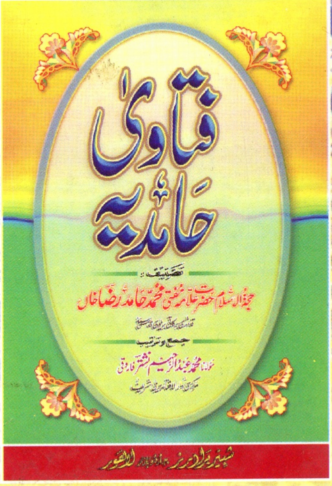

خیر بشر
کی
نوری بشریت
شبیر برادرز


شفاء شریف

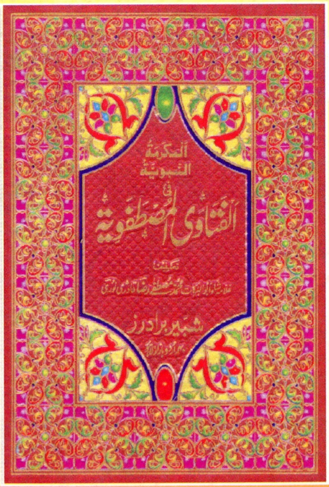

الخصائص الکبریٰ

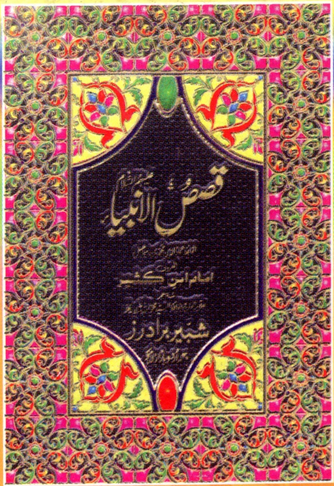

فتاویٰ بریلی شریف


فتاوی فیض الرسول
شبیر برادرز


فتاوی
حامدیہ


جامع الاحادیث
شبیر برادرز


الفتاوی المصطفویۃ
شبیر برادرز


قصص الانبیاء
شبیر برادرز